دلچسپ اور سنسنی خیز کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ

جاسوسی ڈائجسٹ

کراچی

مئی تا جولائی 2020ء

بانی

معراج رسول

Pakistanipoint
Learning Point

07
چینی نکتہ چینی
مدیر اعلیٰ

قارئین کی کرم فرمائیاں اور کج ادائیاں
نامہ و پیام، محبتیں، عنایتیں اور شکایتیں

14
جڑ کی تلاش
امجد رئیس

باپ اور بیٹی کے کندھوں پر بوجھ بڑھاتا
محبت کا قرض ..... اولین صفحات کی سوغات

67
بُری عادت
تنویر ریاض

جانے انجانے لوگوں کے ساتھ
زیادتی کرنے والے کا انجام

78
بے نشاں
مظہر سلیم ہاشمی

تحیر و دہشت کی باریکیوں کا
احاطہ کرتی سنسنی خیز تحریر

87
انوکھی محبت
جمال دستی

مجبور و بے بس کر دینے والی
محبت کے پیچیدہ راستے

96
اناگیر
امجد جاوید

صحرا کے سرابوں سے ایک دیدہ
ور دل فگار نوجوان کی ہنگامہ خیزیاں

131
درحقیقت
کبیر عباسی

ایک جلد باز ..... نامردم
شناس کا دردناک احوال

141
ریگ ماہی
عمران قریشی

رگ و پے میں اتر جانے
والے زہر کی آتش فشانی

مدیر اعلیٰ
عذرا رسول

مدیر: لبنیٰ خیال
نائب مدیر: ذاکر نعیم اختر

منیجر اشتہارات
محمد شہزاد خان
0333-2256789

سرکولیشن منیجر
سید منیر حسین
0333-3285269

جلد 50 • شمارہ 5 تا 7 • مئی تا جولائی 2020 • زرِ سالانہ 1200 روپے • قیمت فی پرچا پاکستان 100 روپے •
خطوکتابت کا پتا: پوسٹ بکس نمبر 229 کراچی 74200 • فون: 35895313 (021) E-mail:jdpgroup@hotmail.com

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

159
خوشی کی جستجو
منظر امام
شگفتگی کے پیراہن میں لپٹی
ایک دلچسپ واردات کی کہانی

166
الاؤ
ڈاکٹر عبدالرب بھٹی
انسان نما درندوں کی داستان وہ جیتے جاگتے
ہم نفسوں کو بھی بازار کی جنس بنا دیتے ہیں

195
مسلسل جبر
اعتزاز سلیم وصلی
ظلم اور ظالموں کی سلگتی جنگ میں
جلنے اور زندہ رہنے والوں کا پُردرد ماجرا

205
بے قصور
عکسِ فاطمہ
ہم مزاج و ہم نشینوں کے تعلقات
جو اچانک ہی خطرات کی زد میں آ گئے

215
زہر کی بوتل
سیرینا راض
مہکتی فضاؤں کو زہر سے آلودہ
کرنے والے مجرم کی کارروائیاں

226
اندھا انتقام
احمد بلال امجد
دہشت و خوف اور موت و زندگی کی بولناک
گھاٹیوں میں گھومتی پُرانتقام داستان

257
سفاک قاتل
فہمی فردوس
انتقام کی آگ میں جلتی بجھتی
کہانی کے دردناک نشیب و فراز

**
تراش خراش
ادارہ و قارئین
اقتباسات، گدگدیاں، مسکراہٹیں اور قہقہے
سب کچھ آپ کی تفریح طبع اور توجہ کے لیے

پبلشر و پروپرائٹر: عذرا رسول ● مقامِ اشاعت: C-63 فیز II ایکس ٹینشن، ڈیفنس کمرشل ایریا، مین کورنگی روڈ، کراچی
پرنٹر: جمیل حسن ● مطبوعہ: ابنِ حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم

Zafar Azeem
www.pakistanipoint.com

عدیل الطاف
چینی گفتنی

عزیزانِ من..... السلامُ علیکم!

اپریل بہاروں کا مہینہ ہوتا ہے لیکن اس بار قاتل وائرس کی یلغار نے اس بہار کو گہنا دیا۔ کئی مہینے گزر گئے۔ مئی تمام ہوا اور اب جون آ گیا۔ حالات اب بھی غیر یقینی ہیں۔ کبھی نرمی کی خبر آتی ہے اور کبھی سخت لاک ڈاؤن سے کرفیو تک کی بات ہوتی ہے..... غیر یقینی کے اس ماحول میں یہ مشترکہ شمارہ پیشِ خدمت ہے۔ گھر کے حصار میں مطالعہ بہترین ساتھی ثابت ہوتا ہے۔ دنیا میں ایک ہیجان برپا ہے۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک روزانہ انسان مر رہے ہیں۔ کچھ حلقوں میں یہ بحث جاری ہے کہ موجودہ وائرس انسانی ساختہ ہے اور حریفوں کو شکست دینے کے لیے دانستہ پھیلایا گیا ہے یا یہ نسلِ انسانی پر ایک قدرتی آفت ہے۔ یہ وقت ان تمام باتوں کا نہیں، اس بڑھتے ہوئے خطرے کا انسداد کرنے کا ہے۔ چین میں اس وائرس کی ہلاکت خیزی ہولناک اور روح فرسا تھی اور اب امریکا اور یورپ ہلاکتوں میں چین سے آگے نکل گئے ہیں۔ ہر انسان دوسرے انسان سے خوف زدہ ہے۔ آج چین ایک قابلِ تقلید مثال بن چکا ہے کہ اس نے قلیل سے عرصے میں اس وبا پر قابو پالیا۔ صدرِ پاکستان اور وزیرِ خارجہ نے اس کٹھن گھڑی میں چین کا دورہ کر کے یک جہتی کا بہترین مظاہرہ کیا، وہیں چین کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کی راہ بھی ہموار کی۔ اس کے باوجود یہ وبائی آسیب ہمارے ملک میں قدم جما چکا ہے۔ ہر طبقے کے ہم وطن حتیٰ کہ اگلے محاذ پر مسیحائی کی دوڑ میں پیش پیش ڈاکٹر اور معاون عملہ اس ہولناک جنگ میں اپنی جانیں دے بیٹھا ہے۔ عید سے قبل لاک ڈاؤن میں نرمی ہوئی تو بازاروں میں خریداروں کا ہجوم اور اس کی بے احتیاطی دیکھ کر یقین ہو گیا کہ ہمارے شہریوں کو اس وبا کی ہلاکت خیزی اور چھوت جیسی ناہنجار علت کا صحیح اندازہ نہیں ہے۔ یہ خاموشی سے انسانوں کو ہلاک کرنے والی وبا ہے۔ اس کا شکار بستر نشین ہونے کے بجائے اپنی حالت سے یکسر بے خبر ہوتا ہے اور آزادانہ نقل و حرکت، میل ملاپ کے ذریعے بے خبری میں دوسرے ہم نسلوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لیتا رہتا ہے۔ اسی سبب سے ملنے جلنے اور غیر ضروری معاشرتی اجتماعات سے گریز کی ہدایت کی جا رہی ہے۔ شہروں کا لاک ڈاؤن اسی مقصد کے حصول کے لیے کیا جا رہا ہے۔ ماہرین کی مجوزہ ہر احتیاط پر صدقِ دل سے عمل کریں اور اپنے اپنے مذہبی اعتقادات کے مطابق ربِ العزت کی بارگاہ میں اپنی ہر جرح روی کا اعتراف کرتے ہوئے، اس وبا سے نجات کی مخلصانہ دعائیں کریں۔ وہ رحیم و کریم ہے۔ ضرور ہم پر رحم و کرم فرمائے گا۔ دعا اور دوا کے ساتھ احتیاط کا دامن ہرگز نہ چھوڑیں۔ اللہ تعالیٰ پوری دنیا کے انسانوں کو اور خصوصاً تمام پاکستانیوں کو اس موذی وائرس سے مکمل نجات عطا فرمائے اور ہم سب کو ان تمام ممنوعات سے باز رہنے کی توفیق عطا فرمائے جنھیں اس نے حرام اور باطل قرار دیا ہے۔

کیماڑی کراچی سے محمد نعمان کی سرد آہیں ''مارچ کا جاسوسی ایسی شام کو ملا جو کہ سردی کی اختتامی عمدہ شاموں میں سے ایک بہترین شام تھی۔ کراچی میں تو اور بھی بہترین شام ہو جاتی ہے کہ انسان سرِ شام ہی سمندر کے کنارے، یا کسی پُرفضا اور خاموش مقام پر لوگوں کی بھیڑ سے دور ہلکی سرد ہوا کی لوریوں میں اپنی محبوبہ کے ساتھ ہو اور اسے کسی چیز کا خوف اور غم بھی نہ ہو۔ جاسوسی ملنے کے بعد میری حالت بھی اس شخص کی جیسی ہوئی۔ سرورق اس دفعہ کمال کا تھا۔ کمال اس لیے کہ وہ بڑی بڑی اور غزالی آنکھوں والی حسینہ تھی جو کہ مشرقی حسن کی ایک عمدہ تفسیر تھی، کانوں میں جھمکے اور بالوں کی ایک لٹ دائیں کان کے نیچے گردن تک آ رہی اور لبوں پر جان لینے والی قاتلانہ مسکراہٹ واہ کیا خوابیدہ اور مسحور کر دینے والا حسن، اس کی تخلیق کرنے والے کو مبارکباد۔ (بہت شکریہ) اس دل آویز حسینہ کے سر کے اور سفید شرٹ اور لال رنگ کی ٹائی پہنے اور طمنچہ تانے ایک شخص سارا مزہ کرکرا کر رہا تھا غالباً وہ خنجر بدست شخص کو ڈرا رہا ہو جو کہ شاید دل آویز حسینہ کی جان لینے کے درپے ہے۔ عمدہ سرورق! اعزازی کرسی پر عابد علی بھٹی نظر آئے، میاں! انکشافات تو اب بھٹی صاحب ہر قسط میں ہی کریں گے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر وہ سید بدرالاسلام آوارہ گرد کو بھول جائیں اور اب دیکھیں کہ الاؤ کے بھڑکتے شعلے کب سرد ہوں گے؟ احسن زمان آپ کا تبصرہ عمدہ تھا۔ رانا بشیر احمد دوبارہ نکتہ چینی کی محفل کا حصہ بننے پر خوش آمدید۔ عکاشہ سجاد آپ کو بھی مبارکباد۔ ریاست خان! دراصل آپ کا تبصرہ چٹ پٹا ہوتا ہے اس لیے ردی کی بالٹی اسے ہضم کرنے کے چکر میں ہوتی ہے یہ تو مدیر کی مہربانی ہے کہ کچھ نہ کچھ بچا لیتے ہیں۔ (ورنہ تو.....) عامر خان بہت عمدہ۔ نورین مبارک! بس آپ کو دوشیزہ کی آنکھیں ہی اچھی لگیں؟ آپ تو صنفِ نازک کی قبیل سے تعلق رکھتی ہیں۔ زیورات کی چمک نے آپ کی آنکھیں خیرہ نہیں کیں؟ یا حیرت۔ راحیلہ بھٹی! خوش آمدید۔ عرفان شبیر! میاں زیورات جتنے بھی پرانے ہو جائیں مگر ان کی افادیت پرانی نہیں ہوتی۔ ساگر تلوکر ہم آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف۔ سب سے پہلے دھیمی رفتار سے چلتے اناگیر کی رفتار کا اندازہ

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

کرنے کے لیے اسے پڑھنے لگے، کہانی دھیمی مگر ایکشن سے رواں دواں ہے پیروزاں کا کردار کچھ عجیب سا لگا اب تو علی کے ماضی کے دریچے کھلنے کا شدت سے انتظار ہے خاص طور پر اس دوسری لڑکی کا جو کہ بظاہر علی کی محبوبہ معلوم پڑتی ہے لیکن علی تو ساوری سے ... پینگیں بڑھا رہا ہے مجموعی طور پر دوسری قسط اچھی رہی۔ دوسرے نمبر پر الاؤ کے سرد پڑتے شعلوں سے دھیمی آنچ لینے پہنچے تو..... ارے یہ کیا؟ الاؤ اپنی تمام تر قوتوں سے بھڑک رہا تھا۔ اس قسط نے کافی سارے اندیشے دور کر دیے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کہانی کا ہر لفظ رک رک کر اور ترازو پر تول تول کر لکھا گیا ہے۔ تیسرے نمبر پر صبا مغل ..... کی راستہ پڑھی۔ ظاہر ہے انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے ازل سے یہی قانون چلا آرہا ہے۔ بڑے سے بڑا مجرم نہیں بچ پاتا آصف کس کھیت کی مولی تھا آخر شہلا کی بددعا سے لگ ہی گئی۔ اس کے بعد منظر امام کی کاش پڑھی۔ اس لڑکی نے واقعی عملی زندگی میں اداکاری کا حق ادا کر دیا۔ اس کے بعد روبینہ رشید کی وبائی ہتھیار پڑھی۔ واہ بہت عمدہ تحریر۔ کافی ماہ بعد اس طرح کی کوئی طبع زاد تحریر پڑھنے کو ملی۔ کاشف زبیر مرحوم کے انداز میں واقعات بیان کیے گئے تھے۔ پڑھتے وقت بالکل بھی بوریت کا احساس تک نہ ہوا۔ کہانی واقعی اس قابل تھی کہ اسے جاسوسی کے ابتدائی گولڈن صفحات پر ہونا چاہیے تھا۔ بہت بہت مبارک ہو روبینہ رشید صاحبہ! امید ہے کہ آئندہ بھی اسی طرح کی کہانیاں پڑھنے کو ملیں گی۔''

چوہدری ذوالفقار کی نامعلوم مقام سے پہلی آمد'' میں پہلی بار تبصرہ لکھ رہا ہوں اس امید پر کہ شاید اس اتنے بڑے لوگوں کے درمیان کسی کونے میں جگہ مل جائے۔ دیکھتے ہیں کہ کون کون مجھے ویلکم کرتا ہے۔ (خوش آمدید) ویسے اگر نورین صاحبہ اور ایمانے صاحبہ ویلکم کریں تو کچھ کھٹا شامل ہو جائے گا۔ (لگتا ہے آپ کو کھٹا ہی پسند ہے؟) کیونکہ باقی سب نے تو میٹھا میٹھا ویلکم کرنا ہے۔ خطوط کی محفل میں داخل ہوئے تو عابد علی بھٹی صاحب کو کرسی صدارت پر براجمان پایا۔ سب دوستوں نے بہت اچھے تبصرے لکھے تھے۔ عامر خان صاحب کو میں انگلش ناول ڈاونچی کوڈ کا ترجمہ پڑھنے کا مشورہ دوں گا۔ کہانیوں میں ابتدائی کہانی وبائی ہتھیار اچھی تھی۔ مجھے بہت پسند آئی اور ساتھ میں یہ خیال آیا کہ کہیں یہ کرونا وائرس بھی اصل میں سازش نہ ہو۔ جس طرح یہ مخصوص مقامات پر پھیل رہا ہے۔ اعتزاز سلیم وصلی کی سازش بھی اچھی تھی۔ ان کی یہ بات کام کر و ضرور مگر اپنی شناخت خفیہ رکھ کر، منظر امام صاحب کی کاش بہت پسند آئی۔ کاش مجھے بھی کوئی انسانی پری مل جائے۔ (اچھا پریاں حیوانی بھی ہوتی ہیں؟) سارے دوست مل کر دعا کرنا۔ سلسلے وار کہانیوں میں الاؤ اچھی جا رہی ہے۔ مجھے امید ہے کہ بھٹی صاحب اس پر بہت محنت کر رہے ہوں گے۔ اناگیر میں ایسا لگتا ہے جیسے علی یہاں صرف دوسروں کی لڑائیاں لڑنے آیا ہے اور اس کا اپنا کوئی مقصد نہیں ہے۔ دیر آید بھی اچھی تھی۔ سرورق کی کہانیوں میں قاتل ہیولا مجھے زیادہ پسند آئی۔ دوسری بھی بس ٹھیک تھی۔''

ریاست خان داؤد خیل، میانوالی سے فرمائش کرتے ہیں ''غم وغصہ اپنی جگہ لیکن جاسوسی کو بھی ہم چھوڑ نہیں سکتے۔ پرانے فین ہونے کی وجہ سے ہمارا بھی حق ہے ناراض ہونے کا کیوں جناب؟ (جی جی..... کیوں نہیں آپ شوق سے ناراض ہوں) مارچ کا شمارہ 3 تاریخ کو مل گیا۔ کشمیری حسینہ ہماری جانب متوجہ تھی (کیوں۔ وہ بھی سنا نے پہنچ گئی؟) اب خدا جانے منجمد حسینہ کے ہاتھ میں تھا یا اس مجہول شخص کے ہاتھ میں۔ چینی نکتہ چینی میں پہنچے جہاں ادارہ مہنگائی کی وجہ سے پریشان تھا۔ امیر طبقہ ہو یا غریب سب کا یہی کہنا ہے کہ مہنگائی زیادہ ہے، ہمارا گزارا نہیں ہوتا اور ہمارے مسلمان ایسے ہیں ذخیرہ اندوزی کر کے مہنگائی کو اور بڑھاوا دیتے ہیں۔ صدارت کی کرسی پر عابد علی نظر آئے مبارکاں جناب تبصرہ مختصر لیکن جامع تھا۔ احسن بھائی تبصرہ جلدی بھیجا کریں نا جاسوسی اتنا ٹائم دیتا ہے۔ اناگیر بشیر ہمیشہ اچھا سوچیں کبھی تو نام آئے گا۔ عامر خان کا تبصرہ بہت اچھا تھا۔ مس نورین آپ دھمکیاں نہ دیں تو ہمیں بھی دھمکیاں نہیں لگیں گی۔ مس راحیلہ بہت بہت ویلکم، تبصرہ شروع کر دیا ہے تو حاضری پکی لگوائیں۔ سب سے پہلے الاؤ پڑھی۔ میرے سب دوستوں کو اعتراض ہے کہ الاؤ بور ہو گئی۔ میرے خیال میں ڈاکٹر صاحب خوش اسلوبی سے کہانی آگے پہنچا رہے ہیں۔ اناگیر کی یہ قسط بھی لاجواب تھی۔ علی اور ساوری کہانی میں رنگ ڈال رہے ہیں لیکن پیروزاں رنگ میں بھنگ۔ وبائی ہتھیار روبینہ رشید کی بہت عمدہ تحریر جس نے ابتدائی صفحات کا حق ادا کر دیا۔ کرونا وائرس جس نے ساری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اللہ پاکستان کو محفوظ رکھے آمین۔ گھات بہترین اسٹوری تھی جس نے قدم قدم پر ہمیں ہلا کر رکھ دیا۔ انسان اندر سے اور ہو، اور باہر سے کچھ اور تو ایسا ہی ہوتا ہے جیسا فیروز کے ساتھ ہوا۔ بہرحال انجام بہت زبردست تھا۔ آخر میں گزارش ہے اپریل کے شمارے میں امجد رئیس صاحب کی کہانی شائع کریں ہم نے انہیں کافی مس کیا ہے۔'' (لیجیے آپ کی فرمائش پوری ہوئی)

رحیم یار خان سے نوید ظفر کا تبصروں پر تبصرہ'' آپ ہماری رائے کو خاطر میں تو لاتے ہیں نہیں اس لیے قطعاً ارادہ نہیں تھا کہ اب کبھی تبصرہ بھیجوں گا۔ پکا ارادہ تھا، کبھی تبصرہ نہ لکھنے کا لیکن بھلا ہو آپ کا کہ آپ نے بہترین کہانیاں شائع کر کے ایک بار پھر بولنے پر مجبور کر دیا۔ (شکر الحمد للہ) سب سے پہلے تو مجھے نکتہ چینی کے ساتھیوں سے شکایت ہے۔ یہ لوگ ڈائجسٹ ہاتھ میں آتے ہی سامنے رکھ لیتے ہیں اور پھر ڈائجسٹ کے حصول کی ایک لمبی داستان سنانے کے بعد ٹائٹل پر بھرپور تبصرہ کرتے ہیں۔ اس کے ایک دوسرے کے تبصروں پر خوب دھینگا مشتی کرتے ہیں اور آخر میں رہ گئی آپ کی کہانیوں پر تبصرے کی شرط تو پتا ہے کیا کرتے ہیں؟ وہ اسٹوریز کی فہرست نکالتے ہیں اور چند گنے چنے

مصنفین کی کہانیوں کو پسندیدہ قرار دیتے ہیں، باقیوں کو ریجکٹ کرتے ہیں اور کچھ کو گزارے لائق قرار دے کر تبصرہ پوسٹ کر دیتے ہیں ا
کے بعد پورا ماہ سکون سے ڈائجسٹ پڑھتے ہیں۔ آپ اپنی جگہ خوش اور یہ لوگ اپنی جگہ خوش۔ اب اس ماہ احسن زمان کے علاوہ کسی نے بھی
تبصرہ کرنے کی کوشش نہیں کی ہے دیاست بھی اس بار جان چھڑاتے نظر آئے۔ کچھ ریڈرز کہانی کو اچھا برا یا مایوس کن قرار دے دیتے ہیں لیکن
یہ نہیں لکھتے کہانی اچھی لگی تو کیا اچھا لگا اور اگر بُری لگی تو اس میں کیا برا لگا؟ ایسے انداز اُ تبصرہ کرنے والوں کو میری کوئی بات بُری لگی ہو تو معذرت
ہوں۔ سرورق پر صراحی دار گردن اور کاجل زدہ آنکھوں میں حیرانگی لیے حسینہ آس پاس سے بے خبر معلوم ہوتی تھی۔ ایک خنجر بردار اور ایک
والا اس کے حصول کے لیے بے چین ہیں اور وہ کیمرے کی جانب دیکھ کر مسکرائے جا رہی ہے۔ لاؤ تو میں نے مارے باندھے دو اقساط پڑھ
اور آئندہ کے لیے اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ اناگیر نے اچھا آغاز لیا ہے امید ہے کہ آگے چل کر مزید نکھر جائے گی۔ اگلی قسط کا شدت
انتظار رہے گا۔ روبینہ رشید نے عالمی سازشوں اور کرونا وائرس کے خطرے پر ایک بہترین کہانی لکھی۔ وبائی ہتھیار ایک اچھی کاوش تھی جس
سراہا جائے کم ہے۔ اختتام تھوڑا جلدی کا شکار نظر آیا لیکن کہیں بھی تشنگی محسوس نہیں ہوئی۔ مشن محافظ سیریز کے بعد وہ خولہ خضر سیریز بھی لکھنا
کر دیں تو کمال ہو جائے۔ ترجمہ کہانیوں میں تنویر ریاض آخری گناہ لکھ کر چھا گئے۔ عکس فاطمہ اچھا لکھتی ہیں لیکن اس بار عذاب میں بڑا کو
روح قسم کا ترجمہ کیا جو بالکل پسند نہیں آیا۔ جمال دستی اور شاکر لطیف نے بھی مغرب سے اچھا انتخاب کیا۔ اعتزاز وصلی کی سازش ایک سنسنی خیز
تھی۔ موضوع بھی دلچسپ اور جاسوسی کے عین مطابق تھا۔ حسب روایت انہوں نے پرکشش باتیں ڈال دیں جس نے مزہ خراب کر دیا۔ کرنل
کو [illegible] سے ڈائریکٹ بات کرنے کے بجائے فائل بنا کر رکھنے کی کیا ضرورت تھی اور یہ سمرن کو دو ملاقاتوں میں ہیرو سے محبت ہو گئی
امام کی کاس ایک دلگداز تحریر تھی جس پر وہ شاباشی کے حق دار ہیں۔ ہلکے پھلکے انداز میں بہترین لکھنا کوئی ان سے سیکھے۔ سرور اکرام نے جا
بھی محبت کا جادو خوب چلایا۔ ایسے انسانوں کا پایا جانا مشکل سہی لیکن ناممکن نہیں۔ صبا مغل کی راستہ اور عمران قریشی کی کٹھ پتلی عجیب سی
تھیں۔ ڈاکٹر سبار شد کی دیر آید چند صفحات میں سمٹ جانے والی تحریر غیر ضروری طوالت کا شکار نظر آئی۔ محمد فاروق انجم نے گھات کو سنسنی خیز
میں پیش کیا۔ مصنف نے کہانی کے آخر میں بچوں جیسی حرکات کروا دیں۔ بھلا ایک قاتل جو ہر جگہ پہنچ جاتا تھا، اسے اپنے شکار کو پھانسنے
اس کی بیٹی اغوا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ دوسرا رنگ قاتل ہو بلا پڑھ کر حیران رہ گیا۔ بہت عرصے بعد رنگوں میں اتنی محنت اور توجہ سے لکھی
والی کوئی تحریر پڑھی جس کی بالکل بھی توقع نہ تھی۔ مظہر سلیم ہاشمی نے میرے مشورے پہ عمل کرتے ہوئے محاوروں کا استعمال کم کیا لیکن ابھی
آسان اردو نہیں لکھتے۔ نازیہ، گلفام، قدیر سارے کردار فٹ تھے لیکن بے چارے جاوید کی حالت پر افسوس ہوا۔ بہت زبردست تحریر، ا
ہتھیار پہلے نہ پڑھی ہوتی تو بلاشبہ اسے شمارے کی سب سے بہترین تحریر قرار دیتا۔ آخر میں اس امید کے ساتھ اختتام کروں گا کہ ماہنامہ
ڈائجسٹ قسط وار کہانیوں میں اپنا مقام مزید بہتر کرے۔ کیونکہ مغل صاحب کی انگارے کے بعد تحریروں میں وہ جان نہیں رہی جو اس
ہے۔"

راحیلہ بھٹی، لٹن روڈ، لاہور سے شکر گزار ہیں "سب سے پہلے تو شکریہ ادا کرنا چاہوں گی کہ آپ نے ناچیز کو اہمیت دی اور پہلے ہی
کو شرف اشاعت بخشا۔ اب ذرا اس ماہ کے شمارے پر نظر دوڑائی جائے تو شام کے سے گرجتے برستے بادلوں کے ماحول میں ملا۔ ٹائ
نہایت خوبصورت، دلکش، غزالی آنکھوں، ستواں ناک، گلاب جیسے ہونٹوں کے ساتھ دل میں ہی اتر گئی۔ نیچے لائٹ براؤن کلر میں چاقو
ایک شخص ڈرانے کی کوشش میں مصروف ہے۔ وبائی ہتھیار کا اشتہار ٹائٹل پر ہی دیکھ کر اندازہ ہو گیا کہ روبینہ رشید کی سنسنی خیز کہانی پڑھ
گی۔ چینی کاریٹ کافی زیادہ ہو گیا ہے شاید اس لیے نکتہ چینی بھی کم ہی لوگ کرتے نظر آئے۔ ٹاپ پوزیشن اس بار بھی صنف کرخت لے
خیر کوئی بات نہیں، عابد علی بھی میری طرح بھٹی ہیں تو مبارکباد پیش ہے۔ محمد احسن زمان کا تبصرہ کافی مفصل اور دلچسپ تھا۔ محمد نعمان اور ع
نے بھی اچھا لکھا۔ نورین مبارک زبردستی مزاح پیدا کرتی نظر آئیں۔ عرفان شبیر نے بالکل صحیح کہا کہ روبینہ رشید کو مشن محافظ سیریز لکھنی
ساگر تلوکر کی المناک داستان پڑھ کر دل بھر آیا کہ نجانے کیسی جگہ رہتے جہاں شمارے بھی نہیں ملتے؟ سب سے پہلے رنگوں کی جانب پ
فاروق انجم کی گھات کا مرکزی خیال بڑا دلچسپ تھا۔ ان کا اندازِ بیاں کبیر عباسی سے بہت ملتا۔ کہانی کا اسٹارٹ بھی اچھا کیا تھا لیکن منزل
پہنچتے کہانی ڈھیلی پڑ گئی۔ بے تحاشا اتفاقات تھے۔ دوسرا رنگ جاسوسی سے بھرپور اور محبت کی طلب میں ڈوبا نہایت منفرد پلاٹ پر مبنی
ذہین ہونے کے باوجود جذباتیت میں جان گنوا بیٹھا۔ مصنف مظہر سلیم ہاشمی نے چونکا دینے والا زبردست اینڈ کیا جس سے میرے دل دو
تار ہل کر رہ گئے۔ (اف ابھی خیریت ہے؟) مصنف کو اتنی اچھی کہانی لکھنے پر مبارک باد۔ مختصر کہانیوں میں صبا مغل اور سبار شد کی کہانیا
پسند نہیں آئیں۔ اعتزاز وصلی نے اچھا لکھا۔ منظر امام نے ہمیشہ کی طرح دل جیت لیا۔ شاکر لطیف کے تراجم میں ایک ہی بات کو بہت گ
ہے۔ ان سے کہیں کہ کسی اور مصنف کی کہانیاں ترجمہ کریں۔ جمال دستی اور تنویر ریاض نے اس بار بھی شاندار ترجمہ کہانیاں پیش کیں۔ آ
بہت دل سوز تحریر تھی۔ اناگیر کی یہ قسط پہلی قسط جتنی مزید ار نہیں تھی۔ ایکشن اور سسپنس کی کمی محسوس ہوئی۔ پیروز اں کا کردار بھی زیادہ نہیں

www.Azeemkitab.com
www.pakistanipoint.com

اب دوڑنے لگی ہے۔ یہ والی قسط اچھی رہی۔ بھٹی صاحب سے گزارش ہے کہ ڈاکٹر سیف کو ذرا ڈھیل دیں تا کہ وہ الاؤ کا ہیرو ہی رہے، آوارہ گرد کا شہزادہ نہ بن جائے۔ روبینہ رشید نے کرونا وائرس پر لکھ کر دل جیت لیا۔ ایکشن اور سسپنس سے بھرپور تحریر رہی۔ کہانی کا مجموعی تاثر بہت اچھا تھا اور مغربی ملکوں کی گندی ذہنیت کی ٹھیک عکاسی کی ہے۔ ہر لحظہ رنگ بدلنے والی کہانی کا انجام بہت غیر متوقع تھا۔ کہانی میں تو مرض نہیں پھیلا لیکن اصل میں بہت بُری طرح پھیل رہا ہے۔ اللہ ہم سب کو اس وبائی مرض سے محفوظ رکھے۔ آمین۔''

جامشورو سندھ سے پرویز احمد لانگاہ کا خلاص اسٹائل ''ہاں جی پہچانا نئی پہچانا اجی وہی جس نے سب درہم برہم کر دیا تھا مگر اس بار درہم پلس برہم نہیں بلکہ خلاص کرنا ہے۔ پاکستان واپس آ کر بڑا ہی مصروف ہو گیا ہوں لیکن بیگم بچوں کو ان کے ننھیال بھیج کر جاسوسی مارچ 2020ء کو خلاص کیا۔ ٹوئیٹی ٹوئیٹی سے یاد آیا پی ایس ایل کے چلتے ہوئے جاسوسی کو خلاص کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ایک طرف میچ دوسری جانب جاسوسی میرا خود دماغ خلاص ہو گیا۔ اوپر سے میری بہو ایمانے کی دھمکیوں نے بھی رہا سہا بھیجا خلاص کر دیا۔ سرورق بس ایویں سا تھا اوپر والا آدمی بھی پستول تانے کسی کو خلاص کرنا چاہتا ہے، لڑکی کے پیچھے ہاتھ میں خنجر لیے ہوئے یہ انسان نما مخلوق کا پتا نہیں چل رہا کہ منڈی کہاں گھمائی ہوئی ہے اور خنجر سے کس کو خلاص کرنا ہے؟ چینی نکتہ چینی میں جب سے میں نے درہم برہم کرنا چھوڑا ہے سارا انٹرٹینمنٹ ہی خلاص ہو گیا ہے۔ بورنگ بورنگ باتیں چل رہیں اور ماڑے غنچے طلعت اور بہو ایمانے کے تابڑ توڑ تبصرے خلاص ہیں۔ امجد جاوید کوئی پسندیدہ لکھاری نہیں ہیں لیکن انہوں نے انا گیر لکھ کر ساری شکایتیں خلاص کر ڈالی ہیں۔ کیا جبر و کہانی لکھ رہے مزہ ہی آ گیا پڑھ کر۔ علی زین ابھی تو لگتا صبر کر رہا لیکن آگے چل کر سب کو خلاص کر ڈالے گا۔ آپ نے الاؤ کو بھٹی میں ڈال کر کاشف زبیر کے فینز کی امیدوں کو خلاص کر ڈالا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ کا ڈائجسٹ آپ کی مرضی۔ مجھے بہر حال ڈاکٹر بھٹی کا نان اسٹاپ فل ایکشن خلاص کر دینے والا اسٹائل بڑا پسند ہے۔ سرورق کی پہلی کہانی میں فاروق انجم نے اتنے مروڑے ڈالے کہ میری کھوپڑی کا سارا مال خلاص کر دیا۔ پہلی بار کچھ اچھا لکھا تو مبارکباد نہیں۔ مظہر سلیم ہاشمی کا قاتل ہیولا بھی بہت عمدہ تھا۔ تجسس آمیز کہانی نے ہوش و حواس کو خلاص کر ڈالا۔ اس میں سسپنس، ایڈونچر، رومانس اور وہ سب کچھ تھا جو جاسوسی کی بہترین کہانیوں کا خاصہ ہے۔ ڈاکٹر سبا ارشد نے دیر آید میں فراڈیوں کو خلاص کیا۔ مزاح کے تڑکے نے غصے والے موڈ کو خلاص کر ڈالا، ویلڈن ڈاکٹر۔ اعتزاز سلیم وصلی عرف ہڈی پسلی نے بھی ہیکر کو ہیرو بنا کر سارے دشمنوں کو خلاص کر ڈالا۔ کرونا ڈرونا وائرس نے پوری دنیا میں لوگوں کو خلاص کرنا شروع کر دیا ہے۔ روبینہ رشید نے بھی کمال اسٹائل میں دشمنوں کی سازشوں کو خلاص کروایا۔ بہت زبردست لکھا، ان کی ہر ماہ حاضری پکی کروائیں۔''

ایمانے زارا شاہ فرام اسلام آباد ''عجیب سا دل اکتایا ہوا ہے۔ نہ کچھ پڑھنے کا دل کرتا ہے۔ نہ ہی تبصرہ کرنے کا۔ پچھلے ماہ کا جاسوسی ابھی تک نہیں پڑھ سکی لیکن مارچ کا جیسے تیسے کر کے پڑھ لیا۔ کچھ کرونا جیسی وبا کی وجہ سے جہاں دنیا گھروں میں قید ہو چکی ہے، وہیں وطن عزیز میں بھی یہ بڑھ رہا ہے جس کی بدولت یونیورسٹی اور کالج آف ہیں، تو ہم بھی بوریت کا شکار ہیں۔ سرورق گزارے لائق تھا۔ نکتہ چینی میں چینی ہی چینی تھی کچھ مرچوں کی کمی تھی۔ سوچا ہم ہی غائب ہیں شاید۔ لیکن نہیں یہاں تو طلعت۔ سسر انکل، سیف، محمل، سعدیہ قادری وغیرہ سب ہی گمشدہ ہو چکے ہیں۔ نورین اور راحیلہ خواتین کی طرف سے اچھا اضافہ ہیں۔ دونوں کا تبصرہ بھی عمدہ رہا۔ عابد علی کو وکٹری اسٹینڈ کی مبارک باد۔ دیگر تبصرہ نگاروں کی بھی شمولیت خوشگوار رہی۔ یہ عکاشہ نام ہمیشہ ہی ائریکٹو لگتا ہے ہمیں۔ نیکسٹ نائم تبصرہ ذرا طویل لکھیے گا۔ کہانیوں میں وبائی ہتھیار میں روبینہ رشید نے حالات کے مطابق لکھا۔ ویسے جتنی کنسپیریسی تھیوریز گھوم رہی ہیں تو کوئی نہ کوئی تو سچ ہو گی ہی۔ اچھی کہانی تھی۔ سازش اعتزاز کی عمدہ کہانی رہی۔ کرائم و ٹیکنالوجی کا کومبو ہمیشہ ہی اپنی طرف کھینچتا ہے۔ سمرن بے چاری کا دکھ ہوا۔ جیسے سسپنس پھیلایا اس کے لیے ڈھیروں داد! زورِ قلم اور زیادہ۔ مظہر سلیم ہاشمی کی قاتل ہیولا جتنی آغاز میں اسٹرانگ دکھائی دے رہی تھی اینڈ تک اس کی گرپ ویسی نہیں رہی۔ یہ الگ بات ہے جاوید وقدیر والا پورشن زبردست تھا۔ ہمارا قدیر پر اینڈ تک شک نہ جانا لکھاری کی کامیابی ہے۔ برف..... وادی کمراٹ..... کشمیری آب گوشت..... مجھے اپنے کشمیر کی شدت سے یاد آ گئی اور اچھی خاصی ناسٹلجک ہو رہی ہوں۔ ویل ڈن۔ ویسے ایک بات کی داد نہ دینا زیادتی ہو گی۔ گانے مزے مزے کے شامل کیے تھے ..... ہاہاہا..... لیٹ لطیف کی رائٹر ڈاکٹر سبا نے مجھے ایک سر کی یاد دلا دی جن کا اتفاق سے نام بھی یہی اور اتنے ہی نکمے دوست ہیں۔ جن کی وجہ سے بعد میں ہمیں بھگتنا ہوتا ہے۔ لطیفے پر مجھے بڑا غصہ آیا۔ ہلکی پھلکی سی کہانی تھی۔ صبا مغل ویسے کون ہیں؟ مجھے کچھ تجسس سا ہے۔ مختصر کہانی ہونے کے باوجود دم دار تھی..... گریٹ..... باقی کہانیاں پھر کبھی .....''

گوجر خان سے عرفان شبیر راجہ کا تعریفی انداز ''مارچ 2020ء کا سرورق موسم بہار کی عکاسی کر رہا ہے۔ محفل میں تمام دوستوں کی حاضری خوب رہی۔ وبائی ہتھیار موجودہ حالات کے تناظر میں لکھی گئی اچھی داستان تھی۔ منفی ذہنیت کے حامل لوگوں کا انجام عبرت اثر ہوا۔ روبینہ رشید ویلڈن۔ پہلا رنگ گھات، شرافت کا لبادہ اوڑھنے والے مجرم کی داستان جس میں حالات نے پلٹا کھا کر اسے یومِ حساب سے دوچار کر دیا۔ دوسرا رنگ قاتل ہیولا، مظہر سلیم ہاشمی کی کاوش تھی۔ اسرار کے دبیز پردوں میں چھپی ایک جنونی قاتل کی کہانی جس میں اس نے ذاتی تسکین کی خاطر بے گناہوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے، بدلے میں عبرت انگیز موت سے دوچار ہوا۔ الاؤ میں ہیرو صاحب کے لیے شکار خود پاس آ گیا۔

اب گوہر شاہ سے فیصلہ کن ٹاکرا کب ہوتا ہے۔ یہ قسط سست رفتار رہی۔ اناگیر ریت کے سرابوں میں سفر کرتی داستان سے کچھ واقعات آئے، علی کا کردار عمدہ ہے۔ دیر آید میں ڈاکٹر صاحبہ نے سبق دیا کہ کبھی کبھی انسان کی کوئی خامی اسے کسی نقصان سے بھی بچا سکتی ہے۔ سازش، میں ایک نوجوان انجانے میں خود کو سپر پاور سمجھنے والوں سے ٹکرا گیا۔ آخر کار وطن عزیز کے جانبازوں کی مدد سے سرخرو ہوا۔ کچھ پتلی میں تیسرے شوہر نے کیا خوب ترکیب اپنائی۔ مجموعی طور پر شمارہ اچھا رہا۔''

تحصیل پیلاں سے نعیم تلوکر کے مجروح جذبات ''جاسوسی کا جھلملاتا سرورق پہلی نظر میں دل میں اُتر گیا۔ وبائی ہتھیار میں ایسی کشش تھی کہ اشتہارات اور چینی نکتہ چینی کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ حالاتِ حاضرہ کے تناظر میں گھڑی کہانی۔ انسانی درندوں کے تعصبات کو خوب اجاگر کیا، دل میں کھب سی گئی۔ ڈاکٹر شہزاد، خضر اور خولہ کی کاوشیں پسند آئیں۔ خضر کا خولہ کو ڈھول ماہیا کہنا دل میں گداز پن بھرتا رہا۔ یہ کہانی تادیر یاد رہے گی۔ عکسِ فاطمہ کی عذاب اچھی رہی۔ سازش کے تانے بانے بہت مضبوطی سے بنے گئے، بہت اچھی رہی۔ اناگیر کی دلآویز منظر کشی اور جداگانہ سا اندازِ بیاں بہت بھلا لگتا ہے۔ کاش، منظر امام کی کہانی ہمیشہ کی طرح لاجواب تھی۔ الاؤ اب بجھ گئے ہیں۔ صبا مغل نے راستہ میں مکافاتِ عمل کو بڑی خوبصورتی سے قلمبند کیا۔ جادو، محبت جادو ہے، سرور اکرام نے سچ کہا۔ دیر آید کا اسٹائل تو مزاحیہ سا تھا مگر پڑھ کر ہنسی نہیں آئی میرا ذوق بلند ہے یا رائٹر کا اپنا پھیکا پن ہے۔ (آپ کے بلند ذوق تک بھی پہنچ جائیں گی) سرورق کی پہلی کہانی گھات اچھی خاصی چل رہی تھی کہ مصنف کو درمیان میں اندھے کی طرح دور کی سوجھی۔ سارا ٹیپو بدل دیا۔ فیروز عاقل کو فرشتہ صفت سے شیطانِ اعظم کا چیلا بنا دیا۔ کہانی کے ٹیپو سے نہیں مشہورِ زمانہ معقولہ کی رو سے میری کہانی میری مرضی۔ انجام نے سارا مزہ غارت کر دیا۔ اکتا کر سرورق کی کہانی دوسرے دن پڑھی۔ مظہر سلیم ہاشمی سے بہت توقع وابستہ تھی مگر قاتل ہیولا نے توقعات کے محل ڈھانے میں دیر نہیں لگائی۔'' (حیرت ہے؟)

منڈی بہاؤالدین سے منصور کامران کی تبصرہ نگاری ''جاسوسی ہماری تنہائیوں کا رفیق ہے۔ جب سے شریکِ حیات نے دنیا سے کنارہ کیا، جاسوسی ہی ہمارا شریکِ حیات ٹھہرا۔ بچے اپنی دنیاؤں میں مصروف۔ تو ایسے میں جاسوسی کا ساتھ ہم بوڑھوں کے لیے غنیمت ہے۔ دلکش سرورق سے مزین مارچ کا شمارہ ہاتھوں میں ہے۔ سرورق یوں تو پیارا ہے مگر اس کے پکسلز کچھ پھٹے پھٹے سے ہیں، اب پتا نہیں ایسا پرنٹنگ کے دوران ہوا یا کسی اور وجہ سے بہرحال، سرورق کی خوبصورتی اچھی خاصی اس امر کی وجہ سے ماند پڑ گئی۔ (پرنٹنگ کی خرابی سے) سرورق پر روبینہ رشید کی وبائی ہتھیار کا ذکر پڑھتے ہی اشتہا جاگ گئی کہ حالاتِ حاضرہ سے متعلق تحریریں ہمیشہ سے ہماری اولین ترجیح رہی ہیں۔ روبینہ رشید نے کرونا سے متعلق عمدہ فکشن نگاری کی۔ اناگیر شروع کی تو کمزور یادداشت کے باعث کچھ یاد ہی نہیں آ رہا تھا کہ پچھلی قسط میں کیا ہوا تھا۔ براہ کرم قسط وار کے ساتھ کم از کم پچھلی قسط کا خلاصہ ضرور دیا کریں۔ الاؤ تو ہمارے لئے اسی قسط کے ساتھ بجھ گیا تھا جب سے بھٹی صاحب نے اسے بھڑکانا شروع کیا، کہ ان کا اندازِ تحریر ہمارے ذوق سے خاصا پرے کی چیز ہے۔ سرورق کے رنگوں میں انجم صاحب نے اس بار خاصی محنت کی۔ کہانی بھی اچھی رہی اور ان کے اندازِ تحریر میں بھی خاصی بہتری دیکھنے میں آئی۔ آپ اگر مصنفین سے کہانیاں بار بار ایڈیٹ کروائیں تو امید ہے وہ پہلی بار ہی محنت سے لکھنا شروع کر دیں گے۔ (دوبارہ محنت کون کرتا ہے) دوسرا رنگ مظہر سلیم ہاشمی نے قاتل ہیولا کے نام سے پیش کیا۔ ان کی شاید دوسری طبع زاد تحریر پڑھنے کو ملی۔ محترم مصنف تراجم بہت اچھے لکھتے ہیں لیکن محسوس ہوتا ہے کہ طبع زاد کے حوالے سے ان کے پاس پلاٹس کا شدید فقدان ہے۔ روایتی سیریل کلر کی کہانی کے اختتام میں زبردستی کے ٹوئسٹ نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ قدیر کو قاتل کے طور پر پیش کرنے سے تو بہتر تھا، جاوید ہی کو قاتل قرار دیا جاتا اور اس کی وجہ عمدہ سی پیش کر دی جاتی۔ قدیر کے پاس نہ قتل کی ٹھوس وجہ تھی اور نہ ہی دیگر واقعات اس کو قاتل کے طور پر پیش کرنے کے لیے کافی تھے۔ مختصر تحاریر میں اعتزاز سلیم نے اس بار کمال کر دیا۔ سازش کا تانا بانا بہت عمدگی سے بُنا گیا۔ رواں دواں اندازِ تحریر میں کاشف صاحب مرحوم کی جھلک نظر آئی۔ یہ اسی طرح محنت سے لکھتے رہے تو امید کی جا سکتی ہے کہ ایک دن کاشف صاحب کی کمی کسی حد تک پوری کر دیں گے۔ صبا مغل کی راستہ گو کے مکافات کے موضوع پر روایتی سی تحریر تھی لیکن عمدہ اندازِ بیان کی وجہ سے دل میں گھر کر گئی۔ ان کا اندازِ بیان خاصی حد تک طاہر جاوید مغل سے ملتا ہے، یہ ان کا قلمی نام تو نہیں؟ (جی نہیں) ڈاکٹر سبا ارشد کی دیر آید درست آید والے محاورے کو درست ثابت کرتی تحریر پُرلطف اور حقیقت کے قریب ترین رہی۔ اس کہانی کے کردار ہمارے اردگرد پھیلے ہیں۔ ان کرداروں کو کہانی کی صورت خاصی مہارت سے پیش کیا مصنفہ نے۔ عمران قریشی کی کٹھ پتلی پڑھی پڑھی سی لگی۔ ایسی تحریریں جاسوسی کے پرانے شماروں میں اکثر دیکھنے کو ملتی تھیں، منظر امام کی کاش بھی پسند آئی۔ رائٹر صاحب کے ساتھ کی گئی شرارت نے انہیں نقصان پہنچانے کے بجائے فائدہ پہنچا دیا۔ عکسِ فاطمہ کی عذاب میں سرا غرری دلچسپ رہی۔ تبصروں میں عابد علی بھٹی کو کرسی صدارت سے نوازا گیا۔ محترم، ہم بہت سکون سے ٹھہر ٹھہر کے پڑھنے کے عادی ہیں۔ بات بس اپنے اپنے ذوق کی ہے۔ آپ کو جو تحریریں پسند آئیں ضروری نہیں وہ سب کو پسند آئیں احسن زمان کا نام دیکھ کے خوشی ہوئی۔ ان کا تبصرہ بہترین رہا۔ کرسی صدارت پر تو اسے ہونا چاہیے تھا ہماری نظر میں رانا بشیر، ریاست خان، عامر خان، آپ سب کو ہمارا تبصرہ پسند آیا۔ بہت بہت شکریہ۔ نورین مبارک کو دھمکی پر جو ردِعمل ملا، اس کے جواب میں ان کا ردِعمل پڑھ کے مزہ آ گیا۔ ہور کرو مذاق۔ راحیلہ محترمہ، ہم نے اپنی

پسند ناپسند اور... تفصیلی وجہ لکھ دی تھی اور تبصرے میں یہی کچھ لکھنا ہوتا ہے۔ وجوہات گو کے طوالت کی وجہ سے کٹ گئیں لیکن ایڈیٹر اور رائٹرز تک پہنچ گئی ہوں گی، جو ہمارا اصل مقصد ہے۔ اس میں نیکیوٹینی کہاں سے آ گئی؟ عرفان شبیر راجہ کو خاصے عرصے بعد دیکھ کے خوشی ہوئی۔ محترم آتے رہا کریں۔"

بہاولپور سے مومنہ کشف کی الزام تراشی "ہیلو ہیلو، میں پھر سے آ گئی۔ لیکن میں اس بار ناراض ہوں آپ سے۔ پچھلے ماہ اتنی مشکل سے وقت نکال کر تبصرہ بھیجا تھا لیکن نام ونشان تک نہیں ملا۔ (جی ہمیں بھی نام ونشان تک نہیں ملا) میں جب بھی کہانیوں پر اعتراض کرتی ہوں تو میرا لیٹر ہی غائب ہو جاتا ہے۔ اس لیے اب کی بار میں بس ان کہانیوں کی بات کروں گی جو مجھے بہت بہت اچھی لگیں۔ ٹائٹل گرل بہت پیاری تھی۔ اس کی آئیز بالکل میرے جیسی تھیں لیکن میرے پاس ایسا ڈریس نہیں ہے۔ باقی کچھ خاص نہیں لگا۔ عابد علی بھٹی کی باتیں اچھی تھیں۔ یعقوب بھٹی سے لکھوائیں کیونکہ وہ بہت مزے کا لکھتے ہیں۔ مجھے کسی نے بھی چینی نکتہ چینی میں مس نہیں کیا۔ بہت گندے بچے ہو گئے ہیں سارے کے سارے۔ میں ایمانے آپی اور منحہ رمشا کو بہت مس کرتی ہوں، پتا نہیں کہاں گم ہو گئی ہیں۔ طلعت مسعود بھی اب کم کم آتے ہیں۔ راحیلہ بھٹی کی باتیں تراجم کے بارے میں بالکل میرے دل کی آواز تھیں۔ پتا نہیں کون بے وقوف لوگ ہیں جن کو انگلش کہانیاں سمجھ نہیں آتیں اور نہ ہی پسند آتی ہیں؟ اس بار شارٹ اسٹوریز میں عکس فاطمہ کی عذاب بہت اچھی لگی۔ سانتا بابا بڑے مزے کی حرکتیں کرتا رہا۔ اس کو اپنا علاج کرانے سے چڑ کیوں تھی؟ تنویر ریاض کی آخری گناہ بھی بہت اچھی تھی۔ جواری بھی سراغرسانی کی ایک اچھی کہانی تھی۔ یہ ڈولنگر سیریز بھی اچھی ہے لیکن آرچی اور جولیس کی کہانیاں زیادہ لگایا کریں پلیز۔ شاکر لطیف کی چالاک اور سبار شد کی دیر آید بہت فضول سی کہانیاں تھیں۔ فاروق انجم نے گھات میں ایسی ایسی باتیں لکھیں کہ پڑھ کر ہی دل ٹوٹ گیا۔ پہلے ایک بندہ بھوت کی طرح غائب ہو جاتا ہے پھر قتل کے لیے دھمکیاں دیتا ہے قتل کرنا ہے قتل کرو، ملازم کے ذریعے پیغام کیوں بھیج رہے ہو؟ اور بھلا اپنا ماضی پتا چلنے پر ایسے کوئی قتل کر دیتا ہے؟ یہ اتنے سینئر رائٹر ہیں پھر اچھا کیوں نہیں لکھتے؟ منظر سلیم ہاشمی کی قاتل ہیولا بہت بہت زیادہ اچھی لگی۔ آہستہ آہستہ انہوں نے چھوٹی کے بعد بڑی کہانی لکھی اور بہت اچھی لکھی۔ گلفام کے مرنے کا بہت دکھ ہوا۔ اتنے پیارے ہیرو کو مارنے کی کیا ضرورت تھی، وہ بھی اتنی اذیت ناک طریقے سے؟ روبینہ رشید نے بیسٹ کہانی لکھی۔ اتنی اچھی اچھی کہانیاں پڑھ کر جاسوسی سے محبت بھی بڑھ جاتی ہے۔ منظر امام کی کاش بھی بہت اچھی تھی۔ طاہر جاوید مغل کی لاسٹ منتھ باغ سے باغ تک بہت اچھی اسٹوری تھی۔ ان کی اگلی کہانی کا انتظار ہے۔ اس بار اتنا ہی، اگلی بار بڑا تبصرہ کروں گی۔"

سکھر سے نورین مبارک کے تنقیدی حملے "کرونا کے خوف کے سائے تلے بیٹھ کے تبصرہ لکھ رہی ہوں۔ جانے اس بار شمارہ نکل پائے گا، ہم تک پہنچ بھی پائے گا یا نہیں، اس بار سب مشکوک چل رہا۔ اللہ رحم کرے۔ (جی اللہ ہم سب پر اپنا خاص رحم کرے..... دیر سے سہی ملے گا ضرور) ٹائٹل اس بار پیارا تھا مگر کوالٹی بہت کم تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے لو کوالٹی کے کیمرے سے تصویر لی گئی ہو۔ محفل میں پہنچتے ہی سب سے پہلے اپنے تبصرے پر چھلانگ لگائی۔ احسن زمان نے بہت عمدہ تبصرہ لکھا۔ اس تبصرے میں سب سے اچھی بات وہ لگی جس میں انہوں نے میرے تبصرے کو جاندار کہا۔ ہی ہی ہی۔ (ہاہاہا) ریاست خان، ادھر ہر کوئی دنوں بعد ہی آتا ہے۔ مہینوں بعد آئے تو دیلکم بیک بنتا ہے۔ عامر بچے، انکل کہلوانے کی کوئی منزل نہیں ہوتی اور اگر رسالہ ناسمجھ بچوں کے لیے نہیں تو آپ کیسے پڑھ لیتے ہو؟ کہانیوں میں اغا گیری کی یہ قسط بھی پسند آئی اور الاؤ میں زبان کی غلطیاں جی مکدر کرتی رہیں۔ حیرت ہوتی ہے جب جاسوسی جیسے موقر جریدے میں ایسی تحریریں شائع ہوتی ہیں۔ (آپ نے نشاندہی کیوں نہیں کی؟) روبینہ رشید نے وبائی ہتھیار لکھ کے دل جیت لیا۔ خولہ وخضر کی کیمسٹری خوب رہی۔ کہانی میں تو انہوں نے اپنے ملک کو کرونا سے بچا لیا مگر حقیقت میں ایسا ممکن نہ ہو سکا۔ آج کل ہر طرف کرونا کا خوف پھیلا ہوا ہے۔ رنگوں میں پہلے رنگ کا انداز تحریر بچکانا تھا تاہم کہانی بہتر رہی اور دوسرے رنگ میں انداز تحریر مجبور مگر کہانی پکا کانا رہی۔ چاقو لے کے جاوید مزمتا رہا، قاتل قدیر بن گیا۔ کچھ سمجھ نہیں آئی۔ منظر امام اور سرور اکرام دونوں نے اس بار پہاڑی علاقوں کی سیر ایک ہی انداز میں کرائی۔ سرور اکرام نے محبت کے جادو کا عمدہ موضوع چنا مگر کہانی کی پیشکش مزید بہتری کی متقاضی تھی، منظر امام کی کاش کا اختتام دلچسپ رہا۔ اعتزاز سلیم کی سازش بہت پسند آئی۔ لیٹ لطیف کی کارگزاریوں کو ڈاکٹر سبا نے دلچسپ انداز میں پیش کیا۔ عمران قریشی کی کٹھ پتلی تجسس سے بھرپور تحریر مزہ دے گئی۔ مجموعی طور پر اس بار کا شمارہ کافی ابھارہا۔ بالخصوص مختصر تحاریر اور اولین صفحات نے دل موہ لیا۔"

لاہور سے انجم فاروق ساحلی کی انکساری "جاسوسی کا ٹائٹل اس بار منفرد اور مختلف رنگوں کے امتزاج سے زیادہ خوش رنگ تھا۔ خطوط کی محفل بھرپور تھی۔ ادارتی گفتگو ملکی حالات کا آئینہ تھی۔ الاؤ کا کشف زبیر نے شروع کی اب بھٹی صاحب لکھ رہے ہیں۔ ہر لکھنے والے کا اپنا انداز ہوتا ہے۔ لہٰذا فرق تو ہوگا۔ منظر امام کی کاوش خوب ہے۔ انہوں نے رائیڈر ہیگرڈ کا تذکرہ کیا۔ وہ ایڈونچر کے میدان میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ وبائی ہتھیار، کاش، جواری، چالاک خوب ہیں۔ آخری دونوں رنگ بھی اچھے تھے مگر مزید بہتر کہانیوں کی ضرورت ہے۔ کچھ تحریریں ابھی زیر مطالعہ ہیں۔ پرچہ کارٹونوں سے آراستہ تھا جو کہ جاسوسی کی اچھی روایت ہے۔"

فیصل آباد سے منحار مشہ کی تعریفیں ''فروری کے پر بہار موسم میں جاسوسی ڈائجسٹ ملا۔ سردیاں اگرچہ ختم ہو رہی ہیں لیکن جا
بارش اور سرد ہواؤں سے اپنا رنگ دکھا رہی ہیں۔ چینی نکتہ چینی کی محفل میں پہنچے تو ہمارا تبصرہ غائب تھا۔ ظاہری بات ہے ہونا ہی تھا کیونکہ پچھ
بلیک لسٹ میں شامل ہونے کے بعد ہم نے لکھا ہی نہیں تھا ہاہاہا۔ عابد بھائی آپ کو کیا ناپسندیدگی ہوگئی؟ بھائی بدر السلام کے کافی مختصر خیالات
بھائی احسن زمان آپ درویش کب سے ہو گئے؟ بھائی رانا بشیر جو میری ہی برادری کے نکلے کافی شکوہ کناں نظر آئے۔ عکاش سجاد بھائی کو
میں ویلکم۔ ریاست بھائی اس بار کافی غم و غصے میں نظر آئے نعمان بھائی خدشات میں گھرے نظر آئے۔ عامر خان بھائی کو بھی جے ڈی میں
نورین مبارک کا تیز مرچوں والی خوراک کھا کے تبصرہ لکھنا، آپ کا خیال ہے ورنہ اتنا اچھا تو لکھتی ہیں۔ نورین مبارک کا سرورق کی حسینہ
منہ پھولا ہوا تھا۔ ڈونٹ وری میں آپ کو نہیں دھکا ڈلی گی۔ باقاعدگی سے تبصرے کرتی رہا کرو پڑھ کے لطف آتا ہے۔ راحیلہ بھٹی صاحبہ کو
ڈی کی محفل میں ویلکم۔ عرفان شبیر راجہ بھائی کی تبصرہ نگاری سے خود کو مستفید کیا۔ آخر میں ساگر تلوکر بھائی کی روداد سنی۔ ایمانے زارا شر
تھیں۔ ایمانے تم تو بہترین تبصرہ نگار ہو۔ آتی رہا کرو۔ روبینہ رشید کی وبائی ہتھیار بہت حیرت انگیز کہانی رہی۔ اللہ ہم سب کو کرونا وائرس
رکھے (آمین) اعتزاز سلیم وصلی کی سازش اوسم کہانی تھی۔ علی حسن کا کردار بہت بہتر رہا۔ سمرن کی موت پر افسوس ہوا۔ عمران قریشی کی کٹھ
کے غصہ آیا۔ دنیا میں مہر علی عباسی جیسی بھی عورتیں ہوتی ہیں۔ ان کو عبرت کا نشان بننا چاہیے۔ نہیم ملک بھی ایک برا انسان ہی تھا انا گیر امجد
اچھی جا رہی ہے۔ علی کے خیالوں میں جولڑکی کا دھندلا خاکہ ہے' اس کا راز ابھی باقی ہے۔ ساوری ویسے تو بطور ہیروئن اچھی لگ رہی ہے
لطیف کی چالاک بھی فٹ رہی۔ ڈاکٹر سبا ارشد کی دیر آید نے تو بہت گاڑھا رنگ جمایا۔ لیٹ لطیف کی دیر کی عادت اس کے لیے دیر آ
آید ثابت ہوئی۔ سرورق کی پہلی کہانی محمد فاروق انجم کی کھات بھی اچھی رہی۔ فیروز عاقل ایک منافق انسان تھا۔ سرورق کی دوسری کہانی
ہاشمی کی قاتل ہیولا اس ماہ کی سب سے بیسٹ کہانی تھی۔ ایڈونچر، سسپنس، رومانس، دوستی، دشمنی، سب کچھ تھا اس کہانی میں۔ نازیہ کرمانی
سب سے بیسٹ رہا۔''

کھاریاں سے بابر عباس اور فضل عباس کے تنقیدی جائزے ''مارچ کا جاسوسی اخبار والا دے کر گیا تو سرورق دیکھ کر ایک
سرورق بنانے والے نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی تھی کہ سرورق کو زبردست بنایا جائے مگر جو جاسوسی کا معیار تھا اس کے مو
تھا۔ چینی نکتہ چینی کے بارے میں عرض کر چکا ہوں کہ نکتے تو ہیں پر چینی نہیں اور نکتے اور وہ بھی ایویں سے افسوس صد افسوس۔ اس با
کے آغاز سفر میں روبینہ رشید کا ساتھ تھا روبینہ رشید اس بار وبائی ہتھیار لے کر آئیں جو کہ کرونا وائرس کے بارے میں تھا۔ وبائی ہتھیا
بہتر تھی اگر امجد رئیس لکھتے تو اور بہتر ہوتی۔ الاؤ کو اپنی طرز کے منفرد اور خوش اسلوب رائٹر جناب ڈاکٹر عبدالرب بھٹی نے س
جس طرح کی یہ کہانی تھی ڈاکٹر صاحب کو ہی سوٹ کرتی تھی ان کی دو اقساط پڑھی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کوئی جھول محسوس نہیں ہو
ویل ڈن ڈاکٹر صاحب، کاشف بھائی کی کمی کو محسوس نہ ہونے دیں۔ (شکر ہے آپ کو کوئی رائٹر تو پسند آیا) امجد جاوید کی انا گیر نے بھ
چھوٹے پاؤں سے چلنا شروع کیا۔ محمد فاروق انجم کی کھات میں کہانی تو ٹھیک تھی پر سرورق کے رنگ کا ذکر نہیں تھا۔ سر جی توجہ دیا کر
سلیم ہاشمی کی قاتل ہیولا کوئی فلمی کہانی لگی۔ بہر کیف مظہر سلیم ہاشمی صاحب نے سرورق کے لیے ایک اچھی کوشش کی تھی۔ اعتزاز سلیم
سازش تو خوب کی اور ان کی یہ ذہنی شازش بھی لگی مگر وصلی صاحب ایک مشورہ دوں گا آپ کو کہانی بھیجنے سے پہلے خود بھی پڑھ لیا کر
کاش منظر امام صاحب میرے سامنے ہوتے میں ان کے ہاتھ چوم لیتا۔ اس بار منظر صاحب کاش لے کر آئے ہیں اسے کہتے ہیں
ایک اور بڑا نام سرور اکرام اس بار یہ بندہ جادو کے زیر اثر تھا۔ میر امطلب سرور اکرام صاحب اس بار جادو لے کر حاضر ہوئے اور
میں وہ جادو ہے جو بیوی میں کہاں۔ عمران قریشی کی کٹھ پتلی' صبا مغل کی راستے گزارے لائق ٹھیک ہی تھیں باقی کہانیاں کیونکہ ابھی
اس لیے کچھ کہہ نہیں سکتا۔''

اسلام آباد سے انور یوسف زئی کی یادآوری ''جاسوسی بارشوں کی وجہ سے تاخیر سے 2 مارچ کو بذریعہ ڈاک مل سکا۔ سرورق معیا
خطوط کی محفل میں اس ماہ ایک نووارد عابد علی بھٹی ٹاپ پر رہے۔ مبارکاں۔ گوجر خان کے عرفان راجہ کا شکریہ کہ مجھے یاد رکھا۔ محفل میں
نام نئے نظر آئے۔ خوش آمدید۔ کہانیوں میں سب سے پہلے الاؤ پڑھی جس کی سست روی نے بور کیا۔ امید ہے بھٹی صاحب آئندہ خ
گے۔ دوسری قسط وار کہانی امجد صاحب کی انا گیر دلچسپ تھی۔ شمارے کی پہلی کہانی وبائی ہتھیار موجودہ حالات کی صحیح عکاس تھی۔ سرورق
کہانیاں کھات اور قاتل ہیولا گزارے لائق تھیں۔ دیسی کہانیوں میں منظر امام کا کاش بہترین تھی۔ کارٹون اور کترنیں بھی اچھی تھیں۔''

ان قارئین کے اسمائے گرامی جن کے محبت نامے شاملِ اشاعت نہ ہو سکے۔
شہناز اقبال، کراچی۔ الطاف احمد، حیدر آباد۔ عمران صدیقی، ٹنڈو آدم۔ آفتاب شیخ، میر پور خاص۔ ناصر حسین، کراچی۔

جڑ کی تلاش

امجد رئیس

زندگی میں عجیب و غریب واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں... کچھ واقعات اس نوعیت کے ہوتے ہیں جن کی کبھی توقع تک نہیں ہوتی... اور وہ رونما ہو کے زندگی کو تہ و بالا کر دیتے ہیں... اور وہ واقعات گویا قرض کی صورت واجب الادا ہوتے ہیں... ایک ایسے ہی دردناک واقعے سے شروع ہونے والی سنسنی خیز داستاں... زندگی و موت گویا ایک دوسرے کے دشمن ہیں... اس تعاقب کے دوران جس کی جیت ہوتی ہے وہ انسانی رشتے کے درمیان قائم تعلق کو ختم کر دیتا ہے... ایک ان دیکھے دشمن کی طلسماتی کارروائیاں جو اپنے ہدف کی جانب لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہا تھا... اور شکار کے گرد اس کا شکنجہ کستا ہی جا رہا تھا...

باپ اور بیٹی کے کندھوں پر بوجھ تھا ماں محبت کا قرض ... اولین صفحات کی سوغات

مزدا کے ریڈیو سے اُبھرنے والی آواز کیٹی پیری کی تھی۔ اسٹیئرنگ وہیل پر امنڈا کی نظر بار بار دھندلا رہی تھی۔ صورتِ حال صبح سے ہی بگڑنا شروع ہو گئی تھی۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی جب اس کے بدمزاج، بے روزگار باپ نے اسے بیدار کیا۔ وہ امنڈا کو دھمکا رہا تھا کہ اگر اس نے خود کو نہ سنوارا تو وہ اسے اٹھا کے گھر سے باہر پھینک دے گا۔ دوسرے دن سیلون کے مالک نے اسے پھٹکارا تھا۔ وہ امنڈا کے حلیے سے مطمئن نہیں تھا۔ امنڈا وہاں ملازم تھی۔ بعد ازاں کاسمٹالوجی اسکول میں ٹیچر نے اس کی کلاس لی اور اگلے روز بوائے فرینڈ کوبرن کے ساتھ بھی اچھا وقت نہیں گزرا تھا۔ امنڈا خاصی منتشر تھی۔ کئی روز سے وہ زیادہ مقدار میں اوکسی (ڈرگ) استعمال کر رہی تھی۔ کیٹی پیری کی نغمہ سرائی اور اوکسی کی بدہوشی میں وہ تلخیوں کو مٹا رہی تھی۔ ڈرائیونگ پر اس کی توجہ مرکوز نہیں تھی۔ اطراف اور عقب سے وقتاً فوقتاً ہارن کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس نے لین تبدیل کی، یوں لگا جیسے ہر جانب ہارن چلّا رہے ہوں۔ امنڈا نے زیرِلب مغلظات بکتے ہوئے اسٹیئرنگ گھمایا۔ وہ بکھرے ہوئے ذہن کے ساتھ سامنے سے

Pakistanipoint
www.pakistanipoint.com

Waqar Azeem
www.pdfbooksfree.pk

آنے والے ٹریفک کو دیکھ رہی تھی۔ یہ سب پاگل ہو گئے ہیں؟ دفعتاً اسے احساس ہوا کہ وہ خود رانگ سائڈ پر تھی۔

☆☆☆

''ڈیبورا جین..... ڈیبورا جین..... ہنی دیکھو تم بھول گئی ہو.....'' ڈیبورا کی ماں تیز قدمی کے ساتھ گھر سے باہر آئی۔ اس کے ہاتھوں میں نرم نیلے کپڑے میں ننھا بریٹ مسکرا رہا تھا۔ بریٹ کی عمر آٹھ ہفتے تھی۔ اس کا باپ، ڈیبورا کا شوہر ملک سے باہر تھا۔ اس نے ابھی بیٹے کی شکل نہیں دیکھی تھی۔

''اوکے مام۔'' ڈیبورا نے پلٹ کر بیٹے کو گود میں لیا۔

''ہنی میں ساتھ آؤں؟'' ماں نے بیٹی سے کہا۔

''نہیں مام، پندرہ سیکنڈ کی ڈرائیو ہے۔ ابھی واپس آئی۔ پندرہ سیکنڈ میں کیا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے۔ میرے نواسے کا خیال رکھنا۔''

''وعدہ مام۔'' ڈیبورا جین نے منی وین کی طرف چلنا شروع کیا۔ وہ بریٹ کو پیار کر رہی تھی۔ نامانوس شور سن کے اس نے گردن گھمائی۔ ڈیبورا کی آنکھیں دہشت سے پھٹ گئیں۔ پہلو میں اسٹریٹ کی طرف سے پرانی مزدا چوبی آرائشی رکاوٹ توڑتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی تھی۔ وہ بے قابو سانڈ کے مانند ڈیبورا پر چڑھی آ رہی تھی۔

''روکو، روکو۔'' ڈیبورا چلّائی۔

مزدا نے ایک پھولدار جھاڑی کو روندا..... ''اوہ لارڈ.....''

مزدا کا انجن غرا رہا تھا۔ بریٹ کی نانی چیخ رہی تھی۔

''ڈیبورا جین! ڈیبورا جین!''

☆☆☆

امنڈا دھندلی نظروں سے سفید گھر کو دیکھ رہی تھی۔ وہ یہاں کیسے آ گئی؟ کوئی عورت چیخ رہی تھی.....

''ڈیبورا جین! ڈیبورا جین!''

گاڑی امنڈا کے قابو میں نہیں تھی۔ ذہن بھی بے قابو تھا۔ یہ کیسے ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ دماغ دھند کی لپیٹ میں تھا۔ اسے اتنا ضرور ادراک تھا کہ کوئی بہت خراب بات ہو چکی ہے۔

''بریٹ! بریٹ! اوہ گاڈ، کوئی مدد کرو۔''

امنڈا بے خبر تھی کہ گاڑی کہاں ہے؟ وہ کہاں ہے؟ اسے درد کا احساس ہوا۔ آس پاس افراد موجود تھے۔ مجھے یہاں سے نکالو، وہ بڑبڑائی۔ کوئی اسے نہیں سن رہا تھا۔ سب عورت کی چیخ و پکار پر جا رہے تھے۔

''میں بھی زخمی ہوں۔ اندھے ہو تم لوگ۔'' امنڈا نے کہا، یہ خواب ہے۔ امنڈا اٹھو۔ اس نے پلکیں جھپکائیں۔ نہیں یہ حقیقت تھی۔ خوفناک حقیقت۔

''ڈیبورا! ڈیبورا جین، میری بیٹی..... مدد کرو۔'' عورت کے نقوش کرب و اذیت نے بگاڑ دیے تھے۔ اس نے امنڈا کی طرف دیکھا۔ ''یہ کیا کر دیا تم نے؟''

امنڈا لڑکھڑاتی ہوئی گاڑی سے نکلی۔ وہ گھوم کر دوسرے رخ پر آئی۔ ایک لڑکی مزدا کے نیچے دبی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں کچھ تھا۔ ایک نیلا کپڑا..... نرم کپڑے میں کیا تھا؟ ہر طرف خوف تھا۔ وہاں کھڑے افراد کی آنکھوں میں بے بسی تھی..... آنسو تھے.....

''ڈیبورا جین..... ڈیبورا جین.....''

☆☆☆

ہوائی سفر کے بعد میں نے کیڈیلاک کرائے پر حاصل کی۔ میں جیکسن ول کے قریب تھا۔ مجھے بے شور ڈرائیو اور میریٹ سن کوسٹ ریزورٹ کی تلاش تھی۔ ٹاؤن میں میری آمد کی وجہ ''ڈاکٹرز وِد آؤٹ بارڈرز'' ریجنل کانفرنس تھی۔ جہاں مجھے افتتاحی تقریر کرنی تھی۔ تقریر کا موضوع وہ تجربہ تھا جو میں نے نکاراگوا کے گاؤں بوکو میں حاصل کیا تھا۔ پانچ سال سے میں وہاں جا رہا تھا۔ جبکہ میرے ہم عصر ہر اگست میں کروز شپ، ناپا ویلی، سونو مایا کہیں اور وقت گزارتے۔ اور میں وہیں افلاک زدہ ٹوٹے پھوٹے گاؤں بوکو کی طرف نکل جاتا۔ وہاں میں مقامی مرد و زن کی سرجری کرتا۔ شاید طلاق کے تکلیف دہ مرحلے سے گزرنے میں زندگی کو نیا مفہوم نیا مقصد دینا چاہتا تھا۔

ساؤتھ فلوریڈا میگزین کے ''ٹاپ ڈاکٹرز'' فہرست میں ہر سال میرا نام نمایاں رہتا تھا۔ ایک مرتبہ میگزین کور میری تصویر سے مزین تھا۔ پام بیچ کے ساتھ میرے تین کلینک تھے۔ میرا چوتھا کلینک سرجری کے لیے مخصوص تھا۔ علاوہ ازیں ایک بحالیِ صحت کا مرکز تھا۔ میری سترہ سالہ بیٹی ہیلی یونیورسٹی آف ورجینیا میں زیرِ تعلیم تھی۔

میں نے کیڈی کا ریڈیو آن کیا۔ نظریں بے شور اسپرنگ ڈرائیو کو تلاش کر رہی تھیں۔ معاً مجھے مطلوبہ اسٹریٹ سائن دکھائی دیا۔ میں نے کیڈی کا رخ تبدیل کیا۔ ذہن میں مختلف خیالات تھے۔ سب سے پہلے ہوٹل جانا تھا۔ اپنے دوست مائیک کے ساتھ گالف کلب کا پروگرام بنانا تھا۔ اچانک مجھے غلطی کا احساس ہوا۔ نشان بے شور اسپرنگ کا نہیں تھا۔ وہ بے رج ویسٹ نامی مقام تھا۔ میں یک طرفہ

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

ا ٹ پر لفا۔ ٹریفک میری مخالف سمت پر تھا اور میں انٹر
ن کے درمیان پھنس گیا تھا۔ اشارہ زرد ہونے پر میں
نے معروف انٹرسیکشن سے نکلنے کی کوشش کی۔ بے شور
اپرنگ کو بھول کے میں ٹریفک سے باہر آنے کی سعی کر رہا تھا
اور پھر فلیش لائٹ کے ساتھ پولیس سائرن کی آواز آئی۔
سفید پولیس کار میرے عقب میں تھی۔ مجھے یوں لگا کہ وہ
میرے ہی انتظار میں تھی۔ پولیس کار کے اسپیکر سے مجھے
ہدایات دی جا رہی تھیں۔ میں نے گاڑی سائڈ پر لگائی اور
خود کو یاد دلایا کہ میں نکارا گوا میں نہیں بلکہ نارتھ فلوریڈا میں
ہوں۔ یہاں کی پولیس بالکل مختلف ہے۔

☆☆☆

میں سائڈ مرر میں پولیس مین کو دیکھ رہا تھا۔ گہرے
نیلے رنگ کی یونیفارم میں وہ میری طرف آ رہا تھا۔ میں نے
شیشہ نیچے کیا۔

''سوری، ویری سوری آفیسر میں ذرا غلطی کر گیا تھا۔
بے رج ویسٹ نے مجھے اُلجھا دیا تھا۔ مجھے بے شور اسپرنگ
کی تلاش تھی۔ میں اشارہ برقت نہیں دیکھ پایا۔'' میں نے
معذرت کی۔

''لائسنس اور انشورنس۔'' اس کا لہجہ اکھڑا ہوا تھا۔

میں نے گہری سانس لی۔ ''یہ ہے لائسنس۔'' میں
نے والٹ نکالا۔ ''کار میں نے ائرپورٹ سے کرائے پر لی
ہے۔ انشورنس، رینٹ ایگریمنٹ کا حصہ ہونی چاہیے۔''
میں امید کر رہا تھا کہ میرے نام کے ساتھ ایم ڈی (ڈاکٹر
آف میڈیسن) دیکھ کر اس کا رویہ بدل جائے گا لیکن اس پر
کوئی اثر نہیں ہوا۔

''تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ انشورنس کے بغیر
ڈرائیونگ خلافِ قانون ہے۔ اس کا جرمانہ پانچ سو ڈالرز
ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔ انشورنس میری ذاتی کار کے
ساتھ ہے۔ یہ کار کچھ دیر پہلے میں نے ائرپورٹ پر ہرٹز
(Hertz) سے حاصل کی ہے..... آفیسر مارٹی۔'' میں نے
یونیفارم پر اس کا نام دیکھا۔ ''میں یہاں میریٹ میں
میڈیکل کانفرنس میں شرکت کے لیے آیا ہوں۔''

''میریٹ؟'' اس نے دھوپ کا چشمہ ہٹا کے گاڑی
میں جھانکا۔

''مجھے آج رات وہاں تقریر کرنی ہے۔ میں معذرت
خواہ ہوں۔''

اُس نے مجھے اور میری معذرت کو ذرّہ بھر اہمیت نہیں
دی۔ وہ بتا رہا تھا کہ میں نے کیا غلط کیا۔ میں جیٹ
لیگ سے پریشان تھا۔ میں نے ایک بار پھر جان چھڑانے کی
کی۔ مارٹی نے مجھے کم ٹریفک والی سڑک پر جانے کے
کہا۔

☆☆☆

پولیس کار میری کیڈی کے عقب میں کھڑی تھی
نے شیشے میں مارٹی کو ریڈیو پر بات کرتے دیکھا۔
میری کار اور لائسنس کی کمپیوٹر سے تصدیق کر رہا تھا۔
نے پیڈ پر کچھ لکھنا شروع کیا۔ مجھے غصہ آنے لگا۔
منٹ بعد وہ سفید کار سے نکل کے میری جانب آیا
کے لیے اس نے چند کاغذات میری طرف بڑھائے۔

''یہ کیا ہے آفیسر؟''

''سرخ اشارہ توڑنا، انشورنس کے بغیر ڈرائیو
ون وے پر غلط سمت میں جانا۔'' وہ بولا۔

میرا غصہ بڑھ گیا۔ ''غلط سمت میں جانا؟''

وہ خاموشی سے کارروائی میں لگا رہا۔

''رکو پلیز، رک جاؤ.....'' میں نے خود پر قابو
سراسر الزام عائد کر رہا تھا۔ اشارہ توڑنا..... ممکن
زرد روشنی پر نکل گیا تھا۔ لیکن رانگ وے، یہ غلط تھا
ماضی کا ریکارڈ صاف تھا۔ میں پھر نرمی سے اُسے
لگا۔ یوں لگا گویا پتھر سے سر پھوڑ رہا ہوں۔ میں
رانگ وے سے ہٹ گیا تھا۔

''سر بحث مت کریں۔'' وہ میری آواز
دھرے بغیر لکھتا رہا۔ ''اگر چارجز سے انکاری ہو تو
پشت پر ہدایات موجود ہیں۔ ملزم کا حق ہے.....''

''میں چیلنج نہیں کر رہا ہوں۔'' میری آواز
برقرار نہ رہ سکی۔ ''لیکن تم غلط کر رہے ہو۔ میں ڈاکٹر
میرا ڈرائیونگ ریکارڈ.....''

''ڈاکٹر دوبارہ کہہ رہا ہوں، بحث نہیں کرو۔
رویہ بول رہا تھا کہ تم ڈاکٹر ہو تو میں پولیس میں ہوں مجھے
ہوا کہ میں امریکی ہوں اور امریکا میں ہوں۔

''اوکے جو کرنا ہے کرو لیکن رانگ وے کا چا
ہے اور میں اسے ثابت کروں گا۔ میں اپنا حق استعمال
''گاڑی سے باہر آؤ۔'' وہ چیخا۔

''کیا؟'' مجھے اپنی سماعت پر شبہ ہوا۔

''ڈاکٹر گاڑی سے باہر آؤ۔'' مارٹی کی نظروں
تھی۔ جہاں واضح پیغام تھا کہ مذاکرات کی گنجائ
ہے۔ بعد ازاں مجھے یاد نہیں آیا کہ کار ڈور میں نے ک

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

اُس نے۔ میں گاڑی سے باہر تھا۔ میرے ہاتھ پشت پر تھے۔

''تم پاگل.....''

''ڈاکٹر تم زیرِ حراست ہو۔'' مارٹی غرایا۔

''کس لیے؟'' میں تڑپا۔

''تم نے مجھے ڈیوٹی دینے سے روکا ہے۔'' اس نے میرے بازو کھینچے اور کلائیوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں۔

''میں کوئی بدمعاش، قاتل یا دہشت گرد نہیں ہوں۔ میں ایک معزز شہری ہوں..... سرجن ہوں۔ مجھے کانفرنس میں تقریر کرنی ہے۔''

''مجھے خدشہ ہے' اب تم جو کرو گے، جیل سے کرو گے۔'' وہ شیطان مسکرا رہا تھا۔ میں احتجاج کرتا رہا اور مارٹی نے مجھے پولیس کار میں ڈال دیا۔ آناً فاناً وہاں مزید پولیس کاریں پہنچ چکی تھیں۔ میرا دماغ ماؤف ہو گیا۔ میں گم صم پانچ سات وردی پوشوں کو بات چیت کرتے دیکھ رہا تھا۔ گہری گہری سانسیں لے کر میں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ یہ سب کیا مذاق ہے؟

گھنی مونچھوں والا ایک نیم گنجا ٹریفک پولیس میری طرف آیا۔ اس نے مارٹی کی کار کا عقبی دروازہ کھول کے مجھے دیکھا۔ یونیفارم پر اس کا نام رولی تھا۔

''ڈاکٹر چند سوالات کرنے ہیں۔'' وہ بولا۔ ''تم مشکل میں ہو لہٰذا احتیاط سے جواب دینا۔''

مجھے ناقابلِ یقین صورتِ حال کا سامنا تھا۔

''تمہاری بیوی کہاں ہے؟''

''میری بیوی؟'' میں نے پلکیں جھپکائیں۔ ''تمہارا مطلب ہے میری سابقہ بیوی؟ یہ کیا ہو رہا ہے اور اس کا کیا تعلق ہے؟'' میں نے رولی سے سوال کیا۔

''آج صبح تم کس عورت کے ساتھ تھے؟'' اس نے میری آنکھوں میں دیکھا۔

''میں اکیلا ہوں، کچھ دیر پہلے ائرپورٹ سے نکلا ہوں۔ کوئی عورت میرے ساتھ نہیں تھی۔ آج نہ کل۔ مجھے کسی مجرم کی طرح یہاں روک لیا گیا ہے۔''

اس کی چبھتی ہوئی نظریں جیسے میری کھوپڑی کا ایکسرے کر رہی تھیں۔ ''جناب..... میں اپنی ہدایات دہراتا ہوں کہ آپ جواب دینے میں احتیاط سے کام لیں۔ آپ کا کہنا ہے کہ ایک گھنٹا قبل کوئی عورت آپ کے ساتھ نہیں تھی۔ مطلب آپ کی کار میں؟''

مجھے خوف محسوس ہوا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے سوال کا جواب جانتا تھا..... پہلے سے آگاہ تھا۔

''مجھے ذرّہ بھر اندازہ نہیں ہو پا رہا... کہ تمہاری بات کا کیا مطلب ہے؟'' میں نے نفی میں سر کو جنبش دی۔

اس کی نظروں میں ناگواری کا رنگ ابھرا۔ وہ چند سیکنڈ مجھے دیکھتا رہا پھر کار کا دروازہ بند کر کے اپنے ساتھیوں کی طرف چل دیا۔ سات آٹھ وردی پوش دھیمی آواز میں گفتگو کر رہے تھے۔ مجھے شک ہوا، میں امریکا میں نہیں تھا۔ میرا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ مجھے مدد کی ضرورت تھی۔ کسے فون کروں..... میں نے سوچا۔ نیم گنجا پولیس مین، مارٹی کے ساتھ واپس آ رہا تھا۔ دونوں آگے والی نشست پر بیٹھ گئے۔ آنے والے سوال نے صورتِ حال کی گمبھیرتا میں اضافہ کر دیا تھا۔

''ڈاکٹر آخری بار جیکسن ول پولیس نے تمہیں کب روکا تھا؟'' مارٹی میری آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

میں نے ہنسنے کی کوشش کی۔ حلق خشک ہو رہا تھا۔

''ایسا کبھی نہیں ہوا۔ تم لوگ کسی بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہو۔''

''مطلب آج صبح تمہیں نو بجے کے قریب کسی نے نہیں روکا؟ اس وقت تمہاری کار میں ایک عورت تھی؟''

اس کی آنکھوں میں خوفناک سنجیدگی تھی۔ میں سرتاپا ہل کے رہ گیا۔ ''نہیں، نہیں..... نو بجے کے قریب میں ائرپورٹ سے باہر آیا تھا۔ تم لوگ غلط کر رہے ہو، غلط سوچ رہے ہو۔''

''ڈاکٹر ایک گھنٹا قبل تم فیڈرل آفس بلڈنگ میں کیا کر رہے تھے؟'' رولی نے سوال کیا۔

میری حرکتِ قلب رک سی گئی۔ سوالات ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی سے متعلق نہیں تھے۔ میں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی..... انہیں سمجھایا کہ انہوں نے غلط آدمی پر ہاتھ ڈال دیا ہے..... رولی کے تیور خطرناک تھے۔

''دعا کرو ڈاکٹر کہ تمہارا بیان درست ثابت ہو..... ورنہ تم بڑی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔'' وہ کھلی دھمکی دے رہا تھا۔ دونوں پولیس کار سے اتر گئے۔ میں عقبی نشست پر بدستور ہتھکڑیوں کے ساتھ تھا۔ مارٹی نے میرا سوشل سیکیورٹی نمبر طلب کیا۔ بعدازاں وہ ایک وردی پوش سے بات کرنے لگا۔ وہ پولیس مین مجھے گروپ کا انچارج معلوم ہو رہا تھا۔ مارٹی نے مسکراتے ہوئے سینئر پولیس مین کے شانے پر تھپکی دی۔ وہ اپنی کار میں جا کے بیٹھ گیا۔ دیگر نے بھی اس کی تقلید میں پسپائی اختیار کی۔ میرے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔ آخر میں مارٹی اپنی کار

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کی جانب آیا۔ اس نے نسبتاً نرم آواز میں مجھے مخاطب کیا۔

''جو کچھ ہوا، اسے بھول جاؤ۔ میں معذرت نہیں کر رہا ہوں۔ میں زرد اشارے پر جانے اور انشورنس کی وارننگ لکھ رہا ہوں۔ او کے، ڈاکٹر؟''

''او کے۔'' میں نے سکون کی سانس لی۔ چند منٹ پہلے جو ناقابلِ یقین صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی، اس کے مقابلے میں یہ وارننگ کچھ نہیں تھی۔

''آئندہ خیال رکھنا۔'' اس نے میری ہتھکڑی کھولتے ہوئے تنبیہ کی..... گویا اپنا معاملہ صاف کیا۔

کیا ڈراما تھا؟ مجھے غصہ تو آیا تاہم میری جان چھوٹ رہی تھی۔

''تم گاڑی میں بیٹھو، میں لائسنس دیتا ہوں۔ خیال رکھنا آئندہ رولی سے سامنا نہ ہو۔''

میں پولیس کار سے اتر کے کیڈیلاک کی طرف چل پڑا۔ میں اپنی گاڑی میں بیٹھا ہی تھا کہ غبارہ پھٹنے کی آواز آئی۔ عجیب آواز تھی، زیادہ بلند نہیں تھی۔ آواز دو مرتبہ آئی تھی۔ میں نے بے ساختہ پلٹ کے دیکھا۔ میں جب اپنی گاڑی میں بیٹھ رہا تھا، اس وقت مارٹی کی پیٹرول کار کے قریب ایک فورڈ مرکری آ کے رکی تھی۔ اب وہ تیزی سے یوٹرن لے کر روانہ ہو رہی تھی۔ مرکری کے پہیوں کی چرچراہٹ فضا میں تھی۔ میری آنکھوں میں دہشت تھی۔ سانس رکی ہوئی تھی۔ مارٹی کا سر اسٹیئرنگ پر پڑا تھا۔ میں افراتفری میں کار سے نکل کے واپس دوڑا.....

وہ بے حس و حرکت تھا..... بے جان تھا۔ سر کے ایک جانب دو سرخ دھبے تھے۔ جہاں سے خون رس رہا تھا۔ میرا دل حلق میں دھڑکنے لگا۔ دیوانہ وار میں نے کار کا دروازہ کھولا اور نبض چیک کی۔ یہ ایک بے معنی حرکت تھی۔ مارٹی مردہ تھا۔ درحقیقت اسے میرے سامنے ہلاک کیا گیا تھا۔ رخ بدل کے میں نے فرار ہوتی ہوئی فورڈ مرکری کی آخری جھلک دیکھی۔ وہ ''لیک ویو'' پر مڑ چکی تھی۔ میں نے ٹریفک کو دیکھا۔ بعض ڈرائیور میری طرف متوجہ تھے۔ وہ حقیقت سے بے خبر تھے لیکن یہ بے خبری جلد خبر میں بدلنے والی تھی۔ میں واپس کیڈیلاک کی طرف لپکا۔ سیل فون پر 911 پنچ کرتے کرتے میں ٹھہر گیا۔

میں کیا کہوں گا؟ جیکسن ول کی پولیس فورس کے ساتھ آٹھ افراد مجھے مارٹی کی کار میں دیکھ چکے تھے۔ وہ خوفناک سوالات اور ہتھکڑی..... ٹریفک میں چند افراد نے مجھے مقتول کی گاڑی سے نکلتے دیکھا تھا۔ مارٹی نے مجھے ہتھکڑی ڈالی تھی۔ میری خیریت مشکوک تھی۔ اب وہ مردہ تھا اور میں آزاد۔ میری ہچکچاہٹ، بدحواسی میں بدل گئی۔ سب کی نظر میں بظاہر میں ہی ملزم تھا۔

☆☆☆

سوچو، ہنری سوچو..... ظاہر ہے میں نے کچھ نہیں کیا تھا بلکہ میں عینی شاہد تھا لیکن منظرنامہ میرے خلاف ہے۔ قاتل راہِ فرار پر تھا۔ مجھے اسے شناخت کرنا تھا۔ پولیس جائے واردات پر آتی تو اول میری گرفت یقینی تھی۔ میں نے انجن اسٹارٹ کیا اور کیڈی ''لیک ویو'' کی سمت بھگائی۔

میرے پاس ایک ہی نشانی تھی کہ فورڈ مرکری کا رنگ نیلا تھا۔ پلیٹ نمبر میرے ذہن میں نہیں تھی۔ یہ بھی یقین نہیں تھا کہ پلیٹ فلوریڈا کی تھی یا کہیں اور کی۔ خیال غالب تھا کہ پلیٹ فلوریڈا کی نہیں تھی کیونکہ اس کی سطح آف وائٹ تھی۔ جس پر نیلے نمبر تھے..... میں نے ذہن پر زور دیا۔ حروف یاد آئے۔ AMD یا ADV..... شاید ADJ لیکن چوتھا حرف کیا تھا۔ میری کار ''لیک ویو'' پر تھی۔ معاً میرے ذہن نے اشارہ دیا۔ پلیٹ نمبر کے ساتھ ایک نشان نمایاں تھا۔ وہ ایک سرخ ڈریگن تھا، لمبی دم کے ساتھ۔ یا ایک پرندہ، کھلے پروں کے ساتھ۔ اس نشانی کے ساتھ تلاش قدرے آسان تھی۔

واردات کے بعد چند منٹ گزر چکے تھے۔ پولیس کی بے خبری کے امکانات نمایاں تھے۔ میں نے فون نکال کے 911 ملایا۔ چند سیکنڈ بعد نسوانی آواز آئی۔ ''ایمرجنسی.....''

''میرے سامنے ایک قتل ہوا ہے۔'' میں چیخا۔ ''مقتول پولیس مین ہے۔ اسے پیٹرول کار میں گولی ماری گئی ہے۔ اسٹریٹ کا مجھے نہیں پتا۔ لیکن وہ لیک ویو سے پرے ہے۔ بے شور ڈرائیو کے قریب.....''

''جناب اپنا نام اور مقام بتائیے جہاں سے آپ بات کر رہے ہیں اور کیا آپ پیٹرول کار کا نمبر بتا سکتے ہیں؟''

''میں لیک ویو پر ڈرائیو کر رہا ہوں۔ قاتل نیلی کار میں بھاگا ہے..... میں اس کے پیچھے ہوں۔''

''جناب میری درخواست ہے کہ جائے وقوع پر واپس جائیے۔''

میری نگاہ ٹریفک میں نیلی فورڈ کھوج رہی تھی۔ پلیٹ نمبر کے ساتھ ڈریگن، سانپ یا پرواز کرتا پرندہ تھا۔ کچھ بھی تھا، بلاشبہ وہ سرخ تھا۔ پلیٹ فلوریڈا کی نہیں تھی۔ سرخ اشارے پر مجھے رکنا پڑا۔ سیل فون کا اسپیکر آن تھا۔ آپریٹر

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

اُس نے۔ میں گاڑی سے باہر تھا۔ میرے ہاتھ پشت پر تھے۔

''تم پاگل.....''

''ڈاکٹر تم زیرِ حراست ہو۔'' مارٹی غرایا۔

''کس لیے؟'' میں تڑپا۔

''تم نے مجھے ڈیوٹی دینے سے روکا ہے۔'' اس نے میرے بازو کھینچے اور کلائیوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں۔

''میں کوئی بدمعاش، قاتل یا دہشت گرد نہیں ہوں۔ میں ایک معزز شہری ہوں..... سرجن ہوں۔ مجھے کانفرنس میں تقریر کرنی ہے۔''

''مجھے خدشہ ہے اب تم جو کرو گے، جیل سے کرو گے۔'' وہ شیطان مسکرا رہا تھا۔ میں احتجاج کرتا رہا اور مارٹی نے مجھے پولیس کار میں ڈال دیا۔ آناً فاناً وہاں مزید پولیس کاریں پہنچ چکی تھیں۔ میرا دماغ ماؤف ہو گیا۔ میں گم صم پانچ سات وردی پوشوں کو بات چیت کرتے دیکھ رہا تھا۔ گہری گہری سانسیں لے کر میں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ یہ سب کیا مذاق ہے؟

گھنی مونچھوں والا ایک نیم گنجا ٹریفک پولیس میری طرف آیا۔ اس نے مارٹی کی کار کا عقبی دروازہ کھول کے مجھے دیکھا۔ یونیفارم پر اس کا نام رولی تھا۔

''ڈاکٹر چند سوالات کرنے ہیں۔'' وہ بولا۔ ''تم مشکل میں ہو لہٰذا احتیاط سے جواب دینا۔''

مجھے ناقابلِ یقین صورتِ حال کا سامنا تھا۔

''تمہاری بیوی کہاں ہے؟''

''میری بیوی؟'' میں نے پلکیں جھپکائیں۔ ''تمہارا مطلب ہے میری سابقہ بیوی؟ یہ کیا ہو رہا ہے اور اس کا کیا تعلق ہے؟'' میں نے رولی سے سوال کیا۔

''آج صبح تم کس عورت کے ساتھ تھے؟'' اس نے میری آنکھوں میں دیکھا۔

''میں اکیلا ہوں، کچھ دیر پہلے ائرپورٹ سے نکلا ہوں۔ کوئی عورت میرے ساتھ نہیں تھی۔ آج نہ کل۔ مجھے کسی مجرم کی طرح یہاں روک لیا گیا ہے۔''

اس کی چبھتی ہوئی نظریں جیسے میری کھوپڑی کا ایکسرے کر رہی تھیں۔ ''جناب..... میں اپنی ہدایات دہراتا ہوں کہ آپ جواب دینے میں احتیاط سے کام لیں۔ آپ کا کہنا ہے کہ ایک گھنٹا قبل کوئی عورت آپ کے ساتھ نہیں تھی۔ مطلب آپ کی کار میں؟''

مجھے خوف محسوس ہوا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے سوال کا جواب جانتا تھا..... پہلے سے آگاہ تھا۔

''مجھے ذرّہ بھر اندازہ نہیں ہو پا رہا... کہ تمہاری بات کا کیا مطلب ہے؟'' میں نے نفی میں سر کو جنبش دی۔

اس کی نظروں میں ناگواری کا رنگ ابھرا۔ وہ چند سیکنڈ مجھے دیکھتا رہا پھر کار کا دروازہ بند کر کے اپنے ساتھیوں کی طرف چل دیا۔ سات آٹھ وردی پوش دھیمی آواز میں گفتگو کر رہے تھے۔ مجھے شک ہوا، میں امریکا میں نہیں تھا۔ میرا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ مجھے مدد کی ضرورت تھی۔ کسے فون کروں..... میں نے سوچا۔ نیم گنجا پولیس مین، مارٹی کے ساتھ واپس آ رہا تھا۔ دونوں آگے والی نشست پر بیٹھ گئے۔ آنے والے سوال نے صورتِ حال کی گمبھیرتا میں اضافہ کر دیا تھا۔

''ڈاکٹر آخری بار جیکسن ول پولیس نے تمہیں کب روکا تھا؟'' مارٹی میری آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

میں نے ہنسنے کی کوشش کی۔ حلق خشک ہو رہا تھا۔

''ایسا کبھی نہیں ہوا۔ تم لوگ کسی بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہو۔''

''مطلب آج صبح تمہیں نو بجے کے قریب کسی نے نہیں روکا؟ اس وقت تمہاری کار میں ایک عورت تھی؟''

اس کی آنکھوں میں خوفناک سنجیدگی تھی۔ میں سرتاپا ہل کے رہ گیا۔ ''نہیں، نہیں..... نو بجے کے قریب میں ائرپورٹ سے باہر آیا تھا۔ تم لوگ غلط کر رہے ہو، غلط سوچ رہے ہو۔''

''ڈاکٹر ایک گھنٹا قبل تم فیڈرل آفس بلڈنگ میں کیا کر رہے تھے؟'' رولی نے سوال کیا۔

میری حرکتِ قلب رک سی گئی۔ سوالات ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی سے متعلق نہیں تھے۔ میں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی..... انہیں سمجھایا کہ انہوں نے غلط آدمی پر ہاتھ ڈال دیا ہے..... رولی کے تیور خطرناک تھے۔

''دعا کرو ڈاکٹر کہ تمہارا بیان درست ثابت ہو..... ورنہ تم بڑی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔'' وہ کھلی دھمکی دے رہا تھا۔ دونوں پولیس کار سے اتر گئے۔ میں عقبی نشست پر بدستور ہتھکڑیوں کے ساتھ تھا۔ مارٹی نے میرا سوشل سیکیورٹی نمبر طلب کیا۔ بعدازاں وہ ایک وردی پوش سے بات کرنے لگا۔ وہ پولیس مین مجھے گروپ کا انچارج معلوم ہو رہا تھا۔ مارٹی نے مسکراتے ہوئے سینئر پولیس مین کے شانے پر تھپکی دی۔ وہ اپنی کار میں جا کے بیٹھ گیا۔ دیگر نے بھی اس کی تقلید میں پسپائی اختیار کی۔ میرے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔ آخر میں مارٹی اپنی کار

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کی جانب آیا۔ اس نے نسبتاً نرم آواز میں مجھے مخاطب کیا۔

''جو کچھ ہوا، اسے بھول جاؤ۔ میں معذرت نہیں کر رہا ہوں۔ میں زرد اشارے پر جانے اور انشورنس کی وارننگ لکھ رہا ہوں۔ اوکے، ڈاکٹر؟''

''اوکے۔'' میں نے سکون کی سانس لی۔ چند منٹ پہلے جو ناقابلِ یقین صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی، اس کے مقابلے میں یہ وارننگ کچھ نہیں تھی۔

''آئندہ خیال رکھنا۔'' اس نے میری ہتھکڑی کھولتے ہوئے تنبیہ کی..... گویا اپنا معاملہ صاف کیا۔

کیا ڈراما تھا؟ مجھے غصہ تو آیا تاہم میری جان چھوٹ رہی تھی۔

''تم گاڑی میں بیٹھو، میں لائسنس دیتا ہوں۔ خیال رکھنا آئندہ رولی سے سامنا نہ ہو۔''

میں پولیس کار سے اتر کے کیڈیلاک کی طرف چل پڑا۔ میں اپنی گاڑی میں بیٹھا ہی تھا کہ غبارہ پھٹنے کی آواز آئی۔ عجیب آواز تھی، زیادہ بلند نہیں تھی۔ آواز دو مرتبہ آئی تھی۔ میں نے بے ساختہ پلٹ کے دیکھا۔ میں جب اپنی گاڑی میں بیٹھ رہا تھا، اس وقت مارٹی کی پیٹرول کار کے قریب ایک فورڈ مرکری آ کے رکی تھی۔ اب وہ تیزی سے یوٹرن لے کر روانہ ہو رہی تھی۔ مرکری کے پہیوں کی چرچراہٹ فضا میں تھی۔ میری آنکھوں میں دہشت تھی۔ سانس رکی ہوئی تھی۔ مارٹی کا سر اسٹیئرنگ پر پڑا تھا۔ میں افراتفری میں کار سے نکل کے واپس دوڑا.....

وہ بے حس و حرکت تھا..... بے جان تھا۔ سر کے ایک جانب دو سرخ دھبے تھے۔ جہاں سے خون رس رہا تھا۔ میرا دل حلق میں دھڑکنے لگا۔ دیوانہ وار میں نے کار کا دروازہ کھولا اور نبض چیک کی۔ یہ ایک بے معنی حرکت تھی۔ مارٹی مردہ تھا۔ درحقیقت اسے میرے سامنے ہلاک کیا گیا تھا۔ رخ بدل کے میں نے فرار ہوتی ہوئی فورڈ مرکری کی آخری جھلک دیکھی۔ وہ ''لیک ویو'' پر مڑ چکی تھی۔ میں نے ٹریفک کو دیکھا۔ بعض ڈرائیور میری طرف متوجہ تھے۔ وہ حقیقت سے بے خبر تھے لیکن یہ بے خبری جلد خبر میں بدلنے والی تھی۔ میں واپس کیڈیلاک کی طرف لپکا۔ سیل فون پر 911 پنچ کرتے کرتے میں ٹھہر گیا۔

میں کیا کہوں گا؟ جیکسن ول کی پولیس فورس کے ساتھ آٹھ افراد مجھے مارٹی کی کار میں دیکھ چکے تھے۔ وہ خوفناک سوالات اور ہتھکڑی..... ٹریفک میں چند افراد نے مجھے مقتول کی گاڑی سے نکلتے دیکھا تھا۔ مارٹی نے مجھے ہتھکڑی ڈالی تھی۔ میری خیریت مشکوک تھی۔ اب وہ مردہ تھا اور میں آزاد۔ میری ہچکچاہٹ، بدحواسی میں بدل گئی۔ سب کی نظر میں بظاہر میں ہی ملزم تھا۔

☆☆☆

سوچو، ہنری سوچو..... ظاہر ہے میں نے کچھ نہیں کیا تھا بلکہ میں عینی شاہد تھا لیکن منظرنامہ میرے خلاف ہے۔ قاتل راہِ فرار پر تھا۔ مجھے اسے شناخت کرنا تھا۔ پولیس جائے واردات پر آتی تو اول میری گرفت یقینی تھی۔ میں نے انجن اسٹارٹ کیا اور کیڈی ''لیک ویو'' کی سمت بھگائی۔

میرے پاس ایک ہی نشانی تھی کہ فورڈ مرکری کا رنگ نیلا تھا۔ پلیٹ نمبر میرے ذہن میں نہیں تھی۔ یہ بھی یقین نہیں تھا کہ پلیٹ فلوریڈا کی تھی یا کہیں اور کی۔ خیال غالب تھا کہ پلیٹ فلوریڈا کی نہیں تھی کیونکہ اس کی سطح آف وائٹ تھی۔ جس پر نیلے نمبر تھے..... میں نے ذہن پر زور دیا۔ حروف یاد آئے۔ AMD یا ADV..... شاید ADJ لیکن چوتھا حرف کیا تھا۔ میری کار ''لیک ویو'' پر تھی۔ معاً میرے ذہن نے اشارہ دیا۔ پلیٹ نمبر کے ساتھ ایک نشان نمایاں تھا۔ وہ ایک سرخ ڈریگن تھا، لمبی دم کے ساتھ۔ یا ایک پرندہ، کھلے پروں کے ساتھ۔ اس نشانی کے ساتھ تلاش قدرے آسان تھی۔

واردات کے بعد چند منٹ گزر چکے تھے۔ پولیس کی بے خبری کے امکانات نمایاں تھے۔ میں نے فون نکال کے 911 ملایا۔ چند سیکنڈ بعد نسوانی آواز آئی۔ ''ایمرجنسی.....''

''میرے سامنے ایک قتل ہوا ہے۔'' میں چیخا۔ ''مقتول پولیس مین ہے۔ اسے پیٹرول کار میں گولی ماری گئی ہے۔ اسٹریٹ کا مجھے نہیں پتا۔ لیکن وہ لیک ویو سے پرے ہے۔ بے شور ڈرائیو کے قریب.....''

''جناب اپنا نام اور مقام بتائیے جہاں سے آپ بات کر رہے ہیں اور کیا آپ پیٹرول کار کا نمبر بتا سکتے ہیں؟''

''میں لیک ویو پر ڈرائیو کر رہا ہوں۔ قاتل نیلی کار میں بھاگا ہے..... میں اُس کے پیچھے ہوں۔''

''جناب میری درخواست ہے کہ جائے وقوع پر واپس جائیے۔''

میری نگاہ ٹریفک میں نیلی فورڈ کھوج رہی تھی۔ پلیٹ نمبر کے ساتھ ڈریگن، سانپ یا پرواز کرتا پرندہ تھا۔ کچھ بھی تھا، بلاشبہ وہ سرخ تھا۔ پلیٹ فلوریڈا کی نہیں تھی۔ سرخ اشارے پر مجھے رکنا پڑا۔ سیل فون کا اسپیکر آن تھا۔ آپریٹر

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

میرا نام مانگ رہی تھی اور ہدایت دے رہی تھی کہ میں جائے واردات پر واپس جاؤں۔

سبز اشارے پر میں نے ٹریک میں راستہ بناتے ہوئے رفتار بڑھانا شروع کی۔ معابدن میں لہو کی گردش تیز ہوگئی۔ فاصلے پر نیلی فورڈ مرکزی ٹریفک کے دریا میں ابھر رہی تھی۔ ڈوب رہی تھی..... دائیں بائیں لہرا رہی تھی۔

''میری بات سنو۔ میں نے اسے دیکھ لیا ہے۔'' میں نے توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز کی۔

''جناب ہیرو مت بنیے۔'' آپریٹر نے شور مچایا۔

''ہمیں نمبر بتایئے، ہم سنبھال لیں گے۔''

ہیرو؟ نہیں نہیں میں تو اپنی کھال بچانے کے چکر میں تھا۔ کیسا منحوس دن تھا۔ میں کیا بتاتا۔ ابھی تک نمبر دیکھ نہیں پایا تھا۔ اشارے پر مجھے ایک بار پھر رکنا پڑا۔ تاہم نیلی سیڈان بھی رک گئی تھی۔ میرے اور اس کے درمیان دس بارہ گاڑیاں حائل تھیں۔ میں نے سڑک کا نشان دیکھا۔ آگے ون ٹین ہائی وے آنا تھا۔ اشارہ سبز ہوا۔ آنکھ مچولی پھر شروع ہوگئی۔ میں نیلی سیڈان کی پلیٹ دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''جناب آپ میری ہدایت.....'' آپریٹر متواتر شور مچا رہی تھی۔ اس مرتبہ ٹریفک قوانین میرے ذہن سے محو ہو گئے تھے۔

''وہ ہائی وے ون ٹین میں داخل ہونا چاہتا ہے۔''

جواب میں آپریٹر نے اپنی ہدایت پر زور دیا۔ دفعتاً میں بوکھلا اٹھا۔ ایک اور نیلی سیڈان دکھائی دے رہی تھی۔ دوسری کار دور نہیں تھی۔ میں پلیٹ پر ایک حرف ''اے'' دیکھنے میں کامیاب ہوگیا۔

''ایک دوسری نیلی کار بھی ہے۔'' میں نے آپریٹر کو اطلاع فراہم کی۔ اگر ایک ہائی وے پر گئی اور دوسری لیک ویو پر تو کیا ہوگا۔ میں کشمکش میں تھا۔ پہلی کار نے ہائی وے کا رخ کیا۔ میں سخت مشکل میں تھا۔ میں دوسری نیلی سیڈان کے قریب ہوا۔ وہ یقیناً فورڈ تھی۔ میں نے اس کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کرتے ہوئے آپریٹر کو بتایا۔ آپریٹر برہم ہو چلی تھی۔ میں نے فورڈ سے فاصلہ کم کیا۔ AB4 پلیٹ واضح ہوئی۔ میں نے رفتار بڑھائی۔ AB4-699 ٹینے سی کی پلیٹ تھی۔ پلیٹ کے ساتھ ایک نشان تھا لیکن وہ آرمی کا تھا۔ مزید یہ کہ وہ سرخ نہیں تھا۔ میں کیڈی، نیلی فورڈ کے متوازی لے گیا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر عورت موجود تھی۔ عقب میں مخصوص نشست پر ایک بچہ نظر آرہا تھا۔ میں نے مایوسی کے عالم میں اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارا۔ قاتل ہائی وے پر نکل گیا تھا۔

واپسی کے سوا کوئی دوسری راہ نہ تھی۔ میں نے خود کو بدتر صورتِ حال کے لیے تیار کیا۔ جس تیزی کے ساتھ غیر یقینی واقعات رونما ہوئے تھے، یوں لگ رہا تھا کہ میں کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا تھا۔ ذہن ماؤف ہو چکا تھا۔

''تمہیں ہائی وے ون ٹین پر نیلی فورڈ مرکری کو پکڑنا ہے۔'' میں نے آپریٹر سے کہا۔ ''پلیٹ نمبر کسی اور اسٹیٹ کی ہے۔ شروع کے حروف شاید AMD ہیں..... اس کے ساتھ ڈریگن یا پرندہ کا نشان ہے۔ میں جائے واردات کی طرف واپس جا رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر میں نے رابطہ منقطع کر دیا۔

☆☆☆

مجھے وضاحت کرنی تھی کہ مارٹی کے قتل میں میرا کوئی ہاتھ نہیں اور یہ کہ میں وہاں سے کیوں بھاگا..... تمام نہیں تو بیشتر پولیس مین وہی ہوں گے جو مارٹی کے ساتھ مجھے گھیر چکے تھے۔ جائے واردات پر پہنچنے سے قبل میں نے پولیس کی گاڑیاں دیکھ لیں۔ پولیس، گاڑیوں کا رخ بدل کے ٹریفک سائڈ اسٹریٹ پر ڈال رہی تھی۔ اس وقت مجھے ایک اچھے وکیل کی ضرورت تھی۔ میں سوچ رہا تھا کسے کال کروں..... گاڑیاں رینگ رہی تھیں۔ میری گرفتاری یقینی تھی۔ میں پولیس سے آٹھ گاڑیوں کے فاصلے پر تھا۔ دو وردی پوش ہاتھ سے ٹریفک کو اشارے کر رہے تھے۔

میرا دل شدت سے دھڑکا۔ دونوں میں سے ایک وہی مردود روئی تھا۔ مجھے اس کی دھمکی یاد آئی۔ اب کی بار تو ان کا ہی ایک ساتھی قتل ہوگیا تھا۔ میری خیر نہیں تھی۔ میرے دماغ نے کام کرنا بند کر دیا۔ دفعتاً روئی نے گاڑیوں کی قطار کو دیکھا اور اس کی نظریں میری سفید کیڈی پر جم گئیں۔ میرے بدن کا ہر خلیہ منجمد ہوگیا۔ گاڑیاں رکی ہوئی تھیں۔ مجھے کچھ اور نہیں سوجھا، میں نے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ سے ہٹا کے اوپر کر لیے۔ اس نے چیختے ہوئے اپنی گن کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ میں دہشت کے عالم میں اسے کیڈی کی طرف لپکتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

''میں نے کچھ نہیں کیا..... کچھ نہیں کیا۔'' میں چلّایا۔

''گاڑی سے باہر آؤ۔'' اس نے نشانہ لیا۔

میری سانس تھم گئی۔ ہنری نکل جاؤ..... اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے۔ میں نے جگہ بناتے ہوئے اسٹیئرنگ گھمایا اور قطار سے نکل کے گاڑی گھمائی۔ کیڈی کے پوری

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

طرح گھومنے سے پہلے ہی ونڈ شیلڈ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ وہ فائرنگ کر رہا تھا۔ میں نے ایکسلیریٹر دبایا۔ دوسری گولی نے کھڑکی کا شیشہ اُڑا دیا۔ کیڈی کے دو پہیے فٹ پاتھ پر چڑھے اور پھر سڑک پر واپس آئے۔ میں نے سر جھکایا ہوا تھا۔ مجھے نہیں معلوم مزید دو گولیاں گاڑی میں کہاں لگی تھیں۔ یہ بھی نہیں پتا تھا کہ میں زندگی کی سب سے مہلک غلطی کر رہا تھا۔ اتنا علم تھا کہ میں وہاں ٹھہرا تو مارا جاؤں گا۔

☆☆☆

JSO (جیکسن ول شیرف آفس) میں کیری ہومز کا وہ پہلا دن تھا۔ چار ماہ بعد پہلا دن۔ چار مہینے قبل اس کی دنیا اجڑی تھی۔ اس نے اپنے شوہر رابرٹ کو کھو دیا تھا اور بیٹا رائن اسپتال میں تھا..... اس کی زندگی کے چار ماہ اعصاب شکن تھے۔ زندگی کے انتہائی سخت مہینے لیکن وہ جانتی تھی کہ اسے JSO میں واپس آنا تھا۔ سابق کیری ہومز بن کے، جیسی کہ وہ تھی۔ زندگی نئے سرے سے شروع کرنی تھی۔ اس نے گہرا سانس لے کر ڈیٹکٹیو فلور پر ایلیویٹر سے باہر قدم رکھا۔

''کمیونٹی آؤٹ ریچ ڈائریکٹر۔ کیری کے بزنس کارڈ پر یہی لکھا تھا۔ وہ شیرف آفس اور عوام کے درمیان ایک اہم کڑی کے مانند تھی۔ چار ماہ کے دوران میں سربراہ بدل چکا تھا۔ نیا چیف ارمن ہال تھا۔

کیری کو توقع تھی کہ ایک دن وہ خود بطور ڈیٹکٹیو کام کرے گی۔ اس کا باپ نیو ہیمپشائر میں چیف ہوا کرتا تھا۔ کیری کا بڑا بھائی جیک ایف بی آئی میں تھا۔ وہ خیالات میں کھوئی ہوئی چار ماہ کے وقفے کے بعد اس وقت اپنے آفس کی طرف قدم بڑھا رہی تھی۔ کچھ نے اسے گلے لگایا۔ چند ایک نے ہیلو کہا۔ آفس کے ساتھی کیری کے شوہر رابرٹ کی بات کرنے سے پرہیز کر رہے تھے۔ البتہ انہوں نے کیری کے بیٹے رائن کی خیریت دریافت کی۔ رائن ''اٹلانٹک بیچ'' میں کیری کے والدین کے ساتھ تھا۔ وہ مقام اسپتال سے قریب تھا۔

کیری کی ڈیسک پر ایک کارڈ موجود تھا۔ کارڈ پر آفس کے ساتھیوں نے دستخط کے ساتھ اس کی واپسی پر مسرت کا اظہار کیا تھا۔ وہ کچھ دیر کارڈ کو دیکھتی رہی پھر فائلوں کے ڈھیر پر نظر ڈالی۔ فائلیں وہاں اس کی ڈپٹی، اینڈریا کارسن نے رکھ چھوڑی تھیں۔

کیری نے اپنی ڈیسک پر تقریباً دو گھنٹے گزارے تھے کہ اسے ڈیٹکٹیو فلور پر سرگرمی کا احساس ہوا۔ افرتفری سی نظر آ رہی تھی۔ وہ کھڑی ہو گئی۔ کیری نے نئے چیف کو اس کے چیمبر سے نکلتے دیکھا۔ کیری نے اپنے آفس سے باہر قدم رکھا۔ وہ ارمن ہال سے ملنا چاہتی تھی لیکن ہال کے سیکریٹری رابن کو دیکھ کر ٹھہر گئی۔ اس کے استفسار پر رابن نے ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ کہا۔

''ہمارے ایک ساتھی کو سڑک پر قتل کر دیا گیا ہے۔''

''اوہ نو.....'' کیری ہومز کا دورانِ خون معارک سا گیا۔ ''کون؟'' اس نے سرگوشی کی۔

''پیٹرول آفیسر مارٹی۔'' سیکریٹری نے افسردگی کے ساتھ جواب دیا۔

''راب مارٹی؟'' کیری کی آواز میں اذیت تھی۔ وہ برینٹ ووڈ کے کمیونٹی سینٹر میں مارٹی کے ساتھ کام کر چکی تھی۔ اسے مارٹی کی بیوی اور بچوں کا خیال آیا۔

''وہ معمول کے ٹریفک کنٹرول پر تھا۔ اسے پیٹرول کار میں گولی ماری گئی ہے۔'' رابن کا پُرملال انداز برقرار تھا۔

کیری کو یاد نہیں تھا کہ دورانِ ڈیوٹی آخری بار کون پولیس مین ہلاک ہوا تھا..... وہ بوجھل قدموں کے ساتھ ڈیسک پر واپس آئی اور مخصوص نیوز ویب سائٹ کو دیکھنا شروع کیا۔

بل ایکر نے اس کی حزنیہ یکسوئی میں خلل ڈالا۔ بل ایڈمن ڈپارٹمنٹ کا انچارج تھا۔ یعنی کیری کا بھی باس.....

وہ کھڑی ہوئی۔ ''میں نے ابھی سنا.....''

''سنو کیری، مجھے احساس ہے کہ آج تمہارا پہلا دن ہے اور یہ تمہارے لیے.....''

''سر میں تیار ہوں۔'' کیری کے لہجے میں پختگی تھی۔

بل ایکر نے اسے مختصر ہدایات دیں۔

''سر کوئی مشکوک فرد ہے؟''

''ہاں تم اس کی تصویر ڈیٹکٹیو ٹرینل پر دیکھ سکتی ہو۔ وہ ڈاکٹر ہے..... نام ہنری فری مین..... سفید کیڈیلاک ڈرائیو کر رہا ہے۔ اطلاعات کے مطابق مارٹی نے اسے ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی پر روکا تھا۔ ڈاکٹر ہنری نے مبینہ طور پر مزاحمت کی تھی۔ تصور کرو ایک پلاسٹک سرجن..... ایک نامور سرجن یہ کر سکتا ہے؟''

کیری نے کی بورڈ پر انگلیاں چلائیں۔

ہنری کے گھنے سنہری مائل بال تھے۔ خدوخال میں وجاہت اور چمک دار آنکھوں میں ذہانت جھلک رہی تھی۔ وہ کسی زاویے سے ایک قاتل کا چہرہ نہیں تھا۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''سر یہ ملزم ہے؟'' کیری کے سوال میں شک کا خفیف سا عنصر شامل تھا۔

''مجرم سمجھو۔'' بل ایکر کی پیشانی پر شکن تھی۔ ''خبیث جائے وارادت سے فرار ہو چکا ہے۔''

☆☆☆

میں ٹوٹی پھوٹی گاڑی اندھا دھند بھگا رہا تھا۔ دل غیر معمولی رفتار سے حلق میں دھڑک رہا تھا۔ سمت کا خیال نہیں تھا۔ دماغ میں ایک ہی دُھن تھی کہ رولی اور اس کے مسلح ساتھیوں سے دور نکل جاؤں۔ ہاتھ اسٹیئرنگ پر لرز رہے تھے۔

''اوکے، ہنری اوکے..... ہوش میں آؤ۔'' میں خود کو پولیس کے حوالے کرنا چاہتا تھا لیکن زندہ حالت میں۔ بدحواسی پر قابو پاتے ہوئے میں نے امکانات کا جائزہ لیا۔ فوری طور پر رابطے کے لیے ایک ہی نام ذہن میں آ رہا تھا۔ وہی قابلِ بھروسا تھا۔ مائیک وکیل تھا۔ اگرچہ اس کا شعبہ رئیل اسٹیٹ اور ٹیکس سے متعلق تھا۔ امکان تھا کہ اس کا کوئی دوست کرمنل لائر بھی ہو۔ کوئی یقین نہیں کرے گا کہ مجھ جیسا معروف ڈاکٹر پولیس کا قاتل ہو سکتا ہے..... کون سی منطق تھی۔ میرے پاس گن تھی اور نہ ہی کوئی محرک..... نہ کوئی وجہ۔ میں نے فیصلہ کیا کہ مائیک کے ذریعے خود کو پولیس کے حوالے کروں گا، زندہ حالت میں۔ مائیک تک پہنچنے کے لیے اٹلانٹک پائن تک جانا تھا جو زیادہ دور نہیں تھا لیکن ٹوٹے ہوئے شیشوں والی کار..... ٹاؤن کی پولیس سفید کیڈی کی تلاش میں ہوگی۔ مجھے کیڈی سے جان چھڑانی تھی۔ کیڈی میں اٹلانٹک پائن تک جانے کا خطرہ مول لینے کے بجائے میں نے شیرون ولیم پینٹ اسٹور کا رخ کیا۔ گاڑی اسٹور کے عقب میں روک کر میں نے سیل فون نکالا اور مائیک کا نمبر ملایا..... کم آن..... کم آن.....

''اوہ گاڈ.....'' جواب میں وائس میل ریکارڈنگ سنائی دی۔ میں نے پھر رابطے کی کوشش کی اگرچہ بے سود تھا۔ مجبور ہو کے میں نے ہنگامی پیغام روانہ کیا۔

''میں ہنری..... مائیک مجھے نہیں معلوم تمہیں علم ہو گیا ہے..... میں بھی نہیں جانتا کیا ہو رہا ہے..... میں بے قصور ہوں۔ مجھے تمہاری مدد درکار ہے..... فوراً کال کرو..... پلیز..... پلیز.....''

میں نے آنکھیں بند کر کے گہری گہری سانسیں لیں پھر ریڈیو آن کر دیا۔ اپنے بارے میں خبر کا مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ سیل فون نے ریڈیو سے توجہ ہٹا دی۔ وہ مائیک کی کال تھی۔

''وہ مجھے قاتل سمجھ رہے ہیں۔ مائیک یہ ناممکن ہے۔''

''ہنری مجھے تم پر یقین ہے۔''

''شکریہ مائیک، وقت کم ہے..... میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''میں تمہیں لے لیتا ہوں، کہاں ہو؟''

''نہیں مائیک، میں آ رہا ہوں۔ تم گھر پر ہو؟''

''ہاں، کچھ دیر کے لیے نکلا تھا۔ تم آ جاؤ۔''

میں نے رابطہ منقطع کیا اور گاڑی سے اتر گیا۔ کلیرون اِن کے قریب میں نے ایک ٹیکسی حاصل کی۔ ریڈیو آن تھا اور ڈرائیور باتونی۔ گفتگو سے بچنے کے لیے میں نے اخبار طلب کیا۔ اخبار بینی کے بہانے میں عالم ہراس میں ریڈیو سن رہا تھا۔

اٹلانٹک پائن سے کچھ فاصلے پر میں ٹیکسی سے اتر گیا۔ کچھ دور پیدل چلنے کے بعد میں مائیک کے شاندار گھر کے سامنے تھا۔ میں ٹھہر گیا۔ مائیک کی بیوی میگی کا سامنا نہیں ہونا چاہیے۔ میگی کی ٹاؤن میں اپنی رئیل اسٹیٹ ایجنسی تھی۔ ان کے دو بچے تھے۔ اس وقت ایک کالج اور دوسرے کو اسکول میں ہونا چاہیے۔ گیراج میں مائیک کی سلور جیکوار نظر آ رہی تھی۔ میں آگے بڑھا اور ڈور بیل بجائی۔ توقع تھی کہ مائیک ہی دروازہ کھولے گا۔ ردِعمل نہ ملنے پر میں نے دوسری پھر تیسری مرتبہ بیل بجائی۔ کیا ماجرا تھا۔ میں نے دروازے پر ہاتھ رکھا، وہ کھلا ہوا تھا..... دباؤ ڈالنے پر وہ کھلتا گیا۔ میں نے ہچکچاہٹ کے ساتھ اندر قدم رکھا۔ ''مائیک!''

میں حیران و پریشان تھا۔ ''مائیک..... کہاں ہو تم؟''

میرے دماغ میں نیا خدشہ سر اٹھانے لگا۔ اگر اس نے میرا یقین نہیں کیا تو کیا ہوگا۔ کیا اس نے پولیس کو خبر کر دی تھی؟ میں نے پکارنا بند کیا اور خاموشی سے گھر کو دیکھنا شروع کیا۔ نبض کی رفتار بڑھتی جا رہی تھی۔ کمروں میں بلکہ کچن میں بھی کوئی نہیں تھا۔ ہال وے کے ایک طرف چھوٹا کمرا تھا جسے وہ بطور آفس استعمال کرتا تھا۔ آفس کا دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ میں نے اندر جھانکا۔ وہ چرمی کرسی پر بیٹھا تھا۔ چشمہ پیشانی پر چڑھا ہوا تھا۔ وہ مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نعرہ زن ہوتے ہوتے رہ گیا۔ وہ مجھے نہیں دیکھ رہا تھا..... کسی کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بے جان تھیں۔ شرٹ پر دو سرخ دھبے تھے۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے، ٹانگوں

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

میں سے جان نکل گئی۔ وہ مر چکا تھا۔ یہ جاننے کے لیے میڈیکل ڈگری کی ضرورت نہیں تھی۔

''نہیں..... نہیں..... نہیں.....'' مجھ پر سکتہ طاری تھا۔ ''مائیک..... مائیک.....'' میں بے آواز چلا رہا تھا۔

آنکھوں میں آنسو تھے۔ میں دوسری خالی چرمی کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کا میرا تعلق بیس سال پرانا تھا۔ یہ کیا ہو گیا۔ کیسے ہو گیا..... یہ کیونکر ممکن ہے..... دفعتاً میرے خالی ذہن میں خطرے کی گھنٹی پوری آواز کے ساتھ شور کرنے لگی۔ اوپر تلے دو افراد ختم ہو گئے تھے اور دونوں کے ساتھ میرا تعلق ثابت شدہ تھا۔ اگر مائیک کی موت کا ذمّے دار میں تھا تو کسی کو یہ کیونکر علم ہوا کہ میں وہاں آنے والا ہوں۔ مجھے پسینہ آ گیا۔ کوئی مجھے ٹارگٹ کر رہا تھا لیکن یہ دیوانگی تھی۔ کون تھا؟ اور کیوں تھا؟ میں نے کسی کا کیا بگاڑا تھا؟ قریباً دو گھنٹے قبل میں نے جیکسن ول میں قدم رکھا تھا اور اب دو افراد بے رحمی سے قتل کر دیے گئے تھے۔ بلاشبہ مائیک کا قتل بھی میرے کھاتے میں درج کیا جانے والا تھا۔ میں پلک جھپکائے بغیر اپنے دوست کو تک رہا تھا۔ آنسو آنکھوں سے نکل کے رخساروں پر آ گئے تھے۔ ایسی بے یقینی اور بے بسی میں نے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ مارنی کی ہلاکت میں کسی نہ کسی طرح جان بچا لیتا..... لیکن مائیک..... یہاں ہر جگہ میرے فنگر پرنٹس اور ڈی این اے کی علامات موجود تھیں۔

کار کی آواز سن کے مجھے ہوش آیا۔ فی الفور مجھے یہاں سے نکلنا تھا۔ میں کچن کی طرف بھاگا۔ وہاں سے کپڑا لے کر میں نے یادداشت کے بل پر ممکنہ طور پر گھر کی ہر اس جگہ کو صاف کیا جسے میں نے چھوا تھا۔ مائیک کی ڈیسک پر سے میں نے اس کا سیل فون اٹھا لیا۔ اپنا فون استعمال کرنے میں خطرہ ہی خطرہ تھا۔ مجھے وہاں سے جیگوار کی چابی بھی مل گئی۔ میں مجرموں کے مانند متحرک تھا۔

جیگوار کے ساتھ ہی میں وہاں سے نکلا۔ کچھ دیر بعد میں ہائی وے ون ٹین (10-1) پر تھا۔ میں، مائیک سے معافی مانگنا نہیں بھولا تھا۔

ڈرائیونگ کے دوران میں متواتر ریڑیو کے ذریعے عقب میں جھانک رہا تھا۔ اچانک عقبی کھڑکی کے شیشے نے میری توجہ کھینچ لی۔ میرے جسم میں کرنٹ دوڑ گیا۔ دہشت نے حواس کو گرفت میں لے لیا تھا۔ میں نے گاڑی ایک جگہ روک دی اور پلٹ کے دیکھا۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے شیشے پر چسپاں اسٹیکر کو گھور رہا تھا۔ وہ بالکل ویسا ہی تھا جو میں نے نیلی فورڈ مرکری کی پلیٹ نمبر کے ساتھ دیکھا تھا۔ ڈریگن نہیں پرندہ تھا۔ نکیلی چونچ اور سرخ پروں والا پرندہ..... دم لمبی تھی۔ سرخ لڑاکا مرغ۔

اوہ گاڈ! وہ نشان یونیورسٹی آف ساؤتھ کیرولینا کا مسکوٹ (mascot) تھا۔ مائیک کا بڑا بیٹا یونیورسٹی کا طالب علم تھا۔

☆☆☆

موٹی گردن والا آدمی شیشے کی دوسری طرف آفیسر کے مقابل تھا۔ اس کے گنجے سر کے گرد نارنجی بالوں کی جھالر تھی۔

''میں امنڈا ہُوفر کا فادر ہوں۔'' اس نے آئی ڈی آگے بڑھائی۔

لونڈس کاؤنٹی جیل کے ڈیوٹی گارڈ نے آئی ڈی چیک کی اور ونسی ہوفر کو بوتھ نمبر ٹو کی طرف بھیج دیا۔ ونسی ہوفر بوتھ نمبر ٹو میں کرسی پر بیٹھ کر بیٹی کا انتظار کرنے لگا۔ ونسی نے ڈیڑھ سال پہلے جولی کو کھویا تھا۔ وہ کینسر کا شکار ہو گئی تھی۔ برسوں پہلے وہ اپنی اہم ملازمت کھو چکا تھا۔ ملازمت کے ساتھ مراعات بھی..... اب وہ چھوٹی موٹی جاب کر کے گزارا کرتا تھا۔ گھر سے بھی محروم ہوا..... زندگی زخم زخم تھی۔ لیکن یہ آخری زخم..... اس کی بیٹی امنڈا.....

امنڈا کو نارنجی لباس میں لایا گیا۔ وہ نڈھال اور خوف زدہ لگ رہی تھی۔ اس نے تھکی ہوئی نگاہ باپ پر ڈالی۔ ونسی فکرمند اور شرمندہ دکھائی دیا۔ وہ ایسا آزاد فخرمند شکاری نظر آ رہا تھا جسے پنجرے میں ڈال دیا گیا ہو۔

''ڈیڈی؟''

ونسی نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ امنڈا کے طرزِ زندگی سے نالاں تھا۔ بہرحال وہ اس کی بیٹی تھی۔ خود وہ اپنے ماضی سے مطمئن نہیں تھا۔ گزرا ہوا ایک سال تو خاصا تکلیف دہ تھا۔

''ڈیڈی وہ حادثہ..... وکیل بتا رہا تھا کہ سیکنڈ ڈگری مرڈر ثابت ہوا تو مجھے بیس سال کی سزا ہو سکتی ہے۔'' امنڈا نے رُندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ''ڈیڈی میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا تھا۔ وہ ایک ایکسیڈنٹ.....''

''میں جانتا ہوں تم خوف زدہ ہو لیکن تم نے ایک عورت اور اس کے ننھے بچے کو مار دیا ہے۔ ڈرائیونگ کے وقت تم نشے میں تھیں۔''

''ڈیڈی میری زندگی کے بیس سال..... ڈیڈی آپ کو میری مدد کرنی ہوگی۔'' وہ رو پڑی۔

ونسی آگاہ تھا کہ وہ امنڈا کی توقعات پر پورا نہیں اتر

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

سکتا۔ تاہم وہ کچھ نہ کچھ کرے گا۔ ضرور کرے گا۔ اپنے طریقے سے..... دوسرے انداز سے۔

''ڈیڈی جواب دو۔ آپ کے تعلقات ہونے چاہئیں۔ آپ پولیس میں تھے۔ آپ کو کچھ کرنا ہوگا۔'' امنڈا نے فریاد کی۔

وسی کے پیٹ میں چنگاری بھڑکی۔ غصے کے تیل نے چنگاری کو شعلے میں بدل دیا۔ بلاشبہ اس کی بیٹی کی وجہ سے دو معصوم جانیں گئی تھیں۔ امنڈا کو قیمت ادا کرنی تھی لیکن..... لیکن سزاوہ اکیلے نہیں بھگتے گی۔ وسی نے آگے جھک کر سوال کیا۔ ''گولیاں کس نے دی تھیں تم کو؟ اوکسی کونٹین (ڈرگ) کہاں سے آئی تھی؟ تمہارا دوست.....''

''اوکسی مجھے کسی نے نہیں دی تھی۔ آپ نہیں سمجھ رہے۔ جسے ضرورت ہوتی ہے اسے یہ چیزیں مل جاتی ہیں۔ مجھے ضرورت تھی۔ آپ کیا چاہتے ہیں..... میری مدد کریں.....''

''تمہاری منشا کے مطابق نہیں کرسکتا۔''

''کیا کریں گے؟ کس طرح کریں گے؟''

''اوکسی تمہیں کس نے دی تھی؟'' وسی نے اپنا سوال دہرایا۔ ''وہ تمہارا دوست تھا۔ کون تھا..... وہ تمہارا دوست کوبرن؟''

امنڈا کے تاثرات بدل گئے۔ وہ پیچھے ہٹ گئی۔

''آپ غلط ہیں۔ ڈیڈی آپ ہمیشہ غلط کرتے رہے۔'' اس نے ناراضگی سے کہا۔

''پلیز جواب دو..... کس نے مجھ سے میری بیٹی چھینی ہے؟''

امنڈا کی آنکھوں میں غصہ تھا۔ ''بیس سال؟ میری پوری زندگی..... میں یہاں گزاروں گی۔ کیوں آئے ہیں آپ..... یہ معلوم کرنے کہ آپ کی بیٹی کو کس نے چھینا ہے۔ اس طرح آپ میری مدد کریں گے۔'' وہ ہنسنے لگی۔ ''ڈیڈی وہ آپ ہو، آپ نے اپنی بیٹی کو خود سے جدا کیا ہے۔ یہی سچائی ہے۔ منشیات کا قصور نہیں ہے نہ میرے دوست ذمے دار ہیں۔ ڈیڈی خود کو دیکھو، آپ ذمے دار ہو..... آپ میری مدد کروگے؟ آپ اپنی مدد نہیں کرسکے۔'' وہ چیخنے لگی۔ ''آپ باہر رہ کر بھی میری طرح قید رہوگے..... ہم دونوں قید ہیں۔ چلے جاؤ ڈیڈی..... جاؤ..... سڑنے دو مجھے یہاں.....''

☆☆☆

سرخ رنگ کا لڑاکا مرغ میرے دل و دماغ میں سرایت کر گیا تھا۔ مارٹی اور مائیک کا قاتل ایک تھا؟ یہ اتفاق تھا یا کچھ اور؟ وہی سرخ مرغ کا نشان مائیک کی جیکوار کی کھڑکی کے شیشے پر؟ کیا اسرار ہے.....

میں نے گاڑی اسٹارٹ کر کے دوبارہ ہائی وے پر ڈال دی تھی۔ فی الحال میں اس گاڑی میں محفوظ تھا۔ تاوقتیکہ مائیک کی موت خبر نہ بن جاتی۔ تاہم میرے پاس زیادہ مہلت نہیں تھی۔ مائیک کی بیوی میگی کو علم تھا کہ میرا مائیک کے ساتھ گالف کا پروگرام تھا۔ اب مائیک مر چکا تھا اور میں اس کا سیل فون مع گاڑی لے کر غائب ہو چکا تھا۔ براہِ راست میں ہی ملزم تھا۔ میرے لیے صفائی پیش کرنا محال تھا۔ میں ہائی وے سے اتر گیا۔ جیکوار میں ون ڈکسی فوڈ مارکیٹ کی پارکنگ میں لے آیا تھا۔ میں وہاں ٹھہر کے سوچ رہا تھا کہ کس سے مدد مانگوں، کس پر بھروسا کروں؟

بار، بار ایک ہی نام دودِ دماغ پر دستک دے رہا تھا۔ میری بیوی کا نام..... علیحدگی کے باوجود ہمارے درمیان بات چیت کا رشتہ قائم تھا۔ غالباً اس کی ایک وجہ ہماری سترہ سالہ بیٹی ہیلی بھی تھی۔ کیٹ امیگریشن لائر تھی۔ میں نے اس کے آفس کا نمبر ملایا۔ اس کی سیکریٹری کو میں نے اپنا نام عمداً مین (man) بتایا۔ ڈاکٹر ہنری فری مین کہنے سے میں نے احتراز کیا تھا۔ سیکریٹری لیرا نے معذرت کے ساتھ اطلاع دی کہ میڈم میٹنگ میں ہیں۔

''میرا نام بتاؤ..... یہ ایمرجنسی ہے۔'' میں نے زور دیا۔ کیٹ مجھے ''مین'' کی عرفیت سے پکارتی تھی۔

کچھ دیر بعد کیٹ کی آواز آئی۔ ''ایسا کیا ہے ''مین'' تم نے مجھے میٹنگ سے اٹھالیا۔''

''بڑی مصیبت میں ہوں۔ کیٹ تمہاری مدد درکار ہے۔''

''کیا ہوا؟ ہیلی تو ٹھیک ہے؟'' وہ پریشان ہوگئی۔

''وہ ٹھیک ہے۔ مسئلہ میرے ساتھ ہے.....'' میں نے کہانی سنائی۔ درمیان میں اس کے سوالات اور پریشانی میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس نے میٹنگ کو فراموش کر دیا تھا..... میں نے اسے بتایا کہ نیلی فورڈ کی نمبر پلیٹ ساؤتھ کیرولینا کی تھی۔ اس نے سوال کر دیا کہ میں نے نمبر نہیں دیکھے تو کیونکر بتا رہا ہوں کہ پلیٹ ساؤتھ کیرولینا کی تھی۔ اس کی پریشانی وکیل ہونے کے باوجود ہراس میں بدلنے لگی..... میں نے آنکھیں بند کر کے وقفہ لیا۔ مائیک کا ذکر ابھی تک نہیں آیا تھا۔ میں نے اٹک اٹک کر ہارر اسٹوری کا بقیہ حصہ مکمل کیا۔ دوسری طرف سکوت تھا۔ میں نے تصور کی آنکھ

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

سے دیکھا کہ کیٹ کا چہرہ پیلا پڑ گیا ہے۔ اس کی خاموشی میری بدحواسی کو بڑھا رہی تھی۔

''تمہارے خیال میں مائیک کا بیٹا ملوث ہے؟'' کیٹ نے سوال کیا۔

''میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' یہ سب سمجھ سے بالاتر ہے۔'' میں نے کہا۔

''مجھے تھوڑا وقت دو۔'' وہ بولی۔ ''مین، پلیز اگر اس دوران پولیس سے مڈبھیڑ ہو تو مزاحمت نہ کرنا۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے پژمردگی سے کہا۔ ''ایک کام کرنا..... قبل اس کے ہیلی کو کسی اور ذریعے سے معلوم ہو، تم اسے سمجھا دینا۔''

''او کے..... دیکھتی ہوں اور کیا کر سکتی ہوں۔ گاڑی سے جان چھڑاؤ۔ پبلک میں رہو یا کسی موٹیل میں جاؤ۔''

''کیٹ.....'' میری زبان لڑکھڑائی۔ ''میرے پاس شکریہ کے الفاظ نہیں ہیں۔''

''ہم بیس برس ساتھ رہے تھے۔'' اس نے نرمی سے کہا۔

''ہاں.....'' میں نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

☆☆☆

میں ریڈیو پر پولیس افسر مارٹی کے قتل کی خبر سن رہا تھا..... ان کے لیے فی الحال میں قاتل تھا۔ کسی بھی وقت مائیک کی باڈی دریافت ہو جاتی اور مجھے دہرے قتل میں ملوث سمجھا جاتا۔ ایک معروف ڈاکٹر کو قاتل بنا کے پیش کیا جا رہا تھا۔ میں خود کو سنبھالنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ ڈاکٹر ہنری فری مین، ساؤتھ فلوریڈا کا معروف سرجن..... ایک قاتل کے روپ میں تھا۔ میں نے چکراتے دماغ کے ساتھ سوچنا شروع کیا۔ ''ڈاکٹرز ود آؤٹ بارڈرز'' کانفرنس کے ہیڈ کا نام رچرڈ ٹیلر تھا۔ کانفرنس میں اس نے مجھے مدعو کیا تھا۔ تاہم میں نے اسے کال کرنے کا خیال مسترد کر دیا۔ دوسرا نام جینیفر کیگان کا تھا۔ وہ مجھ پر یقین کر سکتی تھی۔ وہ ہوٹل حیات (Hyatt) میں مقیم تھی۔ میں نے اس کا نمبر ملایا۔ رابطہ قائم ہوتے ہی میں نے درخواست کی تھی کہ وہ فون بند نہ کرے..... خبریں اس تک پہنچ گئی تھیں۔ میری آواز پر اس کا ردِعمل حیرت کے سوا کچھ اور نہ تھا۔ اسی نے مجھے بتایا کہ خبر سب تک پہنچ چکی ہے۔

''جینیفر پلیز مجھ پر بھروسا کرو۔ میرے پاس وقت کم ہے۔ میں سب سمجھا دوں گا۔ میں قاتل نہیں ہوں۔ خود کو پولیس کے حوالے کر دوں گا لیکن مجھے کچھ تیاری کرنی ہے۔ چند گھنٹے درکار ہیں اور کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ صرف چند گھنٹے.....'' میں نے لجاجت سے کہا۔ لہجے میں بے بسی تھی۔

''تم یہاں آنا چاہتے ہو؟'' اس کی حیرت کم نہیں ہوئی تھی۔

''بس دو تین گھنٹے..... وعدہ کرتا ہوں تم کو کسی مصیبت سے دوچار نہیں کروں گا۔''

☆☆☆

میں نے جیگوار ہوٹل حیات کے دو منزلہ گیراج کی دوسری منزل پر چھوڑ دی تھی۔ مائیک کی جیگوار ابھی تک خبروں سے باہر تھی..... میرے سر پر گالف کیپ اور جلد ایک گالفر کا تھا۔ لابی میں خاصی بھیڑ تھی۔ بظاہر سب ٹھیک معلوم ہو رہا تھا۔ ایلیویٹر کے ذریعے مجھے کمرا نمبر 2017 میں جانا تھا۔ میں نے قدم بڑھائے۔ آنکھیں گھوم رہی تھیں تاہم یہ کسی جاسوس کی آنکھیں نہیں تھیں۔ باوجود اس کے میں نے اسے دیکھ لیا۔ وہ ریسٹ روم کے قریب دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ بالائی دھڑ پر گہرے نیلے رنگ کی جیکٹ تھی۔ عام سا انداز تھا۔ میں اسے ہوٹل سیکیورٹی کا فرد سمجھتا اگر میں نے اسے پہلے نہ دیکھا ہوتا۔ مارٹی کے ساتھ جو پولیس اہلکار تھے، نیلی جیکٹ والا ان میں سے ایک تھا۔ میری گردن پر چیونٹیوں نے رینگنا شروع کر دیا۔ اعصاب یک لخت کشیدہ ہو گئے تھے۔ میں نے رخ تبدیل کیا۔ وہ یہاں کیا کر رہا تھا؟ یہ آسان سوال تھا۔ جواب بھی سادہ تھا۔ میرے لیے پھندا تیار تھا۔ جینیفر کو الزام دینا بے معنی تھا۔ میں ہوٹل میں ہونے کے باوجود فی الحال اس لیے آزاد تھا کہ فرنٹ کے بجائے گیراج کی دوسری منزل پر اترا تھا۔ وجہ جیگوار تھی۔ میں ہراساں ہو چلا تھا۔ زاویہ بدلا تو اندازہ ہوا کہ سادہ لباس والے مجھے دبوچنے کے لیے جا بجا بکھرے ہوئے تھے۔ جینیفر کیگان سے ملنے کا سوال نہ تھا۔ مجھے جان بچا کے ہوٹل سے نکلنا تھا۔ دفعتاً مائیک کے سیل فون کی رنگ ٹون نے مجھے چونکا دیا۔ اگر کیٹ نے کال کی تھی تو مجھے کال وصول کرنی چاہیے تھی۔ سیل فون نکال کر میں نے اسکرین پر نظر ڈالی۔ وہ ہیلی تھی۔

مجھے تعجب ہوا۔ تیسری ٹون پر میں نے سبز بٹن دبایا۔

''ہیلی.....''

جواب میں مردانہ آواز سن کے مجھے زوردار جھٹکا لگا۔

''ڈاکٹر یہ سب کیسا لگ رہا ہے؟''

☆☆☆

میں برفانی مجسمے میں ڈھل گیا۔ وہ جو کوئی بھی تھا

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

بھیانک صورتِ حال کا ذمے دار تھا اور اب میری بیٹی کے فون سے بات کر رہا تھا۔

''کون ہو؟ میری بیٹی کہاں ہے؟'' دہشت نے مجھے جکڑ لیا۔

''بیٹی کو زندہ دیکھنا ہے تو ایک کام کرنا۔''

''کیا؟''

''خود کو پولیس کے حوالے مت کرنا نہ اُن کی گرفت میں آنا۔ ہیلی کے بارے میں پولیس اور پریس تک بات نہ پہنچے۔ میری ہدایات کے خلاف گئے تو ہیلی کے سر میں گولی مار دوں گا۔ اور اسے میرا احسان سمجھنا۔'' اس کا لہجہ سفاک تھا..... نفرت سے بھرپور۔

میری سانس رکنے لگی۔ ''ڈاکٹر، سمجھ گئے؟''

''سمجھ گیا۔''

''ڈیڈی..... ڈیڈی، کہاں ہو؟'' معاً ہیلی کی خوف میں ڈوبی آواز سنائی دی۔ میری حرکتِ قلب تھم گئی۔

''ہنی..... اوہ بے بی.....''

''ڈیڈی..... پلیز اس کی بات مانو..... یہ پاگل ہے۔ پلیز، آئی لو یو ڈیڈی.....'' ہیلی کی آواز معدوم ہوگئی۔

''عقل سے کام لینا۔'' مردانہ آواز سنائی دی۔

''اس کے بال کو بھی چھوا تو ختم کردوں گا۔''

''فضول بکواس نہ کرو ڈاکٹر۔ بیٹی کو زندہ دیکھنا ہے تو میرے کہنے پر چلو۔''

''کیوں کر رہے ہو؟ کون ہو؟ کیا چاہیے؟ کتنی رقم لو گے؟ میں دوں گا.....'' میں نے کانپنا شروع کردیا۔

''پہلا کام یہ کرو کہ نیا فون لے کر نمبر ہیلی کو روانہ کردو..... جب تک تم زندہ اور محفوظ ہو، ہیلی بھی زندہ ہے۔'' میرے کچھ کہنے سے قبل اس نے فون بند کردیا۔

☆☆☆

میں نے بغور اطراف کا جائزہ لیا۔ جس طرف سے آیا تھا۔ اُدھر سے واپس جانے کا امکان مفقود تھا۔ میں نے پلٹ کے نیلی جیکٹ والے کی سمت دیکھا۔ عین اس وقت اس نے مجھے دیکھا۔ نظریں چار ہوئیں۔ دل نے دھڑکنے سے انکار کردیا۔ اس نے مجھے پہچان کر قدم بڑھایا۔ میں نے مخالف سمت میں حرکت کی۔

''ہنری..... ہنری فری مین'' وہ چیخا اور ریڈیو نکالا۔

میں دوڑ پڑا۔ بدحواسی نے مجھے گھیر لیا تھا۔ میں بھیڑ میں راستہ بنا رہا تھا۔ مجھے نہیں معلوم وہ کونسا ایلیویٹر تھا، کون سی منزل پر جا رہا تھا۔ میں اس کے کھلے ڈور میں کود گیا۔ نیلی جیکٹ والا جھپٹ رہا تھا۔ میں نے پینل پر ہاتھ مارا۔ وہ تیس فٹ کے فاصلے پر تھا جب اس نے گن نکالی۔

ایلیویٹر ڈور بند نہیں ہوا تھا۔ وہ پہلے بھی مجھ پر فائرنگ کرچکے تھے۔ میں پھر نشانے پر تھا۔ ڈور بند ہو رہا تھا جب پہلی گولی چلی۔ میں نے بند ہوتے ڈور کی آڑ لی۔ دوسری گولی چلی۔ پہلی ڈور سے ٹکرائی تھی۔ دوسری اندر ہینڈریل پر لگی اور پھر ڈور بند ہوگیا۔ ایلیویٹر کا رخ بالائی منزلوں کی طرف تھا۔ اوپر جانے کے بجائے میں چوتھی منزل پر اتر گیا اور سیڑھیوں کا رخ کیا۔ حتی الامکان تیزی سے میں دوسری منزل پر گیراج میں آیا۔ جگوار کو نظرانداز کرکے دوسری گاڑیوں کو دیکھا۔ قریب موجود سرخ جی ایم سی کا ڈور کھلا مل گیا۔ میں نے چابی کے لیے میٹ کے نیچے ہاتھ پھیرا۔ کچھ نہ ملا۔ ہانپتے کانپتے میں نے دو گاڑیاں مزید چیک کیں۔ مجھے اندازہ تھا کہ کسی بھی وقت ہوٹل سے نکلنے کا ہر راستہ مسدود ہوجائے گا۔ چوتھی گاڑی ٹویوٹا کرولا کا ڈور لاک نہیں تھا۔ چابی میٹ کے نیچے موجود تھی۔ میں نے انجن اسٹارٹ کیا اور بے ترتیب دھڑکنوں کے ساتھ وہاں سے نکلا..... ہوٹل کی حدود سے نکل کے میں نے سکون کی سانس لی۔ میں اب دُہرے قتل کا مفرور ملزم تھا۔ مصدقہ ملزم.....

☆☆☆

حیات سے فرار ہونے کے کچھ دیر بعد کیٹ کی کال آئی۔ وہ جز بز تھی کہ میں نے خود کو پولیس کے حوالے کیوں نہیں کیا اور یہ کہ میں وہاں گیا کیوں تھا۔ میں نے مختصراً اسے سمجھایا اور ہیلی کے بارے میں سوال کیا۔ ہیلی سے کیٹ کا رابطہ نہیں ہوا تھا۔ مجھے بتانا تھا، ڈرتے ڈرتے میں نے اسے ہیلی کے اغوا کے بارے میں بتایا۔ ردِعمل حسبِ توقع دردناک تھا۔ پہلے اسے یقین نہیں آیا پھر وہ سسک اٹھی۔

''کیا ہو رہا ہے مین..... مجھے بتاؤ تم نے کیا کردیا ہے؟ ایک قتل پھر دوسرا اور اب ہیلی.....''

''پلیز..... پلیز بھروسا کرو۔ میں خود بے خبر ہوں کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔'' میں نے چند منٹ کیٹ کو سمجھانے میں صرف کیے۔

''تاوان نہیں تو پھر وہ کیا چاہتا ہے؟ کوئی وجہ ہونی چاہیے؟''

''میں نہیں جانتا، وہ کیا چاہتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجھے سزا دے رہا ہے اور لطف اندوز ہو رہا ہے۔''

''ہیلی کو ہم اس کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتے۔''

''لیکن ہم پولیس کو بھی نہیں بتا سکتے۔'' میں نے کہا۔

waqarazeem www.pakistanipoint.com

''ہیلی زندہ ہے، وہ مجھے ٹارگٹ کر رہا ہے۔ کیٹ، ہم دونوں کو ہی کچھ کرنا ہے۔''

''ہم کیا کر سکتے ہیں؟'' کیٹ نے سوال کیا۔

''وہ گاڑی جس پر یونیورسٹی آف ساؤتھ کیرولینا کا مسکوٹ تھا۔''

''تم نے بتایا تھا کہ سرخ مرغ کا وہ مخصوص نشان مائیک کی گاڑی کے شیشے پر بھی تھا۔ مائیک کا کوئی تعلق ہے؟''

''میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''لیکن پہلے ہمیں ہیلی کے غیاب کو پوشیدہ رکھنا ہوگا۔ ہیلی کے تعلیمی ادارے کو اطلاع دینی پڑے گی کہ ہیلی گھر پر ہے۔ چند روز ہم یہ کر سکتے ہیں۔''

''تم نے مجھے خوف زدہ کر دیا ہے۔'' کیٹ رونے لگی۔

''حوصلہ رکھو، میں ہیلی کو تلاش کروں گا۔'' میں نے وعدہ کیا۔ فون بند کر کے میں نے ریڈیو آن کیا..... حیات سے میرے فرار کی خبر نشر ہو چکی تھی۔ تاہم ٹویوٹا کرولا کا ذکر نہیں تھا۔

☆☆☆

کیری ہومز، شیرف آفس میں مارٹی مرڈر کیس سے متعلق سات کالز وصول کر چکی تھی۔ تین کالز بوگس تھیں۔ ایک نے جائے واردات سے ڈاکٹر ہنری کی کیڈیلاک کو بھاگتے دیکھا اور گاڑی کی نمبر پلیٹ دیکھ لی تھی لیکن یہ کال غیر مفید تھی۔ کیونکہ کیڈیلاک کا نمبر پہلے ہی پولیس کے پاس تھا۔ پانچویں کال ہنری کے ہائی اسکول کے زمانے سے متعلق تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ اسکول میں اس کے پاس سے اسلحہ برآمد ہوا تھا۔ چھٹی کال کیپ ڈرائیور کی تھی جس کے مطابق ڈاکٹر کے حلیے کا آدمی اس کی کیب میں سوار ہوا تھا۔ ساتویں کال ہوٹل حیات میں کسی مہمان کی تھی۔ وہ وہاں فائرنگ کا گواہ تھا۔ ایک مزید کال حیات سے آئی تھی۔ مبینہ طور پر ڈاکٹر ہنری وہاں تینتیسویں (33) منزل پر دیکھا گیا تھا۔

کیری نے ڈاکٹر ہنری فری مین کی ویب سائٹ کا مطالعہ شروع کیا۔ اس نے جو کچھ دیکھا اور پڑھا، وہ متاثر کن تھا۔ ڈاکٹر کی شخصیت، تعلیم، کام..... کوئی چیز بھی موجودہ صورتِ حال سے لگا نہیں کھاتی تھی۔ ڈاکٹر کیوں، کس لیے ایک پولیس مین کو بے رحمی سے گولیوں کا نشانہ بنا سکتا تھا۔ کیری نے کرسی سے ٹیک لگائی اور آنکھیں بند کر لیں۔ دوسرے منٹ میسج بورڈ پر کال کا اشارہ ملا۔

''کیری ہومز فرام شیرف آفس۔'' کیری نے ہیڈ فون میں کہا۔

''میرے پاس قاتل کے بارے میں انفارمیشن ہے۔''

''ہاں بتاؤ۔'' کیری نے قلم اٹھایا۔

''میں نے نہیں کیا۔ کچھ نہیں کیا۔ قسم کھاتا ہوں۔ وہ کوئی اور تھا۔''

کیری ہڑبڑا اٹھی۔ اس نے ہاتھ بلند کر کے ڈیٹیکٹیو کو اشارہ کیا۔ ریکارڈنگ کا بٹن دبایا اور بیک وقت بل ایکر کو پیغام بھی روانہ کر دیا۔

''آرام سے بتاؤ، کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''مارٹی کے علاوہ بھی..... ہاں ابھی اور ہے.....''

کیری نے اسپیکر پر ہاتھ رکھ کے سرگوشی کی۔ ''ڈاکٹر ہنری.....'' ٹپ لائن پر خود ہنری فری مین ہے۔ خبر آناً فاناً فلور پر گردش کر گئی۔ کیری کے گرد افراد بڑھتے جا رہے تھے۔ چیف ڈیٹیکٹیو کیپٹن مون، بل ایکر..... چیف ہال بھی وہاں آ گیا۔ چیف ہال ہوٹل حیات کے شوٹنگ سین سے واپس آیا تھا۔ کیری کی دھڑکنیں بے قابو تھیں۔ وہ ہنری کو لائن پر مصروف رکھنے کے لیے کوشاں تھی۔ وہاں موجود تمام افراد خاموش زبان سے اور اشاروں سے کیری کو ہدایات دے رہے تھے۔ کیری آگاہ تھی کہ اسے تین منٹ ہنری کو لائن پر روکنا ہے۔

''میں کس کے ساتھ بات کر رہی ہوں؟'' اس نے شائستگی سے کہا۔ ''مجھے نام کے ساتھ حوالہ بھی درکار ہے۔ تم سمجھ سکتے ہو، یہاں کالز آتی رہی ہیں۔ بکثرت ٹپ.....''

''میرا خیال ہے کہ تم خوب جانتی ہو تم کس سے بات کر رہی ہو۔'' اس نے کہا۔ ''مارٹی کے کان کے قریب ایک گولی اور دوسری سر پر قدرے بلند..... اس کی کار کی ڈرائیونگ سائڈ کی کھڑکی کھلی تھی۔ اس کے پاس میرا ڈرائیونگ لائسنس ہونا چاہیے..... اتنا کافی ہے؟''

کیری کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ آگاہ تھی کہ قاتل لائن پر ہے۔

''ڈاکٹر ہنری تم نے کہا تھا..... اور بھی ہے، کیا ہے اور؟ کوئی اور حادثہ یا واردات؟'' وہ محتاط تھی۔

وقفے کے بعد آواز آئی۔ ''کیا تم ڈیٹیکٹیو کیری ہو؟''

کیری نے جھٹکا لیا۔ وہ حیران تھی۔ اس نے اردگرد کھڑے افراد کو دیکھا۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

''میں ایڈمن میں ہوں۔ کمیونٹی آؤٹ ریچ آفس۔ دراصل کئی ماہ بعد آفس میں میرا پہلا دن ہے۔''

''بہت خوب، کیری مجھے یقین ہے کہ اس وقت کمیونٹی آؤٹ ریچ ڈپارٹمنٹ کے بیشتر افراد تمہارے اردگرد ہوں گے؟''

کیری نے اس کے انداز میں شوخی محسوس کی۔

''ہاں۔'' وہ خود بھی مسکرائی۔ ''یہ سچ ہے۔''

ایک منٹ پندرہ سیکنڈ۔

اگلے غیر متعلق سوال نے کیری کو پھر حیرت زدہ کر دیا تھا۔

''معاف کرنا، اپنی اولاد کے بارے میں بتاؤ گی؟''

ہنری گفتگو کو کدھر لے جا رہا ہے؟ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کیری اور اس کے المیہ سے آگاہ تھا۔ اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں بات کرنے سے وہ ہچکچائی۔ بل ایکر نے سر کو جنبش دی۔

''ہاں۔'' کیری نے جواب دیا۔ ''میرا ایک بیٹا ہے۔ نو سال کا۔''

نوے سیکنڈ۔

''میری بھی ایک بیٹی ہے۔'' ہنری نے کہا۔ ''ہیلی، وہ سپر کڈ ہے۔ تمہارے بیٹے کی طرح۔''

''ویری گڈ۔'' کیری نے بیٹے کی تعریف سن کے مسرت محسوس کی۔

''پھر تمہیں سمجھنا چاہیے، میں کیا کہنے والا ہوں..... اگرچہ تم لوگ میرا یقین نہیں کرو گے۔'' ہنری نے اعتماد سے کہا۔

کیری نے جواب نہیں دیا لیکن ہولے سے مسکرائی۔ ہنری کی ویب سائٹ پر اس نے ہیلی کی تصویر دیکھی تھی۔

''ہیلی کو میری ضرورت ہے..... تمام دنیا سے زیادہ میری ضرورت ہے۔ کوئی حالات کو کیسے دیکھ رہا ہے، کیا سوچ رہا ہے..... میں ہیلی کی قسم کھاتا ہوں کہ آج مارٹی کے ساتھ جو کچھ ہوا اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے..... میں اپنی گاڑی میں بیٹھا ٹکٹ اور لائسنس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس وقت پٹاخے جیسی آواز نے میری توجہ بٹائی۔ میں نے نیلی فورڈ مرکری، مارٹی کی کار کے پاس رکتے دیکھی تھی۔ جو پٹاخوں کے بعد وہاں سے فرار ہو گئی..... میں نے جا کے دیکھا، مارٹی کو گولی ماری گئی تھی۔ میں وہاں سے اس لیے بھاگا کہ کم از کم نیلی فورڈ کا نمبر دیکھ لوں..... کیری سمجھ رہی ہو، جیسا میں نے بتایا ویسا ہی ہوا تھا۔ 911 پر میں نے کال کی تھی۔ فورڈ کی پلیٹ ساؤتھ کیرولینا کی ہے۔ اس کار کو تلاش کرو..... اور.....''

''ڈاکٹر، ماڈل اور نمبر کیا ہے؟'' کیری نے سوال کیا اور کلاک پر نظر ڈالی..... دو منٹ.....

''نمبر نہیں دیکھ سکا۔ لیکن پلیٹ ساؤتھ کیرولینا کی ہے۔ اور ماڈل.....'' ہنری کی آواز میں مایوسی در آئی۔

''ڈاکٹر ہنری میرا دوستانہ مشورہ ہے تم خود کو پولیس کے حوالے کر دو۔ تم نے کیا کیا ہے اور کیا نہیں کیا، ہم دیکھیں گے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہارے ساتھ.....''

''میں سمجھتا ہوں میرے ساتھ کیا ہوگا۔ مجھ پر پولیس نے آج دو مرتبہ گولیاں برسائی ہیں۔ کیری میری مدد کرنی ہے تو نیلی فورڈ کو تلاش کرو۔ اس کا نمبر ADJ یا AMD سے شروع ہوتا ہے۔ وہاں کہیں سیکیورٹی کیمرے چیک کرو۔''

دو منٹ تیس سیکنڈ۔

''کیری ایک بات یاد رکھنا میں نے بیٹی کی قسم کھائی ہے۔ تم سمجھ سکتی ہو، میرا کیا مطلب ہے۔ کاش میں خود کو پولیس کے حوالے کر سکتا..... کاش.....''

کیری کو شک ہوا کہ وہ کوئی بات شیئر کرنا چاہتا ہے۔

''نیلی فورڈ تلاش کرو۔ میں پولیس کے قریب نہیں آسکتا۔ اگر پولیس نے مجھے پکڑا تو پھر سب کچھ..... اوہ نو.....''

''ڈاکٹر کیا کہنا چاہ رہے ہو؟''

لائن ڈیڈ ہو گئی۔ کیری نے گہری سانس لے کر خارج کی۔

''بکواس کر رہا تھا۔'' کیپٹن مون نے تبصرہ کیا۔

''وہاں کئی افراد نے اسے مارٹی کی کار سے باہر آتے دیکھا تھا۔''

''کیری بہت عمدہ، تمہارا پہلا دن تھا۔'' چیف ہال نے ستائش کی۔ کیری استفسار کرنا چاہتی تھی کہ نیلی فورڈ کی تلاش کا کیا ہوگا..... دفعتاً کسی کی بلند آواز گونجی۔ ہومی سائڈ کے ٹونی ویلز کی شکل نظر آئی۔ ''ایک اور واردات، ہنری اسی کی بات کر رہا تھا۔ مقتول کا نام مائیک ڈینو ہے۔ اس کی بیوی نے اطلاع دی ہے۔ سینے میں دو گولیاں ماری گئی ہیں۔ مائیک کی سلور جیکوار غائب ہے۔ ڈاکٹر ہنری مشکوک ہے۔ اس کا مائیک کے ساتھ گالف کا پروگرام تھا۔''

☆☆☆

ونسی ہوفر جانتا تھا کہ امنڈا کا بوائے فرینڈ کوبرن کہاں مل سکتا ہے۔ ونسی ہوفر کو زیادہ تگ و دو نہیں کرنی پڑی تھی۔

''میں کہاں ہوں؟'' کوبرن نے کراہتے ہوئے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

آنکھیں کھولیں۔ اس نے تاریکی میں دیکھنے کی کوشش کی۔ جسم میں درد کی لہریں تھیں اور منہ میں خون کا ذائقہ۔ کوبرن کے لیے ہلنا محال تھا۔ ونسی ہوفر نے تشدد کے بعد اسے باندھ کے بیم کے ساتھ لٹکا دیا تھا۔

''کون ہے؟ کیا ہو رہا ہے؟ تم مجھ پر ظلم کیوں کر رہے ہو؟ تم مسٹر ہوفر ہو؟''

''لڑکے جان بچانی ہے تو میرے سوال کا جواب دو۔'' ونسی ہوفر کرسی کھینچ کے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے فلیش لائٹ کوبرن کی آنکھوں میں چمکائی۔

کوبرن نے آنکھیں سکیڑ کے سر ہلایا۔ وہ اپنے دماغ سے خوف کو نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''امنڈا کے ساتھ تم نے کیا کیا تھا؟''

''وہ میری دوست ہے مسٹر ہوفر۔'' کوبرن ہمیشہ ہی امنڈا کے باپ سے خائف رہتا تھا۔ امنڈا سے وہ جو کچھ سنتا رہا تھا، اس کے بعد وہ ونسی ہوفر کو ایک پاگل آدمی گردانتا تھا۔ ایک وقت تھا جب ونسی، امنڈا کی ماں کو بھی تشدد کا نشانہ بناتا تھا، جنگلی آدمی پالتو جانوروں کو بھی نہیں چھوڑتا تھا.....

ونسی کھڑا ہو گیا۔ ''لڑکے میں اوکسی (ڈرگ) کی بات کر رہا ہوں۔ اوکسی میری بیٹی کو کس نے دی تھی؟''

''ہم نے ایک دو بار تھوڑی سی استعمال کی تھی۔ میں بے قصور ہوں..... کوئی جرم نہیں کیا۔'' کوبرن روہانسا ہو گیا۔

''احمق، بتاتا ہوں تو نے کیا کیا..... تو نے امنڈا کی زندگی چرالی ہے۔ تجھے خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔'' ونسی غرایا۔

''میں نے کچھ نہیں کیا۔ نہیں..... نہیں..... مسٹر ونسی کیسی باتیں کر رہے ہو۔'' کوبرن رو پڑا۔

''تو نے اسے اوکسی کونٹین دی تھی۔ امنڈا نے ایک عورت اور اس کے بچے کو مار دیا۔ بدمعاش تو نے امنڈا کے علاوہ دو اور زندگیاں ختم کر دی ہیں۔''

''مجھے چھوڑ دو، اوکسی میں نے نہیں دی تھی۔'' وہ گڑگڑایا۔

''کس نے دی تھی؟''

''میں قسم کھاتا ہوں..... مسٹر ہوفر.....''

ونسی نے قریب رکھے بیگ میں سے کوئی چیز نکال کر کرسی پر رکھ دی۔ وہ ویلڈنگ ٹارچ تھی۔ چند سیکنڈ بعد ٹارچ نے اپنی زبان دکھائی۔ نیلا شعلہ دیکھ کر کوبرن مچلنے لگا۔

''پلیز مسٹر ہوفر، میری بات سنو..... پلیز.....''

''نام بتاؤ۔'' ونسی نے ویلڈنگ ٹارچ اٹھائی۔

''وہ اچھے لوگ نہیں ہیں۔ وہ مجھے مار دیں گے۔''

کوبرن نے آہ و زاری کی۔ ونسی پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے نیلا شعلہ کوبرن کی ننگی پنڈلی کو دکھایا۔ کوبرن چیخ رہا تھا..... تڑپ رہا تھا۔ ونسی کے اندازے کے برخلاف کوبرن کی مزاحمت نے جلد دم توڑ دیا۔ نام بتانے کے بعد وہ بے ہوش ہو گیا۔ ونسی نے بے ہوشی کے عالم میں رسی کی مدد سے کوبرن کا گلا گھونٹ کے اسے قیدِ حیات سے آزاد کیا۔ مرنے سے پہلے کوبرن نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ آنکھیں حلقوں سے اُبل رہی تھیں، وہاں دہشت ہی دہشت تھی۔ زبان باہر آ گئی تھی۔

ونسی نے اس کی قبر جنگل میں پہلے سے تیار رکھی تھی۔ لاش وہاں پھینک کر اس نے مٹی ڈالی اور اوپر سے اسے جھاڑیوں سے ڈھک دیا۔ ونسی کا اگلا ٹارگٹ ڈیکسٹر وان تھا۔

☆☆☆

کیری ہومز کا آفس میں پہلا دن ہی کافی سنسنی خیز ثابت ہوا تھا۔ واپسی میں اٹلانٹک بیچ جاتے ہوئے اس کا ذہن مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ اٹلانٹک بیچ میں اس کے والدین کا چھوٹا سا گھر تھا۔ کیری کا بیٹا رائن وہاں قریبی وولف سن چلڈرن اسپتال میں زیرِ علاج تھا۔ رائن کا علاج مختلف مراحل سے گزر کے فزیوتھراپی کی طرف آ گیا تھا۔ وہ اب تیزی سے روبہ صحت تھا۔ تھراپسٹ کی توجہ رائن کی بول چال اور عضلاتی حرکات کی طرف تھی۔ ڈاکٹرز کے مطابق وہ چند ماہ میں اسکول جانے کے قابل ہو سکتا تھا.....

کیری گھر پہنچی تو رائن تھراپی کے بعد واپس آ چکا تھا۔

''ہائے مام۔'' وہ کیری کو دیکھ کے اچھلا۔

''ہائے ٹائیگر۔'' کیری نے بڑھ کے اُسے ہوا میں اٹھایا۔

''بے بی میں نے خبر سنی تھی۔ تمہارا پہلا دن وہاں کیسا رہا؟'' کیری کے فادر نے کہا۔ وہ کسی وقت خود نیو ہیمپشائر میں پولیس چیف رہ چکا تھا۔

''کہانی ہے، میں بتاؤں گی..... پہلے ٹائیگر سے ملاقات کر لوں۔''

''مام میرے ساتھ کیچ کیچ کھیلو۔'' رائن نے ربر کی گیند نکالی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ رائن کو مسکراتے دیکھ کر کیری کو اپنے مرحوم شوہر رابرٹ کی مسکراہٹ یاد آتی تھی۔ شیرف آفس نے سینٹ جان کاؤنٹی میں یوتھ سینٹر اسپانسر کیا تھا۔ کیری وہاں تھی جب رابرٹ کی کال آئی۔ رابرٹ، رائن

سے متعلق اندوہناک اطلاع دینے سے قبل کیری کو شاک برداشت کرنے کے لیے تیار کر رہا تھا۔ تاہم کال کے آغاز میں ہی کیری نے کسی خوفناک بات کا ادراک کرلیا۔ رابرٹ اپنی آواز میں سے گھبراہٹ کا عنصر نکالنے میں ناکام رہا تھا..... آنسو کیری کی آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔ ''کیا ہوا رائن کو؟''

''ہنی وہ ساکر فیلڈ میں گرا تھا پھر اٹھ نہ سکا۔ میں یقین دلاتا ہوں..... وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کے بدن کا دایاں حصہ سن ہے۔ وہ ہوش میں نہیں ہے..... میں میموریل اسپتال میں ہوں۔''

☆☆☆

کیری افراتفری میں اسپتال پہنچی تھی۔ رابرٹ کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔ کیری، رائن کے بارے میں استفسار کرتے ہوئے دوسری منزل پر آئی۔ رائن آئی سی یو میں تھا۔ سرجن کے مطابق رائن کو AVM کا عارضہ لاحق تھا۔ رائن کی برین سرجری ہوئی تھی۔ AVM (آرٹری وینس میل فارمیشن) کیری کے فہم سے بالاتر تھا۔ وہ اتنا ہی سمجھ سکی کہ رائن خطرے میں ہے۔ ڈاکٹر بتا رہے تھے کہ اگلے اڑتالیس گھنٹے اہم اور نازک ہیں۔ یعنی فیصلہ کن..... کیری کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ خوف اس کے دل و دماغ پر حاوی تھا۔ نازک لمحات میں اسے رابرٹ کا سہارا درکار تھا لیکن رابرٹ کہاں تھا۔

''میرا شوہر کہاں ہے؟''

کیری کو جواب تاخیر سے ملا۔ ''وہ یہ صدمہ برداشت نہیں کرسکا۔''

''کیا مطلب؟'' کیری کی دھڑکن رک گئی۔

''وہ آپریشن روم میں ہے۔ امراضِ قلب کے بہترین ماہرین اس کے ساتھ ہیں۔'' جواب ملا۔

کیری کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ بیٹا آئی سی یو اور شوہر آپریشن روم میں تھا۔ وہ کوئی مذہبی رجحان کی حامل نہیں تھی لیکن دعا مانگنے کے علاوہ کیا کرسکتی تھی۔ اس کے لیے دعا کا سہارا ہی آخری امید تھی۔ بیٹا اور شوہر زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے تھے۔

اگلے چند گھنٹے کیری کی زندگی کا نازک ترین وقت تھا۔ ڈاکٹرز سر توڑ کوشش کے باوجود رابرٹ کو نہ بچا سکے۔

کیری بھی ڈھیر ہو جاتی۔ اس کے سر پر پہاڑ ٹوٹا تھا۔ وہ رائن کی وجہ سے کھڑی ہوئی تھی۔

☆☆☆

میں نے مائیک کا فون تلف کر دیا تھا۔ مناسب فون خرید کر میں نے نمبر ہیلی کو ٹیکسٹ کر دیا اور جواب کا انتظار کرنے لگا۔ وینڈی فاسٹ فوڈ سے ڈبل برگر حاصل کر کے خالی پیٹ کے احتجاج کا بندوبست کیا۔ میں نے وینڈی میں میز پر جانے کی حماقت نہیں کی تھی۔ مائیک کی جیگوار کی کھڑکی پر سرخ رنگ کا مسکوٹ میرے دماغ سے چپکا ہوا تھا۔ تاہم میں یہ معما حل نہ کرسکا۔ یہ محض ایک اتفاق تھا، اس کے سوا کوئی اور توجیہہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ ایک مووی تھیٹر کے قرب و جوار سے میں نے دوسری گاڑی کی نمبر پلیٹ کرولا کی پلیٹ سے تبدیل کر دی۔ کرولا میں آنکھ بند کرنے سے پیشتر میں نے ریڈیو آن کیا۔ چند منٹ بعد میری بوجھل پلکیں پٹ سے کھل گئیں۔ نیند گویا ہمیشہ کے لیے اُڑ گئی۔ خبر نشر ہو رہی تھی۔

''جیکسن ول میں قتل کا ملزم ماضی میں بھی واردات کا مرتکب ہوا تھا.....؟''

☆☆☆

''رپورٹ کے مطابق زمانۂ طالب علمی کے دوران ایمسٹ میں ایک طالب علم پُراسرار طور پر ڈوب کے ہلاک ہوا۔ مذکورہ حادثے میں جیکسن ول کا مفرور ملزم ہنری فری مین ملوث ہے۔''

''نہیں..... نہیں.....'' میں نے سر اسٹیئرنگ پر مارا۔

ایمسٹ کالج، 1980ء کا سال تھا۔ متوفی کا نام ٹیرنس کنفرڈ تھا۔ تین طالب علم رات میں جھیل پر گئے تھے، پانی انتہائی سرد تھا۔ تینوں میں میرا نام بھی تھا۔ تین میں سے دو واپس آئے۔ اگرچہ حادثے کی تحقیقات نتیجہ خیز ثابت نہ ہوسکی تھیں۔ تاہم میرا نام متنازعہ ہو چکا تھا۔ تحقیقاتی بورڈ کا سربراہ تھامس بوتھ بائی تھا۔ پُراسرار حادثے کو بائیس برس بیت گئے تھے۔

میں ریڈیو پر بوتھ بائی کا انٹرویو سن کے سر پیٹ رہا تھا۔ حتمی طور پر میں مجرم نہیں تھا لیکن بوتھ بائی کا انٹرویو مجموعی طور پر مجھے مشکوک ٹھہرا رہا تھا۔ میں اس وقت کرولا میں بیٹھا بوتھ بائی کو گالیاں دے رہا تھا۔ وہ مکمل حقائق کے بجائے اپنی قیاس آرائی میں لگا ہوا تھا۔

اُس رات میرے ساتھ ٹیرنس کے علاوہ تیسرا کلاس فیلو لیوک چیپل تھا۔ تحقیقات کے بعد فردِ جرم کسی پر عائد نہیں کی گئی تھی۔ تاہم حادثے کے بعد میری ساکھ متاثر ہوئی تھی۔ میرے ماضی کو کھودنے والا کون تھا۔ بلاشبہ اس کے پیچھے مارٹی اور مائیک کے قاتل کا ہاتھ تھا۔ وہی جس نے ہیلی کو اغوا

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کیا تھا۔ اب نیلی فورڈ کے بارے میں کون مجھ پر یقین کرے گا۔ ٹیرنس کی موت حادثہ تھی۔ وہ پچاس فٹ اوپر سے جھیل میں گرا تھا۔ لیوک چیپل اور میں بے گناہ تھے۔ ٹیرنس کو بچانے کی میں نے بھرپور کوشش کی تھی اور خود مرتے مرتے بچا تھا۔ کئی برس پہلے ایک مرتبہ میں نے کیٹ سے اس حادثے کا ذکر کیا تھا۔

نشست کے ساتھ ٹیک لگا کے میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں بُری طرح پھنس گیا تھا۔ مارٹی کا قاتل میرے ساتھ کھیل رہا تھا۔ یہ ایک جان لیوا اور خطرناک کھیل تھا۔ جس میں انسانی جان کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ ہیلی کو اس نے خونریز کھیل کا حصہ بنا لیا تھا لیکن یہ کھیل کیوں کھیلا جا رہا تھا؟ یہ ایک بہت بڑا سوال تھا۔

☆☆☆

آنکھ کھلنے پر پہلا خیال یہ تھا کہ میں بستر میں ہوں۔ تاہم فوراً ہی یہ خوش فہمی دور ہو گئی۔ میں ٹویوٹا کرولا کی عقبی نشست پر تھا۔ نیند کے بعد ذہن بہتر حالت میں تھا۔ تصور میں گزرے ہوئے بھیانک واقعات کی فلم چل رہی تھی۔ پولیس نے مجھے کیوں روکا تھا؟ مجھے ہتھکڑی کیوں ڈالی تھی؟ اور وہ عجیب و غریب، بے تکے سوالات.....؟ میرا ذہن چند منٹ بعد ہی خونریزی اور نیلی فورڈ کی طرف چلا گیا۔ دفعتاً چشم تصور نیلی فورڈ پر مرکوز ہو گئی۔ غالباً لاشعور کی کرشمہ سازی تھی۔ پردۂ تصور پر تین حروف اور ایک ہندسہ جگمگا رہے تھے۔ ADJ-4، یہی شروع کے حروف تھے۔ لائسنس پلیٹ ساؤتھ کیرولینا کی تھی۔ شروع کے حروف کی اُلجھن دور ہو گئی تھی۔ اب مجھے کسی نہ کسی طرح کیرولینا کے موٹر وھیکل ڈپارٹمنٹ کا ریکارڈ دیکھنا تھا۔ میں نے بشمول کیٹ تمام امکانات کا جائزہ لیا۔ کیٹ کو اس بکھیڑے سے میں حتی الامکان دور رکھنا چاہتا تھا۔ بالآخر میں نے ماروین سے رابطے کا فیصلہ کیا۔ ماروین، لاڈرڈیل ہاسپٹل سسٹم کا سابقہ ڈائریکٹر آپریشنز تھا۔ وہ پولیس اور بیوروکریسی کو خوب جانتا تھا۔ پبلک ریکارڈ تک رسائی اس کے لیے مشکل کام نہ تھا۔ وہ مجھ سے بھی اچھی طرح واقف تھا۔ اس کا بہت کم امکان تھا کہ وہ مجھ پر شک کرے.....

رابطے پر اس نے مجھے چند سیکنڈ انتظار کرایا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ آفس ڈور بند کر رہا تھا۔

''ہنری کیا ہو رہا ہے؟ کیا پاگل پن ہے؟ میں تمہیں جانتا ہوں۔ میڈیا بکواس کر رہا ہے۔ تم ایسا نہیں کر سکتے۔''

''ہاں، ماروین یہ پاگل پن ہے۔ سب جھوٹ ہے۔ میں ڈاکٹر ہوں، قاتل نہیں۔ میں مختصر بات کروں گا۔ مجھے تمہاری مدد چاہیے۔''

''ہاں بولو، میں کیا کر سکتا ہوں۔ ایک سیکنڈ۔'' وہ بولا۔ ''کل رات پولیس نے رابطہ کیا تھا۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ تم نے مجھے فون تو نہیں کیا تھا۔ تم کونسا فون استعمال کر رہے ہو؟''

''یہ نمبر محفوظ ہے۔ میں یہ فون بھی تبدیل کر لوں گا۔ تمہارے اعتماد کا شکریہ۔'' میں نے اسے مختصر کہانی سنا کر اپنی ضرورت بیان کی۔

''ہنری، فورڈ چوری کی بھی ہو سکتی ہے۔'' اس نے کہا۔

''میں سمجھتا ہوں لیکن شروع کرنے کے لیے میرے پاس یہی کچھ ہے۔''

''ممکن ہے تمہیں مشورے ملے ہوں کہ خود کو پولیس کے حوالے کر دو۔ میں زور نہیں دوں گا لیکن یہ بہتر رہے گا۔ انہوں نے پہلے تم پر گولی چلائی تھی اور تم ابھی تک ملزم ہو، مجرم نہیں۔ تم میرا یا کسی اور کا سہارا لو۔ میڈیا کو بتا دو کہ تم پولیس کے پاس آنا چاہتے ہو۔ پولیس تمہیں دیکھتے ہی گولی نہیں مار سکتی۔ بعدازاں تمہیں بے گناہ ثابت کرنے کے لیے کافی کچھ کیا جا سکتا ہے۔'' ماروین نے مشورہ دیا۔

میں نے حتی الامکان اختصار کے ساتھ ہیلی کا نام لیے بغیر اپنی مجبوریاں سمجھانے کی کوشش کی۔ میں نے ماروین سے جو کچھ کہا، اس کا خمیر یہی تھا کہ وہ مجھ پر بھروسا رکھے۔

''اوکے۔'' اس نے گہری سانس لی۔ ''بتاؤ میں تم سے رابطے میں کیسے رہوں گا؟''

''میں کال کروں گا یا نمبر ٹیکسٹ کروں گا۔''

☆☆☆

میرے پاس دو کام تھے۔ پولیس سے بچو اور کال کا انتظار کرو۔ بھروسا کرنے کے لیے میری مختصر فہرست تمام ہو گئی تھی۔ کل کیری سے بات کرتے ہوئے میں نے اس کی آواز میں خفیف سی ہمدردی کا عنصر محسوس کیا تھا۔ یہ میرا وہم بھی ہو سکتا تھا۔ تاہم ہچکچاہٹ کے ساتھ میں نے نمبر ملایا۔

''میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟'' کیری کی آواز سن کے میں نے سوال کیا۔

دوسری طرف خاموشی کے وقفے کے بعد سوالیہ جواب آیا۔ ''کون بات کر رہا ہے؟''

''کیری پلیز فون بند مت کرنا۔'' میں نے کہا۔ ''کسی کو خبردار نہ کرنا۔ پلیز کال ٹریس نہ کرنا..... میں کچھ بتانا چاہتا

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

ہوں۔''

دوسری جانب خاموشی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ میں نے اس کے بارے میں غلط اندازہ لگایا تھا۔ میں نے پھر درخواست کی۔ وہ خاموش تھی۔

''ڈاکٹر ہنری تم غلط کر رہے ہو۔''

اس کی آواز پر میں نے جلدی سے کہا۔ ''وہ نیلی فورڈ کا کیا ہوا..... میں نے کل بتایا تھا۔ نیلے رنگ کی فورڈ مرکری۔ کار کی لائسنس پلیٹ ساؤتھ کیرولینا کی ہے۔''

''میں نے بھی کچھ کہا تھا۔'' اس نے دھیمی لیکن مضبوط آواز میں کہا۔ ''تم خود کو پولیس کی تحویل میں دے دو۔ تم خبریں سن رہے ہو گے۔ تمہارے لیے صورتِ حال بہتر ہوتی جا رہی ہے۔''

''تم نے فورڈ کو تلاش کیا تھا؟''

''نہیں۔'' اس نے وقفہ لے کر جواب دیا۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ میں خود کو پولیس کے نہیں، کیری ہومز کے حوالے کر رہا ہوں۔ خطرہ ہی خطرہ تھا۔ مجھے فون بند کر دینا چاہیے تھا۔ فون بند کرنے کے بجائے میں نے کہا۔

''مجھے نہیں معلوم ایسا کیوں ہے لیکن دل کہتا ہے کہ تم پر بھروسا کرنا چاہیے۔''

''ڈاکٹر تم نامعقول بات کر رہے ہو۔ میں شیرف آفس کے لیے کام کرتی ہوں۔ میں تمہاری پرائیویٹ سیکیورٹی ٹیم کا حصہ نہیں ہوں۔''

''میں نہیں جانتا، صحیح اور غلط کیا ہے۔ مجھے اپنی بے گناہی ثابت کرنی ہے اور تم میری مدد کر سکتی ہو۔ مجھے بتاؤ تم کال ٹریس کر رہی ہو؟''

خاموشی..... اُسے اپنا کام کرنا تھا۔ اس کی ذمے داری تھی۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ میرے پاس ڈیڑھ منٹ تھا۔ میں نے تیزی سے بولنا شروع کیا۔

''مجھے مارٹی اور مائیک کو قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیوں، آخر کیوں؟ میں ایک کامیاب ڈاکٹر ہوں۔ جرائم پیشہ نہیں۔ میں اپنے دوست کو کیوں ماروں گا؟ ہمارا گالف کھیلنے کا پروگرام تھا، مائیک میرا کالج کے زمانے کا دوست تھا۔ میں مدد حاصل کرنے اُس کے گھر گیا تھا۔ وہ لائر تھا۔ مارٹی کی ہلاکت کے بعد اپنے سیل فون سے میں نے اسے دو کالز کی تھیں۔ چیک کیا جا سکتا ہے۔ میں وہاں پہنچا تو وہ مارا جا چکا تھا۔ مجھے وہاں سے بھاگنا ہی تھا۔ دوسرا راستہ نہیں تھا۔ میری پوزیشن مزید خراب ہو گئی تھی۔ کون میرا یقین کرتا؟'' کیری خاموش تھی۔ میں نے گھڑی پر نظر ماری۔

''انہوں نے مجھے وارننگ دے کر چھوڑ دیا تھا۔ گن کا ذکر نہیں تھا۔ میرے پاس اسلحہ ہوتا تو وہ مجھے جانے نہ دیتے۔''

''تم نے گن کہیں چھپا دی ہو گی۔'' کیری ہومز نے کہا۔

''ایسا کچھ نہیں تھا۔ میں نے گن کہاں سے حاصل کی؟ مجھے قبل از وقت کیونکر معلوم ہوا کہ مارٹی مجھے روکے گا؟''

''تم پولیس کے پاس آ جاؤ۔ مجھ پر بھروسا کرو۔ تمہیں صفائی کا پورا موقع دیا جائے گا۔ تم نے اچھے کام کیے ہیں، نکارا گوا میں اسکول بنایا۔ میں نے تمہاری بیٹی کا فوٹو.....'' معاً وہ خاموش ہو گئی۔ جیسے اسے احساس ہوا کہ وہ زیادہ بول گئی تھی۔

میرے ذہن میں امید کی کرن جگمگائی۔ ''تم نے میری ویب سائٹ دیکھی تھی؟''

''نہیں۔'' وہ یوں بولی گویا رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔ ''اوکے، ہاں۔ میں سائٹ پر گئی تھی۔''

''یعنی میرا اندازہ ٹھیک ہے۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''تمہیں موجودہ تمام صورتِ حال پر شک ہے۔ پلیز فورڈ تلاش کرو۔ شروع کا نمبر ADJ-4 ہے۔ آگے مزید تین نمبر ہوں گے۔ قاتل مارٹی کو شوٹ کر کے لیک ویو پر گیا تھا۔ آگے ہائی وے ون۔ ٹین پر مغرب کی سمت۔ پلیز کیمرے چیک کرو۔ فورڈ کی شناخت ہی میرا واحد سہارا ہے۔''

میرے تین منٹ ختم ہو رہے تھے۔ فیصلے کی گھڑی تھی۔

کیری نے نسبتاً نرم آواز میں کہا۔ ''تم نے کل کہا تھا کہ تم پولیس کے نزدیک نہیں آ سکتے..... تمہیں خوف ہے۔ کس بات کا؟''

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔ میں مجبور ہوں..... کاش بتا سکتا۔''

''تم کچھ چھپانے کی پوزیشن میں نہیں ہو۔'' اس نے کہا۔

''میں بتانا چاہتا ہوں لیکن بے بس ہوں۔ اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ یہ میری زندگی سے کئی گنا اہم ہے۔'' میں نے گھڑی دیکھی۔ یہ جُوا تھا۔ میں آگ سے کھیل رہا تھا۔ چوتھا

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

منٹ گزر رہا تھا۔ دفعتاً اس نے براہِ راست سوال کیا۔

''ڈاکٹر فری مین کیا تم نے مارٹی کو ہلاک کیا ہے؟ اس کی بیوی اور تین بچے ہیں۔ میں سننا چاہتی ہوں۔''

''نہیں، میں قسم کھاتا ہوں۔ کس کی قسم کھاؤں..... بیٹی، میں اپنی بیٹی کی قسم کھاتا ہوں۔ کاش تمہارے سامنے ہوتا، تم میری آنکھوں میں پڑھ لیتیں۔''

''اور وہ ایمسٹ کالج کا کیا قصہ ہے؟''

''وہ حادثہ تھا۔'' میں تڑخ اٹھا۔ ''کچھ ثابت نہیں ہوا نہ مجھے کالج سے نکالا گیا۔ تھامس بوتھ بائی نے حقائق کو توڑ مروڑ کے پیش کیا ہے۔ میں نے پوری زندگی میں کسی کو نہیں مارا۔ کیری میں ڈاکٹر ہوں۔''

''پھر تماشا کیا ہے؟ ڈاکٹر ہنری اگر تم نہیں ہو تو پھر یہ کون کر رہا ہے؟'' کیری کی آواز میں مایوسی کا رنگ تھا لیکن یہ سوال سے زیادہ الزام تھا اور یہ سوال میں گزشتہ چوبیس گھنٹوں میں سیکڑوں مرتبہ خود سے کر چکا تھا۔

''کیری فی الوقت میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ پلیز میری مدد کرو۔ فورڈ کو تلاش کرو۔ شروع کا نمبر ADJ-4 ہے۔ میرا یقین کرو..... شکریہ۔'' میں نے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

شام کے وقت کیری لیک ویو ڈرائیو پر تھی۔ اگر ڈاکٹر نے ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کی تھی تو اسے کیا ضرورت تھی کہ مارٹی کو ہلاک کرنے کی؟ قطعی غیر منطقی بات تھی۔ گن کا حوالہ کیوں نہیں تھا؟ ڈاکٹر نے دوست کو کیوں مارا؟ کیری اُلجھن میں تھی کہ وہ کیوں ڈاکٹر کے کہنے پر چل رہی ہے..... گومگو کی کیفیت تھی۔ کیا وہ غلط کر رہی تھی؟ اس کے ذہن کا ایک گوشہ کہہ رہا تھا کہ ڈاکٹر کی بات میں وزن ہے۔ کیری نے جب پہلی مرتبہ ڈاکٹر ہنری کی تصویر دیکھی تھی، اس وقت دل نے مسترد کر دیا تھا کہ وہ چہرہ کسی قاتل کا ہو سکتا ہے۔ اگرچہ کیری کی ڈیوٹی کا تقاضا تھا کہ دل کی بات نہ سنی جائے۔

لیک ویو پر کیمروں کی عدم موجودگی نے کیری ہومز کی مشکل میں اضافہ کر دیا۔ وہ سراغ رساں نہیں تھی تاہم سراغ رساں کے مانند مختلف مقامات پر پوچھ گچھ کر رہی تھی۔ پانچ فٹ پانچ انچ قد، اخروٹی رنگ کے شانوں پر پڑے گیسو اور ہلکے نیلے رنگ کی آنکھیں..... وہ تھی نہ ڈیٹیکٹیو نظر آتی تھی۔ اس کا رخ ہائی وے ون ٹین کی سمت تھا۔ کیری نے گولڈ کوسٹ سیونگ پر رکنے کی غلطی نہیں کی۔ اگرچہ بینک کے گرد کیمروں کی موجودگی یقینی تھی۔ شیرف آفس کی آئی ڈی کے باوجود بہرحال وہ سراغ رساں نہیں تھی۔ لہٰذا وہ آگے بڑھ گئی۔ اسی طرح اس نے فاسٹ فوڈ آؤٹ لیٹس اور شاپنگ مالز کو بھی بوجہ نظر انداز کر دیا۔ تاہم وہ ایگزون گیس اسٹیشن (پیٹرول پمپ) پر ٹھہر گئی۔ سروس اسٹیشن کے آفس میں کاؤنٹر پر موجود شخص سے کیری نے منیجر کے بارے میں دریافت کیا۔ دو منٹ بعد منیجر کی شکل نظر آئی۔

''کیا مدد کر سکتا ہوں؟''

''میں شیرف آفس سے ہوں۔'' کیری نے فوٹو آئی ڈی دکھائی۔ ''تمہیں کل کا حادثہ یاد ہوگا وہاں ایک پولیس افسر مارا گیا تھا۔'' کیری نے اسٹریٹ کا نام بھی لیا۔

منیجر نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اس طرف سے آنے والا ٹریفک کیمروں میں ہونا چاہیے۔ مجھے سیکیورٹی ٹیپ درکار ہے۔'' کیری نے مدعا بیان کیا۔

☆☆☆

ڈیکسٹر وان تک پہنچنے کے لیے ونسی کو پہلے وان کے کزن ڈیل کو ٹھکانے لگانا پڑا۔ اس نے یہ کام بلاتردد سرانجام دیا تھا۔ کوبرن کے مقابلے میں وان قدرے سخت جان ثابت ہوا تھا لیکن ونسی کی درندگی کے سامنے مزاحمت بے معنی تھی۔ ونسی نے گولی مار کے وان کا ایک گھٹنا توڑا اور کچھ دیر بعد دوسرا..... ونسی کا ایک ہی مطالبہ تھا..... وہ جاننا چاہتا تھا کہ وان کو ڈرگ کون سپلائی کرتا تھا۔ جان شلزر کا نام اگلوانے کے بعد ونسی نے آنسو بہاتے وان کے سینے میں گولی مار کے اس کے گھٹنوں کی تکلیف ختم کر دی۔

☆☆☆

کیری ایگزون اسٹیشن سے نکلی تو اُس کے پاس لفافے میں سیکیورٹی ٹیپس تھیں۔ جن پر کل صبح کی ٹریفک کو دیکھا جا سکتا تھا۔ واپسی پر ریور سائڈ پارک کے قریب حدِ رفتار پینتیس میل فی گھنٹا کی وارننگ کا نشان تھا۔ نگرانی کے لیے آٹومیٹک کیمرا تھا۔ کیری نے اسپیڈ وارننگ وڈیو اپنی دوست کے ذریعے حاصل کی جو ٹرانسپورٹیشن اتھارٹی میں کام کرتی تھی۔ کیری آفس کی چوتھی منزل پر وڈیو اسٹیشن میں داخل ہوئی اور روٹین کے خلاف نئے کام میں مصروف ہو گئی۔ اس نے باریک بینی سے ایگزون کی ریکارڈنگ کا مطالعہ کیا تاہم اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ کیری نے توجہ اسپیڈ وارننگ وڈیو کی طرف مبذول کی۔ اس کارِ بے سود میں کافی وقت ضائع ہو گیا تھا۔ کیری کی فرسٹریشن بڑھ گئی

www.pdfstuff.blogspot.com
www.paksociety.com

تھی۔ وہ اتنا اندازہ کر پائی تھی کہ نیلی گاڑی ایگزون کے قریب سے دس بج کے نو اور دس بج کے گیارہ منٹ کے دوران گزری تھی۔ وہ ایک کار دیکھ سکی تھی جس کے آخری تین نمبر 392 تھے۔ لائسنس پلیٹ کیرولینا کی تھی۔ ساؤتھ یا نارتھ کیرولینا کی تصدیق نہیں ہو سکی تھی۔ وہ شروع کے نمبر بھی نہ دیکھ سکی۔ مستزاد یہ کہ مذکورہ کار مرزا تھی۔ فورڈ نہ فورڈ مرکری.....

کیری نے نئے سرے سے اوقات کار کا حساب کیا۔ وہ ایگزون اسٹیشن سے حاصل کردہ ٹیپ میں ڈاکٹر ہنری کی کیڈیلاک کو لیک ویو پر دیکھ چکی تھی۔ وہ بظاہر فورڈ کے تعاقب میں تھا۔ کیری نے موہوم امید کے سہارے اسپیڈ وارننگ وڈیو کل صبح ساڑھے دس بجے سے دیکھنی شروع کی۔ دس پینتیس تک درجنوں گاڑیاں گزر گئیں۔ کیری کے اندر سے آواز اٹھ رہی تھی کہ وہ یہ فضول مشق ختم کر دے۔ دس چالیس، دس اکتالیس.....

''اوہ مائی گاڈ۔'' کیری کے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ ساؤتھ کیرولینا کی لائسنس پلیٹ تھی۔ ADJ-4392۔ لیکن وہ مرزا تھی نیلے رنگ کی مرزا؟ دفعتاً کیری کو خیال آیا کہ ڈاکٹر ہنری گاڑی اور نمبر کے بارے میں پُریقین نہیں تھا۔ ڈاکٹر کو یقین تھا کہ لائسنس پلیٹ ساؤتھ کیرولینا کی اور شروع کا نمبر ADJ-4 تھا۔

☆☆☆

''لیپ ٹاپ ہے تمہارے پاس؟'' ماروین نے سوال کیا۔

''میرا آئی پیڈ ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''ای میل چیک کرو۔''

میں نے اُس کی بھیجی ہوئی میل دیکھی۔ نام اور پتے کے ساتھ بارہ گاڑیاں تھیں جن کے نمبر ADJ-4 سے شروع ہوتے تھے۔ میں نے ماروین کا شکریہ ادا کیا۔

''ہنری میں نے وعدہ پورا کر دیا۔'' وہ بولا۔ ''پھر کہوں گا کہ پاگل پن ختم کرو۔ پولیس کو اپنا کام کرنے دو۔ خود کو پولیس کے حوالے کرو۔ تم خود کو ہلاکت میں ڈال رہے ہو؟''

''دوست یہ ممکن نہیں ہے۔ بعد میں کال کروں گا۔''

میں نے رابطہ منقطع کیا اور فہرست پر نظر ڈالی۔ وہاں چار نام عورتوں کے تھے۔ دو لائسنس پلیٹس ایکسپائر تھیں۔ وہ دونوں گاڑیاں چوری کی ہو سکتی تھیں۔ فہرست کو مختصر کرنے کے لیے میں نے مذکورہ چھ گاڑیوں پر نشان لگایا۔ ممکن تھا میری مطلوبہ کار بھی چوری کی ہو لیکن میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔

ہوم ڈپو سے میں نے دو سیل فون، ایک قینچی اور چند اشیا خریدیں۔ بعد ازاں ٹوائلٹ اسٹال کے مردانہ حصے میں چلا گیا۔ وہاں میں نے قینچی سے بال کاٹ کر چھوٹے کیے۔ چوڑے فریم والا تاریک شیشوں کا چشمہ لگا کے باہر آیا۔ میں یہی کر سکتا تھا۔ ٹوپی سر پر پہلے سے موجود تھی۔ اسٹور میں موجود اے ٹی ایم سے میں نے تین سو ڈالرز نکالے۔ اس میں خطرہ تھا تاہم میں نے پروا نہیں کی۔ مجھے جلد ہی دوسری ریاست کی طرف نکل جانا تھا۔ اسٹور کے باہر کچھ فاصلے پر دوسرے اے ٹی ایم سے مزید تین سو ڈالرز نکالنے کے بعد میں نے کیٹ کو فون کیا۔ اسے میں نے کیرولینا کی بارہ گاڑیوں کے بارے میں بتا کر وعدہ کیا کہ ہیلی کو واپس لاؤں گا۔ وہ خاصی پریشان تھی۔ میں نے اسے تسلی دی۔ میری اگلی منزل ساؤتھ کیرولینا کی ریاست تھی۔

☆☆☆

اگلے روز صبح کیری اپنے باس بل ایکر کے دفتر میں تھی۔ اس کے ہاتھ میں موجود فولڈر میں نیلی مرزا کے فوٹو تھے۔ شیرف آفس میں ہر کوئی ڈاکٹر ہنری کے خلاف تھا۔ کیری اس حقیقت سے بہ خوبی آگاہ تھی۔ وہ رات بمشکل سو پائی تھی۔ بل ایکر کے سامنے ڈاکٹر کے لیے اپنی رائے اور عمل کی سرگرمی کا اظہار ایک مشکل کام تھا۔ کیری نے شیرف آفس کی آئی ڈی کا غلط استعمال کیا تھا۔ وہ صبح اٹھی تو ذہنی طور پر تیار تھی کہ ایک درست کام کرنے جا رہی ہے۔ کیری کو شک تھا کہ ڈاکٹر ہنری ہی ان کا مطلوبہ شخص ہے۔

''ایک خبر ہے، بیٹھ جاؤ۔'' بل ایکر نے اشارہ کیا۔

''میں بھی کچھ دکھانا چاہتی ہوں۔'' کیری نے فولڈر میز پر رکھا۔ خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے وہ خلاصہ پیش کیا جو ڈاکٹر کی باتوں اور اپنے تجزیے کو ملا کر بنایا گیا تھا۔ بل ایکر تحمل سے کیری کا بیان سنتا رہا۔ تاہم باس کی نظروں کا تاثر کیری کے لیے حوصلہ شکن تھا۔ بل ایکر نے رسماً کیری کی دلچسپی کو سراہتے ہوئے چند نکات اٹھائے۔ کیری نے جواب دینے کی کوشش کی لیکن بل ایکر نے اسے روک دیا۔ اس نے میز پر موجود کاغذات میں سے ایک کاغذ نکالا۔

''یہ ایک گھنٹا قبل موصول ہوا ہے۔'' بل ایکر نے کہا۔

کیری نے دیکھا۔ وہ ہیکلر اینڈ کوش نائین ایم ایم کی رسید تھی۔ خریدار کا نام دیکھ کر کیری کو یوں لگا جیسے ٹنوں

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

وزنی چٹان اس پر آن گری ہو۔

ہنری فری مین۔ 3110 پالمیٹو وے..... پام بیچ۔ فلوریڈا۔

نو ملی میٹر کی ہینڈ گن..... اسی قسم کی گن سے مارٹی اور مائیک کو ہلاک کیا گیا تھا۔ گن ٹریسی میں منعقد کردہ ہتھیاروں کی نمائش سے خریدی گئی تھی۔ رسید پر دو مارچ کی تاریخ تھی..... واردات کی تاریخ سے تین ہفتے قبل کی تاریخ۔

ڈاکٹر نے جھوٹ بولا تھا کہ اس نے کبھی کوئی ہتھیار نہیں رکھا۔ کیری سانس لینے میں دقت محسوس کر رہی تھی۔ باس سے نظر ملانا دشوار تھا۔

بل ایکر نے سوالیہ نظر کیری پر ڈالی۔ ''تم کیا دکھانا چاہتی ہو؟''

''کچھ نہیں۔'' کیری کا حلق خشک ہو گیا۔ ''رسید دیکھنے کے بعد کہنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔'' وہ فولڈر لے کر کھڑی ہو گئی۔

☆☆☆

میں منزل سے دور نہیں تھا اور جار جیا سے گزر رہا تھا۔ جس وقت میں نے نائن ایم ایم کی خریداری کی خبر سنی۔ سماعت سے اعتبار اٹھ گیا۔ ہوش اُڑ گئے۔ خبر ہارٹ اٹیک کے مانند تھی۔ خبر ٹی وی کے ذریعے مجھ تک پہنچی۔ میں رات گزارنے کے لیے ایک دوسرے درجے کے موٹیل میں ٹھہرا تھا۔

میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے ٹی وی اسکرین کو گھور رہا تھا۔ ٹی وی پر رسید بھی دکھائی گئی۔ ماؤنٹ ہولی کا بڈی گن نامی اسٹور شمالی کیرولینا میں تھا۔ ہتھیار کی خریداری کے لیے ادائیگی نقد کی گئی تھی۔ گن فیئر میں نقد ادائیگی کے باعث خریدار کو آئی ڈی اور دیگر تفصیلات فراہم کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ میرا دل حلق میں دھڑک رہا تھا۔ رسید پر میرا نام اور پتا درست تھا۔ یہ خبر گویا میرے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی۔ میں تاریکی میں ڈوب کے ابھرا تو پہلا خیال کیری کا تھا۔ اگر اس نے مجھے شک کا فائدہ دیا ہوگا تو اب سب غارت ہو گیا۔

میرے لیے فول پروف جال بچھایا گیا تھا۔ میرا نامعلوم دشمن تین ہفتوں سے تیاری کر رہا تھا، ممکن ہے اس کا منصوبہ تین ہفتوں سے زیادہ پرانا ہو لیکن وہ کون ہے؟ کیوں کر رہا ہے؟ اسے کیونکر علم ہوا کہ میں کب اور کیوں جیکسن ول آؤں گا..... وہ میرے کالج کے ریکارڈ تک جا پہنچا۔ اسے میرے اور مائیک کے تعلق کا علم تھا۔ وہ کیسے جانتا تھا کہ مارٹی کی ہلاکت کے بعد میں مائیک کی طرف جاؤں گا۔ میں نے ٹی وی بند کر دیا۔ میرا دماغ پک رہا تھا۔ مارٹی کو محض اس لیے مار دیا گیا کہ مجھے قاتل کا روپ دیا جا سکے۔

وہ شیطان کا بچ میری سوچ سے آگے سوچ رہا تھا۔ میرے چاروں طرف اندھیرا تھا۔ ہیلی اُس کے قبضے میں تھی۔ میں مکمل طور پر بے دست و پا تھا۔

☆☆☆

کیری والدین کے گھر پر رائن کے ساتھ تھی۔ وہ ذہنی انتشار میں مبتلا تھی اور اپنے والد نیٹ والش سے مشورے کی ضرورت محسوس کر رہی تھی۔ اس روز صبح ہی صبح ڈاکٹر ہنری کی کال قطعی غیر متوقع تھی۔

''کیری سب جھوٹ ہے۔'' وہ چلّا رہا تھا۔ ''مجھے پروا نہیں ہے، میرے بارے میں کون کیا سوچ رہا ہے۔ میں نے گن نہیں خریدی۔ میرے لیے جال بچھایا گیا ہے۔ میں اپنی بیٹی کی قسم کھاتا ہوں۔ وہ مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ میں بہت جلد ثابت کر دوں گا کہ میں بے قصور ہوں۔'' ڈاکٹر ہنری نے کیری کو بات کرنے کا موقع دیے بغیر فون بند کر دیا تھا۔

گن کی خریداری ثابت ہونے کے بعد ڈاکٹر ہنری کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔ اس کا اب بھی اپنی بے گناہی پر اصرار کیری کے لیے غیر متوقع تھا۔ ڈاکٹر نے پھر اپنی بیٹی کا ذکر کیا تھا۔ اس نے پہلی مرتبہ کیری سے بات کی تھی تو اس کے بیٹے کے بارے میں سوال کیا تھا۔ بعد ازاں اپنی بیٹی کا ذکر کیا تھا۔ کیوں؟ یہ سوال بار بار کیری نے خود سے کیا تھا۔ ڈاکٹر کی ویب سائٹ کا مطالعہ..... ڈاکٹر اور اس کی بیٹی کی تصاویر..... ڈاکٹر ہنری کی شخصیت نے کیری کو متاثر کیا تھا۔ ڈاکٹر کے بارے میں اپنے محسوسات سمجھنے میں وہ ناکام رہی تھی۔ کیری کا دل اس کے ذہن سے متصادم تھا۔ دل ڈاکٹر کو قاتل تسلیم کرنے سے انکاری تھا۔ وہ اپنا دل و ذہن باپ کے سامنے کھولنے کے لیے تیار تھی۔

نیٹ ایک سابق فائٹر پائلٹ تھا۔ وہ نیو ہیمپشائر کے ٹاؤن میں بطور پولیس چیف بھی خدمات انجام دے چکا تھا۔ ستّر سال کی عمر میں وہ جسمانی طور پر فٹ تھا اور باقاعدگی سے جم جاتا تھا..... اس وقت نیٹ اور کیری آمنے سامنے تھے۔

''ڈیڈی ایک مسئلہ درپیش ہے، جب تک میں بات مکمل نہ کر لوں آپ نہیں بولو گے۔ اوکے؟''

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

''اوکے۔'' نیٹ نے مسکراتے ہوئے بیٹی کی آنکھوں میں دیکھا۔

کیری نے بولنا شروع کیا اور الف سے یے تک تمام رام کہانی باپ کے گوش گزار کر دی۔ ڈاکٹر ہنری کی باتیں اپنا تجزیہ اور پولیس کا نقطہ نظر۔

نیکی مزدا کی دریافت کا انکشاف کرنے کے بعد کیری نے اختتام کرتے ہوئے دو نکتے اٹھائے۔ پہلا یہ کہ ڈاکٹر کے پاس کوئی اطلاع ہے جسے بوجہ وہ نہیں بتا رہا۔ دوسرا نکتہ یہ کہ وہ صرف اور صرف کیری کی مدد کا طلبگار کیوں ہے؟

''بیان ختم؟'' نیٹ نے استفسار کیا۔

''نہیں۔'' کیری نے نفی میں سر ہلایا۔

''آگے چلو۔'' نیٹ نے اشارہ کیا۔

کیری نے گہری سانس لی۔ ''آج صبح اس نے فون پر بتایا کہ جس تاریخ کی رسید تھی، اس روز وہ نارتھ کیرولینا سے دور تھا۔ نیز وہ اس بات کو ثابت کرے گا۔ ڈیڈی، شیرف آفس میں ہر کوئی ڈاکٹر کو مجرم سمجھ رہا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

نیٹ سر ہلا کے آگے جھکا۔ ''کیا میں ایک گھونٹ لے سکتا ہوں؟'' اس نے بیئر کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''ڈیڈی کچھ بتاؤ۔''

''کیا جاننا چاہتی ہو؟ اگر میں تمہارے باس کی جگہ ہوتا اور مجھے تمہاری سرگرمی کا علم ہو جاتا، میں کیا کرتا؟ تم بتاؤ میں کیا کرتا؟''

''فائر، میری نوکری ختم۔'' کیری نے کہا۔

''بے بی میں نے ڈاکٹر کی تصویر دیکھی ہے۔'' نیٹ مسکرایا۔

''مطلب؟'' کیری نے سوال کیا۔

''وہ ہینڈسم ہے۔'' نیٹ کا انداز ذومعنی تھا۔

''ڈیڈی.....'' کیری نے احتجاج کیا۔

''تمہیں اس پر شک نہیں ہے بلکہ یقین ہے کہ اصل ملزم کوئی اور ہے۔'' نیٹ نے کیری کی آنکھوں میں جھانکا۔

''میں جانتی ہوں۔'' کیری نے نظر چراتے ہوئے اعتراف کیا۔ ''لیکن وہ کہتا ہے کہ اسے پھنسانے والا کوئی اور ہے۔ ڈیڈی جب سے ڈاکٹر نے جیکسن ول میں قدم رکھا ہے، وہ مصیبت میں ہے۔ واقعات، شواہد وغیرہ اُسے قاتل بنا رہے ہیں۔ وہ کیوں مجھ سے لائسنس پلیٹ تلاش کرنے کی التجا کرتا ہے؟

اس میں اس کا کیا مفاد ہے؟ وہ مجھ سے کبھی نہیں ملا۔ وہ کیوں مجھ سے رابطہ کر کے خود کو خطرے میں ڈالتا ہے؟ اسے کیوں یقین ہے کہ میں اس کی کال کو ٹریس نہیں کروں گی؟''

نیٹ والش نے اطمینان سے بیٹی کے ساتھ ایک گھنٹے تک گفتگو کی۔ آخر میں اس نے کہا۔

''میں سمجھتا ہوں کہ تم زندگی کو نیا مفہوم دینے کے لیے ایک مشکل فیصلہ کر چکی ہو۔ یہ کوئی غلط بات نہیں ہے سوائے موجودہ سچویشن کے۔ تم مشورہ نہیں کر رہی ہو بلکہ فیصلہ کر چکی ہو۔ یا پھر مجھ سے وہ بات سننا چاہتی ہو جو تمہارے دل میں ہے۔ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو میرا مشورہ کچھ اور ہوتا۔ لیکن میں تمہیں سب سے بہتر جانتا ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ تمہاری باتوں میں دل کے ساتھ دماغ بھی موجود ہے۔ باٹم لائن یہ ہے کہ دل کے ساتھ جاؤ اور دماغ کو ساتھ رکھو..... سچ کو تلاش کرو۔''

''شکریہ ڈیڈی۔''

☆☆☆

ماریا کین کا خیال مجھے دیر سے آیا تھا۔ شاید اس لیے کہ مجھے اس پر پورا یقین نہیں تھا۔ حالانکہ وہ پندرہ سال سے میرے ساتھ تھی۔ ماریا میری اسسٹنٹ تھی لیکن دوسری طرف میں کیری پر تکیہ کر رہا تھا؟ میں نے چانس لیتے ہوئے ماریا سے رابطہ کیا۔ جو کچھ میڈیا پر آ چکا تھا، اس کے بعد ماریا مجھ پر اعتبار نہ کرتی تو میں اسے کوئی الزام نہیں دے سکتا تھا۔

''ماریا.....؟''

''ڈاکٹر فری مین.....'' اس کا انداز غیر یقینی تھا۔

''ہاں، ماریا میں ہوں۔ کسی کو علم نہ ہو کہ میں نے کال کی ہے۔''

''اوکے ڈاکٹر۔'' اس نے آواز دھیمی کر لی۔ ''یہاں سب اُلجھن کا شکار ہیں لیکن میں بتانا چاہتی ہوں کہ ہر ایک آپ کو بے قصور سمجھ رہا ہے۔ ہم آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔''

ماریا کے الفاظ میرے لیے راحت افزا تھے۔ جو لوگ مجھ سے واقف تھے، وہ مجھے قاتل سمجھنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ''ماریا سنو یہ بہت اہم ہے۔ اس وقت تم میری مدد کر سکتی ہو۔ کیا میں تم پر بھروسا کر سکتا ہوں؟''

''ڈاکٹر میں آپ کے ساتھ ہوں۔'' اس نے تیزی سے جواب دیا۔

''شکریہ۔'' میرے حلق میں گرہ سی پڑ گئی۔ ماریا کی

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

باتوں نے مجھے جذباتی کر دیا تھا۔ ''پولیس جو کہہ رہی ہے، ایسا میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔''

''ڈاکٹر میں سمجھتی ہوں۔ مجھے بتائیں میں آپ کے لیے کیا کر سکتی ہوں؟''

☆☆☆

فیڈرل بیورو آف انویسٹی گیشن۔'' آپریٹر نے جواب دیا۔ ''اٹلانٹا آفس۔''

''جیک والش، پلیز.....''

جیک سے رابطے کے لیے کیری ہچکچا رہی تھی۔ تاہم نیٹ والش سے بات کرنے کے بعد اسے حوصلہ ہوا تھا۔ کیری کے ذہن میں تھا کہ وہ ٹھیک کر رہی ہے..... خبروں کے مطابق ڈاکٹر ہنری کو شمالی جارجیا کے ایک موٹیل میں دیکھا گیا تھا۔ موٹیل کے نائٹ کلرک نے جب صبح کی خبریں دیکھیں تو اسے احساس ہوا کہ ڈاکٹر ہنری رات میں وہاں رکا تھا۔ کیری کو اندازہ تھا کہ ڈاکٹر کی منزل کس سمت میں ہے۔ لیکن نائٹ کلرک کے ٹی وی پر آنے سے کیری کی مشکل بڑھ گئی تھی۔ اگرچہ نائٹ کلرک نے دیر کر دی تھی تاہم نقصان ہو گیا تھا۔

''اسپیشل ایجنٹ والش۔'' فون پر کیری کے بھائی کی آواز آئی۔ ابتدائی مکالموں کے بعد جیک والش نے کیری کے بیٹے رائن کے متعلق دریافت کیا۔ کیری نے بتایا کہ وہ جلد اسکول جانا شروع کر دے گا۔ وہ گفتگو کا رخ بدل کے مطلب کی طرف آئی۔

''جیک میرا ایک کام کر دو۔ کیا اور کیوں مت کرنا۔ بس تم میرے لیے یہ کر دو۔ ایک لائسنس پلیٹ ہے۔ اس کا نمبر ٹریک کر دو۔''

''پلیٹ نمبر؟ یہ کام تم لوگ بھی کر سکتے ہو۔'' جیک کے عمومی انداز میں شک کا عنصر تھا۔ کیری آگاہ تھی کہ شیرف آفس کے لیے نمبر ٹریک کرنا سیکنڈوں کا کھیل تھا لیکن وہ جیک کو کیا بتائے، وہ کیوں آفس کو درمیان سے ہٹا رہی تھی۔ کیری جانتی تھی کہ جیک دوسری کال نیٹ والش کو کرے گا۔

''میں نے کہا تھا، تم سوال نہیں کرو گے۔'' وہ بولی۔

''چھوٹی بہن تم پر اعتماد ہے لیکن یہ ایف بی آئی کا معاملہ نہیں ہے۔ جیکسن ول میں جو کچھ ہوا اس کا افسوس ہے..... لائسنس پلیٹ کا تعلق اسی واردات سے ہے؟''

کیری کو شک ہوا کہ جیک والد سے بات کر چکا ہے اور وہ کہے گا کہ بہن اسے ذاتی مسئلہ نہ بناؤ۔ کیری نے براہِ راست جواب دینے کے بجائے کہا۔ ''بڑے بھائی چھوٹا سا فیور مانگا تھا۔''

''کیری.....'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔ ''ٹھیک ہے نمبر بتاؤ۔''

کیری نے نمبر بتا کے فون بند کیا اور بل ایکر کے آفس کی طرف چل پڑی۔

''مجھے مزید وقت درکار ہے۔'' اس نے باس کو مخاطب کیا۔ ''رائن کے چند اور ٹیسٹ ڈاکٹر نے تجویز کیے ہیں۔ مجھے احساس ہے کہ چھٹی کے لیے یہ مناسب وقت نہیں ہے۔''

''کتنا وقت؟'' بل نے حیرانی کے ساتھ استفسار کیا۔

''تین چار دن..... شاید ہفتہ۔''

کیری نے دیکھ لیا کہ بل خوش نہیں تھا۔ اگرچہ اس نے درخواست منظور کر لی تھی۔ روانہ ہونے سے قبل کیری نے فائلیں سمیٹنے کے بعد ای میلز پر نظر ڈالی۔ آخری ای میل کا ایڈریس اس کے لیے اجنبی تھا۔ سبجیکٹ کی جگہ دو مارچ لکھا تھا۔ (mkane119@hotmail.com)

کیری نے پیغام دیکھا۔ وہاں محض ایک ڈاکومنٹ تھا، کیلنڈر کے مانند۔ اپائنٹمنٹ کے ساتھ ہدایات لکھی تھیں۔ پام بیچ، فلوریڈا کے الفاظ دیکھ کر وہ سمجھ گئی کہ ایم کین 119..... کے ایڈریس سے ڈاکٹر ہنری کی ڈائری کا عکس اسکین کر کے بھیجا گیا تھا۔ صبح ساڑھے سات سے دس بجے تک آپریشن روم ڈانا فیلڈ۔

گیارہ بجے۔ راجر موریسن

ساڑھے بارہ بجے۔ لنچ

ڈھائی بجے۔ مریض، اینڈریا ویسرمین

چار سے پانچ بجے۔ کانفرنس کال

یہ کلینک میں ڈاکٹر کا ایک دن کا شیڈول تھا۔ کیری سوچ رہی تھی کہ ہنری نے اسے کیوں بھجوایا ہے؟ دفعتاً اس کے ذہن میں جھماکا ہوا۔ سبجیکٹ کی جگہ دو مارچ لکھا تھا۔ بے ساختہ کیری کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ڈاکٹر دو مارچ کے دن پام بیچ میں مصروف تھا۔ یعنی کیرولینا میں اسلحے کی خریداری کی رسید جعلی تھی۔ ڈاکٹر ہنری سچ کہہ رہا تھا۔

☆☆☆

جان شلز، دانیا (فلوریڈا) کے ایک بار میں شغل مئے نوشی میں گم تھا۔ وسکی سیدھا اس کی میز پر گیا۔ ''ڈیکسٹر وان نے کہا تھا تم یہاں ملو گے۔''

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

''وان کو کیسے جانتے ہو؟'' شلز نے ونسی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''ساؤتھ کیرولینا میں اس کا کزن ڈیل ہے۔'' ونسی نے کہا۔

''تم کیرولینا سے ہو؟''

ونسی نے کاندھے اچکائے۔

''میں ڈیل کو نہیں جانتا۔ تمہیں کیا چاہیے؟''

''وان نے بھیجا ہے۔ تم سمجھ سکتے ہو میری ضرورت کیا ہے۔''

''اٹھو۔'' شلز اسے لے کر بار سے نکلا۔ اس کا رخ باہر سلور مرسیڈیز کنورٹیبل کی طرف تھا۔ ونسی دو قدم پیچھے تھا۔ اس کے اندازے کے مطابق شلز ضرورت سے زیادہ پُراعتماد تھا۔ شلز نے خاص تفتیش نہیں کی تھی۔ دونوں مرسیڈیز میں بیٹھ گئے۔

''کیا کہانی ہے تمہاری؟'' شلز نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

''وہی جو دوسروں کی ہے۔'' ونسی نے کہا۔

شلز گاڑی دوڑاتے ہوئے عامیانہ گفتگو کرنے لگا۔

کچھ دیر بعد اس نے مرسیڈیز ہائی وے سے اتار کے اوک لینڈ پارک روڈ پر ڈال دی۔ فورڈ لاڈر ڈیل، اسٹریٹ کی گہما گہمی بڑھ رہی تھی۔ گیس اسٹیشن، کار ڈیلرز..... سڑک کے دونوں اطراف فاسٹ فوڈ آؤٹ لیٹس، روشنیاں، ٹریفک۔ لیکن ونسی کچھ اور دیکھ رہا تھا۔ پین کلینکس (pain clinics) ایک کے بعد دوسرا کلینک۔

''بروورڈ کاؤنٹی میں خوش آمدید۔'' شلز نے ونسی کی معلومات میں اضافہ کیا۔ ''فار مالینڈ آف یو ایس اے۔ یہاں تمہیں مکڈونلڈ سے زیادہ ''پین کلینک'' ملیں گے۔''

''تمہاری پسندیدہ جگہ۔ جہاں سے تم مسکن و منشیات حاصل کرتے ہو۔'' ونسی نے خود سے کہا۔ شلز غالباً ونسی کو ڈاکٹر کے پاس لے جا رہا تھا۔ ڈاکٹر جو بوگس نسخے لکھتا تھا لیکن اتنے کلینک۔ کیا سب قانونی ہے؟ ونسی نے سوچا۔

''پیارے میں بیشتر کلینک کی وی آئی پی لسٹ پر ہوں۔'' شلز نے دانت نکالے۔ ''یہاں سے پام بیچ تک یہ پلز (Pills) کی ملز ہیں۔ کیا چاہیے..... الٹرام، اوکسی، وائی وڈن، نارکو..... ایم ڈی کا لائسنس ہے تو سمجھو تم ڈیلر بن گئے۔ وہ بھی قانونی۔''

ونسی نے خاموشی سے شلز کی شان میں غلیظ گالی لڑھکائی۔ ''مجھے اس کی ضرورت ہے جو تم وان تک پہنچاتے تھے۔''

مرسیڈیز آگے بڑھتی رہی۔ ونسی کا اشارہ اوکسی کی طرف تھا۔

''وہ دیکھو اُس طرف۔'' شلز نے سڑک کی دوسری جانب سرخ اینٹوں سے بنی کئی منزلہ عمارت کی طرف اشارہ کیا۔

ونسی نے نام دیکھا۔ ہاروڈ پین ریمیڈی سینٹرز۔ اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ اسے محسوس ہوا کہ تلاش کا سفر قریب الختم ہے۔ ''ڈیکسٹر وان کے لیے اوکسی تم یہاں سے حاصل کرتے تھے؟'' ونسی نے سوال کیا۔

''ڈیکسٹر ہیکٹر، فرینک.....'' معاً شلز خاموش ہو گیا۔ اس نے گاڑی گھمائی۔ ''تمہارا تعلق پولیس سے ہے؟''

''نہیں۔'' ونسی نے جواب دیا۔

''ہم..... م..... اوکے..... تمہیں اوکسی کی ضرورت ہے؟''

''میری بیٹی کو ضرورت ہے۔''

شلز نے گاڑی سرخ عمارت کی وسیع پارکنگ میں روک دی۔ ''عمر کا مسئلہ نہیں ہے۔ بیٹی ہو یا باپ۔ جیب میں نوٹ ہونے چاہئیں۔'' اس نے گردن گھمائی۔ شلز کی آنکھیں حلقوں میں اُبل پڑیں۔ ونسی کے ہاتھ میں موجود گن کا رخ شلز کی طرف تھا۔ ''میری بیٹی نے اوکسی لینے کے بعد ایک عورت اور اس کے نومولود بیٹے پر گاڑی چڑھا دی تھی۔ ان دونوں کو ان کے گھر میں ہلاک کر دیا تھا۔''

''سوری مسٹر۔'' شلز نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''میری بیٹی کے بوائے فرینڈ نے اوکسی اسے دی تھی اور اس لڑکے نے ڈرگ ڈیکسٹر وان کے ذریعے حاصل کی تھی۔'' ونسی کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ شلز کی پیشانی پر پسینہ آگیا۔

''تم نے کہا تھا کہ ڈیکسٹر وان.....''

''وان مر گیا۔'' ونسی نے اس کی بات کاٹی۔ ''ڈیل اور اس کا دوست بھی اوپر جا چکے ہیں۔ میری بیٹی جیل بھگت رہی ہے۔ لیکن دوسروں کو بھی سزا ملے گی۔ سب کو ملے گی۔''

شلز کا رنگ اُڑ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس کی زندگی کو شدید خطرہ لاحق ہے۔

''دیکھو تم غلط سوچ رہے ہو۔'' وہ ہکلایا۔ ''ایسی دردکش ادویات گھروں میں بھی مل جاتی ہیں۔''

ونسی نے گن اس کے سینے کی طرف کر کے بلاتکلف دو مرتبہ ٹریگر دبا دیا۔

waqarazeem.pakistanipoint.com

☆☆☆

ہاروڈ پین ریمیڈی سینٹر۔ ونسی نے کلینک میں قدم رکھا۔ رگوں میں خون اُبل رہا تھا۔ مہم کا اختتام قریب تھا۔ کلینک کی اندرونی آرائش بیش قیمت اور متاثر کن تھی۔

''کیا مدد کر سکتی ہوں؟'' استقبالیہ پر موجود خاتون نے سوال کیا۔

ونسی نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ تم کیا مدد کرو گی؟ میری برباد زندگی کیسے سنور سکتی ہے؟ تم میری جاب، میرا گھر..... میری بیوی کو کیسے واپس لاؤ گی؟ اور میری بیٹی..... ونسی کا ہاتھ روپوش گن کی طرف گیا۔

''ایک منٹ رکو۔ میں بتاتا ہوں۔''

''آپ پہلی مرتبہ آئے ہیں؟'' وہ مسکرائی۔ اس نے کلینک کے بارے میں تعارفی کلمات ادا کرتے ہوئے بروشر ونسی کی طرف بڑھایا۔ ''آپ چاہیں تو طریقۂ کار کی وڈیو بھی دیکھ سکتے ہیں۔'' خاتون نے مانیٹر کی جانب اشارہ کیا۔

ونسی نے سر ہلاتے ہوئے بروشر دیکھا۔ ''یہی جگہ ہے..... برباد کر دو۔'' اس کے اندر وحشی چلّا رہا تھا۔ ''یہی برائی کی جڑ ہے۔'' اس کی نظریں بروشر پر تھیں۔

ونسی کے سینے میں بھٹی سلگ رہی تھی۔ اس نے ڈاکٹر کو دیکھا جو وڈیو میں کنٹری کر رہا تھا۔ اس کی انگلیاں گن کے دستے پر تھیں۔ وہ استقبالیہ کی طرف مڑتے ہوئے تھم گیا۔ معاً اسے احساس ہوا کہ وہ پیادوں کو ختم کر رہا تھا۔ اصل مجرم کوئی اور تھا اور وہی درحقیقت عورت اور اس کے نومولود بیٹے کی اموات کا ذمے دار تھا۔ اسی کی وجہ سے امنڈا نے ایکسیڈنٹ کیا تھا۔ وہ اوکسی کے نشے میں ڈرائیونگ کر رہی تھی۔ ونسی قہر آلود نظروں سے وڈیو میں نظر آنے والے ڈاکٹر کو گھور رہا تھا۔

ونسی نے گن سے ہاتھ ہٹا لیا۔ وہ ڈاکٹر کا نام دیکھ رہا تھا۔

ہنری فری مین۔ ایم ڈی سی ای او..... ہاروڈ پین ریمیڈی سینٹر آف ساؤتھ فلوریڈا۔

☆☆☆

سمرول کا ٹاؤن، ساؤتھ کیرولینا میں چارلسٹن کے شمال میں تھا۔ سب سے پہلے میں نے وہیں کا رخ کیا۔ مجھے ڈونالڈ برو کی تلاش تھی۔ ADJ-496 کی رجسٹریشن اور لائسنس پلیٹ کے مطابق بیوک کا مالک ڈونالڈ تھا۔ میں نقشے کی مدد سے مطلوبہ مکان پر بہ آسانی پہنچ گیا۔ گاڑی روک کر میں سوچ رہا تھا کہ کیا کروں؟ اگر بیوک کا رنگ نیلا ہے، اگر واقعی میں درست مقام پر ہوں تو کیا کروں گا؟ دروازہ کھلنے پر وہی آدمی ٹکرایا جس کے پاس میری بیٹی ہے تو کیا ہوگا؟ تمام فساد اور خونریزی کا ذمے دار وہی آدمی ہے۔ وہ مجھے پہچان لے گا پھر کیا ہوگا؟ مجھے کیا کرنا چاہیے؟

میں نے جب سے فلوریڈا چھوڑا تھا اسی قسم کے سوالات، تصورات اور اوہام اَن گنت مرتبہ میرے ذہن میں آئے تھے لیکن مجھے کچھ نہ کچھ کرنا ہی تھا۔ گہری سانس لے کر میں گاڑی سے اترا۔ دھڑکن از خود بڑھنے لگی..... میں نے بے چینی سے دو بار گھنٹی بجائی۔ دروازہ کھلا اور ایک درمیانی عمر کی عورت نظر آئی۔

''ہیلو؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔

''ہائے، مسٹر برو گھر پر ہیں؟''

''مسٹر برو؟'' عورت کے تاثرات میں حیرت تھی۔

''کیا مسئلہ ہے؟''

''انشورنس کمپنی نے مجھے اُن کی کار دیکھنے کے لیے بھیجا ہے۔''

''کار.....؟''

''بیوک مارکوئیس۔ پلیٹ نمبر ADJ-496۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ کار ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔'' میں نے کہا۔

عورت نے تعجب سے نفی میں سر ہلایا۔ ''غلطی معلوم ہوتی ہے۔ کوئی حادثہ نہیں ہوا۔''

''آپ کو یقین ہے؟'' میں نے استفسار کیا۔ ''کیا میں اُن سے مل سکتا ہوں؟''

''اس کا امکان نظر نہیں آتا۔ میرے والد علیل ہیں۔ وہ گزشتہ چھ مہینے سے نرسنگ ہوم میں ہیں۔''

''اوہ۔'' مجھے حماقت کا احساس ہوا۔ ''میں معذرت خواہ ہوں۔ کیا میں گاڑی ایک نظر دیکھ سکتا ہوں؟''

عورت نے چند سیکنڈ تامل سے کام لیا پھر وہ پورچ سے گھوم کر مجھے گیراج کی طرف لے گئی۔ بیوک سفید رنگ کی تھی۔ نمبر ADJ-4967 تھا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' میں نے معذرت طلب کرتے ہوئے شانے اچکائے۔

''گاڑی چھ مہینے سے یہاں کھڑی ہے۔''

''شکریہ۔ آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ کوئی غلطی ہوگئی ہے۔'' میں عجلت میں پلٹا۔ خدشہ تھا کہ کہیں وہ میری آئی ڈی نہ مانگ لے۔

☆☆☆

www.urdu-zeem.blogspot.com www.pakistanipoint.com

''ڈیڈی.....ڈیڈی.....''

میں نے چوبیس گھنٹے میں درجنوں مرتبہ ہیلی کا نمبر ملایا تھا اور ہر بار ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

''ہیلی، سوئٹی تم ٹھیک ہو؟'' میں نے گاڑی روکتے ہوئے کال وصول کی۔

''ڈیڈی اس نے کہا ہے کہ میں آپ کو اپنی خیریت سے آگاہ کردوں۔ ڈیڈی اس کے کہنے کے مطابق.....''

''ہنی رکو، لائن پر رہو۔'' میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ''میں اور مام تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔ ہمت کرو، میں تم سے وعدہ کرتا.....''

''ڈاکٹر جھوٹا وعدہ نہ کرو۔'' مردانہ آواز آئی۔ ''سچ بتاؤ یہ سب کیسا لگ رہا ہے؟''

''کیا چاہتے ہو؟ میرا اور بیٹی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ مجھے بتاؤ تمہیں کیا چاہیے؟ میری بیٹی کو چھوڑ دو۔'' میری جان لے لو۔''

''تمہاری جان، تمہاری زندگی میرے پاس ہے۔ تمہارا سب کچھ بیٹی ہے۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، کیوں؟ اب بتاؤ کوئی تمہارا سب کچھ چھین کے لے جائے تو کیسا محسوس ہوتا ہے؟'' اس کا لہجہ نفرت سے بھرپور تھا۔

میرا دل نادیدہ شکنجے میں تھا۔ وہ جانور..... شیطان زہریلے سانپ کے مانند پھنکاریں مار رہا تھا۔ کیوں؟ میں نے اس کا کیا بگاڑا تھا؟ اس سے پہلے کہ میں سوال کرتا، بات میرے منہ میں رہ گئی۔

''ڈاکٹر ابھی کھیل ختم نہیں ہوا۔ انتظار کرو۔'' فون بند ہوگیا۔

''ہیلی!'' میں چیخ اٹھا۔ ''ہیلی.....'' آنسو میری آنکھوں سے بہہ نکلے۔ ایک پرانی کہاوت یاد آئی۔ جو چیز تمہیں ختم نہ کرسکے، وہ مزید طاقتور بنا دیتی ہے۔ میں اذیت کی انتہا پر تھا اور زندہ تھا۔ باپ نے بیٹی کو بچانا تھا۔ باپ کا ارادہ، یہ..... بہت بڑی طاقت تھی۔ میں نے نئی توانائی محسوس کی لیکن اس توانائی کو کیسے استعمال کروں۔ گاڑیوں کی فہرست کے علاوہ میں اور میری تنہائی تھی۔ میں پولیس کی مدد بھی نہیں لے سکتا تھا۔

میں نے کیٹ کو فون کرکے بتایا کہ ہیلی خیریت سے ہے۔

☆☆☆

ونسی نے پام بیچ میں واقع شاندار اسپتال نما کلینک میں قدم رکھا۔ اندرونی و بیرونی آرائش قابلِ دید تھی۔ کاؤنٹر کے عقب میں پُرکشش لڑکی مسکرا رہی تھی۔ لڑکی سے کچھ فاصلے پر سبز کپڑوں میں چند نرسیں بھی سرگرم تھیں۔ کوئی فون پر بات کررہی تھی اور کوئی کاغذات دیکھ رہی تھی۔ ونسی نے جیکٹ کے نیچے بیلٹ میں اُڑسی گن کو سہلایا۔

''ڈاکٹر ہنری فری مین۔'' وہ بولا۔ ''میری ملاقات طے ہے۔''

''مسٹر ونسی ہوفر؟'' لڑکی نے خوش دلی سے کہا۔

ونسی نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

لڑکی نے ایک کلپ بورڈ اسے پکڑایا۔ ''یہ چند فارم پُر کردیجیے۔''

ونسی نے کرسی پر بیٹھ کے فارم بھرے اور لڑکی کو واپس کردیے۔ وہ اسے ایک کمرے میں لے گئی۔

''آپ کچھ دیر یہاں بیٹھیے۔'' اس نے اشارہ کیا۔

چند منٹ گزرے تھے کہ وہاں دوسری خاتون نے آکر ونسی کو مخاطب کیا۔ ''مسٹر ہوفر میرا نام ماریا کین ہے۔ میں ڈاکٹر ہنری کی اسسٹنٹ ہوں..... میرے ساتھ آیئے۔''

☆☆☆

ونسی ماڈرن آفس میں ڈاکٹر کے مقابل ڈیسک کی مخالف سمت میں بیٹھا تھا۔ ہر شے قیمتی اور چمک دار تھی۔ ایک طرف طویل بک شیلف، دوسری طرف دیوار پر ڈپلوما اور ایوارڈز سجے تھے۔ چھ کرسیوں والی شفاف کانفرنس ٹیبل پر چند میگزین نظر آرہے تھے۔

''امید ہے آپ نے زیادہ انتظار نہیں کیا ہوگا۔'' ہنری فری مین نے شائستگی سے کہا۔ ''کیا پسند کروگے کافی؟ کوک؟ پانی؟''

''کچھ نہیں، شکریہ۔'' ونسی ہوفر نے کہا۔ وہ ڈاکٹر کے عقب میں دیوار پر فریم شدہ تصاویر دیکھ رہا تھا۔ ایک فریم میں رنگین میگزین کور تھا۔ جس پر ڈاکٹر ہنری کی تصویر کے ساتھ سرخی تھی۔ ساؤتھ فلوریڈا بیسٹ ڈاکٹرز.....

''مسئلہ گردن سے متعلق ہے۔'' ڈاکٹر نے اپنے سامنے موجود کاغذات پر نظر دوڑائی۔

ونسی کے دل میں گولی سے جواب دینے کا خیال تھا لیکن اس نے کالر کی طرف اشارہ کیا۔ ''گردن کی یہ سلوٹیں میرے لیے پریشانی کا باعث ہیں۔ ملنے جلنے میں شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔ سلوٹوں کو پوشیدہ رکھنے کے لیے مفلر استعمال کرتا رہا ہوں لیکن یہ مسئلے کا حل نہیں ہے۔''

''میں دیکھتا ہوں۔'' ڈاکٹر ہنری کرسی چھوڑ کے اُس

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

کے قریب آیا۔ کالر ہٹا کے اس نے ونسی کی گردن کا جائزہ لیا۔

''اوکے۔'' ڈاکٹر نے واپس اپنی کرسی سنبھالی اور کمپیوٹر کو دیکھتے ہوئے کی بورڈ پر انگلیاں چلائیں۔ ''طریقہ کار فیس لفٹنگ کے مانند ہے۔ اسے رہائڈ کٹومی (rhytidectomy) کہا جاتا ہے۔ مسٹر فرآپ کے کام کی نوعیت کیا ہے؟''

''میں اسٹیٹ پولیس کے ساتھ کام کرتا رہا ہوں۔''

''کوپ؟''

''ہاں۔'' ونسی نے جواب دیا۔ ''پرانی بات ہے۔ اب میں ائی فیکٹری میں لیتھ مشین پر کام کرتا ہوں۔''

''ہنہہ..... میری طرف کیوں آئے؟''

''کاسمیٹک سرجری میں یہاں کی ساکھ مجھے کھینچ لائی۔''

''سرجری سے پہلے چند ٹیسٹ ضروری ہیں۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''منہ میں گن رکھ کر فائر کرو۔'' ونسی کے دماغ میں مشتعل سوچ نے سر اٹھایا۔ ''کس بات کا انتظار ہے، یہی وقت ہے۔''

دفعتاً انٹرکام نے مداخلت کی۔ ''سوری ڈاکٹر..... کوئی فون پر ہے۔ وہ کہہ رہا ہے کہ آپ نے کال کی تھی؟''

''نام؟'' ہنری نے استفسار کیا۔

''مائیک ڈینو۔'' ڈاکٹر کی اسسٹنٹ نے کہا۔

''میں بات کرتا ہوں۔'' ڈاکٹر ہنری نے ونسی کی طرف دیکھا۔ ''مسٹر ونسی چند سیکنڈ کے لیے اجازت دو۔''

ونسی نے سر کو مثبت جنبش دی۔

''ہائے مائیک۔'' ہنری نے کال وصول کی۔ ''کیا ہو رہا ہے..... میں مصروف ہوں۔ دوبارہ فون کروں گا..... ہاں..... پروگرام وہی ہے۔ آج سے تین ہفتے بعد ٹھیک انیس تاریخ کو..... ہاں..... میں انیس کو پہنچوں گا..... اوکے..... اوکے.....''

ڈاکٹر کے عقب میں ونسی کی نظر ایک فوٹو پر جمی ہوئی تھی۔ فوٹو میں ایک ٹین ایج لڑکی اپنا سر ہنری فری مین کے کندھے پر رکھے مسکرا رہی تھی۔ لڑکی کے نقوش اعلان کر رہے تھے کہ وہ ہنری کی بیٹی ہے۔ دوسرے فوٹو میں وہ مخصوص لباس میں کیپ کے ساتھ شہ سواری کر رہی تھی۔

''خوب صورت!'' ونسی نے سوچا۔

''ہاں مائیک ٹھیک رہے گا۔ تم ایون ڈیل میں اپنے گھر کی لوکیشن ای میل کر دینا۔ میں اپنے سفر کی تفصیل تمہیں بتا دوں گا۔ اوکے۔ دوست بہت شکریہ۔'' ہنری نے فون رکھ کر ونسی کی طرف دیکھا۔ ''معذرت خواہ ہوں۔ جیکسن ول میں چند ہفتوں بعد ڈاکٹرز کانفرنس ہے۔ مجھے وہاں افتتاحی تقریر کرنی ہے۔''

''جیکسن ول.....؟''

''ہاں، میرا دوست مائیک، جیک نکولس گالف کورس کا ممبر ہے۔ انیس تاریخ کو میں گالف بھی کھیلوں گا۔ مسٹر ہوفر تم گالف جانتے ہو؟''

''نہیں۔'' ونسی کا دھیان گن کی طرف سے ہٹ گیا تھا۔ وہ مختلف انداز میں سوچ رہا تھا۔

''تمہاری بیٹی ہے؟'' ونسی نے فوٹو کی طرف اشارہ کیا۔

''ہاں میری بیٹی ہے۔'' ہنری کی آواز میں جذبۂ تفاخر ہلکورے لے رہا تھا۔ ''تمہارے بچے.....؟''

''ایک بیٹی ہے..... امنڈا.....'' ونسی نے جواب دیا۔

''اس کا مطلب..... تم جانتے ہو کہ بیٹیاں کتنی پیاری..... کتنی اہم ہوتی ہیں۔''

''ہاں، خوب جانتا ہوں۔'' ونسی نے کہا۔

''اوکے مسٹر ہوفر میری اسسٹنٹ تمہیں بتائے گی کہ کون سے ٹیسٹ تمہارے لیے ضروری ہیں۔ تم سے مل کر خوشی ہوئی۔'' ہنری نے ہاتھ بڑھایا۔

''مجھے زیادہ خوشی ہوئی ہے۔'' ونسی نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے خاموش آواز میں کہا۔

☆☆☆

''ہاں بیٹیاں بہت اہم ہوتی ہیں۔ تمہاری تمہارے لیے، میری بیٹی میرے لیے۔'' واپس جاتے ہوئے ونسی کے دماغ میں نیا منصوبہ سر اٹھا رہا تھا۔

ڈاکٹر ہنری کو ختم کرنا بڑی سزا نہیں تھی۔ ڈاکٹر موت سے زیادہ کا مستحق تھا۔ ڈاکٹر کو زندہ رہتے ہوئے خوفناک اذیت بھگتنی تھی۔ ویسی ہی تکلیف اور درد جیسا ونسی بھگت رہا تھا۔ وہ ڈاکٹر کو زندگی کے علاوہ ہر چیز سے محروم کر دے گا۔ منصوبے کی نوک پلک درست کرنے کے لیے ونسی کے پاس پورے تین ہفتے تھے۔ وہ نیلی مزدا میں سارا دن جیکسن ول کی سڑکوں پر گھومتا رہا۔ انٹرنیٹ کیفے میں جا کر اس نے ''ڈاکٹرز وِد آؤٹ بارڈرز کانفرنس'' کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ سن کوسٹ ریزورٹ اور مارچ

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

انیس۔ ونسی نے مقررین کی فہرست میں ہنری فری مین کا نام دیکھا۔ منصوبہ ازخود تشکیل پا رہا تھا۔ ایک چیز کی کمی تھی جس کے لیے ونسی کو مدد حاصل کرنی تھی۔ وہ جانتا تھا مدد کہاں سے مل سکتی ہے۔

گھر کے قریب اس نے ایک ریسٹورنٹ سے نمبر ڈائل کیا۔ ماضی کا وہ نام کیسے بھلایا جا سکتا تھا۔ وہ اس کا مقروض تھا۔ اگرچہ ونسی نے کبھی قرضہ واپس نہیں مانگا تھا لیکن معاف بھی نہیں کیا تھا۔ اب وقت آن پہنچا تھا۔

''ہیلو۔'' کسی مرد نے فون اٹھایا تھا۔ پس منظر میں بچوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

''راب مارٹی پلیز۔'' ونسی نے کہا۔

جیکسن ول کوپ نے چند سیکنڈ بعد کہا۔ ''کون بول رہا ہے؟''

''میں ونسی، پرانے دوست کو بھولے تو نہیں ہو؟''

دوسری طرف خاموشی رہی۔

''عرصہ بیت گیا ہے۔'' ونسی نے کہا۔

☆☆☆

آواز سنتے ہی مارٹی اس کے تصور میں یوں سامنے آیا جیسے ونسی کے سامنے کھڑا ہو۔ دس برس گزر گئے تھے..... ونسی کی ڈیوٹی شام چار سے درمیانی شب تک تھی۔ رات شفٹ ختم ہونے پر وہ گھر کی طرف روانہ تھا جب کال آئی۔

ڈیئر وُوڈ کے ایک گھر میں واردات ہوئی تھی۔ شوہر اور بیوی کو باندھ کر نوعمر بیٹی کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ ممکنہ زیادتی کا امکان بتایا گیا تھا۔ ملزم سیاہ رنگ کی مٹسوبشی میں مغرب کی سمت بھاگا تھا۔ بتایا جا رہا تھا کہ ملزم خطرناک ہے اور اسلحے کی موجودگی کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

ونسی ڈیوٹی آف کر چکا تھا۔ کال تمام دستیاب یونٹس کے لیے تھی۔ ونسی بہ آسانی نظرانداز کر سکتا تھا لیکن نوعمر لڑکی پر تشدد کی بات نے اسے ردِعمل دینے پر مجبور کر دیا۔ اس وقت تک معاملاتِ زندگی ٹھیک چل رہے تھے لیکن ایک رات میں بہت کچھ تہ و بالا ہو گیا۔ امنڈا کی عمر نو سال تھی۔ جولی کاؤنٹی آفس میں ملازم تھی۔ ان کے گھر میں دو بیڈروم تھے۔ ونسی کو یقین نہیں تھا کہ وہ ایک اچھا باپ اور شوہر ہے لیکن ان کی ایک لائف تھی۔ ایک گھر تھا۔

ونسی نے فلیش لائٹ آن کی۔ ریڈیو کی آواز پر سائرن کے ساتھ اس نے گاڑی بھگائی..... راب مارٹی پہلے پہنچ گیا تھا۔ مارٹی نے مفرور کو مٹسوبشی سے نکال کر کار کے ساتھ کھڑا کیا ہوا تھا۔ ملزم سیاہ فام تھا۔ مارٹی مشتعل تھا اور مغلظات بک رہا تھا۔

''مردود..... گتے کا..... کہتا ہے کہ وہ ڈیئر وُوڈ کے قریب تھا ہی نہیں۔'' مارٹی نے اس کی پسلیوں میں گھونسا مارا۔

''بہت شوق ہے ڈاکا زنی کا..... بدذات کچرے کی پیداوار۔ بچی کے ساتھ کیا کیا ہے تو نے؟'' ونسی غرایا۔

سیاہ فام خوف زدہ تھا اور متواتر اپنی بے گناہی پر اصرار کر رہا تھا۔ مارٹی نے گالیاں بکتے ہوئے اس کے پیٹ میں گھونسا مارا۔

''میں اپنے کزن کے گھر پر تھا۔'' ملزم بلبلایا۔

مارٹی نے اس کے گھٹنے پر لات مار کے اسے زمین بوس کر دیا۔ ونسی کو لڑکی کا خیال تھا۔ اس کے سینے میں آگ بھڑکنے لگی۔ ونسی نے گرے ہوئے ملزم پر لات چلائی۔ دونوں اسے زدوکوب کر رہے تھے۔ گالیاں بک رہے تھے۔

''پاگل ہو گئے ہو۔'' ملزم تڑپ کے چلّایا۔ ''میں کزن کے گھر تھا۔ ویسٹ سائڈ میں فون کر کے پوچھ لو۔''

''بہت ڈھیٹ ہے خبیث۔'' مارٹی آپے سے باہر ہو رہا تھا۔

''مجھے وکیل سے بات کرنے دو۔'' وہ پھر چیخا۔

''گندے چوہے تجھے یہیں حساب دینا ہوگا۔'' ونسی نے اس کے سر کو ٹھوکر کا نشانہ بنایا۔ پولیس کی ایک اور گاڑی وہاں پہنچ گئی تھی۔

''چھوڑنا مت مردود کو۔'' مارٹی نے پھر گالی دی۔ ملزم کے چہرے پر خون تھا، وہ سڑک پر لوٹ رہا تھا۔ اس کی چیخیں دردناک کراہوں میں تبدیل ہو گئیں۔ ونسی نے اس کی گردن پر زوردار لات رسید کی۔

''کیا کر رہے ہو تم؟'' نووارد پولیس کار سے دو وردی پوش برآمد ہوئے۔

ملزم دفعتاً خاموش ہو گیا تھا۔

''ذلیل آدمی پسٹل دکھا رہا تھا۔'' ونسی نے کہا۔

بعدازاں شیرف آفس میں کسی نے ونسی کے الزام کو قبول نہیں کیا۔ دوسری طرف مارٹی خاموش تھا۔ ونسی بھول گیا تھا کہ وہاں سڑک پر جو کچھ ہوا، وہ کیمرے میں ریکارڈ ہو گیا تھا۔ ونسی نے جو کیا، وہ ایک اضطراری ردِعمل تھا۔ مارٹی کے پُرتشدد رویّے نے ونسی کے اشتعال کو بڑھایا تھا۔ مزید خرابی اس وقت پیدا ہوئی جب وہاں ایک قریبی اپارٹمنٹ میں کسی لڑکے نے کیمکورڈر کے ذریعے سارا منظر ریکارڈ کر لیا۔ لڑکا

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کا سائرن اور سڑک پر ہنگامہ سن کر متوجہ ہوا تھا۔ شومئی قسمت اس کی ریکارڈنگ میں وہ منظر نہیں تھا جب مارٹی نے لات مار کے سیاہ فام کو نیچے گرایا۔ لڑکے کے بیان کا بیشتر حصہ ونسی کے خلاف تھا۔ ملزم کے پاس یا اس کی گاڑی میں سے کسی قسم کا اسلحہ برآمد نہیں ہوا تھا۔ ملزم کی یہ بات صحیح ثابت ہوئی کہ وہ ویسٹ سائڈ میں اپنے کزن کے گھر پر تھا..... مشکوک گاڑی مٹسوبشی نہیں بلکہ رینگلر جیپ تھی۔

انکوائری کے دوران کچھ بھی ونسی کے حق میں نہیں تھا۔ اسے ڈس مس کر دیا گیا۔ ونسی نے مارٹی کے حوالے سے اپنی زبان بند رکھی تھی۔

آنے والے سالوں میں ونسی کا زوال شروع ہوا۔ وہ اکثر خود سے سوال کرتا کہ اس رات کیوں وہ معمول سے ہٹ کے کارروائی کر بیٹھا تھا۔ انکوائری میں وہ اپنا دفاع کیونکر کرتا۔ اس کی شفٹ ختم ہو گئی تھی۔ ونسی کو وہاں جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ وہ خود سے کیے گئے سوالوں کا مناسب جواب حاصل کرنے میں ناکام رہتا لیکن ہر مرتبہ ایک چہرہ، ایک شخص، ایک نام اس کے تصور میں ضرور نمایاں ہو جاتا اور وہ تھا..... راب مارٹی۔

☆☆☆

''ایک کام پڑ گیا ہے۔ تمہاری ضرورت ہے۔ تم کر سکتے ہو۔'' ونسی نے کہا۔

''ونسی تمہیں فون نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' مارٹی نے کہا۔

''کیوں؟ کیا تم میرے احسان کا بدلہ نہیں اتارو گے؟''

''اتنی مدت بعد میں کیا کر سکتا ہوں؟ دیکھو اب میری ایک فیملی ہے۔''

''میری بھی فیملی تھی، گھر تھا، بیوی تھی..... ملازمت تھی۔'' ونسی نے کہا۔

''تمہارا احسان تھا لیکن اب اتنے عرصے بعد میں کیا کر سکتا ہوں؟''

''بڑی بات نہیں ہے، چھوٹا سا کام ہے۔''

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

''دوست سن رہے ہو؟''

''ونسی تمہارے ساتھ جو ہوا، مجھے اس کا افسوس ہے۔''

''افسوس مت کرو۔ قرض ادا کرنے کا میں تمہیں ایک آسان موقع فراہم کر رہا ہوں۔''

''کیا چاہتے ہو؟''

ونسی نے اُسے ڈاکٹرز کانفرنس کی تاریخ بتائی۔ ہنری فری مین کی آمد اور تقریر کے بارے میں آگاہ کیا۔ ''تم نے اسے سڑک پر گھیر کے ایسا تماشا بنانا ہے کہ وہ تمام زندگی یاد رکھے۔ اس نے میری بیٹی کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ ٹریفک رولز کے بہانے اس کا بُرا حال کر دینا۔ یہ کیسے کرتے ہیں، تمہیں معلوم ہے۔ اور یہ کوئی بڑا کام نہیں ہے۔''

''میں اُسے کہاں پکڑوں گا؟'' مارٹی نے سوال کیا۔

''وہ انیس تاریخ کو ائرپورٹ پر اترے گا۔ میں وقت اور روٹ بتا دوں گا۔''

''اس کے بعد؟''

''اس کے بعد میرا تمہارا حساب برابر..... پھر آئندہ میں کبھی تمہیں فون نہیں کروں گا۔ بس ڈاکٹر کو بھرپور طریقے سے ذلیل کر دو۔''

☆☆☆

منصوبے کا آخری پارٹ اچانک سامنے آیا۔ جب ٹریسی میں بڈ۔ کیرولینا گن شو کی اطلاع ونسی تک پہنچی۔ وہ لڑکپن میں ہی ہتھیاروں کے استعمال سے واقف ہو گیا تھا۔ وہ ونچسٹر ستر شکاری رائفل کے علاوہ ایم چوبیس بولٹ ایکشن اسنائپر رائفل بھی استعمال کرنا جانتا تھا۔

وہ بڈی گنز، ماؤنٹ ہولی میں موجود تھا۔ بڈی گنز کا مالک کسی گاہک کے ساتھ مصروف تھا۔ ونسی ہتھیاروں کا جائزہ لینے لگا۔ اس کی نظر انتخاب ہیکلر اینڈ کوش نائین ایم ایم پر جا کے رکی۔ ونسی نے نائین ایم ایم سے کھیلنا شروع کیا۔

''ہلکا اور قابل بھروسا ہتھیار ہے۔ پولیس والے بہت پسند کرتے ہیں۔'' بڈی گنز کا مالک ونسی کی طرف متوجہ ہوا۔

''ہاں اچھا ہے۔ گولیاں بھی لاؤ اور قیمت بتاؤ۔''

''سستا ہے۔'' اونر نے گولیوں کا ڈبا سامنے رکھا۔

''میرا لائسنس کھو گیا ہے۔ سمجھ رہے ہو۔'' ونسی نے کہا۔

''ہاں، مزید سستا ہو جائے گا۔'' اونر نے دانت نکالے۔ ''لیکن انوائس پر کر دو۔''

''کیوں نہیں۔'' ونسی نے نوٹ نکالے۔

انوائس پر اس نے خریدار کی جگہ ہنری فری مین لکھا۔ پتے کی جگہ پام بیچ، 3110 پالمیٹو وے لکھ دیا۔

☆☆☆

سمرول سے نکل کے مین روٹ چھبیس کے ذریعے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کولمبیا کی طرف روانہ ہوا۔ میرے پاس جو فہرست تھی، اس کے مطابق دو افراد وہاں تھے۔ ایک ٹھنٹے بعد اورنج برگ کا ٹاؤن آیا۔ وہاں سے میرا رخ بلیک وِل کی طرف ہو گیا۔ جہاں ٹوبن رج روڈ پر مجھے جیمز فیلو تک پہنچنا تھا۔ میں زیادہ پُرامید نہیں تھا کیونکہ جیمز فیلو کی لائسنس پلیٹ دو سال پہلے ایکسپائر ہو چکی تھی۔

ٹوبن رج روڈ پر میں مکان نمبر 669 تلاش کر رہا تھا۔ یہاں درخت اور سنسان میدان بکثرت تھے۔ میں نروس ہونے لگا۔ وہی کیفیت تھی جو ڈانلڈ برو کے گھر پر میں نے محسوس کی تھی۔ علاقے کی ویرانی اور جنگل نما ماحول مجھے ڈرا رہا تھا۔ یہاں کسی کو ہلاک کیا جاتا تو اس کے غیاب کا پتا ہی نہ چلتا۔ میں مکانات کے نمبر دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ بالآخر ایک سرخ مکان کے سامنے میل باکس کا نمبر 669 نظر آیا۔ لال رنگ نے مجھے سرخ لڑاکا مرغ یاد دلایا۔ ڈرائیو وے میں ایک پرانی سیاہ پک اپ کھڑی تھی۔ وہاں دو گیراج تھے۔ دوسری گاڑی اینٹوں پر کھڑی تھی۔ جگہ جگہ اوزار بکھرے ہوئے تھے۔ ایک طرف پنجرے میں تین ڈوبرمین بھونک رہے تھے۔

''ہنری یہاں سے بھاگ جاؤ۔'' میرے اندر سے آواز آئی۔ اندرونی انتباہ نظرانداز کر کے میں گاڑی سے نکلا۔ پورچ میں ایک آدمی نظر آ رہا تھا۔ اس نے مجھے توجہ دی اور نہ ہی نظرانداز کیا۔

''مسٹر جیمز فیلو؟'' میں نے قدم بڑھائے۔

اس نے جواب میں سر کو خفیف سی جنبش دی۔ اس کے سر پر نیلی کیپ تھی۔ میں نے تصور میں نیلی گاڑی کی جھلک دیکھی۔ اس کی ٹی شرٹ پسینے میں تر تھی۔ چوکور جبڑا اور آنکھوں میں چمک تھی۔ گھنی مونچھوں میں چند سفید بال چمک رہے تھے۔ اس کی عمر کا درست اندازہ لگانا مشکل تھا۔ وہ چالیس سے ساٹھ برس کے درمیان کہیں بھی ہو سکتا تھا۔

''میرا نام ڈاسن ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میں انشورنس کمپنی کی جانب سے لائسنس پلیٹ دیکھ رہا ہوں۔'' میں نے گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے لائسنس پلیٹ نمبر بتایا۔ ''یہ نمبر ایکسیڈنٹ کا ہے۔ نام اور پتا تمہارا ہے۔ پلیٹ ایکسپائر ہے۔''

''ایکسیڈنٹ؟ تم نے کہا؟''

نیلی فورڈ کے ساتھ جائے واردات پر میں نے ڈرائیور کی اُڑتی ہوئی جھلک دیکھی تھی۔ یہ آدمی نیلی فورڈ کا ڈرائیور نہیں معلوم ہوتا تھا۔ تاہم یقین سے کہنا مشکل تھا۔ اگر یہ وہی تھا تو بلاشبہ اس نے مجھے پہچان لیا ہوگا لیکن وہاں کوئی نیلی گاڑی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

''ہاں ایکسیڈنٹ جارجیا میں ہوا تھا۔''

''جارجیا؟'' اس کا ایک ابرو پیشانی پر چڑھ گیا۔ ''تم کہہ رہے ہو کہ یہ نمبر میرے نام پر ہے؟'' اس نے نمبر ADJ-4392 دہرایا۔

''ساؤتھ کیرولینا موٹر وھیکل ڈپارٹمنٹ کے مطابق ایسا ہی ہے۔'' میری گھبراہٹ بڑھنے لگی۔ یوں لگا کہ وہ شاٹ گن لائے گا اور مجھے اُڑا دے گا۔

اس نے بڑھی ہوئی شیو پر ہاتھ پھیرا۔ ''آؤ۔'' وہ گیراج کی طرف چل پڑا جہاں ایک گاڑی اینٹوں پر کھڑی تھی ..... اوزار، آئل کے ڈبے اور ٹائر یہاں وہاں پڑے تھے۔ ''پلیٹ ایکسپائر ہے؟''

''ہاں اگست 2010ء۔'' میں نے کہا۔

دفعتاً میری نگاہ مشرقی دیوار پر چسپاں سرخ مسکوٹ پر جم گئی۔ دل شدت سے دھڑکا..... امید کے ساتھ خوف کی لہر نے حملہ کیا۔

''مسٹر جیمز، مرغوں کا شوق ہے؟'' میں نے مسکوٹ کی طرف اشارہ کیا۔

''اوہ..... یونیورسٹی کی والی بال ٹیم میری فیورٹ ہے۔'' جیمز فیلو نے جواب دیا۔ وہ مجھے گیراج کے عقبی حصے میں لے گیا اور ایک کارڈ باکس نکالا۔ میں نے حیرت سے دیکھا، باکس میں درجن بھر لائسنس پلیٹیں موجود تھیں۔ اس نے میرے تاثرات کو کوئی اہمیت نہیں دی اور بے نیازی سے پلیٹس کے نمبر دیکھے۔ میں نے جو نمبر بتایا تھا، وہ ان میں نہیں تھا۔ اس نے شانے اچکائے۔ ''ہو تو اندر جا کے دیکھتا ہوں۔''

میری حیرت میں اضافہ ہوا کہ اس کے پاس مزید لائسنس پلیٹس تھیں۔ بلاشبہ بیشتر ایکسپائر ہوں گی۔ ''لیکن ایکسیڈنٹ کی بات درست معلوم ہوتی ہے۔ پلیٹ کسی گاڑی پر ہوگی اور گاڑی اس وقت کہیں بھی ہو سکتی ہے۔ اگر تمہیں کوئی پلیٹ درکار ہے تو سستی مل جائے گی۔'' اس نے دانتوں کی نمائش کی۔

''نہیں۔'' میں مسکرایا۔

وہ گیراج سے نکلنے کے لیے مڑا پھر رک گیا۔ مائنڈ نہ کرو تو ایک سوال ہے؟''

''کیسا سوال؟'' میں چونکا۔

''کیا تم بھی کوپ ہو؟''

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

میں، نہیں کہتے کہتے تھم گیا۔ نبض کی رفتار بڑھ گئی۔

''تم بھی..... سے کیا مراد ہے؟''

''وہ ایک ڈیڑھ گھنٹا پہلے آئی تھی..... اسی نمبر کی پلیٹ کے پیچھے۔ اس نے جارجیا کی نہیں فلوریڈا کی بات کی تھی۔ ایکسیڈنٹ کے بجائے کرائم کا حوالہ دیا تھا۔ میں نے اسے بھی یہی جواب دیا تھا پلیٹ گاڑی کے ساتھ کہیں بھی ہوسکتی ہے۔''

''آئی تھی؟ مطلب عورت.....؟'' میرے دورانِ خون میں سنسناہٹ شامل ہوگئی۔

''لڑکی نما عورت۔'' اس نے آنکھیں گھمائیں۔ ''شعلہ تھی..... شبنم تھی۔ شرارہ تھی..... انگارا..... پارا پارا تھی۔'' جیمز کا انداز بدل گیا۔ اس وقت وہ دل پھینک لڑکا نظر آرہا تھا۔

''لڑکی تھی؟ عورت تھی۔ کون تھی؟ کیا تھی؟'' میں نے بھی معنی خیز انداز میں اسے تحریک دی۔

''نغمہ تھی..... آوارہ..... نہیں معاف کرنا..... آئینہ تھی۔ مجھے تو بات نہیں کرنا آتی۔ وہ ستارہ تھی۔''

''تم کہہ رہے تھے کوپ تھی؟''

''ہاں عجیب کوپ تھی، یہ دیکھو۔'' اس نے جیب سے ایک کارڈ نکال کے مجھے دیا۔ ''کوپ کیا، ایک نازک سی توپ تھی۔''

میں بے اختیار ہنس دیا۔ یوں لگا گویا صدیوں بعد ہنسنے کا موقع ملا ہو۔ وہ جھینپ کر ہنسنے لگا۔ سمجھ گیا تھا کہ توپ کی تشبیہ مضحکہ خیز تھی۔ میری نظر کارڈ پر گئی۔ حالت غیر ہو گئی۔ خوشی تھی، ہیجان تھا..... کیا تھا؟ ادراک تھا، یقین تھا..... وہم تھا..... کیا تھا؟ میں پلک جھپکنا بھول گیا۔ میں مسکرائے جارہا تھا اور بے خبر تھا۔

کارڈ پر لکھا تھا..... کیرولین روز ہومز، ڈائریکٹر کمیونٹی آؤٹ ریچ، جیکسن ول شیف آفس۔

☆☆☆

میں نے ازالیا ڈائز میں قدم رکھا۔ کاؤنٹر کے قریب چند مقامی افراد موجود تھے۔ ایک میز پر کوئی فیملی تھی۔ دوسری میز پر دو آدمی بیٹھے تھے۔ بیشتر میزیں خالی تھیں۔ کیری (کیرولین) نے جیمز کو بتایا تھا کہ وہ کہاں ہے اور یہ کہ کوئی بھی نئی اطلاع وہ کیری تک پہنچا سکتا ہے۔

میں نے اُسے دیکھ لیا..... بقول جیمز فیلو..... شرارہ، انگارا..... پارا پارا کو دیکھ لیا۔ وہ کونے کے بوتھ میں کھڑکی کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس کے گمان میں نہ ہوگا کہ میں وہاں موجود ہوں۔ وہ واقعی حسنِ لازوال تھی۔ شاعر کا خیال تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں رہا تھا کہ کیری نے میری باتوں پر یقین کیا تھا۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ اس کے پاس لائسنس پلیٹ کا نمبر تھا۔ دونوں نکات نے میرے حوصلے اور اعتماد کو فزوں تر کر دیا۔ کیری کی موجودگی کا صاف مطلب تھا کہ نمبر کا تعلق جیمز فیلو سے ہے۔ یعنی میں ٹھیک مقام پر تھا۔ کیری کو دیکھتے ہوئے اس وقت اس کے لیے احساسِ تشکر ایسا تھا جو میں نے پہلے کسی اور کے لیے محسوس نہیں کیا تھا۔ شاید یہ محسوسات، سچویشن کی پیداوار تھے یا کچھ اور..... جو بھی تھا لیکن یہ امر شک سے ماورا تھا کہ یہاں آنے کے اس نے خطرہ مول لیا تھا۔ شیرف آفس میں کیری کا ساتھ دینے والا کوئی نہیں تھا۔ یقیناً وہ اپنے طور پر سرگرم تھی۔ تنہا۔ اس نے ہمت کا مظاہرہ کیا تھا۔ بے اختیار میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ مجھے لگا کہ ہم دونوں کے درمیان ایک اَن دیکھا، انجانا بندھن تشکیل پا گیا ہے۔ جو ناقابلِ وضاحت تھا۔ وہ خوامخواہ میرے لیے اس حد تک نہیں جاسکتی تھی۔ کیا وجہ ہے؟ میں نے خود سے سوال کیا۔ میں مجرم نہ سہی لیکن ملزم تو تھا..... کوئی ہیرو نہیں۔

میں نے مینیو چہرے کے سامنے کرلیا۔ میں اچانک ٹہلتا ہوا اس کے سامنے نہیں جاسکتا تھا۔ بہت امکان تھا کہ وہ چیخ پڑتی۔ میں دہرے قتل کا ملزم تھا۔ موسٹ وانٹڈ۔ جیمز فیلو سے حاصل کردہ نمبر میرے پاس تھا۔ میں نے وہ نمبر ملایا۔ میں ہیجانی کیفیت کا شکار تھا۔ دل کی اضطرابی کیفیت کا عجب عالم تھا۔ وہ اپنے سیل فون کی طرف متوجہ تھی۔ ظاہر ہے کال اس کے لیے اجنبی تھی۔

''دس اِز کیری۔''

''یہاں کا کھانا کیسا ہے؟'' میں نے کہا۔

''وہاٹ؟'' اس نے دوبارہ فون کی طرف دیکھا۔

''ADJ-4392۔ مجھے یقین ہے کہ نمبر یہی ہے۔''

اس نے گردن گھما کے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر اس کی نگاہ میرے چہرے کے قریب مینیو پر جم گئی۔ میں نے دھیرے سے مینیو میز پر رکھ دیا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' اس نے مجھے دیکھتے ہوئے فون پر سوال کیا۔

''وہی جو تم کر رہی ہو۔ میں جیمز فیلو سے ملا تھا۔ اس نے بتایا کہ تم یہاں ملو گی۔ تمہیں دیکھنے کے بعد یقین آیا کہ میرا مطلوبہ نمبر وہی ہے جو تمہارے پاس ہے۔''

اُس کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''کیا میں وہاں تمہاری میز پر آسکتا ہوں۔ پریشانی کی بات نہیں ہے۔ تم جانتی ہو کہ میں بے گناہ ہوں۔ کیا میں وہاں آسکتا ہوں؟''

''نہیں، وہیں رکو جہاں ہو۔'' اس کے چہرے پر اُلجھن تھی۔ ''اوکے، اوکے۔'' اس نے پھر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

میں اٹھا۔ وہ نروس تھی۔ میں بھی مضطرب تھا۔ شاید وہ سوچ رہی تھی کہ چیخ ماروں یا اٹھ کے بھاگوں۔ میں سوچ رہا تھا اسے گلے لگا کے شکریہ ادا کروں یا بھاگنے سے روکوں۔ وہ بھاگی نہ میں نے اسے گلے سے لگایا۔ میں جا کر اس کے بالمقابل بیٹھ گیا۔ میں نے اس کی شفاف نیلی آنکھوں میں دیکھا۔ مسکرا کے دیکھا۔ وہ میرے دیکھنے کو دیکھ رہی تھی۔ خاموش تھی اور بول رہی تھی.....

''میں نے درست کہا تھا، کیا نہیں؟ تم نے نیلی کار ڈھونڈ لی تھی۔ تم نے لائسنس پلیٹ کا سراغ لگا لیا تھا۔ جیمز فیلو مطلوبہ آدمی ہے۔ اس لیے تم یہاں ہو۔ تم نے میری بات کا یقین کیا تھا۔''

کیری نے ہچکچاہٹ کے ساتھ سر کو اثبات میں جنبش دی۔

''یعنی تم میری بے گناہی کو تسلیم کرتی ہو۔ تم سمجھ گئی ہو کہ مجھے پھنسایا گیا ہے۔'' میرا پورا چہرہ مسکرانے لگا۔ آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔

''دیکھو میں صرف اتنا جانتی.....''

''نہیں کچھ نہیں دیکھو، کچھ نہ جانو..... یہ جان لو کہ ہم دونوں جان گئے ہیں کہ ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں..... میرا مطلب ہے ایک دوسرے پر یقین کرتے ہیں۔'' وہ مسکراہٹ دباتی نظر آئی۔

''تم نے نیلی کار دیکھ لی..... فورڈ.....''

''مزدا۔'' اس نے میری بات کاٹی۔ ''دیکھو میں نہیں جانتی..... کیا یقین کروں۔ ممکن ہے گن شو میں ہتھیار کی خریداری کے لیے تم نے کسی اور کو بھیجا ہو۔ ایسے شوز میں شناخت ظاہر کیے بغیر خریداری عام ہے۔''

''کیری.....''

''اور جائے واردات پر نیلی مزدا کی کوئی بھی وضاحت کی جاسکتی ہے۔ نیلی گاڑی تمہاری بے گناہی کا ثبوت نہیں ہے۔''

''کیری۔'' میں نے پھر احتجاج کیا۔

''میں اتنا جانتی ہوں کہ میں جیکسن ول شیرف آفس کے لیے کام کرتی ہوں اور تمہیں یہاں نہیں ہونا چاہیے۔''

میں نے دونوں ہاتھ میز پر رکھے اور آگے جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''تمہیں یہاں شیرف آفس نے بھیجا ہے؟ تم یہاں خود آئی ہو کیونکہ تم مجھ پر یقین کرتی ہو۔ تم نے میری ویب سائٹ کا مطالعہ کیا ہے۔ تم جانتی ہو کہ میں ایک معروف ڈاکٹر ہوں بدنام قاتل نہیں۔ مجھے غور سے دیکھو، کیا یہ ایک قاتل کا چہرہ ہے؟''

اس کا حسین چہرہ متغیر ہو گیا۔ آنکھوں میں نرمی آئی۔ میں چشم فسوں گر کے مفہوم کو پانے کے لیے سرگرداں تھا۔

''ہاں یہ چہرہ ''قاتل'' کا ہے۔'' اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ لفظ قاتل اس نے عجیب انداز میں کہا تھا۔

میں دنگ رہ گیا۔ میرے جنوں کی ہوشیاری تھی یا بے ربط حالات کا مدوجزر، فہم و ادراک کو پامال کر رہا تھا۔ میں دیدۂ حیران تکتا رہ گیا۔ اس کی چشم مست کن کا رنگ بدلا۔ وہ محجوب نظر آئی۔

''اگر یہ چہرہ قاتل کا ہے تو قاتل کے سامنے قاتل ہے۔'' میری آنکھوں میں شرارت تھی۔

''تم غلط سمجھ رہے ہو۔ میرا مطلب تھا کہ بعض مجرم دیکھنے میں معصوم نظر آتے ہیں۔''

''میں کیسا نظر آتا ہوں؟''

''ڈاکٹر تم خاصی مصیبت میں ہو۔''

''ہاں۔'' مجھے ہیلی کا خیال آیا۔ ''لیکن تمہاری مدد سے میں مصیبت سے نکل جاؤں گا۔''

''میری مدد سے؟''

''ہاں، ہم دونوں مل کر.....''

''ڈاکٹر.....''

''کیری.....''

اس نے گہری سانس لی۔ ''تم یہاں تک کیسے پہنچے؟''

''میرے ایک دوست نے موٹر وھیکل ڈپارٹمنٹ سے میرے لیے معلومات حاصل کی تھیں۔ مجھے ایک فہرست مل گئی تھی۔ جس کا نمبر ADJ-4 سے شروع ہوتا ہے۔ اس کے بعد میں نے اپنے طور پر تلاش شروع کر دی۔''

''ناٹ بیڈ۔'' اس نے مسکرا کے زلف کی اخروٹی لٹ چہرے سے ہٹائی۔ ''کیا تمہیں یقین ہے کہ جیمز فیلو کا کوئی تعلق نہیں؟''

''میں نہیں کہہ سکتا۔ لیکن کچھ تو ہے۔ اگر کوئی دوسرا ہے تو اس کا تعلق جیمز کے ساتھ ہے۔''

''تم اس علاقے میں کسی کو جانتے ہو؟''

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''نہیں۔''

''پھر کون، کیوں تمہارا دشمن بنا ہوا ہے؟ اگر وہ تمہیں مارنا چاہتا تو مار چکا ہوتا۔ اس کے بجائے وہ مارٹی اور تمہارے دوست مائیک ڈینو کو کیوں ہلاک کر گیا؟''

''میں نہیں جانتا۔ یہ سوال میں سیکڑوں مرتبہ خود سے کر چکا ہوں۔'' میں نے اظہارِ بے بسی سے کہا۔

''اصل قاتل جیمز کو جانتا ہے اور اس سے زیادہ تم سے واقف ہے..... مائیک کو بھی جانتا تھا۔''

میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ مائیک کی یاد، اس کا نام رگِ جاں کو گھائل کر دیتا تھا۔ وہ میری وجہ سے مارا گیا۔ میں کیری کو سب کچھ بتانا چاہتا تھا۔ ہیلی کے بارے میں اسے نہ بتانا تکلیف دہ ہو گیا تھا۔ میرے لیے کیری نے بہت کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔ اپنی جاب بھی خطرے میں ڈال دی تھی۔ میں نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

''میں نے بہت سوچا ہے اگر سارا کھٹراگ مجھے پھنسانے کے لیے تھا تو مارٹی کیوں مارا گیا۔ کیا قاتل کے پلان میں اس کی ہلاکت شامل تھی۔ مارٹی نے مجھے روکا تھا۔ وہ منصوبے میں شامل تھا۔ اگر شامل تھا تو مارا کیوں گیا؟ اور کسی کو وہاں میری آمد کی خبر کیسے ہوئی؟ میں کون سی گاڑی ڈرائیو کر رہا ہوں؟ کون سے روٹ پر ہوں؟''

''تمہارا تعاقب کیا جا رہا تھا۔'' کیری نے کہا۔ ''غالباً ائرپورٹ سے۔''

''ائرپورٹ.....'' میں نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ میں خیالات کے بھنور میں ڈوب رہا تھا، ابھر رہا تھا۔

''کون مجھ سے اتنی نفرت کرتا ہے۔ کون مجھے درد سے تڑپتا دیکھنا چاہتا ہے؟'' میں نے سر اٹھایا۔ ''تم ٹھیک کہتی ہو، وہ مجھے مار سکتا تھا۔ درجنوں مرتبہ مار سکتا تھا لیکن وہ مجھے ختم نہیں کرنا چاہتا۔ وہ مجھے زندہ رکھ کے مارنا چاہتا ہے۔ وہ.....'' میں ہیلی کا تذکرہ کرتے کرتے رہ گیا۔ مجھے نامعلوم دشمن کا فقرہ یاد آیا۔ اس نے کہا تھا۔ ''اب بتاؤ کوئی تمہارا سب کچھ چھین کے لے جائے تو کیسا محسوس ہوتا ہے۔''

''وہ کس چیز کا بدلہ لے رہا ہے؟ میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے..... کیری وہ مجھ سے کھیل رہا ہے، تڑپا رہا ہے۔''

''کھیل رہا ہے؟''

نگاہِ بے کیف سے میں نے اُسے دیکھا۔ ''کھیل ہی تو ہے..... جان لیوا کھیل..... جان بلب ہوں اور جان جاتی نہیں۔'' میں نے مسکرانے کی کوشش کی۔ ''لیکن یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ تم بہت بہادر ہو۔ کیونٹی آؤٹ رینج میں تم فٹ نہیں ہو۔''

وہ بھی مسکرائی۔ ''تم جن حالات سے تنہا لڑ رہے ہو، کوئی ڈاکٹر ایسا نہیں کر سکتا۔''

مجھے احساس ہوا کہ کچھ دیر قبل شعور بھی لاشعوری طور پر کیری کے لیے میرے جذبات کا رخ کسی اور طرف ہو گیا تھا۔ چند ماہ پہلے اس پر جو قیامت ٹوٹی تھی، میں اس ٹریجڈی سے آگاہ تھا۔

''مجھے افسوس ہے۔'' میں نے دھیرے سے کہا۔

''میں نے جب پہلی مرتبہ فون کیا تھا اس وقت کئی ماہ بعد آفس میں تمہارا پہلا دن تھا۔'' میں نے مناسب الفاظ تلاش کرنے کی کوشش کی۔ کیری کی مسکراہٹ معدوم ہو گئی۔

''تم کیسے جانتے ہو؟''

''وہ دراصل..... وہاں میموریل اسپتال میں ایک ڈاکٹر میرا.....''

''اوکے.....'' اس نے نظر ہٹا کے موضوع بدلنے کا اشارہ کیا۔

خاموشی کا وقفہ آیا۔

''تم کب تک بھاگتے رہو گے، یہ غلط ہے۔''

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ میں اُسے حقیقت بتانے سے قاصر تھا اور لائسنس پلیٹ کے ذریعے قاتل تک رسائی کی امید دھندلا گئی تھی۔ میرے لیے بھاگنے کے سوا دوسرا راستہ نہ تھا۔

میں نے آنکھوں سے قائل کرنے کی ناکام کوشش کی۔ ''کیری میرے پاس کوئی چوائس نہیں ہے۔''

''ہمارے پاس وڈیو ہے جس میں ٹیلی کار جائے واردات پر دونوں جگہ دکھائی دے رہی ہے۔'' وہ بولی۔ اس نے ''ہم'' کا صیغہ استعمال کیا تھا۔ مجھے انجانی مسرت کا احساس ہوا۔

''ہمارے پاس ثبوت ہے کہ ہتھیاروں کی نمائش میں جو گن خریدی گئی، وہ تم نے نہیں خریدی تھی۔ تم اُس روز اپنے کلینک میں مصروف تھے اور اب یہ آدمی جیمز فیلو، اس کا قاتل سے کوئی نہ کوئی تعلق ہے۔ یہ تینوں امور پہلے ندارد تھے۔ اب پولیس تینوں کی مدد سے نئے رخ پر تفتیش کر سکتی ہے۔''

میں کھویا کھویا اُسے تک رہا تھا۔ وہ متواتر ''ہم'' کا صیغہ استعمال کر رہی تھی۔

''کیا دیکھ رہے ہو؟''

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''کچھ نہیں۔'' میں نے کہا۔ ''تمہیں کیسے سمجھاؤں۔''

''میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' وہ بے ساختہ کہہ گئی اور پھر بات گھمائی۔ ''میرا مطلب..... تمہارے ساتھ کوئی بہترین وکیل تو نہیں بیٹھا ہے لیکن پہلے کے مقابلے میں صورتِ حال بہتر ہے۔ تم چاہو تو یہاں سے بھی بات کر سکتے ہو۔''

''تمہارا مشورہ ہے کہ میں خود کو پولیس کے حوالے کر دوں؟''

''اور کیا راستہ ہے؟ ہم دونوں جو کر سکتے تھے کر چکے، باقی کام پروفیشنل بہتر کر سکتے ہیں..... کیا غلط ہے؟''

''درست ہے..... لیکن، لیکن کچھ ہے جو میں بتا نہیں سکتا۔''

''کیا مطلب ہوا؟ ہمارا کام یہاں تک ختم ہے۔ ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے۔''

میں نے بے بسی سے اس کو دیکھا۔ اس کا ہم، ہم کہنا اچھا لگ رہا تھا لیکن موجودہ حالات میں دونوں ہی ''ہم'' کی جانب پیش قدمی سے قاصر تھے۔

''کاش میں بتا سکتا کہ میں کتنا بے بس ہوں۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ بے بسی کی شدت سے آنکھیں اشکبار ہوا چاہتی تھیں۔

''تمہیں سمجھنا چاہیے کہ میں اس سے زیادہ آگے نہیں جا سکتی۔'' اس کی آنکھوں میں التجا تھی۔ ''بتاؤ تم مجھ سے کیا چھپا رہے ہو؟''

''کچھ نہیں چھپا رہا ہوں.....''

''جھوٹ۔'' اس نے میری آنکھوں میں جھانکا۔

میں نے گہری سانس لی۔ ''صبح تک..... مجھے صبح تک کا موقع دو۔''

''یعنی کچھ ہے بتانے کے لیے۔'' اس نے مشکوک نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''اوکے اگر تم نے صبح نہیں بتایا تو میں واپس چلی جاؤں گی۔''

''نہیں تم نہیں جاؤ گی۔ تم نے جو کچھ کیا، اس کی بنیاد مجھ پر بھروسا تھا اور میں بھی تم پر اعتماد کرتا ہوں۔''

وہ بغور مجھے دیکھ رہی تھی، پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''ایک بات بتاؤ..... کس چیز نے تمہیں مجھ پر بھروسا کرنے کے لیے مجبور کیا؟'' میں نے میز پر اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے قریب کیے۔ ''نیلی کار کو تلاش کرنے کی تمہارے پاس کوئی معقول وجہ نہیں تھی۔ مجھے پورا یقین ہے کہ تمہارے علاوہ کسی نے مجھ پر یقین نہیں کیا ہوگا۔ کیا وجہ تھی تمہارے پاس؟''

اس نے گلا صاف کیا۔ ''تم نے خود کہا کہ معقول وجہ نہیں ہو سکتی..... تو پھر نامعقول ہو گی اور تم مجھے احمق کہو گے۔''

''نہیں کہوں گا، آزما لو۔''

''بتا دوں گی۔ ابھی نہیں۔''

''پھر کب؟''

''جب پولیس تمہارا کیس ڈس مس کر دے گی۔''

''ڈیل؟'' میں نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

''ڈیل!'' اس نے مسکرا کے ہاتھ پیچھے کر لیا۔

☆☆☆

جیمز فیلو کی بیوی ایڈا خوابِ غفلت میں تھی لیکن وہ خود بیدار تھا۔ اس کے خیالات کا محور کیرولین روز ہومز اور انشورنس ایجنٹ تھا۔ کیرولین کا تعلق جیکسن ول پولیس سے تھا لیکن وہ آدمی انشورنس ایجنٹ نہیں تھا۔ اس کی حقیقت کیا تھی؟ جیمز کو اتنا اندازہ تھا کہ جو وہ ظاہر کر رہا تھا، وہ تھا نہیں۔ اہم بات یہ تھی کہ وہ دونوں مخصوص لائسنس پلیٹ کے چکر میں جیمز تک پہنچے تھے۔ اس کے حالات پہلے ہی خراب تھے، وہ کسی بکھیڑے میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ دوسری طرف فطرتاً وہ دوستوں کے ساتھ کھڑا رہنے والا آدمی تھا۔ وہ بے خبر تھا کہ معاملہ ہے کیا لیکن کوئی اہم بات تھی جو دوسری اسٹیٹ سے وہ انکارا، پارا پارا ملنے آئی تھی۔ اس کے پیچھے جعلی انشورنس ایجنٹ بھی آن ٹپکا تھا۔

لائسنس پلیٹ جس گاڑی پر تھی، اسے چلانے والا قدرے بدمزاج تھا۔ اس کی بیٹی امنڈا کے ساتھ جو ہوا اس کے بعد سے اس کی بدمزاجی بڑھ کے دیوانگی میں بدل گئی تھی۔ جیمز کو احساس تھا کہ کوئی بات خراب ہو چکی ہے۔ سوچ بچار کے بعد اس نے فون اٹھایا۔

''ہیلو..... جیمز؟''

''ہاں، میں ہوں۔ تم فلوریڈا میں کیا کرتے پھر رہے ہو؟''

''تم کیوں پوچھ رہے ہو؟'' ونسی نے کہا۔

''تم مجھ سے جو لائسنس پلیٹ لے گئے تھے، اس کی تلاش میں کوئی یہاں تک پہنچ گیا ہے..... خیال رکھنا۔ شاید تمہارے لیے مشکل کھڑی ہونے والی ہے۔''

☆☆☆

کیری کی مہربانی سے رات میں نے کار کے بجائے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

موٹیل کے کمرے میں گزاری۔ مجھے فرنٹ ڈیسک پر اپنا چہرہ دکھانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ تاہم بستر پر ہونے کے باوجود نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ دماغ صورتِ حال کا تجزیہ کررہا تھا۔ لائسنس پلیٹ تک پہنچنے کے بعد بھی میں بندگلی میں تھا۔ کیری کی موجودگی اور دلچسپی بہت بڑا سہارا تھا لیکن وہ ہیلی کے اغوا سے بے خبر تھی..... میری بے بسی سے ناآشنا تھی۔ میں خود کو پولیس کے حوالے نہیں کر سکتا تھا۔ ہیلی کی زندگی مجھ سے زیادہ قیمتی تھی۔ کوئی راہِ نجات نہ تھی۔ نڈھال ہو کے میں نے سوچ کا زاویہ بدل دیا۔ کون میرا دشمن ہے؟ اور وہ یہ کیوں کررہا ہے؟ کوئی نام ذہن میں نہیں آرہا تھا۔ وہ جو بھی تھا مجھے مارنے کے بجائے تڑپا رہا تھا۔ بلاشبہ وہ ایک بے رحم قاتل تھا..... بہ آسانی مجھے ختم کرسکتا تھا۔ مارٹی اور مائیک دونوں بے گناہ تھے لیکن اس نے دونوں کو ہلاک کردیا اور میں زندہ تھا۔ اس کے لیے گناہ گار میں تھا۔ تاہم میں زندہ تھا۔ میرا گناہ کیا تھا جو وہ مجھے موت سے بڑھ کر کرب واذیت سے گزارنا چاہتا تھا۔ میرا قصور اتنا بڑا تھا کہ موت کی سزا ناکافی تھی۔ میں نے کیا کیا تھا۔ میں ڈاکٹر تھا۔ مریضوں کی مدد کرتا تھا۔ میں پروفیشنل تھا لیکن پیسا میری ترجیحات میں سب سے اوپر نہیں تھا۔ میرا دماغ دکھنے لگا تھا۔

میں.... تنگ آکے آئی پیڈ اٹھا کے ''میپ کوئسٹ'' میں لاگ اِن ہوا۔ میپ میں ساؤتھ کیرولینا کا ٹاؤن بلیک ول دیکھا۔ کیری، میں اور جیمز تینوں بلیک ول میں تھے۔ مطلوبہ لائسنس پلیٹ نیلی گاڑی پر تھی۔ نیلی گاڑی والے کا کچھ نہ کچھ تعلق جیمز فیلو کے ساتھ تھا۔ میں نے بلیک ول کے اطراف دیگر ٹاؤنز کے نام دیکھے۔ بمبرگ، ڈنمرک، ولسٹن، بیری، برن ول..... کیا قاتل بلیک ول کا رہائشی تھا یا پھر اطراف کے ٹاؤنز میں سے کسی ایک میں رہتا تھا۔ ممکن تھا کہ وہ محض کرائے کا آدمی رہا ہو۔ میں سوچ میں ڈوبا ہوا میپ کوئسٹ کا جائزہ لے رہا تھا۔

''یوریکا۔'' دفعتاً دماغ میں جھماکا ہوا۔ میری نظر ''ایکروپولس'' پر جم گئی۔ میں آنکھیں سکیڑ کے یادداشت کو ٹٹول رہا تھا۔ ایکروپولس ساؤتھ کیرولینا میں نہیں تھا۔ یہ ٹاؤن جارجیا کی سرحد پر تھا۔ بلیک ول اور ایکروپولس کا درمیانی فاصلہ تیس میل تھا۔ میں وہاں کبھی نہیں گیا تھا لیکن نام میری یادداشت میں موجود تھا۔ میں نے یہ نام کہاں دیکھا تھا۔

''سوچو ہنری..... سوچو۔'' میرے اندر سے آواز آئی۔ میں پلک جھپکائے بغیر ایکروپولس کے نام کو تک رہا تھا۔

''اوہ گاڈ'' میری رگوں میں خون سنسنا اٹھا۔ چند ہفتوں قبل میرے کلینک میں ایک مریض آیا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کرکے تصور کی آنکھ کھولی۔ وہ گٹھے ہوئے بدن کا آدمی تھا۔ گردن موٹی اور نیم گنجے سر کے اطراف نارنجی بالوں کی جھالر تھی۔ وہ گردن کی موٹی سلوٹوں کے معاملے میں حساس تھا۔ کچھ عجیب سا مریض تھا۔ اس کا تعلق ایکروپولس، جارجیا سے تھا۔ سوال یہ تھا کہ وہ آدمی اور ایکروپولس کا ٹاؤن میرے دماغ میں کیوں کھٹک رہا تھا۔ مجھے اس کا نام یاد نہیں آیا۔ گردن دیکھنے کے بعد میں نے رہڈ کومی کا حوالہ دیا تھا۔ اس کی جاب کے بارے میں پوچھا تھا۔ وہ پولیس میں خدمات انجام دے چکا تھا اور اب ڈائی فیکٹری میں کام کررہا تھا۔

''نو..... نو.....'' میں نے آنکھیں کھول دیں۔ اسی وقت مائیک کی کال آئی تھی۔ اس نے میری اور مائیک کی گفتگو سنی تھی۔ میں نے ڈاکٹرز کانفرنس کا ذکر کیا تھا۔ جیکسن ول میں تقریر کی بات..... اٹلانٹک پائن میں مائیک کے ساتھ گالف کا پروگرام..... میں نے مائیک سے کہا تھا کہ وہ ایون ڈیل میں اپنے گھر کی لوکیشن ای میل کرسکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ کیا اس وقت میں نے انیس تاریخ کی بات کی تھی؟ میں نے یاد کرنے کی کوشش کی..... اس آدمی نے فوٹو دیکھ کر ہیلی کے بارے میں استفسار کیا تھا۔ میری دھڑکنیں بے قابو ہوگئیں۔

ایکروپولس، جارجیا؟

میں اسے نہیں جانتا تھا۔ زندگی میں کبھی پہلے اس سے نہیں ملا تھا۔ اگر وہی ہے تو یہ کیونکر ممکن ہے؟ میرا اس کے ساتھ نفرت کا کون سا رشتہ ہے؟ کیا میں وہم کا شکار ہورہا ہوں؟

ایکروپولس، جارجیا؟

☆☆☆

صبح ساڑھے پانچ بجے میں نے ماریا کین کا نمبر ملایا۔

''ماریا غلط وقت پر فون کرنے کے لیے معذرت خواہ ہوں۔'' ماریا کی خوابیدہ آواز سن کے میں نے کہا۔ ''لیکن یہ بہت ضروری تھا۔''

''ڈاکٹر ہنری.....''

''ماریا سنو..... ایک ماہ قبل ہمارے کلینک میں ایک

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

مریض آیا تھا۔'' میں نے اسے مریض کا حلیہ اور اس کی گردن کے بارے میں بتایا۔

''جتنی جلدی ہو سکے، مجھے اس کا ریکارڈ درکار ہے۔ نام، پتا، سوشل سیکیورٹی، فوٹو..... سب کچھ، کمپیوٹر چیک کرو۔''

''ہاں میں کرتی ہوں۔ کیا اس نے آپ کو پھنسایا ہے؟''

''بہت ممکن ہے۔ پہلے تم میرا یہ کام کر دو۔ یہ بہت اہم ہے۔ بہت زیادہ اہم۔''

☆☆☆

سوا چھ بجے ماریا کی میل موصول ہوئی۔ مریض کا نام ونسی ہوفر، پتا 2919 بین روڈ، ایکروپولس تھا۔ سوشل سیکیورٹی نمبر بھی تھا۔ میں نے اس کا فوٹو غور سے دیکھا۔ اس روز سے پہلے میں کبھی اس سے نہیں ملا تھا۔ اگر وہی میرا دشمن تھا تو دشمنی کی وجہ کیا تھی۔ ناشتے پر کیری سے ملاقات تک انتظار دشوار ہو گیا۔ پونے سات بجے آئی پیڈ کے ساتھ میں کیری کے کمرے پر دستک انداز ہوا۔

دروازہ کھلنے کے بجائے محض رخنہ نظر آیا۔ کیری نے جھانک کے دیکھا۔ اس کے بال گیلے اور بدن پر تولیا تھا۔

''کیری۔'' میری آواز میں ہیجان تھا۔ ''میرا خیال ہے کہ میں جان گیا ہوں وہ کون ہے۔''

دروازے کا رخنہ چوڑا ہو گیا۔

''آفس سے ایک مریض کی فائل منگوائی تھی۔ وہ تمہیں دکھانا چاہتا ہوں۔''

''ایک منٹ دو مجھے۔'' وہ واپس چلی گئی۔ چند منٹ کے بعد کیری دوبارہ نظر آئی۔ اس نے جین پر بے بی بلیو باسکٹ بال وارم اپ ٹی شرٹ زیب تن کی تھی۔ گیلے بالوں میں کنگھی عجلت میں کی گئی تھی۔ میں لمحہ بھر کے لیے مبہوت رہ گیا۔ میری بیٹی کی زندگی داؤ پر تھی۔ اگر کوئی اور وقت ہوتا، میں عام حالات میں وہاں ہوتا تو رومانی کیفیت سے دوچار ہونا یقینی تھا۔

''ڈاکٹر ہنری کیا کہہ رہے تھے تم؟'' کیری نے مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

میں نے اُسے شب بیداری کے دوران سوچ بچار سے پیدا ہونے والی صورتِ حال اور نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے ہوفر کے بارے میں بتایا۔

''ونسی ہوفر.....'' اس نے خود کلامی کی۔ ''میں نہیں سمجھ سکی۔ اس کا موجودہ صورتِ حال سے کیا تعلق بنتا ہے؟''

''ہاں نہیں بنتا۔ [illegible] کیا تھا کہ اس علاقے میں، میں کس کو جانتا ہوں۔ [illegible] نہیں جانتا لیکن ایکروپولس یہاں سے تیس میل دور ہے اور ہوفر ایک مرتبہ مجھ سے ملا ہے۔ وہ کلینک میں سنجیدہ تھا لیکن پھر غائب ہو گیا۔ جیکسن ول میں میرا کیا پروگرام تھا، اس نے سن لیا تھا۔ میرے پاس کوئی واضح دلیل نہیں ہے لیکن ہم جیمز فیلو کو کرید سکتے ہیں۔ کیا ان دونوں کا آپس میں کوئی تعلق ہے۔'' میں نے پُرامید نظروں سے کیری کی طرف دیکھا۔

وہ پُرخیال انداز میں مجھے تک رہی تھی۔ ہم دونوں خاموش تھے۔ معاً اس کی نیلی آنکھوں میں چمک نمودار ہوئی۔

''ایک بہتر خیال میرے ذہن میں ہے۔'' کیری کا انداز فیصلہ کن تھا۔ اس نے سیل فون پر نمبر ملایا۔

''جیک کوئی سوال مت کرنا۔ مجھے تمہاری مدد چاہیے۔ ایک آدمی کی معلومات درکار ہے۔ یہ نہ پوچھنا کہ جیکسن ول شیرف آفس یہ کام کیوں نہیں کر سکتا۔ اسے میرا ذاتی کام سمجھو.....'' اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ وہ مجھے دیکھتے ہوئے دوسری طرف کی بات سن رہی تھی۔

''ہاں، ہاں، میں سمجھتی ہوں..... پلیز مجھ پر بھروسا کرو..... نہیں ابھی نہیں بتا سکتی میں کہاں ہوں۔ تم نام لکھو اور معلومات ای میل کرو۔'' کیری نے ہوفر کا نام، پتا اور سوشل سیکیورٹی نمبر جیک نامی شخص کو بتایا۔ کیری جو کر رہی تھی، وہ کمیونٹی آؤٹ ریچ کے معمول کے خلاف تھا۔ میں اظہارِ ممنونیت کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے زبان کے بجائے آنکھوں کے استعمال پر اکتفا کیا۔ میں قدرے متجسّس بھی تھا۔ وہ جیک سے باتیں کر رہی تھی۔

''میرا وعدہ ہے یہ بات صرف ہم دونوں کے درمیان ہے۔ شکریہ..... ہاں میں احتیاط کروں گی.....'' کیری نے رابطہ منقطع کیا۔ اس کے ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ تھی۔ وہ میرے لیے کس حد تک جائے گی؟ کیوں جائے گی؟ کیا میری خوش فہمی ہے کہ وہ میری بے گناہی پر یقین رکھنے کے ساتھ میری شخصیت سے بھی متاثر ہے۔ چند لمحوں کے لیے میں اس کے نکھرے ہوئے حُسن اور لفریب مسکراہٹ میں کھو گیا۔

''کیا دیکھ رہے ہو؟'' اس کے چہرے کی سرخی میں اضافہ ہوا۔

''کیا چیز ہو تم۔'' میں نے کہا۔

''مطلب؟''

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

''مطلب بتانے کا وقت بھی آئے گا۔''
''یقین ہے؟''
''ہاں..... بہت زیادہ۔ یہ بتاؤ تم نے کسے فون کیا تھا؟''
''ایف بی آئی۔'' کیری نے جواب دیا۔
''ایف بی آئی؟ وہاں کون ہے؟''
''میرا بھائی۔''

☆☆☆

جیک کا جواب آنے تک کچھ وقت لگنے کا امکان تھا۔ اس دوران ہم نے جیمز کی طرف جانے کا فیصلہ کیا۔ ماریا نے ہوفر کا جو فوٹو بھیجا تھا، وہ میں نے کیری کے فون پر بھی منتقل کر دیا۔

جیمز پودوں میں پانی دے رہا تھا۔ میں کار میں بیٹھا رہا اور کیری نے جیمز کی رہائش گاہ کا رخ کیا۔ جیمز پہلے کے مقابلے میں سرد مہری سے پیش آیا۔ کیری نے اسے وسی ہوفر کا فوٹو دکھا کے کچھ کہا۔ جیمز نے کار کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ گفتگو مختصر تھی۔ کیری مایوسی کے تاثرات لیے واپس پلٹی۔

''کیا کہتا ہے؟'' میں نے سوال کیا۔
کیری نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ ''صاف انکار کر رہا ہے۔'' کیری نے گاڑی آگے بڑھائی۔ ''لیکن دراصل اس نے تسلیم کر لیا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔''
''وہ کیسے؟ کیا کہا اُس نے؟''
''اس نے دوبارہ میری شناخت مانگی تھی۔ دھمکا رہا تھا کہ مجھے پولیس کے ساتھ آنا چاہیے۔''

☆☆☆

جیک کی کال آئی تو ہم واپس موٹیل میں تھے۔ میرے کچھ بولنے سے پہلے کیری نے اپنا نازک ہاتھ میرے منہ پر رکھ دیا۔ میرا ذہن پھر بھٹکنے لگا۔ اس نے کال اسپیکر فون پر ڈال دی۔

''کیری تمہارے ساتھ کون ہے؟'' اس کے بھائی نے استفسار کیا اور میرے دل نے سرپٹ دوڑنا شروع کر دیا۔
''جیک پریشان مت ہو۔ بتاؤ کیا حاصل ہوا؟''
''سسٹر تم نے ایک عجیب سوال کیا تھا اور سمجھو تمہاری لاٹری نکل آئی۔'' جیک کی آواز آئی۔ ''تم نے ہوفر کے متشدد مزاج کے بارے میں شک کا اظہار کیا تھا۔ تم نے سوال کیا تھا کہ اگر وہ پُرتشدد ہے تو اس کی وجوہات یا پس منظر کیا ہے۔''
میری حرکتِ قلب میں مزید اضافہ ہو گیا۔ کیری مجھے اور میں کیری کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''کئی برس پہلے وہ بے گھر ہو گیا تھا۔ اُس کی بیوی بھی انتقال کر گئی۔ برسوں سے وہ ساؤتھ کیرولینا کے ایک میٹل پلانٹ میں بطور لیتھ آپریٹر کام کر رہا ہے.....''
''ایک منٹ جیک۔'' کیری نے قطع کلامی کی۔ ''کیا تم نام اور پتا بتا سکتے ہو؟''
''لبرٹی مشین ورکس، بمبرگ، ساؤتھ کیرولینا۔''
کیری مجھے تک رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری۔ وہ مجھ سے پہلے جیمز سے ملی تھی۔ پہلی ملاقات میں جیمز نے نرمی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس نے کیری کو جو بتایا، اس میں اس کی جاب بھی شامل تھی۔ وہ لبرٹی مشین میں کام کرتا تھا۔ یعنی وہ اور ہوفر ایک ہی جگہ کام کرتے تھے۔ میرے ذہن سے مایوسی کے تاریک بادل ہٹنے لگے۔ میں نے بے خیالی میں بولنا چاہا اور کیری نے پھر اپنا ہاتھ میرے منہ پر رکھ دیا۔ اس کی آنکھوں میں سرزنش تھی۔
''اتنا کافی ہے؟'' جیک کی آواز آئی۔
''نہیں بولتے رہو۔'' کیری نے کہا۔
''وسی ہوفر دس سال سے زیادہ فلوریڈا اسٹیٹ پولیس میں کام کر چکا ہے۔ 1999ء میں انٹرنل انویسٹی گیشن کے نتیجے میں اسے ڈس مس کر دیا گیا تھا۔ اس نے ایک مشکوک برگلری کے خلاف قانون ہاتھ میں لیتے ہوئے تشدد کیا اور وہ جانبر نہ ہو سکا۔ اس حادثے کی فلم بن گئی تھی۔ حادثہ تمہارے گھر میں ہوا تھا۔ میرا مطلب ہے جیکسن ول میں.....''
''جیکسن ول؟'' کیری نے سیٹی بجائی۔
''ہاں، جیکسن ول۔ انویسٹی گیشن تمہارے شیرف آفس میں ہوئی تھی۔ وسی ہوفر کے ساتھ اور آفیسرز کو بھی شاملِ تحقیق کیا گیا تھا۔ تاہم دیگر افراد بری ہو گئے تھے۔''
''اور کون انڈر انویسٹی گیشن تھا؟'' کیری نے سوال کیا۔ گویا اس نے میرا سوال چھین لیا۔ ہم دونوں کے ذہن میں بیک وقت ایک ہی بات آئی تھی۔ کیا انویسٹی گیشن میں مارٹی کا نام بھی تھا؟ ماضی میں ایک ہی فورس میں ہوفر اور مارٹی دوست تھے۔ مارٹی اور اس کے ساتھیوں نے ہوفر کے کہنے پر انیس تاریخ کو جیکسن ول میں مجھے گھیرا تھا۔ پزل کے ٹکڑے ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہو رہے تھے۔ پردہ اٹھ رہا تھا۔ وہ وسی ہوفر ہی تھا۔ وہ مجھ سے منصوبے کے تحت ملا تھا۔ اتفاق تھا کہ مائیک کا فون آیا اور ہوفر میرے پروگرام سے باخبر ہو گیا۔ ہوفر نے جیمز سے لائسنس پلیٹ لے کر نیلی مزدا پر لگائی۔ مارٹی کو ساتھ ملایا اور مجھے ہراساں کرنے کے بعد اپنے ہی دوست مارٹی کو ہلاک کر دیا۔ الزام میرے سر آ گیا لیکن

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

اس نے مارٹی کو کیوں مارا؟

مائیک کا مرڈر بھی میرے کھاتے میں ڈالا گیا۔ گن فیئر میں اس نے میرے نام سے ہتھیار خرید کے میرے تابوت میں آخری کیل ٹھونکی۔ ہیلی کو اغوا کر کے مجھے بے بس کر دیا لیکن میں کیوں اصل ٹارگٹ تھا؟ ابھی تک یہ ایک بڑا سوال تھا۔ مجھے گھیر، تڑپانے کے لیے اس نے بے رحمی سے دو آدمی قتل کر دیے تھے۔ اگر کیری کے سوال کے جواب میں جیک، مارٹی کا نام لیتا ہے تو یہ بات تقریباً یقینی ہو جائے گی کہ سارے فساد کے پیچھے ونسی ہوفر نامی وحشی موجود ہے۔ یہ بات پھر بھی تشنہ رہ جائے گی کہ میں نے ونسی ہوفر کو کیا عظیم نقصان پہنچایا تھا؟

''حادثے کا دوسرا مرکزی ملزم مارٹی نامی افسر تھا لیکن وہ بری ہو گیا تھا۔'' جیک نے جواب دیا۔ ''یہ معلومات تمہارے لیے کافی ہیں؟''

''ہاں، بہت زیادہ۔'' کیری نے اعتراف کیا۔

''یعنی اب سب سے بڑی اطلاع کی تمہیں ضرورت نہیں ہے۔'' جیک نے ہنستے ہوئے کہا۔

''کم آن مذاق مت کرو۔ کچھ نہ چھپاؤ۔'' کیری نے شکوہ کیا۔

''ہوفر نامی ایکس کوپ کی بیٹی امنڈا کو حال ہی میں لمبی سزا سنائی گئی ہے۔ اس کی بیٹی نے دو ماہ پہلے ایک عورت اور اس کے نومولود بیٹے کو گاڑی کے نیچے روند ڈالا تھا۔ اسے بیس سال کی سزا ہوئی ہے۔''

مجھے جھٹکا لگا۔ ونسی نے کلینک میں فوٹو دیکھ کے میری بیٹی کے بارے میں استفسار کیا تھا۔ میں نے اس کے بچوں کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا تھا کہ اس کی ایک بیٹی ہے۔ بیٹیوں کے بارے میں ایک دو جملوں کا تبادلہ ہوا تھا۔ میرے اعصاب کھنچ گئے۔

''کار ایکسیڈنٹ کے وقت ہوفر کی بیٹی اوکسی کوٹین کے نشے میں تھی۔'' جیک نے مزید بتایا۔

''اوہ گاڈ۔'' میرے سینے میں گھونسا لگا۔ دماغ میں سورج طلوع ہوا۔ تاریکی چھٹ گئی۔ دفعتاً ہر چیز روشن ہو گئی۔ اوکسی نشے کے لیے نہیں تھی۔ اس کا خود کردہ اضافی ڈوز نشے کے مانند اثر کرتا تھا۔ ہوفر نے بظاہر سرسری انداز میں میرے ''پین سینٹرز'' کے بارے میں معلوم کیا تھا۔ اوکسی کوٹین بنیادی طور پر درد کش دوا تھی۔ یقیناً اس کی بیٹی غلط مقدار میں اوکسی لے کر ڈرائیو کر رہی تھی۔ کسی طرح ہوفر نے اوکسی کا تعلق مجھ سے جوڑ کے مجھے موردِ الزام ٹھہرایا تھا۔ اوکسی نے اس کی بیٹی کی زندگی کا بڑا حصہ چھین لیا تھا۔ وہ زندہ تھی لیکن طویل عرصے کے لیے پس زنداں تھی۔ اب ہوفر مجھے زندہ رکھتے ہوئے میری زندگی چھین رہا تھا۔

''میں جانتا ہوں۔ میں سمجھ گیا۔'' میں نے کیری کا ہاتھ منہ تک آنے سے پہلے زبان کھول دی۔ چپ رہنا محال تھا۔

''میں جانتا ہوں وہ میرے ساتھ یہ سب کیوں کر رہا ہے۔''

''کیری وہاں تمہارے ساتھ کون ہے؟'' جیک کی آواز میں اندیشہ تھا۔ ''دیکھو میں بچہ نہیں ہوں..... میں نے ڈیڈی سے معلوم کر لیا تھا۔ تم ڈاکٹر ہنری سے متاثر ہو۔ تم نے ہوش کا دامن چھوڑ دیا ہے۔ تم نہیں سمجھ رہیں کہ تم خود کو کس مشکل میں ڈال رہی ہو۔ کیری.....''

''جیک ایسا کچھ نہیں ہے۔ کوئی مشکل نہیں ہے۔ میں ٹھیک ہوں۔ میں فون بند کر رہی ہوں۔''

''کیری میری بات سنو تمہاری فیملی کے ساتھ جو سانحہ ہوا تھا، مجھے تمہارا زیادہ خیال رکھنا چاہیے تھا۔ شاید مجھ سے کوتاہی ہو گئی لیکن میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم اس طرح ڈاکٹر کے چکر میں خود کو نہ پھنساؤ۔''

''ہنری بے قصور ہے۔ مجرم ونسی ہوفر ہے۔ اس میں اب کوئی شک نہیں رہا ہے۔ تمہاری مدد کا شکریہ۔ میں جانتی ہوں کہ تم میری فکر کرتے ہو۔''

میں نے اچانک کیری سے فون چھین لیا۔

''وہ پین سینٹرز میرے ہیں۔ ونسی نے مجھ سے پوچھا تھا۔ ہم ضرورت کے وقت اوکسی نسخے میں شامل کرتے ہیں۔'' میں نے بے چینی سے کہا۔ ''لیکن ہر کوئی ایسا نسخہ تجویز نہیں کر سکتا۔ بعض ڈاکٹرز اور اسٹورز غلط بھی کرتے ہیں۔ عام افراد غلط ذرائع سے ایسی ادویات حاصل کر کے بطور نشہ استعمال کرتے ہیں۔ ہوفر کی بیٹی کے ساتھ جو ہوا پتا نہیں کیوں وہ اس کا ذمے دار مجھے سمجھ رہا ہے.....''

''جیک میں معافی چاہتی ہوں۔ مجھے جانا ہے۔ میں بعد میں کال کروں گی۔ میں ثابت کروں گی..... یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔'' کیری نے فون واپس لے لیا۔

''پلیز کیری میری بات.....''

کیری نے رابطہ منقطع کر دیا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے ساتھ عزم بھی تھا۔

''تمہارے پاس ثبوت ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''مل جائے گا۔''

''کہاں؟''

''یہاں سے چند گھنٹے کی ڈرائیو کے فاصلے پر۔ ہم اس

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

آدمی سے ملیں گے جس نے ہوفر کو گن فروخت کی تھی۔'' وہ کھڑی ہوگئی۔

''رکو۔'' میں نے اس کی کلائی تھام لی۔ اس نے میرے ہاتھ کو پھر مجھے دیکھا۔

''کیری تم جو کر رہی ہو، تمہیں معلوم ہونا چاہیے.....'' میری کشمکش، اندیشے، پریشانی سب سطح پر آگئے۔ کمزوری، بے بسی کے احساس نے نیم جاں کر دیا۔ ''تمہیں معلوم ہونا چاہیے.....ہیلی، میری بیٹی.....ولسی ہوفر کے قبضے میں ہے۔''

☆☆☆

کیری کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ نیلی آنکھوں میں خوف کا سایہ ابھرا اور نیلگوں چمک کو گہنا گیا۔

''یہی بات میں بتا نہیں پا رہا تھا۔ پولیس کے پاس نہ جانے کی یہی وجہ تھی۔ ہوفر نے دھمکی دی تھی کہ اگر میں پکڑا گیا یا ہیلی کا اغوا سامنے آیا تو وہ ہیلی کو ختم کر دے گا۔ وہ ہیلی کے فون سے بات کرتا ہے۔ ہیلی اپنی درس گاہ میں نہیں ہے۔ کیری وہ دہشت زدہ ہے۔ تم تصور کر سکتی ہو۔''

''اوہ گاڈ۔'' کیری نے سرگوشی کی اور میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے چہرے پر عزم کی جگہ خوف تھا اور خوف کے ساتھ ہمدردی۔ ''تم نے اس کی بیٹی کو نسخہ نہیں لکھا تھا۔''

''ہوسکتا ہے وہ میرے کسی کلینک پر آئی ہو۔ لیکن اگر مریض ڈاکٹر کا نسخہ غلط استعمال کرے تو ڈاکٹر کیوں ذمے دار ہوگا۔ ویسے بھی ہم نسخہ تجویز کرتے وقت محتاط ہوتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''ہمیں جیک کو بتانا چاہیے۔''

''نہیں.....نہیں۔'' میرا دل زور سے دھڑکا۔

''ہنری ہمیں کچھ کرنا ہوگا۔ وہ پروفیشنل ہیں۔ ہم دونوں ہیلی کو واپس نہیں لا سکتے۔''

''جیسے ہی میں نے خود کو جیکسن ول پولیس کے حوالے کیا یا ان کی مدد مانگی، فوراً ہیلی کے اغوا کی بات پھیل جائے گی۔ وہ مجھے ہی قاتل سمجھ رہے ہیں۔ وہ اس کو میری بتائی ہوئی کہانی سمجھیں گے۔ کچھ غلط ہو گیا تو میں ویسے ہی مر جاؤں گا۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔

''وہ جانور نہیں ہیں۔ میں جیک کی مدد سے معاملہ ٹھیک رکھوں گی۔ ہمارے پاس دوسرا راستہ نہیں ہے۔''

''ہم بہت کچھ جان چکے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''وہ مجھ سے رابطہ کرے گا۔ اُسے میری ضرورت ہے۔ ہیلی سے غرض نہیں ہے۔ ہیلی کے ذریعے وہ مجھے چوہے دان میں لانا چاہتا ہے۔''

''ہنری وہ ہیلی کو نہیں چھوڑے گا۔ تم بھی جانتے ہو۔ تم آگ سے کھیل رہے ہو۔''

میں نے دونوں ہاتھ سر پر رکھ لیے۔ کیا ٹھیک تھا، کیا غلط۔ کم از کم میں اس موقع پر کنٹرول نہیں کھونا چاہتا تھا۔

''ایک مرتبہ اس نے مجھے بتا دیا کہ وہ کہاں ہے تو میں مدد طلب کر لوں گا۔'' میں نے کہا۔

''اگر اس نے نہ بتایا، اگر اس کی کال نہ آئی پھر کیا ہوگا۔ اگر یہی اس کا انتقام ہوا تو پھر تم باقی زندگی کیسے جیو گے؟''

میرا چہرہ اتر گیا۔ میں خاموش تھا۔

''ہمیں ہوفر کے خلاف ثبوت حاصل کرنا ہوگا۔ اس کے بعد تم مجھے نہیں روکو گے۔ میں جیک کو ملوث کروں گی۔ وہ اپنے طریقے سے نمٹے گا۔ میں وعدہ کرتی ہوں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گی۔'' کیری نے میرا ہاتھ دبایا۔ ''اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ تم مجھ پر بھروسا کرتے ہو، تم نے ہیلی کے بارے میں بھی بتا دیا۔ میں تمہارا مان نہیں ٹوٹنے دوں گی۔''

''او کے۔'' میں نے سر کو اثبات میں حرکت دی۔

وہ مسکرائی۔ ''چلو دیکھتے ہیں، اس نے گن کہاں سے خریدی تھی۔''

☆☆☆

ہم انٹر اسٹیٹ 77 پر تھے۔ منزل نارتھ کیرولینا میں ماؤنٹ ہولی کا مقام تھا۔ میں نے چرائی گئی گاڑی چھوڑ دی تھی۔ میں کیری کی گاڑی میں اس کے ساتھ ہمسفر تھا۔ کیری نے ریڈیو آن رکھا تھا۔ ایک گھنٹے بعد ہی پہلی پریشان کن خبر آئی۔ مجھے اورنگ برگ کے موٹیل میں کھانا کھاتے دیکھا گیا تھا۔ نیوز کاسٹر کے مطابق ویٹرس نینسی نے وہاں مجھے شناخت کیا تھا۔ میرے ساتھ ایک لڑکی کا ذکر تھا۔

''مبارک ہو تم ایک لڑکی ہو۔'' میں نے کیری کو چھیڑا۔

''بائی دی وے کچھ غلط بھی نہیں ہے۔''

''غلط ہے۔'' وہ مسکرائی۔

''وہ کیسے؟''

''تم خبریں سنو۔''

دوسری مرتبہ ہمیں گیس اسٹیشن پر دیکھا گیا تھا۔ خبروں کے مطابق ہمارا رخ شمال کی سمت تھا۔ خبر ٹھیک ہی تھی۔ جلد یا بہ دیر کیری کا نام آنے والا تھا۔

''ایک بار پھر مبارک، تم قاتل کے ساتھ ہو۔''

''امید ہے یہ صورتِ حال جلد ختم ہو جائے گی۔'' کیری نے کہا۔ ''چند گھنٹوں کی بات ہے۔''

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

''معذرت خواہ ہوں، میں تمہیں ملوث نہیں کرنا چاہتا تھا۔''

''میں خود ملوث ہوئی ہوں۔'' اس نے تصحیح کی۔

''کیوں ہوئی ہوں..... تم جانتے ہو۔''

''نہیں جانتا، بتادو۔''

''تم بے گناہ ہو..... اس لیے۔'' کیری نے بھولپن سے کہا۔

''کیری، ہم ملے ہیں تو کن حالات میں۔'' میں نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''یہ حالات نہ ہوتے تو ہم نہ.....''

''ہاں، ہم نہ ملتے۔'' میں نے فقرہ مکمل کیا۔ ''کیری میں خوف زدہ ہوں۔''

''ہم ہیلی کو واپس لائیں گے۔'' کیری نے کہا۔

''تمہارے بھائی نے خبر سن لی ہوگی۔ اس کا ردِعمل کیا ہوگا۔''

''میں ہینڈل کرلوں گی۔''

☆☆☆

دوپہر ڈھل رہی تھی۔ جب تین بجے ہم ماؤنٹ ہولی ٹاؤن میں داخل ہوئے۔ ''بڈی گن'' نامی اسلحہ کا ڈیلر ایک چھوٹے سے مال میں تھا۔ کیری کے آئی پیڈ میں دو فوٹو تھے۔ ایک ونسی ہوفر اور دوسرا میرا۔ میرا فوٹو اس نے جیکسن ول نیوز سے لیا تھا۔ جو بلاشبہ انہوں نے میری ویب سائٹ سے اٹھایا تھا۔ کیری اسٹور میں گئی، میں کچھ فاصلے پر اس کے پیچھے تھا۔ میں کاؤنٹر سے دور آڑ میں تھا۔ کاؤنٹر کے عقب میں چوڑے شانوں والا آدمی کھڑا تھا۔ اس کے بال گھنگریالے تھے اور گھنی مونچھیں۔ کیری نے آئی پیڈ کاؤنٹر پر رکھا۔

''کیا مدد کروں میم۔'' اس نے دانت نکالے۔ ''امید ہے کچھ غلط نہیں کہہ رہا ہوں، آپ کا تعلق فیشن میگ سے ہے۔''

یہ سوال نہیں تبصرہ تھا۔

''تم اونر ہو؟''

''ہاں میرا نام بڈی پول ہے اور آپ.....؟''

''کیری ہومز، شیرف آفس سے۔'' کیری نے آنکھوں سے دھوپ کا چشمہ ہٹا کے آئی ڈی نکالی۔

''اوہ جیکسن ول؟ کئی روز سے تم لوگوں کا آنا جانا لگا ہوا ہے۔ کیا معاملہ ہے؟''

''تم پریشان مت ہو..... ایک دو سوال رہ گئے تھے۔ چند ہفتے قبل تم نے بڈ کیرولینا گن شو میں شرکت کی تھی؟''

''یہ درست ہے۔'' بڈی پول نے جواب دیا۔

''تم نے ہنری فری مین کو نو ایم ایم فروخت کی تھی۔ انوائس ہے میرے پاس۔ دکھاؤں؟''

''کیا ضرورت ہے۔ وہ منحوس انوائس اب تک پورا ملک دیکھ چکا ہے..... میں نے کیا غلط کیا؟''

''میں نے کہا تھا تمہارے لیے پریشانی کی بات نہیں ہے۔'' کیری نے بڈی پول کو تسلی دی۔ ''مہربانی کرو تصویر دیکھ کے بتاؤ کہ گن تم نے کسے فروخت کی تھی؟''

''خبروں میں جو تصویر دکھائی جارہی ہے، وہ میرے لیے اجنبی ہے لیکن یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ اُس روز کافی گاہک آئے تھے، میں مصروف تھا۔''

''یہ دیکھو۔'' کیری نے اُسے آئی پیڈ کی طرف متوجہ کیا۔ ''ڈاکٹر ہنری فری مین کی تصویر ہے۔ یہی آدمی تھا؟ یہ قاتل ہے.....''

''اوہ گاڈ میں قاتل نہیں ہوں۔'' بڈی نے پُرشکن پیشانی کے ساتھ تصویر دیکھی۔ ''اسے میں خبروں میں دیکھ چکا ہوں۔ یقین نہیں ہے۔''

''تم نے ابھی کہا تھا کہ یہ صورت تمہارے لیے اجنبی ہے؟''

بڈی نے پیشانی پر ہاتھ مارا۔ ''خوب صورت حسینہ..... سوری..... آئی ایم سوری.....''

کیری نے مسکرا کے دیکھا۔ ''مسٹر! حسینہ خوب صورت ہی ہوتی ہے۔ مجھے نہیں اسے دیکھو۔''

بڈی نے پھر دانت نکالے۔ ''دیکھو آپ سمجھ نہیں رہی ہو.....''

''اچھا یہ فوٹو دیکھو۔'' کیری نے ونسی ہوفر کی تصویر دکھائی۔

بڈی پول نے اُکتائے ہوئے انداز میں ہوفر کے فوٹو پر نظر ڈالی۔ معاً اس کے تاثرات بدل گئے اور آنکھیں سکڑ گئیں۔ اس نے حیرت سے کیری اور پھر فوٹو کو دیکھا۔ اتنا کافی تھا۔

کیری نے ہنری کا فوٹو نمایاں کیا۔ ''یہ آدمی اُس روز فلوریڈا میں مصروف تھا۔ اب بتاؤ.....'' کیری نے پھر ہوفر کا فوٹو نمایاں کیا۔ ''تم نے کچھ غلط نہیں کیا لیکن جس نے گن خریدی تھی، اسے شناخت کرو۔ باہر سیکیورٹی کیمرا بتادے گا کہ اُس روز کون آیا تھا؟ ڈاکٹر ہنری یا پھر یہ آدمی؟ جیوری کے سامنے حلف اٹھا کے کیا کہو گے؟''

میری سماعت دونوں کی گفتگو کی طرف تھی۔ اعصاب

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کشیدہ ہوگئے تھے۔

''یہی آدمی تھا۔'' بالآخر بڈی پول نے انگلی سے اشارہ کیا۔ ''میری باتیں شاید آپ کو بُری لگی ہوں۔''

''نہیں، کم از کم کسی ایک کو تم نے آج کے دن اتنا خوش کردیا ہے کہ پورے سال میں کسی کو نہ کیا ہوگا۔'' کیری کا پورا چہرہ مسکرا رہا تھا۔

☆☆☆

ایک ہی جگہ بچی تھی جہاں پہنچ کے ونسی ہوفر کو گھر کا احساس ہوتا تھا۔ اسے وہیں جانا تھا۔ وہاں تک کوئی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ وہ گھنٹوں ڈرائیو کرتا رہا۔ ڈاکٹر کی بیٹی عقبی نشست کے ساتھ فلور پر پڑی تھی۔ اس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ سب کچھ ٹوٹنے، ٹوٹنے بکھرنے اور مدت بعد وہ پرانا سا خوردہ مکان اچانک اس کے لیے اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ مکان کا رنگ جگہ جگہ سے اُکھڑا ہوا تھا۔ پورچ کی حالت بُری تھی۔ خودرو پودوں کے ساتھ گھاس بہت بڑھ چکی تھی۔ ایک ماہ میں وہ تیسری مرتبہ وہاں آرہا تھا۔

''اٹھ جاؤ ڈارلنگ۔'' ونسی نے لڑکی کو مخاطب کیا۔ وہ اپنی منصوبہ بندی اور اب تک کی کارکردگی پر فخر محسوس کررہا تھا لیکن ڈرامے کا کلائمکس باقی تھا۔ ''بہت مزہ آئے گا۔'' اس نے خود سے سرگوشی کی۔ وہ خود بھی پولیس میں تھا اور جانتا تھا کہ شاطر مجرم کا کھیل بھی ایک وقت ختم ہوجاتا ہے۔ اس وقت وہ مجرم تھا، اس کا کھیل بھی ختم ہونا تھا۔ جیمز فیلو کی کال نے اشارہ کردیا تھا۔ ونسی نے لڑکی کو گاڑی سے نکال کے کندھے پر لادا اور چل پڑا۔ وہ درختوں میں راستہ بناتا، جھاڑیوں کو روندتا ہوا مکان کی عقبی سمت میں جارہا تھا۔

☆☆☆

ہمیں نتیجہ خیز کامیابی ملی تھی۔ گن شاپ سے واپسی پر ٹاؤن کے وسط میں ہم کافی شاپ میں بیٹھے تھے۔ میں مسرت کے ساتھ خوف محسوس کررہا تھا۔ ثبوت مل گیا تھا اور اب مجھے وعدے کے مطابق خود کو پولیس کے سوال کرنا تھا۔ پولیس اور ایف بی آئی کو قائل ہونا پڑے گا لیکن کتنا وقت لگے گا۔ کیا وہ اسے خفیہ رکھ سکیں گے۔ ہیلی کی زندگی کا دارومدار راز داری پر تھا۔ ونسی ہوفر جنونی تھا۔ خونی بھیڑیا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' کیری نے کہا۔ ''تم تیار ہو؟''

''ہاں۔'' میں نے مسکرانے کی کوشش کی اور نیم دلی سے سر ہلایا۔ ''تمہارے بغیر میں ہوفر تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ تم نے جو کچھ کیا، اس کے لیے شکریہ کے الفاظ ناکافی ہیں۔''

''ہنری تم خود جیمز تک پہنچے تھے۔ تم ہوفر تک بھی پہنچ جاتے۔ چلو یوں کہو کہ یہ ہم دونوں کی مشترکہ کاوش تھی۔ ہمیں اب جیک کو بتانا چاہیے۔''

''اوکے۔'' میں نے رکی ہوئی سانس خارج کی۔ کیری نے نمبر پنچ کیا۔

''جیک ضروری بات ہے..... ہاں میں ٹھیک ہوں۔ میں ماؤنٹ ہولی، نارتھ کیرولینا میں ہوں۔ ڈاکٹر ہنری میرے ساتھ ہے.....'' کیری بھائی کو حقائق سے آگاہ کرتے ہوئے آئندہ کا لائحہ عمل بتا رہی تھی۔ میں بے خیالی سے کیری کو تک رہا تھا۔ معاذ ہنی روکیٹ کی طرف چلی گئی۔ کیٹ کے ساتھ کتنا وقت گزارا تھا پھر کیوں حالات بدل گئے۔ رشتہ ٹوٹ گیا..... بعد ازاں ایسا کوئی نیا رشتہ قائم کرنے کا میں نے پھر نہیں سوچا۔ اب کیا ہوا، کیا مجھے دوسرا موقع مل رہا ہے۔ قدرت میری زندگی کو نئے رخ سے آشنا کرنا چاہتی ہے۔ میں کیسی بھیانک صورتِ حال کا شکار ہوا تھا۔ کیا اس میں سے ایک محفوظ اور خوب صورت انجام برآمد ہونے جارہا تھا۔

جیب میں سیل فون کی رنگ ٹون مجھے خیالات کی دنیا سے باہر لے آئی۔ اسی وقت کیری نے بات ختم کی۔ میں نے سیل فون نکالا۔ میری سانس رک گئی۔ وہ ہیلی کی کال تھی۔

''ہیلی؟''

''ہائے ڈاک۔'' ہوفر نے جواب دیا۔

میرا خون کھولنے لگا۔ ''میری بیٹی کہاں ہے؟''

''سوری ڈاک وہ اب نہیں ہے۔''

☆☆☆

کیری جا چکی تھی۔ بڈی پول سوچ رہا تھا کہ اپنے وکیل سے بات کرے یا پولیس کو فون ملائے۔ بڈی نے دیکھا تھا کہ کیری اکیلی نہیں آئی تھی۔ اس کا ساتھی اسٹور میں گھوم رہا تھا۔ واپسی میں وہ کیری کے ساتھ مل گیا تھا۔ کیری ڈیٹکٹیو نہیں تھی، وہ محض شیرف آفس کی ملازم تھی۔ اس کا انداز سراغ رسانی کا تھا۔ ان کے جانے کے بعد بڈی نے سیکیورٹی کیمرا چیک کیا۔ کیری کا ساتھی بلاشبہ ہنری فری مین تھا۔ واپسی میں دونوں ایک ہی کار میں بیٹھے تھے۔ کار سفید رنگ کی ٹویوٹا پرائس (Prius) تھی۔

وکیل سے بعد میں بات ہوسکتی تھی۔ بڈی نے نمبر ملایا۔ ڈیوٹی آفیسر نے جواب دیا۔ ''ماؤنٹ ہولی پولیس۔''

بڈی نے لیوٹننٹ پیٹ ٹام کے بارے میں پوچھا۔

''ٹام بات کررہا ہوں۔''

''میں ہوں، بڈی پول۔ تم یقین نہیں کروگے کہ میں نے کسے دیکھا ہے۔ جیکسن ول کا ہنری فری مین یہاں آیا

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

تھا۔ وہ قتل کی واردات میں مطلوب ہے۔''

''بڈی وہ بہت سے افراد کو ہر جگہ دکھائی دے رہا ہے۔'' ٹام نے عدم دلچسپی سے جواب دیا۔

''سمجھ رہا ہوں۔ وہ ایک لڑکی کے ساتھ سفید پرایس میں گیا ہے۔ ٹویوٹا پرایس پر فلوریڈا کی لائسنس پلیٹ تھی۔''

☆☆☆

میری رگوں میں لہو جم گیا۔ ''کیا بکواس کر رہے ہو۔'' میں چلّا اٹھا۔

''ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ تم سے کہا تھا نا پولیس سے دور رہنا۔'' لو بیٹی کی تصویر دیکھ لو۔''

''نہیں..... نہیں..... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کیا جیمز فیلو نے اسے بتایا ہے لیکن اس نے کیا بتایا ہوگا۔ میں جب جیمز تک پہنچا تھا تو کیری مل کے جا چکی تھی۔ میری آنکھوں میں آنسو تھے۔ میں دھندلی نگاہ سے فون کا اسکرین دیکھ رہا تھا۔ وہ ہیلی تھی، میرا ڈوبتا ہوا دل سنبھل گیا۔ ہیلی کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ میری رکی ہوئی سانس چل پڑی لیکن فرطِ غیظ و غضب نے حواس چھین لیے۔ ''ہوفر تو..... کا بچہ ہے۔'' عالم اشتعال میں فاش غلطی ہو گئی تھی۔ میں نے اس کا نام لے کر اسے ہوشیار کر دیا تھا۔

''ڈاکٹر آرام سے، ابھی یہ زندہ ہے لیکن جلد مر جائے گی۔ شاید کل تک۔ اور مبارک ہو تم نے مجھے پہچان لیا ہے۔''

کیری پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

''ہاں پہچانتا ہوں۔ سب جانتا ہوں۔ ہوفر تو نے مارٹی کو ہلاک کیا۔ تو نے مائیک کو ختم کیا۔ ہوفر تو انسان نہیں، درندہ ہے۔ تو نے میرا نام استعمال کر کے گن خریدی تھی۔ جانتا ہوں سب جانتا ہوں۔ تو نے جیمز فیلو سے لائسنس پلیٹ لے کر مزدا پر لگائی ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تو یہ سب کیوں کر رہا ہے، اپنی بیٹی کی وجہ سے۔ اپنی بیٹی کا مجرم تو خود ہے۔ ہوفر تو اپنی بیٹی کا خیال نہیں رکھ سکا اور الزام مجھے دے رہا ہے۔ تیرا انجام بہت بُرا ہے۔ تجھے ڈھونڈ کر پاگل کتے کی موت ماروں گا۔'' میرا چہرہ سرخ ہو گیا..... سانس پھول گئی۔

''ڈاکٹر میرے لیے بہت مصروف رہے ہو لیکن کیا فائدہ۔ تم نہیں جانتے میں کہاں ہوں۔ کھیل کا آخری حصہ باقی ہے۔ تم نارتھ کیرولینا میں ہو، کھیل بھی یہیں ختم ہوگا۔ مجھے گالیاں دینے کے بجائے اپنی بیٹی کی فکر کرو۔ میں بتانا چاہتا ہوں کہ جب کسی سے اس کا سب کچھ چھین لیا جائے تو وہ کتنا طاقتور ہو جاتا ہے۔ تمہارا ابھی سب کچھ چھن چکا ہے۔ بیٹی رہ گئی، بچا سکو تو بچا لو۔''

''ہوفر میں نے کچھ نہیں کیا۔''

''ڈاکٹر تم جان گئے ہو میری بیٹی کے ساتھ کیا ہوا اور کون اس کا ذمے دار ہے۔''

''کیا بکواس ہے۔ اوکسی کوٹین ضرورت کے وقت استعمال کرائی جاتی ہے۔ مریض کے پاس مخصوص مقدار کا نسخہ ہوتا ہے۔ فارمیسی کو نسخہ سے نہیں ہٹنا چاہیے۔ اپنی بیٹی سے معلوم کرو اس نے دوا کتنی اور کہاں سے لی..... مجھے بتاؤ تم کہاں ہو۔ ہیلی معصوم ہے اُسے چھوڑ دو۔''

''وہ عورت اور اس کا بچہ بھی معصوم تھا جو کار ایکسیڈنٹ میں مارے گئے۔ امنڈا اس وقت اوکسی کے نشے میں تھی۔''

''ہیلی کو چھوڑ دو..... جو کہو گے، کروں گا۔'' میں نے فریاد کی۔

''ڈاکٹر گھبراؤ مت، ایک موقع دے رہا ہوں..... آخری موقع۔ تمہاری بیٹی کی کھال اتاروں گا لیکن تمہارے سامنے۔ اس طرح تم آخری بار اپنی بیٹی سے مل سکو گے۔ اگر تم نے یہاں آ کے مجھے قائل کر لیا تو ممکن ہے تم اپنی بیٹی کو بچا لو۔ یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ پولیس سے دور رہنا.....''

میں نے بے چارگی سے کیری کو دیکھا۔

''میں انتظار کر رہا ہوں اور تمہارے آنے تک اپنی بیٹی کی طرح تمہاری بیٹی کا خیال رکھوں گا پھر کال کروں گا۔ ٹا..... ٹا..... بائے، بائے.....''

☆☆☆

''میں دوبارہ جیک سے بات کرتی ہوں۔'' کیری نے کہا۔

''نہیں، وہ ہیلی کو ختم کر دے گا۔ جیک سے یہی بات کر سکتی ہو کہ وہ ابھی کچھ نہ کرے۔''

''ہنری، وہ تمہیں ختم کرے گا اور پھر.....'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''کیری، میں کیا کروں، میری بیٹی اس کے قبضے میں ہے۔''

''بیٹھ جاؤ۔'' کیری نے میرا ہاتھ پکڑا۔ ''ہم کوئی راستہ نکالیں گے۔ تم ہیلی کی سلامتی کا ثبوت مانگتے رہو، ہم اسے واپس لائیں گے۔ جب تم کہو گے تب میں جیک کو اشارہ کروں گی۔''

''کیری تمہارے بیٹے کو تمہاری ضرورت ہے۔ تم پہلے ہی بہت دور نکل آئی ہو۔'' میری آنکھوں میں نمی تھی۔

''ہنری، سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' کیری نے گہری

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

سانس لی۔

جیک جان گیا تھا کہ ہم کہاں ہیں۔ کیری نے ہوفر کے بارے میں بھی بتا دیا تھا۔ اگر کیری نے رابطہ نہ کیا تو وہ ماؤنٹ ہولی کی پولیس کو ملوث کرے گا۔ بات پھیلے گی اور ہوفر سمجھے گا کہ یہ میری حرکت ہے۔ حالات قابو سے باہر ہو رہے تھے۔ میں نے خالی خالی نظروں سے کیری کے عقب میں شیشے سے باہر دیکھا اور میرا دل اچھل کے حلق میں آ گیا۔

دو عدد پولیس کی گاڑیاں باہر سڑک پر سفید ٹویوٹا پرایس کے قریب آ کے رکی تھیں۔

''کیری.....'' میں بدحواس ہو گیا۔

''کیا ہوا؟'' کیری نے پلٹ کے دیکھا۔ جیک نے پولیس کو اطلاع دی تھی۔ بڈی پول یا ہوفر نے؟ جیک اور ہوفر سے ذرا دیر پہلے بات ہوئی تھی۔ یقیناً یہ حرکت بڈی پول کی تھی۔ ہم دونوں کو بیک وقت ادراک ہوا، کیا ہونے والا ہے۔ کیری اب میرا ساتھ دینے سے قاصر تھی اور میں یہاں رک نہیں سکتا تھا۔ پولیس کی گرفت میں آنے کا مطلب ہیلی کی موت تھی۔

میں اچھل کے کھڑا ہوا۔ ''کیری مجھے جانا ہوگا۔''

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''جاؤ..... میں اپنا دفاع کرلوں گی۔ جیک کو بھی سمجھا لوں گی۔ میں کہہ دوں گی کہ جب تم سے پولیس کے پاس جانے کی بات ہوئی تو تم اختلاف کے بعد بھاگ گئے۔'' کیری کا چہرہ بے بسی کی تصویر نظر آیا۔ اس کی آنکھیں بول رہی تھیں۔ دور گہرائی میں، میں نے دیکھا وہ خوف زدہ تھی..... میرے لیے۔

''مجھے فون نہ کرنا میں خود کروں گی۔'' اس کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔ وہ مجھ سے جدا نہیں ہونا چاہتی تھی۔ بدترین حالات میں میرا دل قلابازی کھا گیا۔ اگر میرے پاس ذرا وقت اور ہوتا تو میں اُسے گلے لگا لیتا۔ ''جاؤ.....'' وہ بولی۔ ''نکل جاؤ۔''

☆☆☆

نکل جانا اتنا آسان نہ تھا۔ میں پولیس کی نظروں میں آ گیا اور فرار ایک ایڈونچر ثابت ہوا۔ مجھے ہیری سن فورڈ کی مووی ''فیوجیٹو'' یاد آ گئی۔ لیکن وہ ہالی ووڈ تھا۔ اگرچہ مووی اور میرا حال مماثل تھا۔ وہاں ہیری سن فورڈ ڈاکٹر تھا اور اس پر قتل کا الزام تھا، وہ مفرور تھا۔ میرے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔ کافی ہاؤس سے نکلتے ہی چوہے بلی کی دوڑ شروع ہو گئی۔ ہیلی کا خیال مجھے بھگا رہا تھا۔ پارک، پُل، دریا، مکانات..... میں بے حال ہو گیا۔ کئی جگہ گرفت میں آتے آتے رہ گیا۔

پولیس نے وارننگ دی، فائر کیا لیکن میں نے جان ہتھیلی پر رکھی ہوئی تھی۔ میرے پیچھے اور اطراف میں پولیس کے افراد بڑھتے جا رہے تھے۔ چکراتا، بل کھاتا، بچتا بچاتا میں ایک ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ قسمت ساتھ دے رہی تھی۔ مجھے موقع ملا اور میں وہاں سے نکلنے والے ڈلیوری ٹرک کے کارگو بے میں روپوش ہو گیا۔ ٹرک آرا اینڈ کے نامی انڈسٹریل لانڈری کا تھا۔ ٹرک کا رخ شارلٹ کی سمت تھا۔ ماؤنٹ ہولی اور شارلٹ کا درمیانی فاصلہ کم سے کم بیس کلومیٹر تھا۔ سانس بحال ہوئی تو مجھے کیری کا خیال آیا۔ اس کا میرا رشتہ کیا تھا! ملاقات کو دو دن بھی نہیں ہوئے تھے۔ اس نے میرے لیے بہت کچھ داؤ پر لگایا تھا اور مجھے یوں اچانک بھاگنا پڑا۔ دل میں ٹیس سی اٹھی۔

☆☆☆

فی الوقت ماؤنٹ ہولی سے نکل جانا اچھا تھا۔ تاہم مجھے واپس جانا تھا۔ ڈلیوری ٹرک کی رفتار سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ہائی وے پر ہے، میں آگے کے بارے میں سوچنے لگا۔ کیٹ کو فون کرنا ضروری تھا۔ وہ ہیلی کی ماں تھی۔ میں نے فون نکالا۔ ٹرک کا سائز اور اس کی آواز میں میری بات سنے جانے کا خطرہ نہیں تھا۔ کیٹ نے کال وصول کی۔

''کیٹ میں ہوں۔'' میں نے احتیاطاً آواز دھیمی رکھی۔

''مین؟'' اس نے حسبِ عادت میرے نام کا آخری حصہ استعمال کیا۔

''پریشان مت ہو..... ہیلی خیریت سے ہے۔'' میں نے اختصار کے ساتھ احوال گوش گزار کیا۔ ہوفر اور اس کی بیٹی کے بارے میں بھی بتایا۔

''اب ہم پولیس کی مدد حاصل کر سکتے ہیں۔'' کیٹ نے بے قراری سے کہا۔

''نہیں، ابھی پولیس کے پاس جانے کا وقت نہیں آیا۔ نارتھ کیرولینا میں ایک بار پھر پولیس سے مڈبھیڑ ہوئی تھی۔ قسمت تھی جو بچ نکلا۔ تم خبروں میں سن لوگی۔ میں ہیلی کے قریب ہوں۔ اسے لے کر آؤں گا۔ ہم نے ایف بی آئی سے رابطہ کیا ہے۔''

''ہم نے؟''

''وہ جیکسن ول شیرف آفس میں کام کرتی ہے۔''

''ڈیٹیکٹیو؟''

مجھے حماقت کا احساس ہوا۔ میں کیسے کہتا کہ کیری کا تعلق کیمونٹی آؤٹ ریچ سے ہے۔ ''کیٹ مجھ پر بھروسا کرو۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ہوفر کے سر پر ہیں۔ میں اس موقع پر کوئی غلطی نہیں کرنا
نا۔ میں جلدی اچھی خبر سناؤں گا۔"

"مین، میں نے تین دن سے کچھ نہیں کیا۔ میرا دماغ
کام نہیں کر رہا۔ میں کب تک اس طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھے
بیٹھی رہوں؟"

"پلیز کیٹ بس ایک دن اور دے دو۔ ہوفر مجھے
بتانے والا ہے کہ وہ کہاں ملے گا۔ اس کے بعد سب ٹھیک ہو
جائے گا۔ ہیلی کو تم جتنا چاہتی ہو، میں بھی اسے اتنا ہی پیار کرتا
ہوں۔ تم جس اذیت سے گزر رہی ہو وہ درد میں بھی محسوس
کر رہا ہوں۔"

"اوہ گاڈ۔" وہ ایک بار پھر سسکیاں لینے لگی۔ کیٹ
بہت مضبوط عورت تھی۔ میں نے اسے کبھی روتے نہیں دیکھا
تھا۔ اچانک ٹرک نے موڑ کاٹا اور اس کی رفتار کم ہوگئی۔

"کیٹ میں جا رہا ہوں۔ جلدی فون کروں گا۔"

"نہیں..... فون بند نہ کرنا۔"

"پلیز مجھے جانا ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں، ہیلی کو واپس
لاؤں گا۔ کیٹ تمہیں مجھ پر [illegible] وسا ہے نا..... بتاؤ؟"

"ہاں [illegible] دو کو نہیں چھوڑنا۔"

"کیٹ میں پھر وعدہ کرتا ہوں۔"

☆☆☆

ڈلیوری ٹرک کے کارگو بے سے نکلنا بھی مسئلہ تھا۔
ایک بار پھر قسمت نے یاوری کی اور میں آنکھ بچا کے نکلنے میں
کامیاب ہوگیا۔ چند بلاک کے فاصلے پر ایگزون اسٹیشن نظر
آیا۔ احتیاط کے ساتھ ساتھ خطرہ مول لینا بھی ناگزیر ہوگیا
تھا۔ بس کے ذریعے واپس جانے میں خطرہ بہت زیادہ تھا۔
لفٹ لینے کا خیال مسترد کر کے میں نے ایگزون گیس اسٹیشن
کی طرف پیش قدمی کی۔ وہاں [illegible] کے لیے تین کاریں
موجود تھیں۔ میں نے مردانہ [illegible] کا رخ کیا [illegible]
شاپ سے ہاٹ ڈاگ اور کا[illegible]
اسکرین موجود تھیں۔
والوں [illegible] رہا ہاتھ [illegible]
رہا ہاتھ [illegible]
اور کا[illegible]
لگا۔ عمو[illegible]
[illegible]
[illegible]
گاڑیاں
میں [illegible]

اپریل 2020ء کا شمارہ ایک نظر میں

خوبصورت کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ سسپنس ڈائجسٹ

مزید

خطوط کی محفل
محفل شعر و سخن
اور
ملک صفدر حیات کی تفتیش

اس کے علاوہ

طاہر جاوید مغل، تنویر ریاض [illegible] نظر امام، آصفہ ضیا احمد،
فہمی فردوس، شاہ زین رضوان اور شاخر لطیف کی خوب صورت تحریریں

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ایک ادھیڑ عمر عورت ہنڈا میں آئی اور اتر کے شاپ میں چلی گئی۔ لیکن وہ چابیاں بھی ساتھ لے گئی تھی۔ زیادہ دیر ایک جگہ رکنا خطرناک تھا۔ میں بے چینی سے موقع دیکھ رہا تھا۔ آخر ایک دیوہیکل سیاہ فام گرے بیوک میں ایگزوزن گیس سٹیشن میں داخل ہوا۔ فیول بھرنے کے بعد اس نے بیوک ایک طرف لگائی اور چابیوں کے بغیر شاپ کی طرف چل پڑا۔

میں نے کافی کپ گارنیچ کی نذر کیا اور ٹہلتا ہوا بیوک کے قریب آگیا۔ چابیاں اگنیشن میں تھیں۔ میں نے کچھ [illegible] محسوس کی تاہم اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ میں نے [illegible] صرف نظر ڈالی اور دروازہ کھول کے بیوک کی [illegible] پر بیٹھ گیا۔ اضطرابی کیفیت نظر انداز کر کے [illegible] کی۔ کوئی بیوک کی طرف نہیں دوڑا نہ [illegible] آواز آئی۔ میں نے بڑھتی دھڑکنوں کے ساتھ گاڑی آگے بڑھا دی۔

☆☆☆

کیری، ماؤنٹ ہولی کے مقامی پولیس اسٹیشن میں بیٹھی تھی۔ کئی گھنٹے گزر گئے تھے۔ مقامی پولیس جیکسن ول کی پولیس سے رابطے میں تھی۔

چھ بجے کے لگ بھگ جیک کی شکل نظر آئی۔ اس مرتبہ بھائی سے زیادہ ایف بی آئی کا ایجنٹ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ کیری کے بالمقابل کرسی میں گر گیا۔

''کیا کرتی پھر رہی ہو تم؟''

''ڈاکٹر۔ بے قصور ہے جیک۔ کوئی میری کہانی سننا نہیں چاہتا۔ ٹاؤن میں بڈی پول سے بات کرو۔ ڈاکٹر بھی وہاں گیا ہی نہیں تھا۔ گن وکی ہوفر نے خریدی تھی۔ اس روز ڈاکٹر کہیں اور مصروف تھا۔'' کیری نے ہنری کا دو مارچ والا شیڈول بیگ سے نکالا۔

جیک نے شیڈول پر ایک نظر ڈالی اور اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں گھمائیں۔

کیری نے بعجلت بھائی کو مزید نکات سے آگاہ کیا۔ ''ہوفر نے ڈاکٹر کو کال کر کے اعتراف بھی کر لیا ہے کہ وہ مارٹی اور مائیک کا قاتل ہے..... ہوفر کی بیٹی جیل میں ہے۔ وہ ایکسیڈنٹ ڈرگ کی وجہ سے ہوا۔ ڈاکٹر ڈرگ سپلائر نہیں ہے۔ درمیان کی کڑیاں غائب ہیں۔ نہیں معلوم اس کی بیٹی تک ڈرگ کس ذریعے سے پہنچی لیکن وہ ڈاکٹر کو ذمے دار سمجھتا ہے۔''

''میں بڈی پول سے مل چکا ہوں اور جیمز فیلو سے بھی۔ اسی لیے آنے میں دیر ہو گئی۔'' جیک نے ٹائی کی گرہ ڈھیلی کی۔

''مطلب تم جان گئے ہو کہ ڈاکٹر ملزم نہیں ہے اور یہ کہ میں دہرے قتل کے کسی ملزم کو تحفظ دینے کا جرم نہیں کر رہی ہوں۔ اسے پھنسایا گیا ہے۔ اگر ہنری نہ بھاگتا تو مارا جاتا۔ میرا مطلب ہے..... ڈاکٹر مارا جاتا۔''

جیک معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ''تم جو کچھ بتا چکی ہو اور جو اب بتا رہی ہو اس کی روشنی میں، میں نے جیکسن ول شیرف، آفس میں بات کی تھی۔ وہ ڈاکٹر کا اریسٹ وارنٹ منسوخ کرنے پر رضامند ہو گئے ہیں۔ میرا مطلب ہے ہنری کا وارنٹ۔'' جیک پھر مسکرایا۔ ''ہوفر اور ہنری کے لیے اے پی بی (آل پوائنٹس بلیٹن) تشکیل دی جائے گی۔''

''نو..... نو..... نو..... نن..... نو..... و.....'' کیری بوکھلا گئی۔ ''ہوفر کا نام سامنے نہیں آنا چاہیے۔ سب کچھ بدل جائے گا۔ ہوفر اس کو بھی مار دے گا۔''

''کسے مار دے گا؟ ہنری کو؟''

کیری گڑبڑا گئی۔ ''مجھے نہیں معلوم..... نہیں، میں یہ نہیں.....''

جیک نے آگے جھک کے غور سے کیری کو دیکھا۔ ''کیا کہنا چاہتی ہو؟''

''کچھ نہیں..... ہوفر کا نام ریلیز مت کرو۔''

''چھوٹی بہن تمہیں بچانے کے لیے میں نے معمول سے ہٹ کے تگ و دو کی ہے۔ تم سے جرم سرزد ہو چکا ہے کیونکہ ہنری بہرحال ملزم ہے۔''

''جیک!'' کیری کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آنکھوں میں مایوسی، اُلجھن اور بے بسی تھی۔ ''تم نہیں سمجھو گے.....''

''کیا سمجھانا چاہتی ہو؟'' جیک نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''میں بتاتی ہوں۔ وعدہ کرو اِسے راز رکھو گے؟''

کیری نے آنکھیں بند کر لیں۔

''سسٹر۔'' جیک نے کیری کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

''میں جانتا ہوں تم ہنری کے لیے کیا محسوس کرتی ہو۔ میرے علاوہ کون ہے جس پر تم بھروسا کرو گی؟''

کیری نے دھیمی آواز میں ہنری کی بیٹی کے بارے میں بتایا۔ ''جیک وہ پاگل آدمی ہیلی کو مار دے گا۔''

جیک کی پیشانی پر سلوٹیں نمودار ہوئیں۔ کیری پُرامید نظروں سے بھائی کو دیکھ رہی تھی۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''میں شیرف میک ڈینیل سے بات کرتا ہوں۔ دیکھوں گا کیا کرسکتا ہوں۔ تم آج رات یہیں رکو۔'' جیک کھڑا ہوگیا۔

''جیک.....ڈاکٹر.....ہنری کہاں ہے؟''

''نہیں معلوم لیکن پولیس کے ہاتھ نہیں لگا ہے۔'' جیک نے کہا۔

''یعنی وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا؟''

جیک ہنس دیا۔ ''ہاں وہ کافی ہوشیار ہے۔''

☆☆☆

تیس منٹ کے اندر میں واپس ساؤتھ کیرولینا پہنچ گیا تھا۔ یونیورسٹی آف ساؤتھ کیرولینا سے چند میل کے فاصلے پر رات میں نے فیئر فیلڈ اِن کی پارکنگ میں گزاری۔ گاہے بگاہے میں خبریں سنتا رہا۔ مجھے اس بات کی فکر تھی کہ بیوک کا غیاب میرے ساتھ نہ جوڑ دیا جائے۔ خبروں میں ایسا کچھ نہیں تھا لیکن پھر بھی میں زیادہ دیر بیوک پر انحصار نہیں کرسکتا تھا۔ میں لاعلم تھا کہ پولیس کیا کررہی ہے اور کیری کس حال میں ہے۔ کیا کیری اور جیک نے مل کے میرے بارے میں پولیس کی رائے تبدیل کردی ہے یا پھر صورتِ حال جوں کی توں ہے؟ بڑا سوال یہ تھا کہ ہوفر کہاں ہے اور کیا وہ مجھے کال کرے گا؟ میں سوچ رہا تھا کہ کیری کے ذریعے جیک کی مدد حاصل کروں۔ وہ ہوفر کو دریافت کرسکتا تھا لیکن کیری نے مجھے فون کرنے سے منع کردیا تھا۔ بے یقینی اور شش و پنج کی کیفیت پریشان کن تھی۔

☆☆☆

جیکسن ول شیرف آفس سے دو سراغ رساں کیری تک پہنچے تھے۔ کیری نے بیان لکھوایا۔ جیک کی ہدایات کے مطابق اس نے ہیلی کے بارے میں بھی بتا دیا۔ جیک نے یقین دہانی کرادی تھی کہ سچویشن کے پیشِ نظر احتیاط کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے گا۔

ہنری کی کال آئی تو وہ بل ایکر سے ملنے کے لیے روانہ ہوچکی تھی۔

☆☆☆

میری بے قراری عروج پر تھی جب ہوفر کی کال آئی۔

''کیسے ہو ڈاکٹر؟''

میں نے خود پر قابو پایا۔ ''کہاں آنا ہے؟''

''کین روڈ، ایکرو پولس۔''

''ہیلی سے بات کراؤ۔''

''میرے پاس آکے کرلینا، وہ زندہ ہے۔''

''اُسے فون دو۔'' میں نے مطالبہ کیا۔

وقفے کے بعد ہیلی کی آواز آئی۔ ''ڈیڈی، پلیز ڈیڈی.....''

''ہیلی میں آرہا ہوں۔'' میں تڑپ اٹھا۔

''اتنا کافی ہے۔'' مردود کی آواز آئی۔

''کین روڈ پر کہاں آنا ہے؟''

''یہاں تو پہنچو اور مجھے کال کرو پھر پتا بتادوں گا۔''

''کین روڈ کس طرف ہے؟''

''ہوشیاری دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' ہوفر غرایا۔

''ایک گھنٹے کے اندر پہنچو ورنہ.....''

''ایک گھنٹا؟ میرے پاس گاڑی نہیں ہے۔''

''یہ تمہارا مسئلہ ہے۔ نمبر بتاتا ہوں۔ ایک گھنٹے سے زیادہ انتظار نہیں کروں گا۔''

''بتاؤ، میں ایک گھنٹے میں آرہا ہوں۔''

''3996 کین روڈ۔ ایکرو پولس۔'' ہوفر نے لائن کاٹ دی۔

میں نے ہر اندیشہ بالائے طاق رکھ کے کیری کا نمبر ملایا.....

''مائی گاڈ ہنری تم کہاں ہو؟'' اس کی آواز سے خوشی اور تفکر دونوں جھلک رہے تھے۔

''تم کہاں ہو؟'' میں نے بے چینی سے پوچھا۔

''میں واپس جارہی ہوں۔ چیف سے ملنا ہے۔ میں جارجیا کے وسط میں ہوں۔''

''واپس مڑ جاؤ۔''

''واپس؟'' وہ ہچکچائی۔ ''کیوں؟''

''میں ہیلی سے ملنے جارہا ہوں۔''

''رکو، رک جاؤ..... یہ ٹریپ ہے۔ اکیلے نہ جانا..... وہ مار دے گا۔ تم وہی کررہے ہو، جو وہ چاہتا ہے۔''

''کیری مجھے جانا پڑے گا۔'' میں نے کہا۔ ''اس نے مجھے ایک گھنٹے کا وقت..... دیا ہے۔''

کیری کے لیے جیکسن ول شیرف آفس کے واضح احکامات تھے کہ وہ اس معاملے سے بالکل الگ تھلگ رہے گی۔ کیری کو شک تھا کہ اس کا فون بھی محفوظ نہیں ہے۔ ممکن تھا کہ جے ایس او نے ہنری کی بات سن لی ہو۔

''کیری میری جگہ تم ہوتیں، تمہارا بیٹا رائن ہوتا تو تم بھی وہی کرتیں جو میں کررہا ہوں۔''

کیری نے رفتار کم کی۔ ''تم کہاں جارہے ہو؟''

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

"3996 کین روڈ" ہنری نے کہا۔ "جی پی ایس ہے تمہارے پاس؟ آگسٹا کی طرف جا کے ایکرو پولس کے لیے اسٹیٹ روڈ چوبیس پکڑو۔"

"میں ایک گھنٹے میں نہیں پہنچ سکوں گی۔" کیری نے نیوی گیشن میپ دیکھا۔ "میں آرہی ہوں لیکن مجھے پولیس کو بتانا پڑے گا۔ ان کی رائے تمہارے بارے میں تبدیل ہو گئی ہے۔ جیک بھی ہمارے ساتھ ہے۔ دوسری صورت میں ہم تینوں مارے جائیں گے۔"

"نہیں کیری بہت دیر ہو چکی ہے۔ شاید یہ پاگل پن ہے لیکن میں مجبور ہوں۔ ہوفر نے ایک گھنٹے کا ٹائم سیٹ کر دیا ہے۔"

"میں بھی پاگل ہوں۔ پلیز میرا انتظار کرو..... میں کچھ کرتی ہوں۔ وعدہ کرو تم صبر سے کام لو گے۔ تم تاخیر سے جا سکتے ہو۔ ہوفر تمہارا انتظار کرے گا۔ تم اس کی ضرورت ہو۔ پلیز میرا انتظار کرو میں چیکسن ول نہیں جا رہی..... ہنری تم سن رہے ہو؟"

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔"

کیری کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ہنری کی ہاں کے نیچے ایک دوسری آواز تھی۔ وہ آواز کیری تک پہنچ گئی۔ وہ سمجھ گئی کہ ہنری نہیں رکے گا۔ رابطہ منقطع ہوا اور کیری نے گاڑی گھمائی۔

☆☆☆

میں تمام تر نتائج سے بے پروا گاڑی کو تیزی سے بھگا رہا تھا۔ اگر ہوفر وہاں تھا تو میں کیری کو فون کر کے پولیس کی مدد حاصل کروں گا یا پھر خود کچھ کروں گا۔ میں کنفیوز تھا۔ کیری اکیلی وہاں آئی تو کیا کرے گی۔ صرف ایک بات واضح تھی کہ مجھے ہوفر تک پہنچنا ہے۔ یہ بھی عیاں تھا کہ ہوفر مجھے گھیرنے کے لیے ہیلی کو استعمال کر رہا تھا۔ گاڑی بھگاتے ہوئے میں حدِ رفتار کا خیال رکھ رہا تھا..... گاڑی بھی چوری کی تھی۔

چار بجے کیری کی کال آئی۔ وہ مجھ سے تیس منٹ کے فاصلے پر تھی.....

بالآخر میں ایکرو پولس کے قریب پہنچ گیا۔ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہاں میں کیا کروں گا۔ دل میں دعا تھی کہ ہیلی زندہ رہے۔ جی پی ایس کے مطابق ٹاؤن میں داخل ہونے سے پہلے مجھے سیور لیک روڈ سے اترنا تھا۔

ہوفر نے فون نہیں کیا تھا۔ اندیشوں کے سانپ میرے دماغ میں رینگ رہے تھے۔ کیا غلط ہو گیا تھا؟ مجھے دیر ہو گئی یا ہوفر کا منصوبہ کچھ اور تھا؟

میرے اعصاب چٹخنے لگے۔ میں کین روڈ پر تھا۔ میں نے کسی میدان میں ہیرو کا رول ادا نہیں کیا تھا۔ کالج میں بیس بال کھیلی تھی۔ تاہم کبھی فاتح کھلاڑی نہیں رہا تھا۔ کجا یہ غیر معمولی صورتِ حال جو قطعی غیر متوقع بلکہ ناقابلِ یقین تھی۔ کتنی ہی بار خیال آیا کہ میں محض ایک بھیانک خواب دیکھ رہا ہوں جو کچھ میں اب تک کر چکا تھا اس کے پیچھے ہیلی کا تصور تھا۔

مجھے کیری کو فون کرنے کا خیال آیا تاہم میں نے ایسا نہیں کیا۔ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی کہ میرے پہنچنے تک ہوفر، ہیلی کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ مجھے کوئی بہانہ تراشنا چاہیے۔ میں اگر تاخیر سے جاؤں گا تو خطرہ ہے لیکن ویسے بھی ہر طرح خطرہ ہی خطرہ تھا۔ سیدھا بہانہ تھا کہ میں نے گاڑی چرائی، جس میں دیر ہو گئی۔ یہ آدھا سچ تھا۔ دیر سے پہنچوں گا تو ہوفر اندازہ لگا تارہ جائے گا کہ میں کس وقت پہنچ رہا ہوں اور میں سرپرائز ایلیمنٹ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کروں گا۔ تب تک کیری کو بھی موقع مل جائے گا۔

میں خیالات میں ڈوبا ہوا کین روڈ پر آگے بڑھ رہا تھا۔ اچانک فون نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

"ڈاکٹر شاید تمہیں بیٹی کی پروا نہیں ہے۔" ہوفر کی پھنکار سنائی دی۔

میں نے دل کڑا کیا۔ "ہوفر تم جانتے ہو میں ہیلی کے لیے جان بھی دے سکتا ہوں۔ گاڑی حاصل کرنے میں دیر ہو گئی..... میں نصف گھنٹے میں پہنچ رہا ہوں۔"

"کیا بکواس ہے....."

"پلیز ہوفر، میں ہاتھ جوڑتا ہوں۔" میں گڑگڑایا۔

"میری بات کا یقین کرو۔ میرے پاس سلور بوک ہے..... میں بہت دور سے آرہا ہوں۔ پولیس میرے پیچھے تھی..... میں شارلٹ سے آرہا ہوں۔ تم نے خبریں سنی ہوں گی۔ ماؤنٹ ہولی میں میرے ساتھ کیا ہوا..... پلیز ہیلی سے بات کرا دو..... جلدی کرو..... اس علاقے میں سگنل کا مسئلہ ہے..... میں زیادہ دور نہیں ہوں..... ہوفر..... سن رہے ہو؟"

"ڈاکٹر، تمہاری بیٹی گئی..... بھول جاؤ....."

"ہوفر نہیں..... نہیں..... میں آرہا ہوں..... ہیلو..... ہیلو..... ہیلی تم کہاں..... ہو....." میں نے فون بالکل بند کر دیا۔ سگنل کا بہانہ قابلِ قبول تھا۔ جی پی ایس اور بیٹری چارجر وغیرہ گاڑیوں میں ہوتے ہیں۔

دھڑکنیں بے قابو تھیں۔ یقین نہیں تھا کہ میں نے درست داؤ کھیلا ہے۔ میں نے گھروں کے باہر میل باکس

waqar azeem
www.pakistanipoint.com

دیکھنے شروع کیے..... کیا ہوفر نے صحیح نمبر بتایا تھا..... میں مسلسل نمبر دیکھ رہا تھا۔ میں نے بیوک درختوں میں کھڑی کی اور اتر گیا۔

نمبر 3996 ایک پرانا رینچ اسٹائل کا مکان تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ وہ عرصے سے زیرِ استعمال نہیں ہے۔ میری اعصابی کشیدگی انتہا پر تھی۔ میں نے فون کو وائبریشن پر کر دیا۔

☆☆☆

طویل ڈرائیو وے میں نیلے رنگ کی مزدا دیکھ کے میری رفتارِ نبض بڑھ گئی۔ ہوفر یہاں تھا اور ہیلی بھی۔ میں ہیجانی کیفیت کا شکار تھا۔ خونی ڈرامے کا انجام سر پر تھا۔ کیا ہوفر مکان میں تھا یا قریبی جنگل نما درختوں میں۔ میں پچاس فٹ دور جھاڑیوں میں دبکا ہوا تھا۔ کیری کو فون کرنے کا خیال میں نے پھر مسترد کر دیا۔ اس نے مجھے رکنے کا کہا تھا جبکہ میں ہوفر تک پہنچ گیا تھا۔

ویران سا علاقہ تھا۔ مکان بھی پرانی طرز کے اور ان کے درمیان خالی پلاٹ تھے۔ میں چھپتا چھپاتا گھوم کر مکان کے عقب میں چلا گیا۔ بدن کے مسامات پسینا اگل رہے تھے۔ دل پسلیوں کو توڑنے کے درپے تھا۔ مکان میں کسی کی موجودگی کی کوئی علامت نظر نہیں آ رہی تھی۔ سامنے کی طرف اور نہ عقب میں۔ کیا کرنا چاہیے؟ میں نے وقت دیکھا اور اطراف کا جائزہ لیا۔ معاً درختوں میں چوبی شیڈ کی جھلک نظر آئی۔ میں نے نگاہ اور سماعت پر زور ڈالا۔ اس جانب بھی خاموشی تھی۔ چوبی شیڈ کی چھت ترچھی تھی اور اس میں ایک کھڑکی نظر آ رہی تھی۔ یہ اسٹور ریچ ہٹ کے مانند تھا۔ میری چھٹی حس نے ٹھوکے لگانے شروع کیے۔ درختوں اور جھاڑیوں کی وجہ سے شیڈ پوری طرح نمایاں نہیں تھا۔ تاہم میں اس کا نیم وادروازہ دیکھ سکتا تھا۔ ہتھیار کے نام پر میرے پاس کچھ نہ تھا۔ میں نے قریب پڑا ہوا ایک زنگ آلود آہنی پائپ اٹھا لیا۔ پائپ ہاتھ میں لیا تو نیا احساس ہوا۔ ہم میں سے ہر ایک کے اندر کسی نہ کسی مقدار میں تشدد کا عنصر پوشیدہ ہوتا ہے۔ کسی ذی نفس کو کتنا تنگ کیا جاتا ہے، کس حد تک چھیڑا جاتا ہے کہ بالآخر وہ تشدد پر آمادہ ہو جائے۔ ہوفر بھی مجھے اس مقام پر لے آیا تھا جہاں میں مرنے مارنے کے لیے تیار تھا۔

میں نے جگہ تبدیل کی اور کیری سے رابطہ کیا۔

☆☆☆

ونسی نے ڈاکٹر ہنری کے لیے ایک غلیظ گالی ایجاد کی۔ اس نے کھڑکی میں سے چالیس پچاس گز دور ڈاکٹر کی جھلک دیکھ لی تھی۔ بلاشبہ ڈاکٹر نے جھوٹ بولا تھا۔ ونسی نے یقین بھی نہیں کیا تھا لہٰذا محتاط تھا۔ شیڈ میں سیلن اور نیم تاریکی تھی۔ ونسی خوف زدہ نڈھال ہیلی کی طرف پلٹا۔

''توقع کے برخلاف ڈیڈی سے ملاقات جلدی ہونے والی ہے۔'' ونسی نے کہا۔

''ڈیڈی؟'' ہیلی کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے چیخنے کے لیے دوبارہ منہ کھولا۔ ونسی نے بلاتکلف اس کے چہرے پر گھونسا رسید کیا۔ ہیلی کی آنکھوں میں پُتلیاں گھوم کے اوپر چڑھ گئیں۔ ہونٹ کٹ گیا۔ وہ چکرا کے گری اور ساکت ہو گئی۔ ونسی نے اس کے منہ پر ٹیپ لگایا۔ ہیلی کے ہاتھ پیر پہلے ہی بندھے تھے۔ ہوفر نے اسے اٹھا کے لمبی میز پر رکھ دیا۔ لمبوتری میز کی چوڑائی کم اور لکڑی موٹی تھی۔ ونسی نے رسی کے ساتھ ہیلی کو میز پر جکڑ دیا۔ میز کے ایک سرے پر گول آہنی پلیٹ تھی۔ یہ دھاردار بلیڈ تھا جس کے دانت لکڑی کے تختے یا ٹکڑوں کو بہ آسانی تراش دیتے تھے۔ ہیلی اس ''سرکولر سے ٹیبل'' پر بے دست و پا جکڑی ہوئی تھی۔ ونسی نے اسٹارٹر پیڈل کے ذریعے موٹر کو متحرک کیا۔ زوں..... زوں..... کی آواز کے ساتھ بلیڈ تیز پنکھے کے مانند گھومنے لگا۔

''پرفیکٹ۔'' ونسی نے مطمئن انداز میں سر ہلایا اور موٹر بند کر دی۔ اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ اس مرتبہ ڈاکٹر اسے دکھائی نہیں دیا۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ اکیلا ہے یا ٹیم کے ساتھ..... ٹیم کتنی بڑی ہے؟ ونسی کو فرق نہیں پڑتا۔ وہ پوری طرح تیار تھا۔

ونسی نے ایک ایک کر کے سب کو قرار واقعی سزا دی تھی۔ صرف بائیک خواہ مخواہ مارا گیا لیکن اس کی ہلاکت منصوبے کا حصہ تھی۔

''امنڈا بے بی..... ہنی یہ سب میں نے تمہارے لیے کیا۔ ان لوگوں نے تم سے تمہاری زندگی کے بہترین سال چھین لیے۔ میں نے ان سے ان کی زندگی چھین لی۔ میں یہی کر سکتا تھا۔ امنڈا بے بی، تمہاری خاطر.....''

ہیلی نے کراہنا شروع کر دیا تھا۔ ونسی ہوفر نے ڈاکٹر کا نمبر ملایا۔

''ڈاکٹر تم کھیلنا چاہتے ہو۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔ ''آؤ کھیلتے ہیں۔'' اس نے فون کان سے لگایا۔

☆☆☆

میں نے دو مرتبہ کوشش کی لیکن کیری سے رابطہ کرنے میں ناکام رہا۔ میں نے فون بند ہی کیا تھا کہ وہ تھرتھرانے لگا۔ میں کیری کا نام لیتے لیتے رک گیا۔ کالر آئی ڈی ہیلی فری

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

مین کا نام لے رہی تھی۔ میں نے فوراً کال وصول نہیں کی۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا بولوں گا۔ میں نے سبز بٹن کو چھوا۔

''ڈاکٹر کہاں ہو تم؟'' ہوفر کی آواز آئی۔ ''میں تیار ہوں، تمہیں بیٹی چاہیے؟''

''ہیلی سے میری بات کراؤ۔''

''ایک منٹ..... ایک منٹ، کتنی دور ہو تم؟''

''میری بات کراؤ۔'' میں نے مطالبہ کیا۔

''ہماری ملاقات کب ہوگی، کہاں ہو تم؟''

''میری بات کراؤ، میں تم سے ملتا ہوں۔''

''میں نے کہا تھا کہ کھیل کا آخری حصہ باقی ہے، اب کھیل ختم ہونے والا ہے لیکن آخری حصہ بہت دلچسپ ہے۔''

''کیا مطلب ہے؟'' میرے دماغ میں گھنٹیاں بجنے لگیں۔

''ہنی' ڈیڈی سے بات کرو۔ ڈیڈی کو بتاؤ تم ٹھیک ہو۔'' وہ ہیلی سے بات کر رہا تھا۔

پس منظر میں زوں..... زوں..... ں..... کی عجیب سی آواز میری سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔

''ڈیڈی!'' ہیلی کی آواز آئی۔ ''ڈیڈی مجھے بچاؤ..... میں مرنے والی ہوں..... ڈیڈی..... ی.....''

''ہیلی میں آ رہا ہوں۔'' میں چلّایا۔

''ڈاکٹر سن لیا؟ وہ تمہیں بلا رہی ہے۔''

میرے لیے رکنا محال تھا۔ کیری کا انتظار ممکن نہ رہا۔ بہت دیر ہو گئی تھی۔ پائپ پر میری گرفت مضبوط تھی۔ فون میں نے بند کر دیا۔ خوف اور اشتعال آپس میں گلے مل رہے تھے۔ میری آنکھوں میں آنسو تھے۔ میں دیوانہ وار بھاگ رہا تھا۔ یقیناً ہوفر مسلح تھا اور میرے پاس ایک زنگ آلود آہنی پائپ۔ میرے دماغ میں، میرے دل میری رگوں میں ایک ہی بات تھی۔ اس خونی درندے کو ختم کر دینا ہے۔ ہیلی کی چیخ سنائی دی اور اگلے لمحے میں شیڈ کے اندر تھا۔ پائپ میں نے سر سے بلند کر لیا تھا۔

میری پہلی نظر ہیلی پر گئی۔ ہراس اور تھکن نے اس کے خوب صورت چہرے کو بگاڑ دیا تھا۔ میں نے اس کے چہرے پر خون دیکھا۔ سیکنڈ کے معمولی حصے میں، ہم دونوں کی نظر ملی۔ میں نے سمجھنے کی کوشش کی، وہ لکڑی کی میز پر بندھی ہوئی تھی۔

''ڈیڈی، وہ دیکھو۔'' ہیلی دہشت سے چیخی۔ میں پائپ گھما کے پلٹا۔ میں حملے کے لیے پوری طرح تیار تھا لیکن یہ میرا خیال خام تھا۔ کوئی وزنی چیز میری کھوپڑی سے ٹکرائی..... ڈوبتے ذہن کو تاریکی سے بچانے کی کوشش رائگاں گئی۔ میں زمین بوس ہوا۔ آخری کرب ناک خیال یہ تھا کہ بیٹی کے سامنے ناکام ہو گیا تھا۔

☆☆☆

نہیں پتا کتنی دیر بعد مجھے ہوش آیا۔ نظر دھندلی تھی اور سر میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ میں پوری طرح ہوش میں نہیں تھا، سوچ رہا تھا کہ میرے ساتھ کیا ہوا..... میں کہاں ہوں۔ ہوفر اور ہیلی دونوں کا خیال ایک ساتھ ذہن میں آیا۔ میری دھندلی نظر صاف ہونے لگی۔ میرے ہاتھ پیر آزاد تھے۔ میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

''ڈاکٹر تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ میں نے تمہارے لیے کیا کھیل تیار کیا ہے۔'' ہوفر کی آواز آئی۔

میں نے ہیلی کو دیکھا لیکن خوش ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ ہوفر نے اسے جس میز پر باندھ کے رکھا تھا، وہ لکڑی تراشنے کی مخصوص میز تھی جس پر دندانے دار تیز دھار والا گول بلیڈ موجود تھا۔ میری رگوں میں خون برف ہو گیا۔ ہوفر میز کے قریب ہتھیار بدست کھڑا تھا۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ مختلف اوزار بکھرے ہوئے تھے۔ میری نظر دیوار سے لٹکی کلہاڑی پر گئی۔ دیوار کے ساتھ ایک وزنی ہتھوڑا پڑا تھا۔ دونوں چیزیں میری دسترس سے دور تھیں۔ اگر میرے ہاتھ میں بھی ہوتیں تو کن کے مقابلے میں کارآمد نہیں تھیں۔

''میں تمہارے پاس ہوں ہوفر اسے جانے دو۔''

''ڈیڈی.....'' ہیلی رونے لگی۔

''ہوفر اس نے کچھ نہیں کیا' یہ بے قصور ہے۔''

''اس کا قصور یہ ہے کہ یہ تمہاری بیٹی ہے۔'' اس نے نفرت سے کہا۔

غم و غصے نے مجھے بے حال کر دیا۔ میں اس پر جھپٹنے کے لیے تیار تھا۔

''ڈاکٹر ہیرو مت بنو۔'' اس نے میرا ارادہ بھانپ کے گن کا رخ ہیلی کی طرف کر دیا۔

''ہوفر' میں نے پولیس کو کال کر دی تھی۔ وہ پہنچنے والے ہیں۔'' میں نے کھوکھلی دھمکی دی۔

''آنے دو، میرا کھیل ختم ہو رہا ہے۔'' اس نے اطمینان سے کہا اور پاؤں سے پیڈل پر دباؤ ڈالا۔ گول تھالی نما بلیڈ نے برق رفتاری سے گھومنا شروع کیا۔ میز پر ایک اور شیٹ تھی اور شیٹ پر ہیلی۔ شیٹ کے درمیان پتلی سی جھری تھی، بلیڈ نے اس میں سے گزرنا تھا۔ شیٹ پر کاٹنے کے لیے لکڑی کا بلاک نہیں ہیلی کا جسم تھا۔ بلیڈ ہیلی کا بدن دو حصوں

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

میں تقسیم کر دیتا۔

''روکو۔'' میں حلق کے بل دہاڑا۔ ''خبیث..... ذلیل انسان میرے ٹکڑے کر دے، اسے چھوڑ دے۔''

ہوفر کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ تھی۔

میں کھڑا ہو گیا۔ میرے انگ انگ میں شعلے بھڑک رہے تھے۔ ہوفر نے گن کا رخ میری طرف کیا۔ میں شکست کھا گیا تھا لیکن لڑے بغیر ہارنا کوئی آپشن نہیں تھا۔ میں نے کلہاڑی کی طرف دیکھا۔ میں جانتا تھا کہ کلہاڑی حاصل کرنے کی سعی موت کے مترادف تھی لیکن اب اپنی زندگی بے معنی تھی۔ ہیلی سسک رہی تھی۔

''ہنی آئی لو یو۔'' میں نے کہا۔

ہوفر نے بٹن دبایا اور شیٹ نے ہیلی کے وجود کے ساتھ بلیڈ کی طرف حرکت کی۔

''آئی لو یو ٹو، ڈیڈی۔'' وہ اشکبار تھی۔

میں..... فیصلہ کر چکا تھا اور اسی وقت سیل فون تھرتھرانے لگا۔

☆☆☆

کیری نے گرے رنگ کی بیوک نمبر 3996 سے پہلے درختوں میں کھڑی دیکھ لی تھی۔ گاڑی میں کوئی نہیں تھا۔ ہنری نے بتایا تھا کہ وہ گرے بیوک میں ہے۔ کیری آگے جا کے مکان نمبر 3996 پر گاڑی سے باہر آئی۔ ڈرائیو وے میں نیلے رنگ کی مزدا کھڑی تھی۔ کیری پچھلے پندرہ منٹ میں درجن مرتبہ کال کر چکی تھی لیکن ہنری نے جواب نہیں دیا تھا۔ اس نے جیک کو لوکیشن سمجھا دی تھی۔ جیک آ رہا تھا۔ اس نے کیری کو خود کوئی ایڈونچر کرنے سے منع کر دیا تھا۔ تاہم کیری نے معذرت کر لی تھی کہ وہ وعدہ نہیں کر سکتی۔ جیک سے بات کر کے کیری نے 911 سے بات کی اور تیزی سے سچویشن بتا کے ہنگامی حالت کے لیے ٹیم طلب کی۔

گن چیک کر کے کیری احتیاط کے ساتھ مکان کی طرف بڑھی۔ وہاں زندگی کے آثار ناپید تھے۔ لیکن بیوک اور مزدا کی موجودگی ہیری اور ہوفر کا اعلان کر رہی تھی کہ دونوں وہیں کہیں ہیں۔ فرنٹ ڈور لاک تھا۔ مکان بظاہر خالی تھا۔ کیری کا خوف بڑھتا جا رہا تھا۔ فون پر ہنری کی عدم موجودگی اسے بُری طرح ڈرا رہی تھی۔ مکان کی عقبی سمت میں تفتیش نے واضح کر دیا کہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ کیری کے دل کو نادیدہ ہاتھ نے دبوچ لیا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

تاریکی پھیلنے لگی تھی۔ کیری نے عالمِ اضطراب میں اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ درختوں میں معمولی روشنی نے اس کی توجہ کھینچ لی۔ اس نے گہرے گہرے سانس لے کر اعصابی کشیدگی کم کرنے کی کوشش کی اور گھنی جھاڑیوں میں روشنی کی سمت راستہ بنایا۔ دل کی دھڑکن ڈرم کے مانند کانوں میں گونج رہی تھی۔ اس نے زندگی میں ایسا کوئی کام نہیں کیا تھا۔ جاب کے معمولات آفس کے اندر تک محدود رہے تھے۔

''ہنری تم کہاں ہو؟ اس نے خود سے سرگوشی کی۔ کیری نے چوبی شیڈ کی جھلک دیکھی اور مزید محتاط ہو گئی۔ خیال آیا کہ رک کے مدد کا انتظار کیا جائے۔ لیکن دل کہہ رہا تھا کوئی بہت خراب واقعہ رونما ہو چکا ہے۔ انتظار کرنا ناممکن ہو گیا۔ شیڈ کا دروازہ نیم وا تھا۔ کیری محض دس فٹ کے فاصلے پر تھی۔

☆☆☆

فون تین مرتبہ وائبریٹ ہوا تھا۔ کیری راستے میں تھی یا میرے قریب؟ میں دعا کرنے لگا کہ وہ پولیس کو اطلاع کر دے۔ میں نے وقت دیکھ کے حساب لگایا۔ کیری کو میرے آس پاس ہونا چاہیے تھا اور اس نے دونوں گاڑیاں دیکھ لی ہوں گی۔ اسے کال کا جواب نہیں ملے گا تو لازمی وہ کارروائی کرے گی۔ مجھے خیال آیا کہ میری بے ہوشی کے دوران بھی اس نے کال کی ہو گی۔ گھور تاریکی میں امید کی کرن ٹمٹمائی لیکن میرے پاس وقت ختم ہو چکا تھا۔

''آئی ایم سوری۔'' میں نے ہوفر کو مخاطب کیا۔ ''میں تمہاری بیٹی کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ ہیلی اور مجھے ختم کر کے امنڈا کے لیے تم کیا حاصل کر پاؤ گے۔ میں امنڈا کے لیے مہنگی سے مہنگی لافرم ہائر کر سکتا ہوں۔ وہ باہر آ جائے گی۔ اسے جو چیز چاہیے، میں مہیا کروں گا۔''

''دولت کی بات کر رہے ہو؟''

''پیسا، تعلیم..... جو بھی اس کے لیے ضروری ہے۔''

ہوفر نے بڑھی ہوئی شیو کھجاتے ہوئے بٹن دبایا۔ شیٹ کی حرکت رک گئی جس پر ہیلی بندھی ہوئی تھی۔

''ہوفر میں وعدہ کرتا ہوں امنڈا کو باہر نکالوں گا۔'' میں نے تیزی سے کہا۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ اس نے واقعی ارادہ بدل دیا ہے لیکن میں ہیلی کے لیے زیادہ سے زیادہ وقت حاصل کرنا چاہتا تھا۔

''امنڈا کے کیس کو ٹھیک طرح ہینڈل نہیں کیا گیا تھا۔ اب بھی بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔''

ہوفر کے تاثرات پھر بدل گئے۔ ''اب یہ امنڈا اور ہیلی کا معاملہ نہیں رہا۔ یہ تمہارے اور میرے درمیان ہے۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔ کھیل کا انجام وہی ہو گا جو میں نے سوچا تھا

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

اور تم نے کہا ہے کہ تم پولیس کو کال کر چکے ہو۔"
"میں نے جھوٹ بولا تھا۔ میں تمہارے سامنے وکیل سے بات کرتا ہوں۔"
ہوفر نے بٹن دبا کے شیٹ کو متحرک کیا۔
"روکو اِسے....." میں نے چیختے ہوئے حرکت کی۔ میں دیوانہ وار کلہاڑی کی طرف جھپٹا تھا۔ دھماکا ہوا..... ایک گرم انگارا میرے بالائی دھڑ میں داخل ہوا۔ میرے جسم نے جھٹکا کھایا۔ میں تیورا کے گرا۔
"ڈیڈی! ڈیڈی!" ہیلی ہسٹریائی انداز میں چلّائی۔
"ڈاکٹر تم ابھی تک زندہ اس لیے ہو کہ میں تمہیں کچھ دکھانا چاہتا ہوں۔" درندے کی زہریلی ہنسی سنائی دی۔
مجھے گولی لگنے کا ادراک ہوا۔ سینے میں آگ سی بھری تھی۔ میں ہوش میں تھا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہیلی کو موت کے منہ میں جاتا دیکھ رہا تھا۔ دردناک موت..... یہ ناقابلِ برداشت تھا۔ گولی لگنے کی اذیت بے معنی ہو کے رہ گئی۔ میں لہولہان حالت میں تڑپ کے اٹھا اور زوردار آواز کے ساتھ شیڈ کا دروازہ چوپٹ کھل گیا۔
"بند کرو مشین۔" کیری کی آواز میں سنگ و آہن کی صلابت تھی۔ وہ پروفیشنل اسٹائل میں گن بدست کھڑی تھی۔ اس کا یہ انداز میرے گمان سے پرے اور اجنبی تھا۔ احساسِ مسرت میری ناقابلِ بیان اذیت کو فنا کر گیا۔
"صرف ایک سیکنڈ ہے تمہارے پاس اسے آزاد کر دو یا مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" کیری کی دھمکی میں بلا کی سنجیدگی تھی۔ اس نے میری طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی۔ میں آگاہ تھا کہ وہ میری طرح صرف ہیلی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔
"ایک سیکنڈ تو گزر گیا ڈارلنگ تمہیں دیر ہو گئی۔ میں اکیلا نہیں ہم سب مریں گے۔" ہوفر غرایا۔ اس کے بازو نے گھومنا شروع کیا۔ وہ گن کا رخ ہیلی کی جانب موڑ رہا تھا۔
مجھے لگا کہ طبیعیات کے اصول بدل گئے ہیں۔ حرکات گویا سلو موشن مووی میں بدل گئیں۔ سیکنڈوں کا نہیں لمحوں کا کھیل تھا۔ کون پہلے گولی چلائے گا۔ کیا کیری نشانہ باز ہے۔ کھیل کیری کے ہاتھ میں تھا۔ نہایت نازک اور فیصلہ کن لمحات تھے۔ مجھ پر سکتہ طاری تھا۔ جان آنکھوں میں سمٹ آئی تھی۔ آنکھیں ہارر مووی کا آخری منظر دیکھ رہی تھیں۔
گولی چلی..... ایک نہیں دو گولیاں۔ ایک ساتھ یا آگے پیچھے؟ میری سانس اور حرکتِ قلب دونوں تھم گئیں۔ ہیلی اور ہوفر دونوں نے جھٹکا کھایا۔ ہیلی دہشت سے ہل گئی تھی۔ میں سمجھا گولی اسے لگی ہے لیکن ہوفر کی حرکت خفیف سی سرکی جنبش تھی۔ میں دنگ رہ گیا۔ اس کی پیشانی میں ایک تیسری آنکھ نمودار ہوئی۔ لہو رنگ آنکھ۔ اس کی اپنی قدرتی آنکھوں کی پتلیاں اوپر چڑھ گئیں۔ وہ ساکت کھڑا مجھے دیکھ رہا تھا۔ عجیب تاثرات تھے۔ مجھے لگا جیسے وہ کہہ رہا ہے۔ "ڈاکٹر تم ہار گئے ہو۔" پھر اس کا جسم زمین کی طرف جھکتا چلا گیا۔
میں نے ہیلی کو دیکھا اس کا جسم گھومتے ہوئے برق رفتار بلیڈ کی طرف جا رہا تھا۔
"ہیلی..... کیری....." میں نے دونوں کا نام لیا اور اچھل کے ہیلی کی طرف لپکا۔ بلیڈ کی حرکت روکنے کے لیے میں نے پیڈل پر لات ماری۔ بلیڈ پہلے کی طرح اپنی رفتار سے گھوم رہا تھا۔ دہشت مجھے مفلوج کیے دے رہی تھی۔ کیری نے شیٹ کی حرکت روکنے کے لیے کنٹرول پر ہاتھ مارا۔ کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ ہیلی رسی کی بندشوں میں مچل رہی تھی۔ وہ قاتل بلیڈ سے صرف ایک فٹ کے فاصلے پر تھی۔
"ہوفر کی گولی میکنزم میں لگی ہے۔" کیری نے کہا۔ اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ میں پاگلوں کی طرح رسی کی بندشوں میں الجھ گیا لیکن اتنا وقت ہی نہیں تھا۔
"ڈیڈی....."
میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے جسم سے خون اور پسینا دونوں بہہ رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ میں کلہاڑی لینے کے لیے دوڑا۔ دفعتاً دو دھماکے ہوئے۔ میں پلٹا..... کیری نے میکنزم پر گولیاں برسائی تھیں۔ بلیڈ اب بھی گھوم رہا تھا۔ لیکن متحرک شیٹ جام تھی۔ میں واپس میز کی طرف بھاگا۔ کیری نے گن پھینک دی اور ہم دونوں رسی کی بندشوں پر ٹوٹ پڑے۔ ہیلی کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ خاموش تھی۔ دور سے سائرن کی آواز اُبھر رہی تھی۔

☆☆☆

میری قمیص خون اور پسینے میں تر تھی۔ میں دیوار کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ہیلی کا سر میری گود میں اور کیری کا میرے شانے پر تھا۔
"وہ آ رہے ہیں۔" کیری نے سر اٹھا کے سرگوشی کی۔
"ہاں وہ آ رہے ہیں۔" میں نے اُس کی نیلی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ آنکھیں اس وقت دنیا کی سب سے خوب صورت آنکھیں تھیں۔ میری اپنی آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے۔ میں مسکرایا پھر میری آنکھیں چھلک پڑیں۔

❖❖❖

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

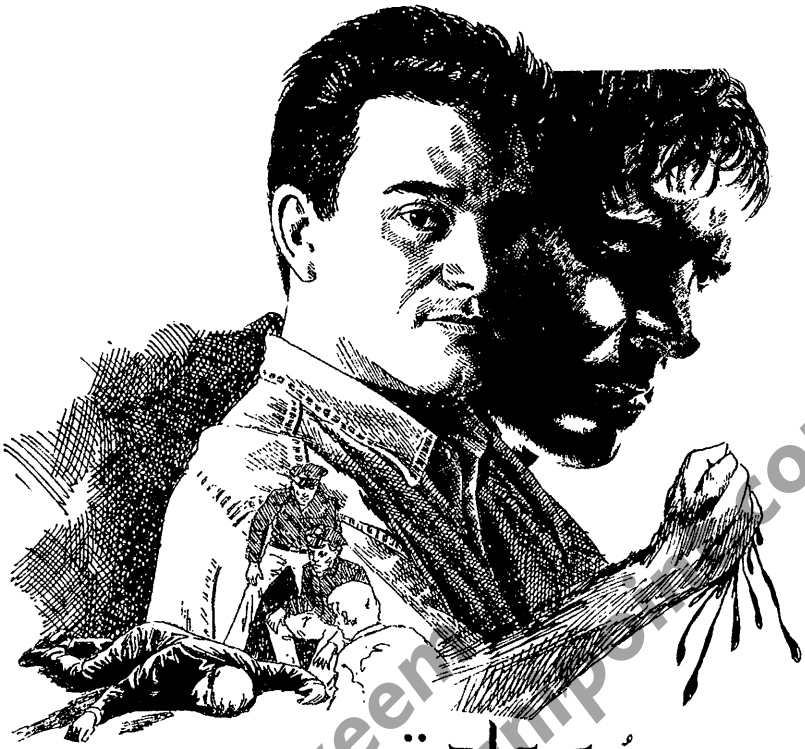

بُری عادت

تنویر ریاض

عادتیں بری جان لیوا ہوتی ہیں... انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتیں... ایک ایسے ہی تندخو اور ضدی لڑکے کا ماجرا جس کی عادتیں اور اطوار ہر لمحہ کسی نہ کسی شکار کی تلاش میں رہتی تھیں بالآخر ایک دن اس کی اکسا دینے والی عادت نے سامنے والے کو سلگا دیا...

جانے انجانے لوگوں کے ساتھ زیادتی کرنے والے کا انجام

سراغ رساں چیف انسپکٹر لومونڈ نے مردہ شخص کی آنکھوں میں دیکھا اور سوچنے لگا کہ شاید یہ واقعہ اس طرح پیش آیا ہو۔ یہ اپنے دوستوں کے ساتھ کلب میں وقت گزارنے آیا تھا۔ وہ سب پوری طرح لطف اندوز ہو رہے تھے۔ وہسکی اور بیئر کا دور چل رہا تھا۔ اُن کے زوردار قہقہے آسمان کو چھو رہے تھے پھر وہ سگریٹ پینے باہر آیا۔ تبھی اس کی نظر ایک لڑکی پر گئی۔ وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ اس کی نظریں اس لڑکی کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں۔ اس

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

سے پہلے کہ وہ کوئی پیش قدمی کرتا، اس لڑکی کا بوائے فرینڈ آ گیا۔ اسے یہ منظر پسند نہیں آیا پھر اس کے سر پر قیامت ٹوٹ پڑی۔

''ایک ہی گھونسے میں اس کا کام تمام ہو گیا۔'' پیٹھا لوجسٹ مورگن نے کہا۔

وہ لاش کے برابر میں اکڑوں بیٹھ گیا۔ ''یہ میں نے کئی مرتبہ دیکھا ہے کہ آدمی ایک ہی گھونسے میں گر جائے۔'' اس نے مقتول کے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ''گدی کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے اور یہ فرش پر گر گیا، کھیل ختم۔''

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

مورگن نے بال پوائنٹ کی نوک سے مرنے والے کے پھولے ہوئے جبڑے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''گھونسا یہاں لگا جس سے اس کا جبڑا اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ دو دانت ٹوٹ گئے۔ زبان الگ ہو گئی۔ شاید یہ زمین پر گرنے سے پہلے ہی بے ہوش ہو گیا تھا۔''

لومونڈ نے ہلکی سی سیٹی بجائی اور لڑکے کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''ایک ہی گھونسے میں اس کا یہ حال ہو گیا؟''

''کسی بھاری بھرکم مضبوط شخص کا گھونسا تھا یا پھر کوئی ...دریچہ ہو سکتا ہے۔''

لاش کے قریب ہی ایک چشمہ پڑا ہوا تھا۔ اس کا ایک شیشہ ٹوٹ چکا تھا۔

''لگتا ہے کہ اس پر کسی نے دائیں ہاتھ سے حملہ کیا ہے۔'' انسپکٹر نے کہا۔ ''کیا مقتول کے جسم پر کوئی ایسی علامات ہیں جن سے لگتا ہو کہ اس نے اپنا دفاع کیا ہو؟''

''نہیں، یہ کوئی لڑائی نہیں تھی۔'' مورگن نے کہا۔ ''بلکہ اس پر حملہ ہوا تھا۔ اس کے ہاتھوں یا انگلی کے جوڑوں پر کوئی نشان نہیں ہے۔''

لومونڈ نے اس جگہ کا جائزہ لیا جہاں اس لڑکے کی لاش ملی تھی۔ وہ شہر کا ایک بدصورت علاقہ تھا۔ وہاں ایک گلی میں ڈھیروں بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔ جگہ جگہ کچرے کے ڈرم اور پرانے کپڑوں کی گٹھڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اسی علاقے میں ایسے گودام بھی تھے جنہیں مسمار کرنے کا پروگرام بن چکا تھا اور ان کی وجہ سے نائٹ کلب کے عقب میں یہ کونا بدنما لگ رہا تھا۔ گندی اینٹوں کی دیوار کے ساتھ پائپ لٹک رہے تھے۔

لومونڈ نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے مورگن سے کہا۔ ''تمہارا شکریہ، بہتر ہے کہ ہم باؤنسرز سے تفتیش شروع کریں کیونکہ کلب کے اندر یہی لوگ ناپسندیدہ عناصر سے نمٹتے ہیں۔'' پیرسفون کے چیف اسٹیورڈ کو دیکھ کر لومونڈ نے سوچا کہ اس کی عمر باؤنسر بننے کی نہیں ہے لیکن وہ دربان بننے کے قابل بھی نہیں تھا۔ وہ لمبا چوڑا قوی ہیکل شخص تھا۔ اس کا چہرہ دانوں اور خراشوں سے بھرا ہوا تھا۔ ایک بہت بڑے زخم کے نشان نے اس کے چہرے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

اس نے اپنی بھاری آواز میں کہنا شروع کیا۔ ''مجھے یہ کہنا ہے کہ اس وقت صبح کے چھ بج رہے ہیں۔ میں پہلے ہی تمہارے سراغ رساں سارجنٹ کو بیان دے چکا ہوں۔ اگر مجھ پر کوئی الزام نہیں ہے تو میں گھر جا کر تھوڑی دیر سونا چاہتا ہوں؟''

''میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ صرف چند مزید تفصیلات چاہئیں۔''

اس بھاری بھرکم شخص نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں اور کیا معلوم کرنا ہے؟ تم میرا نام، پتا اور فون نمبر جانتے ہو۔''

''ایک شخص گزشتہ شب کلب کے باہر مارا گیا مسٹر ریون، مجھے یقین ہے کہ تم کچھ تفصیلات فراہم کر کے میری مدد کرنا چاہو گے۔''

اس شخص نے دونوں بازو سینے پر باندھے اور بھاری آواز میں بولا۔ ''جو کچھ پوچھنا ہے، جلدی پوچھو۔ مجھے بہت زور کی نیند آ رہی ہے۔''

''کیا تمہیں مرنے والے کی کوئی بات یاد ہے؟ تمہارے ویڈیو کیمروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کل شام کا بڑا حصہ تمہارے کلب میں گزارا تھا؟''

''جی ہاں کل ایک مصروف رات تھی۔''

لومونڈ نے منیجر کی میز پر رکھے ہوئے کمپیوٹر کی اسکرین کی طرف اشارہ کیا جس پر کیمروں سے ریکارڈ کی ہوئی گزشتہ شب کی فوٹیج چل رہی تھی۔ اس میں مرنے والا لڑکا بار کے اسٹول پر بیٹھا بارمیڈ سے باتیں کر رہا تھا۔ لومونڈ نے نوٹ کیا کہ اس لڑکی کی گردن پر ٹیٹو بنا ہوا ہے جو لہراتا ہوا اس کے کشادہ گریبان تک جا رہا ہے۔

''مجھے گزشتہ شب یہاں کام کرنے والوں کی مکمل فہرست چاہیے۔''

''بہت بہتر۔''

پھر اسکرین پر وہ منظر آیا جس میں لومونڈ کو بہت زیادہ دلچسپی تھی۔ وہ لڑکا بارمیڈ سے قریب ہونے کے لیے

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

جھکا اور اس لڑکی کے چہرے پر ناگواری کے آثار نمودار ہوئے۔ وہ غصے میں نظر آرہی تھی۔ اس نے انگوٹھا دکھا کر لڑکے کو باہر جانے کا اشارہ کیا لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ اسی طرح مسکراتا رہا۔ وہ آگے کی طرف جھکا اور اس نے بارمیڈ سے کچھ کہا۔ تبھی باؤنسر وہاں آگیا۔ اسے دیکھ کر لڑکے کی ہنسی گم ہوگئی۔ اس نے اپنا مشروب ختم کرنا چاہا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنا گلاس اٹھاتا، باؤنسر نے پشت سے اس کا کالر پکڑا اور کلب سے باہر نکال دیا۔

''اس باؤنسر کا نام کیا ہے؟''

''مجھے تو یہ کیلم ریفرٹی کی طرح لگ رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تمہارا آدمی اس سے پہلے ہی بات کرچکا ہے۔''

''میں خود بھی اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔'' لومونڈ نے کہا اور ویڈیو کے کونے پر لکھا ہوا وقت نوٹ کرلیا۔ اس وقت رات گیارہ بج کر بیالیس منٹ ہوئے تھے۔

''اس کے بعد اسے زبردستی باہر نکال دیا گیا؟''

''ہاں۔''

''اور اسے عقبی حصے میں لے گئے۔ پچھلے صحن میں؟''

''نہیں، کلب کے سامنے والے دروازے پر۔'' یہ کہہ کر ریون نے ماؤس چلایا اور اسکرین پر ایک اور منظر آگیا۔ اس میں کلب کے سامنے والے حصے میں زینہ نظر آرہا تھا جو اوپر جانے کے بعد میکنلے اسٹریٹ پر اتر رہا تھا۔ لڑکے کا چہرہ کیمرے کی طرف تھا اور اس کے بازو پیچھے کی طرف مڑے ہوئے تھے اور وہی باؤنسر اس پر غرا رہا تھا۔ پہلے تو یوں لگا جیسے وہ لڑکا چلّا رہا ہو لیکن لومونڈ نے دیکھا کہ وہ باؤنسر کا گنجا سر دیکھ کر قہقہے لگا رہا تھا۔

''تم نے پولیس کو فون نہیں کیا؟'' لومونڈ نے پوچھا۔

''نہیں اس کی ضرورت نہیں تھی۔'' ریون نے جواب دیا۔ ''یہاں ہر وقت یہی ہوتا ہے چیخ پکار، بھڑک اٹھنا، دنگا فساد وغیرہ؟ اگر ہم کوئی حماقت دیکھیں اور اس سے کسی کو نقصان نہ ہو تو ہم ان لوگوں کو باہر نکال دیتے ہیں۔ تمہارا ریکارڈ بھی یہی بتائے گا کہ ہم صرف ضرورت پڑنے پر تمہیں فون کرتے ہیں، ہمارے پولیس سے بہت اچھے تعلقات ہیں۔ یہ بھی تمہارے علم میں ہوگا۔''

''بالکل۔'' ریون کے روکھے رویّے سے لومونڈ کو پریشانی ہونے لگی۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ اچانک ہی اپنے ہاتھ اس کے چہرے کے سامنے لے جائے تو وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکے گا لیکن اس کے علاوہ ایک اور بات بھی اسے پریشان کررہی تھی۔ اس نے اپنے سر کو جھٹکا اور سوچنے لگا کہ کیا وہ اسے جانتا ہے۔ اس کی یادداشت بھی اچھی تھی لیکن ذہن پر زور دینے کے باوجود اسے یاد نہیں آیا کہ اس کرخت چہرے کو کب، کہاں اور کس موقع پر دیکھا تھا۔

چیف اسٹیورڈ نے کہا۔ ''یہ بہت طویل رات تھی۔ میں جانتا ہوں کہ تمہیں کافی کام کرنا ہے لیکن اب میں بھی سب سمیٹنا چاہتا ہوں۔'' اس نے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو؟''

لومونڈ نے بھویں اوپر اٹھائیں اور بولا۔ ''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟''

''اب مجھے جانا ہے۔ اس لڑکے کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس پر مجھے افسوس ہے لیکن یہ واقعہ اس کلب میں پیش نہیں آیا۔ اسے صرف دروازے سے باہر نکالا گیا تھا۔ اس کے سوا ہم نے کچھ نہیں کیا۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی موت کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔''

لومونڈ نے گلا صاف کیا پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ ہم اپنی تفتیش جاری رکھیں گے۔ اس کے بعد فیصلہ ہوگا کہ اس معاملے کا تم سے تعلق ہے یا نہیں، تم مجھے یہاں سے جانے کا کہہ رہے ہو۔ میرا خیال ہے کہ تم نے پولیس سے تعلقات بگاڑ لیے ہیں؟''

''کیا تم مجھ پر کوئی الزام لگا رہے ہو؟''

''نہیں۔''

ریون... کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔ ''اگر تم چاہو تو میں تمہیں یہاں چھوڑ سکتا ہوں لیکن مجھے تالا لگانا ہے۔ ہمارے لوگ گھر جانا چاہتے ہیں۔''

دروازے کے باہر سے لوگوں کے چلّانے کی آواز آئی۔ ان میں سراغ رساں سارجنٹ سلیٹر کی آواز سب سے اونچی تھی۔ انسپکٹر لومونڈ نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ سارجنٹ، کیلم ریفرٹی کے ساتھ کھڑا ہے۔ یہ وہی باؤنسر تھا جس نے مرنے والے لڑکے کو کلب سے باہر نکالا تھا۔

''مجھے جو کچھ معلوم تھا، وہ سب تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔'' باؤنسر نے کہا۔ ''اب اور کیا چاہتے ہو؟''

''کچھ نہیں۔'' سلیٹر نے کہا۔ ''میں صرف تم سے پوچھ گچھ کررہا ہوں۔''

''سلیٹر، مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' لومونڈ نے کہا پھر وہ ریون سے مخاطب ہوا۔ ''دوسرے آفیسرز تم سب کا بیان لیں گے۔ اس کے بعد تم گھر جاسکتے ہو۔ ہم تم سے رابطے میں رہیں گے۔''

''ہمیں تمہاری مدد کرکے خوشی ہوگی۔'' ریون نے

www.paksociety.com

کہا۔

لومونڈ نے کار کا دروازہ بند کر کے سیٹ بیلٹ باندھی۔ سلیٹر بھی اس کے برابر پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ''یہ سب کیا تھا؟'' انسپکٹر نے پوچھا۔

''کیا تم مذاق کر رہے ہو؟ میں باؤنسرز کو برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ بالکل نفرت انگیز لوگ ہیں۔''

''کیا..... وہ سب؟''

''میں اس سے پہلے کبھی ایسے لوگوں سے نہیں ملا۔''

''میرا خیال تھا کہ میں تمہاری مدد کے لیے کسی کو بلا لوں۔ یہ شرمندگی کی بات ہے۔''

''شرمندگی کی بات ہو یا نہیں، ان میں سے کوئی ایک قاتل ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی گاہک نے اس لڑکے کا جبڑا کھسکا دیا ہو۔ یہ کلب کے دروازے پر کھڑے ہوئے کسی احمق کی حرکت ہے۔''

''ریفرٹی نے کیا کہا؟''

''وہی عام قسم کی ٹالنے والی باتیں یعنی یہ کہ میرے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں ہے، یا یہ کہ کیا تم مجھے گرفتار کرو گے یا مجھ پر الزام لگاؤ گے اگر نہیں تو مجھے چھوڑ دو۔ وہ ہم سے کہہ رہے ہیں کہ انہیں چھوڑ دیا جائے۔ ناقابلِ یقین۔ اگر یہ پتا چلتا ہے کہ یہ اسی احمق کی حرکت ہے تو کیا میں اسے گرفتار کر سکتا ہوں؟''

''ایسا لگتا نہیں ہے کہ یہ قتل کلب کے کسی آدمی نے کیا ہے۔ وہ لڑکا نصف شب سے پہلے باہر آ گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسے بعد میں کسی وقت یارڈ میں قتل کیا گیا ہے۔ بہرحال اب ہمیں کچھ اور لوگوں سے پوچھ گچھ کرنی ہوگی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس لڑکی سے بات کرو جو بار میں کام کرتی ہے۔ معلوم کرو کہ اس نے مرنے والے لڑکے سے کیا کہا تھا؟''

''تم کس سے بات کرنے جا رہے ہو؟''

''پہلے اس لڑکے کے والدین پھر دوستوں سے ملوں گا۔ یقیناً اس کے کچھ دوست بھی ہوں گے۔''

☆☆☆

لڑکے کے والدین ساؤتھ سائڈ کے علاقے میں دوسری منزل کے شاندار فلیٹ میں رہتے تھے۔ مکینوں کی خوش حالی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ نیچے پارکنگ میں کئی قیمتی کاریں ایک دوسرے سے جڑی کھڑی تھیں۔ لومونڈ کے ساتھ ایک تربیت یافتہ آفیسر کوائن بھی تھی جو اس سے پہلے بھی اس کے ساتھ اس قسم کے مواقع پر آ چکی تھی۔

دروازہ ایک اوسط عمر کے آدمی نے کھولا۔ ایک عورت اس کے پیچھے کھڑی ہوئی انہیں دیکھ رہی تھی۔ لومونڈ نے کہا۔ ''مسٹر اینڈ مسز ڈینی، میں انسپکٹر لومونڈ ہوں۔ ہمیں کچھ اہم باتیں کرنی ہیں، کیا ہم اندر آ سکتے ہیں؟''

مرد کا چہرہ ڈھیلا پڑ گیا۔ ''جان کے بارے میں؟''

اس عورت نے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لیے اور اس نے یوں سر ہلایا جیسے اپنے آنسو روکنے کی کوشش کر رہی ہو۔ مرد نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا حالانکہ اس کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے تر تھیں۔

''یہ واقعہ کیسے پیش آیا؟'' مسز ڈینی نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''مجھے لگتا ہے کہ اس پر کسی نے حملہ کیا تھا۔ ہم اس کے بارے میں تم سے کچھ جاننا چاہتے ہیں۔'' لومونڈ نے لیونگ روم کی دیواروں پر لگی ہوئی تصویروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ایک تصویر میں لڑکی شادی کا لباس پہنے ایک مرد کے ساتھ نظر آ رہی تھی جبکہ دو تصویریں جڑواں بچوں کی تھیں جن کی عمریں چھ سال سے زیادہ نہیں تھیں لیکن وہاں بائیس سالہ جان ڈینی کی کوئی تصویر نہیں تھی جو سوشل اسٹڈیز گریجویٹ ہونے کے علاوہ ایک کال سینٹر پر بھی کام کرتا تھا۔

''میں جانتا تھا۔'' مرد نے کہا۔ ''اس کے ساتھ یہی ہونا تھا۔ میں ہمیشہ اُسے سمجھایا کرتا تھا۔''

''کیا وہ کبھی کسی مشکل میں گرفتار ہوا؟'' لومونڈ اس کا ریکارڈ دیکھ چکا تھا۔ اس میں طالب علمی کے زمانے میں ایک اسٹریٹ پر چند احمقانہ قسم کی بحث و تکرار کے سوا کچھ نہیں تھا۔

''اس کے ساتھ یہی مسئلہ تھا کہ وہ بہت منہ پھٹ تھا اور اپنی زبان بند نہیں رکھ سکتا تھا۔'' اس آدمی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

جان ڈینی کی ماں نے اپنے آپ کو شوہر سے الگ کیا۔ اپنے آنسو صاف کیے اور بولی۔ ''کیا میں تم لوگوں کے لیے چائے بناؤں؟''

☆☆☆

جیکی کیرنی کا مشترکہ فلیٹ طالب علموں کی رہائش گاہ جیسا تھا۔ اسے دیکھ کر لومونڈ کو اپنی بیٹی کا طالب علمی کا زمانہ یاد آ گیا جب وہ لیڈز میں پڑھ رہی تھی۔ جیکی اس وقت کچن میں تھی۔ پولیس کو دیکھ کر اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ وہ اور لومونڈ کچن ٹیبل پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔

''مجھے تمہارے دفتر کے ساتھی جان ڈینی کے بارے

Waqar Azeem
www.Pakistanipoint.com

میں بات کرنی ہے۔ اس کی گزشتہ شب موت واقع ہوگئی۔''

''اوہ میرے خدا!'' اس نے بے اختیار دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ لیے۔ ''تمہارا مطلب ہے کہ وہ قتل ہو گیا؟''

''ہاں، وہ مجرم تشدد طریقے سے مارا گیا۔ میں نے تمہارے لائن منیجر مسٹر ڈینی سے بات کی تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ گزشتہ شب دفتر کے لوگ ایک پارٹی میں شریک ہوئے تھے لیکن اسے یہ معلوم نہیں کہ تم لوگ کہاں گئے تھے۔''

جیکی نے دونوں ہاتھ میز پر رکھے اور بولی۔ ''ہاں، ہم میں سے چند لوگ گزشتہ شب باہر گئے تھے۔''

''تم سب کہاں ملے تھے؟''

''ہم پہلے دی کوزیئر گئے تھے۔''

''اوہ، میں وہ جگہ جانتا ہوں۔''

''پھر ہم وہاں سے ایپوتھ کیئر گئے لیکن جان ڈینی ہمارے ساتھ نہیں تھا۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ وہ وہاں نہیں آیا؟''

''نہیں، میرا مطلب ہے کہ وہ ہمارے ساتھ نہیں تھا۔''

''کیا وہ چھوٹی پارٹی تھی؟ میرا مطلب ہے کہ اس میں چند لوگ ہی شریک ہوئے تھے؟''

''نہیں، اس میں دفتر کے سب لوگ تھے صرف افسروں اور جان کے علاوہ۔''

''جان پارٹی میں کیوں نہیں آیا؟''

''ہم نے اُسے بلایا ہی نہیں۔''

''کیوں؟''

''کوئی بھی اسے پسند نہیں کرتا تھا۔'' وہ کندھے اُچکاتے ہوئے بولی۔

''اس میں ایسی کیا بُرائی تھی؟ کس وجہ سے لوگ اسے ناپسند کرتے تھے؟''

''وہ بے ہودہ شخص تھا۔ لوگ اس سے ناراض رہتے تھے۔ بہت بولتا تھا۔''

''کیا وہ زبان دراز تھا؟ لوگ اس سے خطرہ محسوس کرتے تھے؟''

''نہیں، وہ اپنے آپ کو مسخرہ یا اسی طرح کی کوئی چیز سمجھتا تھا لیکن اس نے ہمیشہ لوگوں کے بارے میں ناگوار باتیں کیں۔ وہ انہیں ایسے القاب سے پکارتا جو ناقابلِ برداشت تھے۔ مثال کے طور پر ہماری ایک ٹیم لیڈر میگی

شہر سے دور..... سکون ہی سکون!

ویلس نے اپنے چہرے کی مناسبت سے بال ترشوائے تو اس نے اسے ڈیکی ویلس کہنا شروع کر دیا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ یہ اسے بُرا لگتا ہے۔ اسی طرح مارٹن کلٹر نے اپنے ساتھ کام کرنے والی لڑکی میگن کے ساتھ باہر جانا شروع کیا تو اس نے اسے مارٹن کے سامنے ہی میگ ما، کہہ دیا۔ جب لوئیس نے اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کی تو دفتر میں سفید سوسن کے پھول ایک کارڈ کے ساتھ پہنچائے گئے۔ کچھ لوگوں نے اس کے سابق شوہر کو موردِ الزام ٹھہرایا لیکن وہ بہت شریف آدمی تھا۔ میں سمجھتی ہوں کہ یہ بھی جان کی کارستانی تھی۔''

''کیا اس رویّے کی وجہ سے اس کے خلاف کبھی کوئی کارروائی ہوئی؟''

''نہیں، وہ اس بارے میں بہت محتاط تھا اور ہمیشہ سیدھے سادے لوگوں کو نشانہ بناتا۔ وہ دفتر میں ایک نوجوان لڑکے کو ورجن جم، کہا کرتا تھا۔ ایک دن جم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور اس نے جان کو دونوں کندھوں سے پکڑ کر دیوار سے لگا دیا۔ اس پر جان نے تحریری شکایت کی کہ اس کے ایک ساتھی نے دھمکی دی جس پر اسے بہت صدمہ ہوا۔ اس کے نتیجے میں جم کو تحریری وارننگ مل گئی اور جان ایک ہفتے کی چھٹی پر چلا گیا۔ میں نہیں سمجھتی کہ اس واقعے کے بعد کسی نے جان کی شکایت کی ہو۔ وہ بہت چالاک تھا اور سب جانتے تھے کہ وہ الٹا انہی پر کوئی الزام لگا دے گا۔''

''کام کے معاملے میں وہ کسی حد تک قابلِ اعتماد تھا

Waqar Azeem
www.Pakistanipoint.com

لیکن دفتر سے باہر نکلنے اور دو گلاس شراب پینے کے بعد وہ لوگوں کی بے عزتی کرنے میں آزاد تھا۔''

لومونڈ نے پوچھا۔''گزشتہ شب تم لوگ آخری وقت تک کہاں رہے؟''

''ہم ٹاؤن شینڈز گئے تھے جو دیر تک کھلا رہتا ہے اور بار بند ہونے تک وہاں رہے۔''

وہ بار شہر کے دوسرے حصے میں تھا اور وہاں زیادہ تر وکیل اور پراپرٹی ڈیلرز آتے تھے جن کے دفاتر اسی عمارت کی بالائی منزل پر تھے۔ لومونڈ نے پوچھا۔''وہ بار کب بند ہوتا ہے؟''

''ان کے پاس ڈھائی بجے رات تک کا اجازت نامہ ہے۔ ہم میں سے زیادہ تر لوگ وہاں ڈیڑھ بجے تک رہے۔ لورین اس سے بھی پہلے گھر چلی گئی تھی۔ وہ حاملہ ہے اور اس نے شراب بھی نہیں پی۔''

''اس کے بعد تم لوگ کہاں گئے؟''

''ہم میں سے زیادہ تر سینڈی کے فلیٹ چلے گئے تھے لیکن وہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرے۔''

''کیا تم اپنے آپ کو جان کا دوست سمجھتی ہو؟''

''میں.....نہیں، کچھ زیادہ نہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''میرا خیال ہے کہ ہم تھوڑے عرصے دوست رہے۔ میں چند بار اس کے ساتھ ڈرنک کے لیے پب گئی۔ اس وقت مجھے ملازمت شروع کیے تھوڑا عرصہ ہی ہوا تھا۔ اس نے مجھے مدعو کیا تھا۔ میں نے اس میں کوئی ہرج محسوس نہیں کیا۔ میں ایک نئے شہر میں آئی تھی اور دوست بنانا چاہتی تھی لیکن میں نے اسے پسند نہیں کیا۔'' اس نے اپنی نظریں نیچے کر لیں۔''میرا خیال ہے کہ جان اس سے زیادہ چاہتا تھا۔ میں نے اسے آگے بڑھنے نہیں دیا۔''

''کیا اس نے کسی بھی طرح تمہیں ہراساں کیا؟''

''نہیں، یہ ایک عجیب بات تھی۔ جان ہمیشہ مجھ پر مہربان رہا۔ لوگ سمجھ رہے تھے کہ ہمارے درمیان کچھ چل رہا ہے کیونکہ ہم شراب پینے باہر چلے گئے تھے لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ میں بمشکل اس کے ساتھ ایک کمرے میں کھڑی ہو سکتی تھی۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو دوسروں کو پریشان کر کے خوش ہوتے ہیں، میں ایسے آدمی کی دوست نہیں ہو سکتی۔''

لومونڈ نے اپنی نوٹ بک پر نظر ڈالی اور کہا۔''تم پرس فون کے بارے میں جانتی ہو؟''

''وہ کلب جو میکنلے اسٹریٹ پر ہے۔ گبانی ز کے سامنے؟''

''ہاں وہی۔''

''وہ میرے مطلب کی جگہ نہیں ہے۔ میں مما کے ساتھ دن میں وہاں گئی تھی۔ ان کا کھانا بہت اچھا ہوتا ہے لیکن رات کو جب وہ میزیں ہٹا دیتے ہیں تو وہ جگہ طوائف کا اڈا معلوم ہوتی ہے۔'' اس کے گال سرخ ہو گئے۔''معاف کرنا وہ کوئی اچھی جگہ نہیں ہے۔ تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو، کیا جان کی موت وہیں ہوئی؟''

☆☆☆

لومونڈ نے کافی ختم کی اور گیانی ز کے ہیڈ ویٹر ایلیک کی جانب متوجہ ہوا جو اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے انسپکٹر کی پیالی کی طرف دیکھ کر سر ہلایا۔''کافی کیسی تھی؟ یہ تمہاری نیند بھگا دے گی۔''

لومونڈ نے اثبات میں سر ہلایا۔''ہاں اچھی تھی۔ اب ہم اس تصویر کی بات کرتے ہیں۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ تم نے اس شخص کو ڈیل کیا تھا؟''

ہیڈ ویٹر نے منہ بناتے ہوئے کہا۔''ہاں یہ وہی ہے۔ اس نے چشمہ لگایا ہوا تھا۔ میں اسے نہیں بھولوں گا۔''

''میں تمہیں بتاتا ہوں۔ اٹھارہ سال کی ملازمت کے دوران میں نے کسی گاہک کو باہر نہیں پھینکا۔ یہ پہلا شخص تھا۔''

''کیا تم نے اسے جسمانی طور پر اٹھا کر باہر پھینکا تھا؟''

''اوہ نہیں، میں نے اسے پھینکا نہیں۔ صرف اسے کالر سے پکڑ کر باہر سڑک پر چھوڑ آیا تھا۔''

''کیوں؟''

''اس نے پہلے اپنے لیے ایک میز مانگی وہ اُسے دی گئی پھر مینیو کا تقاضا کیا، وہ بھی اسے مل گیا۔ لیزا نے اس سے پوچھا کہ کیا اسے ڈرنک چاہیے۔ وہ نئی لڑکی ہے اور اسے آئے ہوئے دوسرا دن تھا۔ اس شخص نے مینیو فرش پر پھینک دیا اور لیزا سے کہا کہ اسے اٹھائے۔ وہ لڑکی صرف سترہ سال کی ہے اور اس نے ابھی ملازمت شروع کی ہے تاہم اس نے مینیو اٹھا دیا پھر اس نے نمک دانی فرش پر پھینک دی اور لڑکی سے کہا کہ اسے بھی اٹھائے۔ اس نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ بگ جارج اور دو گاہک اس کے پاس گئے۔ وہ بُری طرح چلّا رہا تھا۔ بگ جارج اس طرح کا آدمی نہیں جو چیخ و پکار کا جواب دے لہٰذا مجھے مداخلت کرنی

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

پڑی۔"

لومونڈ نے اپنی نوٹ بک میں بگ جارج کا نام لکھ لیا اور اس کے نیچے لائن کھینچ دی۔

"وہ لڑکا کیا کہہ رہا تھا؟"

"اس کے چہرے پر گاڈ فادر جیسے تاثرات تھے اور محض اپنی ناراضی کا اظہار کر رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ میرے ریسٹورنٹ سے چلا جائے اور اسے باہر چھوڑ کر آیا۔ لیزا اب بھی رو رہی تھی۔"

"تم نے ریستوران کس وقت بند کیا؟"

"ڈیڑھ بجے۔ اس دن بگ جارج کی سالگرہ تھی اور ہم شاپ ختم کرنے کے بعد اس کے لیے پارٹی کرنے والے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ سڑک پر بہت سے پولیس والے کھڑے ہوئے تھے، کیا کوئی واقعہ پیش آیا تھا؟"

☆☆☆

"بارمیڈ نے مجھے بتایا ہے کہ ڈینی نے اس سے کیا کہا تھا۔" سلیٹر انسپکٹر کے سامنے بیٹھا ہوا رپورٹ دے رہا تھا۔ اس نے لڑکی سے کہا۔ "مجھے تمہارا ٹیٹو پسند ہے۔ یہ تمہاری مہربانی ہے کہ تم نے اپنے چھوٹے بھائی کو اسے بنانے کی اجازت دی۔"

"بہت خوب۔"

"اس لڑکی نے اس سے کہا کہ وہ یہ الفاظ دہرائے تاکہ اسے یقین آجائے اور اس نے دہرا دیے۔"

لومونڈ نے اپنا مانیٹر گھماتے ہوئے کہا۔ "اس فوٹیج سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آٹھ بجے سے ساڑھے آٹھ بجے تک بائرون میں تھا۔ وہاں اس نے کوئی گڑبڑ نہیں کی پھر وہ ووڈکا کاک ٹیل پینے کے لیے مسکوسکی چلا گیا۔ مارجین کو یاد ہے کہ اس نے دو لڑکیوں سے چھیڑ خانی کی تھی۔ انہوں نے اس سے کہا کہ چلے جاؤ اور اس نے ایسا ہی کیا۔"

"ہاں۔" سلیٹر بولا۔ "پھر اس نے گیانی ز، کے عملے کو پریشان کیا۔ اسے وہاں سے زبردستی نکالا گیا پھر....."

لومونڈ نے مانیٹر پر اپنا قلم رکھتے ہوئے کہا۔ "وہاں سے وہ مارکیٹ پلیس گیا۔ اس نے بار مین کے ہیئر اسٹائل کا مذاق اُڑایا اور وہاں سے بھی نکال دیا گیا۔ اس کے بعد وہ فروٹی اسنیکس، گیا لیکن وہاں اتنی اونچی آواز میں بینڈ بج رہا تھا کہ وہ کسی کو پریشان نہیں کر سکا پھر وہ روہمرز، پہنچا اور یہی وہ جگہ تھی جہاں باؤنسر نے اس کی پشت پر ہاتھ مارا۔"

لومونڈ نے ایک باؤنسر کے عکس کی طرف اشارہ کیا جو وہاں سے جا رہا تھا جب ڈینی نے گرتے ہوئے اپنی کہنیاں زمین پر ٹکائیں۔ پھر وہ پرس فون کلب گیا اور وہاں سے بھی نکال دیا گیا اس وقت بارہ بجنے میں بیس منٹ تھے۔ اسے سامنے والے دروازے سے باہر نکالا گیا۔ وہ برابر والی گلی میں چلا گیا جو عقبی حصے کی طرف جا رہی ہے۔ وہیں اس کی موت واقع ہوئی۔ موت کا وقت ایک بجے بتایا گیا ہے۔ کسی بھی فوٹیج میں وہ عقبی حصے سے جاتا ہوا نظر نہیں آرہا ہے۔ اس گلی کے علاوہ وہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"وہ یقیناً کلب واپس گیا ہوگا۔ شاید بغلی دروازے سے۔"

لومونڈ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں، ہم نے وہ ٹیپ دوبارہ دیکھی ہے، اس کے کسی بھی دروازے سے اندر جانے کی علامت نظر نہیں آئی۔"

"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

"نہیں، لیکن وہاں کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔ ہمیں اس پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔"

"ممکن ہے کہ وہ کہیں نہ گیا ہو۔" سلیٹر نے کہا۔ "شاید وہ انتظار کر رہا ہو۔ ریفرٹی سے انتقام لینا چاہ رہا ہو جس نے اسے زبردستی کلب سے نکالا تھا۔ کیا وہاں کچھ کاریں نہیں کھڑی تھیں۔ ممکن ہے کہ اس نے ان میں بیٹھے ہوئے کسی شخص کو ناراض کیا ہو، وہ کار سے باہر آیا اور اس پر حملہ کر دیا۔"

"اس کی موت کے وقت وہاں کوئی کار نہیں کھڑی ہوئی تھی۔" انسپکٹر نے کہا۔ "آخری کار وہاں سے دس بج کر پچیس منٹ پر چلی گئی تھی۔"

"یعنی وہ مرنے سے ڈیڑھ گھنٹا پہلے وہاں آیا؟ اس کی کوئی ویڈیو فوٹیج نہیں ہے اور نہ ہی ایسا کوئی اشارہ کہ وہ واپس کلب چلا گیا۔"

"لگتا تو یہی ہے۔"

سلیٹر نے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں، یہ کلب کے دروازوں پر کھڑے ہوئے کسی آدمی کا کام ہے۔ میں شرطیہ کہتا ہوں کہ وہ سب بدمعاش ہیں۔"

"ہاں، یہ تم نے دلچسپ بات بتائی۔" لومونڈ نے اپنے اسکرین پر ایک اور ونڈو کھولتے ہوئے کہا۔ "یہ ولیم ریون بھی ایک زندہ دل اور پُرجوش انسان ہے۔"

سلیٹر کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ "یہ تو جیف اسٹیورڈ ہے۔"

"یہ پیگاسوس کی ناکامی میں شامل تھا۔ کیا تم اس بارے میں جانتے ہو؟"

"پیگاسوس۔ ہاں وہ سیکیورٹی فرم؟ جہاں پُراسرار

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

طور پر آگ لگی تو وہ کمپنی دیوالیا ہوگئی۔''

''ریون پوری طرح اس میں ملوث تھا۔'' لومونڈ نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ ''کیا تم وہاں کبھی گئے ہو؟''

''ہاں۔''

''وہ کیسی جگہ ہے؟''

''اوہ میرے خدا۔ تم اتنے بوڑھے تو نہیں ہو۔ یقیناً تم بھی پہلے نائٹ کلب جاتے ہوگے؟''

''نہیں، کبھی نہیں۔ وہاں بہت شور شرابا ہوتا ہے۔''

''شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔''

''بہرحال جب پیگاسوس کے ملازمین مشکل میں آئے تو ریون وہیں آس پاس موجود تھا۔ یہ انہی دنوں کی بات ہے جب بیکسٹر برادرز ایک حریف کمپنی چلا رہے تھے۔''

''ان کے درمیان دو مرتبہ فائرنگ کا تبادلہ ہوا اور کچھ لوگ روپوش ہوگئے۔''

سلیٹر نے ناک چڑھائی۔ ''اس کا تو نام ہی عجیب ہے، ریون۔ تم کیا کہتے ہو؟''

لومونڈ نے اسکرین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اس نے اپنا نام تبدیل کرلیا ہے۔ اصلی نام جان کرسٹیان ہے۔''

سلیٹر نے قہقہہ لگایا۔ ''بہت خوب۔ یہ نام تو پادری کے بیٹے کا لگتا ہے۔ میں شرطیہ کہتا ہوں کہ یہ بھی ان لوگوں میں سے ایک ہے۔ میں نے جن کے بارے میں تمہیں بتایا تھا۔ پہلا شک انہی باؤنسرز پر ہے۔ اس رات دروازے پر چار آدمی کھڑے تھے۔ اس کلب کا ایک عقبی دروازہ کورٹ یارڈ کی طرف کھلتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس لڑکے نے وہاں کھڑے ہوکر ان میں سے کسی ایک کا انتظار کیا ہوگا۔ شاید ان میں سے ایک وہاں سگریٹ پینے گیا ہو اور اس لڑکے سے اس کا سامنا ہوگیا ہو۔ شاید ڈینی نے اس کے ساتھ کوئی بچکانا حرکت کی ہو جو اس کے گلے پڑ گئی۔''

لومونڈ نے کہا۔ ''ممکن ہے کہ ایسا ہی ہوا ہو۔ ہمیں اس کے ممکنہ راستوں کو بھی دیکھنا چاہیے۔ اس کلب میں عقبی دروازے کے علاوہ دوسرے فائر ڈور بھی ہیں۔''

''کلب کے عقب میں ایک پرانا گودام ہے اور ایک مال میں انڈسٹریل یونٹ ہیں۔ ان سب کے دروازے رات کو بند ہوتے ہیں۔ ایک اور دروازہ پرانے دفاتر اور فلیٹوں کی طرف کھلتا ہے۔ یہ سب متروک ہوچکے ہیں۔''

''ہمیں اس طرف بھی ایک نظر ڈالنی چاہیے۔''

لومونڈ نے اسکرین پر ایک فوٹیج دیکھتے ہوئے کہا جس میں جان ڈینی اس گلی میں جاتا ہوا دکھائی دیا جو عقبی کورٹ کی طرف جارہی تھی جہاں اس کی موت واقع ہوئی۔

لومونڈ نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔ ''اس کی بھی کیا زندگی تھی؟ وہ ہمیشہ لوگوں سے بلاوجہ چھیڑ چھاڑ کرتا رہا۔ ایسا لگتا ہے کہ اس کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ اس کی کسی بُری عادت کا ردِعمل تھا۔''

☆☆☆

وہ دونوں پیتھالوجسٹ مورگن کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ مورگن نے کہا۔ ''جان ڈینی کو جس کسی نے بھی گھونسا مارا، وہ اس سے اونچے قد کا تھا اس لیے اس کے دائیں ہاتھ کی ضرب نیچے کی طرف اس کے جبڑے کے کونے پر لگی۔''

''دوسرے لفظوں میں کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک بھاری بھرکم شخص تھا۔'' لومونڈ نے کہا۔

مورگن نے تائید کرتے ہوئے کہا۔ ''ہاں، بہت زیادہ۔ جان ڈینی کا قد پانچ فٹ گیارہ انچ تھا اور اسے کسی طرح بھی پستہ قد نہیں کہا جاسکتا۔ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ حملہ آور کسی اونچی جگہ پر نہیں کھڑا ہوا تھا تو اس کا قد چھ فٹ پانچ یا اس سے بھی زیادہ ہونا چاہیے۔''

سلیٹر نے کہا۔ ''وہ ریون ہی ہوسکتا ہے۔ میرے اندازے کے مطابق چھ فٹ چھ انچ ہے۔ دوسرے باؤنسرز بھی بھاری جسامت والے ہیں لیکن اس جیسے نہیں۔''

''اسے چیک کرنے کا آسان طریقہ ہے۔'' مورگن نے کہا۔ ''اس کا دایاں ہاتھ دیکھ لو۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ اسے بھی چوٹ لگی ہوگی؟'' لومونڈ نے کہا۔ ''میں نے اس سے بات چیت کے دوران اس پر توجہ نہیں دی۔''

''بظاہر اسے کوئی چوٹ نہ آئی ہو لیکن جو کوئی بھی اس طرح کی مہلک ضرب لگائے گا، اسے ضرور تکلیف ہوگی۔'' مورگن نے کہا۔ ''اگر تم کسی کو نیچے کی طرف گھونسا مارتے ہو اور وہ گر جاتا ہے تو اس کے بعد تمہارے ہاتھ میں درد ہوگا۔ ہمارے ہاتھ باکسنگ کے لیے نہیں ہیں جس شخص نے بھی جان ڈینی کو گھونسا مارا۔ وہ آج بھی درد محسوس کررہا ہوگا۔''

بارش شروع ہوچکی تھی۔ ریون نے اپنی کار عین اس جگہ روکی جہاں ابھی تک پولیس والوں نے خیمہ لگایا ہوا تھا۔

''تمہارے آنے کا شکریہ۔'' لومونڈ نے کہا۔ ''ہم اس علاقے میں ہونے والے دوسرے کاروبار کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے ہیں؟''

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''کون سے کاروبار؟'' اس نے پوچھا۔

لومونڈ نے جواب دیا۔ ''ہم سمجھتے ہیں کہ جان ڈینی واپس تمہارے کلب میں نہیں بلکہ پچھلے احاطے میں گیا تھا جہاں اُسے قتل کر دیا گیا جس کا مطلب ہے کہ تمہارے کلب کے عقبی دروازے یا انڈسٹریل یونٹ کے پچھلے دروازے سے کوئی باہر آیا تھا..... جس نے اسے قتل کر دیا۔''

''پھر تم ان انڈسٹریل یونٹ کے مالکان سے کیوں نہیں پوچھتے؟ ہمارے کلب میں خفیہ کیمرے لگے ہوئے ہیں۔ ہم نے ان کی ویڈیو تمہیں دے دی ہے۔ عقبی دروازے سے صرف بار کا اسٹاف اور صفائی کرنے والا عملہ خالی بوتلیں اور کچرا پھینکنے کے لیے باہر آتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی کو یہ دروازہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ صرف جم سگریٹ پینے وہاں سے باہر گیا تھا اور اسی نے لاش دیکھی۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں بھی پہلے سے یہ بات معلوم ہے کہ اس کے سوا کوئی بھی اس راستے سے باہر نہیں گیا۔''

''اس نے تم سے یہ نہیں پوچھا۔'' سلیٹر نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ ''اس نے یہ پوچھا ہے کہ کیا تم کسی ایسے کاروبار کے بارے میں جانتے ہو جو اِن عمارتوں کو استعمال کر رہے ہوں؟''

''میں نہیں جانتا لیکن تم مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟'' ریون ایک قدم آگے آتے ہوئے بولا۔ ''میں اس کلب میں چیف اسٹیورڈ ہوں، اگر تم کسی کاروبار کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہو تو پرس فون کے مالک سے رابطہ کرو۔ تمہارے پاس اس کا نمبر تو ہوگا؟''

''ہم تم سے کچھ سوال کریں گے۔'' سلیٹر نے دونوں بازو سینے پر باندھتے ہوئے کہا۔

لومونڈ جلدی سے بولا۔ ''تو تم نے یہاں کوئی سرگرمی نہیں دیکھی؟ تم نے اپنی کار یہاں کھڑی کی ہے اس لیے فرض کیا جا سکتا ہے کہ تم پہلے بھی اس جگہ کھڑی کرتے رہے ہو؟''

ریون نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے نہیں معلوم۔ شاید میں نے یہاں وہاں کچھ روشنیاں دیکھی ہوں۔ یہ بڑی عمارتیں ہیں اور ان میں سے ایک میں اَب بھی دکانیں ہیں۔''

''انسپکٹر نے پوچھا تھا کہ کیا تم کسی ایسے شخص کے بارے میں جانتے ہو جو رات کے اس پہر سامنے والی عمارت میں موجود تھا؟'' سلیٹر نے کہا۔

''میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے کیا پوچھ رہا ہے۔'' ریون کی بھویں تن گئیں۔

''بس اتنا کافی ہے۔'' لومونڈ نے کہا۔ ''سلیٹر بہتر ہو گا کہ تم کار میں بیٹھ کر انتظار کرو۔''

''کیوں؟ تاکہ یہ شخص تم پر حملہ کر دے۔ میں یہیں ٹھہروں گا۔''

ریون نے زوردار قہقہہ لگایا۔ ''شاید تم مجھے بُرا آدمی سمجھ رہے ہو۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔''

''وہ تو ظاہر ہے۔'' سلیٹر نے کہا۔ ''بہرحال تمہارے قیمتی وقت کا شکریہ مسٹر کرسٹیان ہم رابطے میں رہیں گے۔''

اس نے ریوین کو آنکھ ماری۔

اپنا اصلی نام سن کر ریون کا چہرہ سیاہ پڑ گیا۔ لومونڈ نے بھی اس کی کیفیت کو محسوس کیا اور بولا۔ ''ایک منٹ کے لیے میرے ساتھ آؤ۔''

ریوین اُس کے ساتھ چلتا ہوا کورٹ یارڈ کے دوسرے کونے پر گیا۔ لومونڈ بولا۔ ''میرے ساتھی کی بات کا بُرا نہ ماننا۔ یہ کیس ہم سب کے لیے مایوس کن ہے۔''

ریون کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔ ''مجھے تو وہ ایک مایوس شخص لگتا ہے۔''

''میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ تم چھٹی کے دن یہاں آئے۔''

''میں صرف تمہاری مدد کر رہا تھا۔''

لومونڈ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''یہ قابلِ تعریف بات ہے۔ شاید ہم تمہارے بیان کی روشنی میں کچھ باتوں کی

جھوٹ کے پائوں

مل کے ڈائریکٹر نے نئے امیدوار سے پوچھا۔ ''ہمارے ہاں صفائی کا بہت خیال رکھا جاتا ہے۔ کیا آپ نے اندر آتے وقت پائیدان پر جوتے صاف کیے تھے؟''

امیدوار فوراً بولا۔ ''جی ہاں۔''

ڈائریکٹر نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا۔ ''ہمارے ہاں سچ بولنے پر بھی خاص دھیان دیا جاتا ہے۔ آپ ہمارے معیار پر پورے نہیں اترے کیونکہ ہمارے دفتر کے باہر کوئی پائیدان نہیں ہے۔''

مرسلہ۔ ریاض بٹ، حسن ابدال

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

وضاحت کے لیے دوبارہ آئیں۔"

"مجھے تم سے مل کر خوشی ہوگی۔" ریون نے کہا۔

☆☆☆

اس وقت وہ کورٹ یارڈ کے عقب میں ایک متروکہ شاپنگ یونٹ میں تھے جہاں کچھ دکانیں اب بھی موجود تھیں۔ تاہم انہوں نے عمارت کے عقبی حصے کا جائزہ لینے کے لیے عقبی راہداری استعمال کی وہاں اس وقت بالکل سناٹا تھا۔

"اس کے ہاتھ پر کوئی کٹ، زخم کا نشان یا سوجن نظر نہیں آئی۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس نے حال ہی میں کسی کو گھونسا مارا ہو۔ یہ بھی خارج از امکان نہیں کہ اس نے ایسا کیا اور اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ ممکن ہے کہ وہ خوش قسمت رہا ہو یا اسے معلوم ہو کس طرح گھونسا مارا جاتا ہے۔"

"تم اسے نظر انداز نہیں کر رہے؟"

"بالکل نہیں۔ ہمارا پہلا شک اسی پر ہے۔ ہمیں اس طرف جانا ہے۔" لومونڈ نے ایک چھوٹی جیبی ٹارچ نکالی اور اس کی روشنی فائر ڈور پر ڈالی۔ "یہ دروازہ کورٹ یارڈ میں کھلتا ہے لیکن میرا اندازہ ہے کہ اس عمارت کا کوئی فرد اسے زیادہ استعمال نہیں کرتا۔"

سلیٹر نے دروازے میں لگے ہوئے تالے کا معائنہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ اس دروازے کو بہت زیادہ استعمال کیا گیا ہے۔"

"اوہ، میرا خیال ہے کہ اسے کافی استعمال کیا گیا ہے۔ یہ تالا بالکل نیا ہے۔" لومونڈ نے کہا۔ "اور اگر یہ دروازہ بہت زیادہ استعمال نہیں ہوا تو وہ ہوگا۔"

انسپکٹر کی ٹارچ دیوار سے ہوتی ہوئی ایک دوسرے فائر ڈور پر رک گئی پھر اس نے فرش پر روشنی پھینکی۔ وہاں فرش پر ایک قوس بنی ہوئی تھی جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ دروازے کو باہر کی طرف کھولا گیا ہے۔ تم نے دیکھا کہ نیچے کی چٹخنی اوپر اٹھی اور فرش پر گھسٹتی چلی گئی؟ میرا خیال ہے کہ میں سیکیورٹی گارڈ کو بلاتا ہوں۔ شاید وہ ہمیں اس کی چابیاں دے سکے۔"

اس شخص کے چینیوں جیسے نقوش تھے۔ وہ تیزی سے ان کی طرف آیا۔ "اے...!" اس نے چلاتے ہوئے کہا۔ "یہاں آنا منع ہے۔"

سلیٹر آگے بڑھا اور اسے وارنٹ دکھاتے ہوئے بولا۔ "آرام سے بات کرو۔ ہم پولیس والے ہیں۔"

اس آدمی کے پیچھے راہداری میں ایک بند دروازے کے پیچھے لائٹ جلی اور کچھ آوازیں آئیں۔ ایک طویل قامت شخص دروازے کے باہر رکھی ہوئی کرسی پر سے اٹھا۔ دروازہ کھلا اور کچھ لوگ وہاں سے باہر نکل گئے۔ ان سب نے عمدہ لباس پہن رکھا تھا۔

"تم کہیں نہیں جاؤ گے۔" انسپکٹر لومونڈ نے اس طویل قامت شخص سے کہا۔ "بہتر یہی ہے کہ خاموشی سے ہمارے ساتھ چلو، تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

☆☆☆

اس نگراں کو انٹرویو روم میں بٹھا دیا گیا۔ اس کے سامنے میز پر پانی کا گلاس رکھا ہوا تھا۔ "میں نہیں جانتا کہ تم کس بارے میں بات کر رہے ہو؟" اس نے کہا۔

"ہفتے کی شب جو کچھ ہوا، میں اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔" لومونڈ نے کہا۔ "تم وہاں کام کرتے ہو یا نہیں؟"

اس آدمی کی وکیل ایک تیس سالہ خوش شکل عورت تھی۔ اس نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "میرا موکل پہلے ہی کہہ چکا ہے کہ وہ نہیں جانتا تم کس بارے میں بات کر رہے ہو۔"

"اور مجھے اس کی بات کا یقین نہیں۔" لومونڈ نے کہا۔ "مجھے وہ جگہ ایک جوئے کا اڈا لگتی ہے۔ مسٹر یو۔ یہ ایک بہت بڑا آپریشن تھا۔ ہم نے بھاری مقدار میں رقم ضبط کی ہے۔"

"میرے موکل کا مبینہ قمار بازی سے کوئی تعلق نہیں۔" وکیل بولی۔ "یہ ایک ٹھیکے دار ہے اور یہ عمارت کو منہدم ہونے سے پہلے اس میں سے دروازے کھڑکیاں اور دوسرا سامان نکال رہا ہے۔"

سلیٹر نے اپنے سامنے رکھے ہوئے کاغذات پر ایک نظر ڈالی اور بولا۔ "یقیناً ہوگا لیکن اتوار کو اس کی چھٹی ہوتی ہے اور ہم نے اسے آج سہ پہر میں پکڑا ہے۔"

"ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ اس عمارت میں کیا ہو رہا تھا مسٹر یو۔" لومونڈ نے کہا۔ "لیکن عمارت کے باہر جو کچھ ہوا ہم اس کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ لوگ لاٹ ففٹی ون کے فائر ڈور کے باہر سگریٹ پیتے ہیں جس سے اس خالی عمارت میں آگ لگنے کا خطرہ ہے کیونکہ وہاں لکڑی کا کافی سامان پڑا ہوا ہے۔ یہ اچھا نہیں لگے گا اگر تم وہاں کسی کو سگریٹ پینے کی اجازت دو گے۔ میں ایسے ہی ایک سگریٹ نوش کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ مجھے ایک لمبے چوڑے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

آدمی کی تلاش ہے۔''

''میں ایسے کئی آدمیوں کو جانتا ہوں۔'' بو نے کہا لیکن لومونڈ نے اس کی آنکھوں میں چمک دیکھ لی تھی۔ کیا اس نے واقعہ ہوتے ہوئے دیکھا تھا؟'' لومونڈ نے سوچا شاید اس نے اس بارے میں کچھ سنا ہو۔

''ٹھیک ہے لیکن میں صرف ایک شخص کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔'' یہ کہہ کر لومونڈ نے اپنی جیب سے خفیہ کیمرے کا ایک اور پرنٹ آؤٹ نکالا۔ یہ ایک سفید بالوں والے طویل قامت شخص کی تصویر تھی جس کا قد چھ فٹ چار انچ یا اس سے بھی زیادہ تھا۔ اس نے جیکٹ کے نیچے سفید رنگ کی قمیص پہن رکھی تھی اور وہ میکنلے اسٹریٹ سے گزر رہا تھا۔

بو نے گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ ''میں جوئے کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''یقیناً تم نہیں جانتے۔'' سلیٹر نے کہا۔ ''اس بارے میں پریشان نہ ہو۔ تم اس کے بارے میں جو جانتے ہو، وہ ہمیں بتاؤ۔''

خفیہ کیمروں کی مدد سے اس کی نقل و حرکت کا جائزہ لینا بہت آسان تھا۔ اس لمبے چوڑے آدمی نے وہ بہت مصروف رات گزاری۔ وہ کئی شراب خانوں میں گیا اور اس کا کئی جگہ جان ڈینی سے آمنا سامنا ہوا۔ ایک دفعہ تو اس کے درمیان صرف چند انچ کا فاصلہ رہ گیا تھا جب ڈینی اس اطالوی ریستوران میں جا رہا تھا۔

اس نے کئی جگہ شراب نوشی کی اور مختلف لوگوں کے ساتھ وقت گزارا۔ اس لیے وہ اس متروکہ عمارت کی طرف آیا جو عنقریب منہدم ہونے والی تھی۔ اس دوران اس نے کئی جگہ سے رقم نکالی۔ اس میں وہ تین سو پاؤنڈز بھی شامل تھے جنہیں لے کر وہ اس متروکہ عمارت میں داخل ہوا۔

لومونڈ نے چائے کی پیالی منہ سے لگالی۔ اس کے اردگرد ڈیپارچر لاؤنج میں لوگ اپنے سوٹ کیس گھسیٹتے ہوئے آرہے تھے۔ لومونڈ اس شخص کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس کے ذہن میں واقعات کی ترتیب کا ایک خاکہ بن رہا تھا۔ وہ بگ مین اپنی فیملی سے ملنے امریکا سے آیا تھا اور گلاسگو بلکہ اسکاٹ لینڈ کے مغرب میں لوگ اسے اچھی طرح پہچانتے تھے۔ اپنے بھائی سے ملنے کے بعد اس نے اپنے پرانے دوستوں کے ساتھ ایک رات گزارنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے دوست ابھی تک وہی پرانی عادتیں اپناتے ہوئے تھے جنہیں وہ عرصہ ہوا ترک کر چکا تھا لیکن ان سے ملنے کے بعد دوبارہ اسی ڈگر پر چل پڑا۔ وہ ان کے ساتھ جُوا کھیلنے بیٹھ گیا اور اس کے تین سو پاؤنڈز اس کی نذر ہو گئے لیکن اسے اس کا کوئی غم نہیں تھا۔

وہ سگریٹ پینے کے لیے باہر کورٹ یارڈ میں آیا جہاں ایک کونے میں خالی بوتلوں کے ڈرم رکھے ہوئے تھے۔ وہیں اس نے ایک لڑکے کو دیکھا۔ شاید اس نے اس کا منہ چڑایا ہو۔ جواب میں اس نے بھی کچھ کہا ہو۔ شاید وہ اس کے ساتھ دوستانہ انداز اختیار کر لیتا لیکن وہ یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ وہ لڑکا اسے پلٹ کر جواب دے۔ وہ اس لڑکے سے یہ توقع نہیں کر رہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ بے تکلف ہو یا اس کا مذاق اُڑائے۔ یہ حرکت اس کے لیے قابلِ قبول نہیں تھی۔

تبھی اس کے دماغ میں ایک لہر اٹھی۔ وہ لڑکا طنزیہ انداز میں مسکرا رہا تھا جیسے اسے حملہ کرنے پر اُکسا رہا ہو اور کہہ رہا ہو آؤ آگے بڑھو بگ مین اور پھر اسے اپنے آپ پر قابو نہ رہا۔ اس نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا اور پوری قوت سے لڑکے کے سر پر گھونسا مار دیا۔

☆☆☆

لومونڈ نے اپنی چائے ختم کی اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ لمبا چوڑا آدمی چیک اِن کاؤنٹر سے فارغ ہو کر اپنا سوٹ کیس گھسیٹ رہا تھا۔ اس نے بائیں ہاتھ سے سوٹ کیس کا ہینڈل پکڑا ہوا تھا اور دائیں ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

''ایڈورڈ شونی؟'' لومونڈ نے اس کے قریب جا کر کہا۔ اس آدمی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے بے اختیار خارجی راستے کی طرف دیکھا لیکن پولیس والوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔

''یہ سب کیا ہے؟'' اس نے امریکی لہجے میں کہا لیکن وہ پریشان لگ رہا تھا۔

لومونڈ نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''اپنی جگہ کھڑے رہو۔ میں تمہیں قتل کے الزام میں گرفتار کر رہا ہوں۔''

انٹرویو روم میں تفتیش اور اعترافِ جرم کے مرحلے سے گزرنے کے بعد شونی نے روتی صورت بناتے ہوئے کہا۔ ''خدا کے واسطے مجھے ایک سگریٹ پینے دو۔''

لومونڈ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ بُری عادت کوئی بھی ہو، کبھی انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔

❖❖❖

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

تحیر و دہشت کی باریکیوں کا احاطہ کرتی سنسنی خیز تحریر

بے نشاں

مظہر سلیم ہاشمی

تاریکی... تنہائی اور خاموشی کا ملاپ ذہن کے نہاں خانوں میں چھپی باتیں بھی کردیتا ہے... تھکادینے والے دن کے بعد خاتون خانہ کو جب یہ سب میسر آیا تو حالات یکلخت ہی پلٹ گئے... وہ تنہا عمارت میں عجیب مخمصے کا شکار تھی... ایک جانب ممتا تھی تو دوسری جانب جان کا خوف...

www.pdfbooksfree.pk
www.pakistanipoint.com

''دھڑ!'' ایک دھماکے کی آواز کے ساتھ اوپر والے خالی فلیٹ کا دروازہ بند ہوا۔

عائزہ کی گرفت، ہاتھ میں پکڑے ڈائجسٹ پر مضبوط ہوگئی لیکن اس نے نظریں ہٹانے کی زحمت نہیں کی۔ باریک لکھائی والے ڈائجسٹ پر جب تک وہ نظریں دائیں بائیں گھماتے ہوئے پڑھ سکتی، پڑھنا چاہتی تھی۔ سرِ شام ہی اس کے ذہن میں عجیب سا کوئی خیال چھایا تھا جسے وہ کوئی نام دینے سے قاصر تھی۔ یہ خیال عجیب ہونے کے ساتھ ساتھ

مضحکہ خیز بھی تھا کیونکہ بظاہر گھبرانے کی کوئی وجہ موجود نہیں تھی۔

''آخر مجھے کس چیز کا خوف ہے؟'' اُس نے سوچا۔

اوپر والے فلیٹ کو خالی ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا اور ایسی آواز سننے کی اُسے بالکل بھی توقع نہ تھی۔ وہ ایک بہادر عورت تھی لیکن آج رات اُس کا شوہر دانش بھی نائٹ ڈیوٹی پر تھا۔ آواز سن کر وہ چونک کر رہ گئی۔ اس سے قبل بھی وہ کئی راتیں اپنے شوہر کے بغیر تنہا گزار چکی تھی۔ پھر بھی نجانے کیوں آج ایک عجیب سی بے چینی اس کے ذہن پر سوار تھی۔

وہ خود کو تنہا نہیں سمجھتی تھی۔ اس کے دونوں بیٹے رافع اور رومی جو اس کے پاس تھے۔ ساتھ والے بیڈروم میں وہ دونوں گہری نیند میں سو رہے تھے۔ ہاں اگر کوئی آٹھ اور چھ سال کے دو بچوں کی موجودگی کو بھی تنہائی پر محمول کرتا ہے تو وہ واقعی میں اکیلی تھی۔

''تاجور ہچکچا کر رہ گئی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ کون سا راستہ اُسے منزل پر لے جائے گا۔'' پانچویں بار ڈائجسٹ میں ایک ہی لائن پڑھنے پر عائزہ کو یکلخت ہی احساس ہوا کہ وہ بار بار کہانی کی ایک ہی سطر پڑھے جا رہی ہے۔ اس نے غصے میں آکر ڈائجسٹ ہی بند کر دیا۔

''آخر مسئلہ کیا ہے؟'' اس نے جھنجلا کر سوچا۔

اخبار اور ٹی وی پر نشر ہونے والی قتل کی لرزہ خیز وارداتیں تھیں جو دماغ پر چھائی تھیں یا کوئی اور مسئلہ تھا، وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

''ویسے بھی اب تک تو قاتل گرفتار ہو ہی چکا ہوگا۔'' ایک نئی سوچ اس کے دماغ میں ابھری۔ ''نہیں بھی پکڑا تو مجھے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

تھوڑی دیر تک وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں خود سے ہی باتیں کرتی رہی اور آخر کار ایک نتیجے پر پہنچ کر بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مجھے اپنے خوف کا سامنا کرنا ہوگا تب ہی اس سے نجات ملے گی۔'' یہ فیصلہ کرنے کے بعد اس نے اوپر والے فلیٹ کی جانب جانے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔

اوپر والے فلیٹ میں جا کر وہ اچھی طرح جائزہ لینا چاہتی تھی تاکہ جو دروازہ بے وقت کی راگنی کی طرح بج رہا تھا، اسے جا کر بند کر سکے۔ اس کے بعد ہی اس کے دماغ کو آرام مل سکتا تھا اور وہ سکون کا سانس لے سکتی۔

''بس یہی حل ہے۔'' اُس نے خود کو اطمینان دلایا۔

اس نے آخری بار ڈائجسٹ کو پلنگ کے سائیڈ والی تپائی پر رکھا۔

''میں اتنی احتیاط سے کیوں رکھ رہی ہوں؟'' عائزہ اس بار اپنی حرکت پر خود سے ہی چڑ گئی۔

اس طرح کی احتیاط کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ اس کے بچے جب سو جاتے تھے تو اس طرح کی معمولی آوازیں انہیں بالکل بھی نہیں جگا پاتی تھیں۔ نیچے گراؤنڈ فلور والے فلیٹ کی خالہ نصیرن ویسے بھی آدھی بہری تھیں اور رات کے اس پہر اپنا آلہ سماعت اتار دیتی تھیں۔

خود کو تسلی دینے کے لیے اس نے ڈائجسٹ اٹھایا اور تپائی پر پٹخ دیا جس کی واضح آواز آئی۔ پھر وہ پکے ارادے کے ساتھ بیرونی دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

یہ ایک پرانی طرز کا مکان تھا۔ مالک مکان نے اس تین منزلہ مکان کو کاروباری نقطۂ نظر کے تحت معمولی ردوبدل کر کے تین علیحدہ فلیٹوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ آٹومیٹک لاک کا حامل بڑا دروازہ ایک ہال میں کھلتا تھا جہاں پر ایک جانب خالہ نصیرن کے فلیٹ کا دروازہ تھا اور پھر نیم دائرے پر محیط سیڑھیاں تھیں۔ انہی سیڑھیوں پر چڑھ کر اوپر جانے پر ایک راہداری آجاتی تھی جس میں عائزہ کا فلیٹ تھا۔ اُس کے فلیٹ کے دروازے کے سامنے سے ہی مسلسل سیڑھیاں اوپر کی جانب جاتی تھیں جہاں پر موجود خالی فلیٹ کے دروازے کا پٹ بند ہونے کی آواز سن کر وہ بے چین ہو گئی تھی۔

سیڑھیوں پر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو عائزہ کا آگے بڑھنے کا ارادہ ڈانواں ڈول ہو گیا۔ خالہ نصیرن جلد سو جانے کی عادی تھیں۔ گراؤنڈ فلور اور فرسٹ فلور کی سیڑھیوں پر لگے بلبوں کا کنکشن ان کے گھر میں ہی تھا تو وہ سونے سے قبل اسے کبھی بھی جلانا نہیں بھولتی تھیں۔ شاید اپنے بہرے پن کی کمی کو وہ روشنی سے دور کرنے کی کوشش کرتی تھیں کہ خاموشی کے ساتھ ساتھ تاریکی کا عذاب نہ سہنا پڑے۔

عائزہ کے چند لمحے شش و پنج میں ہی گزر گئے۔ اچانک ہی اسے ایک بات یاد آئی تو اطمینان کی لہر اس کے بدن میں دوڑ گئی۔ صبح ہی تو خالہ نصیرن نے اسے بتایا تھا کہ وہ اپنی بھانجی کے ہاں جا رہی ہیں کیونکہ اس کی بیٹی کے سسرال والے تاریخ رکھنے آ رہے تھے۔ خالہ نصیرن اپنے فلیٹ میں تنہا ہی رہتی تھیں۔ دو بیٹے امریکا میں مقیم تھے اور بارہا اپنے پاس بلا چکے تھے لیکن وہ اپنے فوت شدہ شوہر کی

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

نشانیوں کو چھوڑ کر جانے پر آمادہ نہیں تھیں۔

''تو اس کا مطلب ہے کہ آج نیچے والے فلیٹ میں بھی کوئی نہیں۔'' عائزہ جھنجلا سی گئی۔

اس نے دروازہ پکڑ کر باہر تاریکی میں جھانکا تو اس کی ہتھیلیاں پسینا پسینا ہو رہی تھیں۔

''اس سے فرق ہی کیا پڑتا ہے کہ خالہ نصیرن گھر پر ہیں یا نہیں؟ وہ ہوتیں بھی تو اس وقت عالمِ بے ہوشی جیسی نیند میں ہوتیں۔ اور اتنی دور سے تو انہیں ویسے بھی کچھ سنائی نہیں دیتا۔ چاہے میں کتنا پکارتی۔ کتنی چیخیں مارتی۔'' اس کی ذہنی رو ایک بار پھر بھٹکنے لگی تھی۔

''ہوش میں آؤ لڑکی۔ یہ کیا فضول باتیں سوچ رہی ہو؟'' اس نے خود کو ڈانٹا اور خود ہی اپنی سوچ پر شرمندہ ہو کر رہ گئی۔

اس نے اپنے ذہن میں آنے والی سوچوں کو جھٹکا اور راہداری عبور کر کے سیڑھیوں کے کنارے پہنچ گئی جو اوپر والے فلیٹ کی جانب جاتی تھیں۔

پورا مکان ہی کہن سالی کا شکار تھا لیکن سیڑھیوں کی حالت تو نہایت خستہ تھی۔ اس کے فلیٹ کے کھلے دروازے کی روشنی موڑ پر ختم ہوئی تو اس نے ریلنگ کو تھام لیا اور وہ اندھیرے میں بھی ٹوٹتے بکھرتے پلستر کو اپنے ہاتھ پر محسوس کر سکتی تھی۔

اس پلستر پر چلتے ہوئے کرچ کرچ کی آواز آتی تھی جس کی وہ پچھلے چھ ماہ میں عادی ہو چکی تھی لیکن اس وقت اس کی دلی خواہش تھی کہ اس کے قدموں تلے روندے جانے والے پلستر کی آواز نہ آئے۔ یہ آواز اس کی گھبراہٹ میں اضافہ کر رہی تھی۔ جیسے اس کی موجودگی کا کسی کو پتا چل جائے گا۔ اسی لمحے اسے ادراک ہوا کہ کیسے اس کے بدن کا ہر عضو کان بن کر اوپر والے فلیٹ سے کچھ سننے کی کوشش میں مگن تھا۔

مگر کون سی آواز؟ سیڑھیوں سے اوپر آنے کے بعد اس نے کوریڈور کی لائٹ آن کرنے والا بٹن تلاش کر لیا تھا لیکن کچھ دیر تک خاموش ہی ٹھہری رہی جیسے کچھ سننا چاہتی ہو۔

''لعنت ہو۔'' بٹن دباتے ہی اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

مالک مکان نے کبھی اس بکھرتے پلستر کی جگہ چونا کروانے کی کوشش نہیں کی تھی، کبھی ٹوٹے تالے ٹھیک کروانے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔ بچے گلی میں کرکٹ کھیلتے ہوئے جو کھڑکیوں کے شیشے توڑتے تھے، وہ بھی منہ چڑاتے محسوس ہو رہے تھے لیکن اسے فلیٹ کی لائٹ کٹوانے میں بالکل بھی وقت نہیں لگا تھا۔ صرف ایک ہفتے میں ہی بجلی کاٹی جا چکی تھی اور عائزہ کو اب جو بھی کرنا تھا اندھیرے میں ہی کرنا تھا۔ اس نے خود کو کوسا کہ اپنا موبائل فون ہی چارجنگ سے اٹھا لاتی تو اس کی ٹارچ کی روشنی میں ہی کچھ دیکھ پاتی۔

راہداری میں فلیٹ کا مرکزی دروازہ سیڑھیوں کے بالکل سامنے تھا اس لیے اسے ڈھونڈنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ اس نے آہستگی سے دروازے کی ناب گھمائی اور وہ بہ آسانی کھل گیا۔

عائزہ نے دل ہی دل میں مالک مکان کو زنانہ کوسنوں سے نوازا۔ اگر وہ سابقہ کرائے دار لغاری صاحب کے جانے کے بعد کم از کم دروازوں کے لاک ہی تبدیل کروا دیتے تو اس وقت وہ اپنے بستر پر آرام کر رہی ہوتی۔ اس کے غصے نے ہی اسے توانائی بخشی اور اس نے حوصلہ کرتے ہوئے دروازہ پورا کھول دیا۔

اندر سے کمرا بالکل اُجڑی حالت میں تھا۔ اگرچہ عائزہ کی آنکھیں اب اندھیرے میں کچھ نہ کچھ دیکھنے کے قابل ہو چکی تھیں لیکن کمرا کافی حد تک روشن تھا۔ اس کی کھڑکی کے ٹوٹے شیشوں سے اسٹریٹ لائٹ کی روشنی کمرے میں منعکس ہو رہی تھی۔ اس نے لمحوں میں ہی ایک کونے سے دوسرے کونے تک کا جائزہ مکمل کر لیا۔

اگلا کمرا بھی بالکل خالی تھا۔ سوائے بیگم لغاری کے پریشر کوکر کے۔ وہ زمانہ قدیم کی یہ سوغات کمرے کے درمیان ہی چھوڑ گئی تھیں۔ اکثر اوقات وہ عائزہ سے ہی کوکر مانگ کر لے جاتی تھیں۔

''آج لغاری صاحب کا پائے کھانے کو دل کر رہا تھا تو لینے آ گئی۔'' بیگم لغاری اپنے پریشر کوکر کی برائیاں کرنے کے بعد عائزہ سے کہا کرتی تھیں۔

عائزہ نے جب فلیٹ کے گیسٹ روم کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو وہ لاک تھا۔ اس نے گول ناب کو آہستگی سے دائیں بائیں گھمایا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ یہ کوئی حیرت کی بات نہیں تھی۔ سبھی دروازوں کو ایسے لاک ہونا چاہیے تھا۔ مالک مکان کی سستی کی وجہ سے باقی دروازے کھلے تھے اور وہ بھی اللہ توکل کر کے خوش تھا کہ کوئی یہاں نہیں آئے گا۔

''میں اتنا ڈر ڈر کر کیوں اسے کھولنے کی کوشش کر رہی ہوں؟'' عائزہ نے سوچا اور اپنی بہادری ثابت کرنے کے

لیے پورے زور سے ہی ناب گھما دی۔ دروازہ تو نہ کھلا لیکن ناب ٹوٹ کر اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ اس خستہ حال عمارت میں اور کیا ہو سکتا تھا۔ ناب کا بقایا حصہ دروازے کی دوسری سمت میں آواز پیدا کرتا ہوا گر گیا اور اس کے جھنجھنانے کی آواز اسے بڑی دیر تک آتی رہی۔ رات کے سناٹے میں یہ آواز کسی بندوق سے نکلی گولی کے مانند ہی محسوس ہوئی تھی۔

''اور یہ آواز کیسی تھی؟ جیسے ناب لٹو کے مانند بڑی دیر تک فرش پر گھومتی رہی ہو، ہاں ہاں ایسا ہی ہے۔'' عائزہ نے سوچا اور سکون کی ایک گہری سانس لی۔

وہ اتنی تیزی سے نیچے اپنے فلیٹ میں واپس آئی تھی کہ خود بھی اپنی رفتار پر حیران رہ گئی۔ روشن نشست گاہ اس کے اعصاب کو سکون بخشنے میں مددگار ثابت ہو رہی تھی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی ناب کو ایک جانب رکھ دیا اور بیڈ روم میں جا کر بستر پر لیٹ گئی۔

☆☆☆

''تاجور ہچکچا کر رہ گئی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ کون سا راستہ اسے منزل پر لے جائے گا۔''

عائزہ نے غصے میں ڈائجسٹ ایک جانب پٹخ دیا۔ اسے خود پر ہی غصہ آ رہا تھا۔ اسے لگا تھا کہ اپنے خوف کا سامنا کرنے کے بعد اس کی بے چینی کو قرار آ جائے گا لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ توجہ ہٹانے کے لیے اس نے ایک بار پھر سے ڈائجسٹ پڑھنا شروع کیا تھا لیکن کامیاب نہ ہو پائی تھی۔

''آخر میں نے ایسا کیا مشکوک دیکھ لیا ہے کہ میرے لاشعور میں بے قراری سی بھر گئی ہے؟'' اس نے خود سے سوال کیا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور اپنے ہاتھوں کا پیالہ بنا کر ٹھوڑی اس میں رکھ کر سوچنے لگی۔ اس کے سیاہ، گھنے اور گھنگھریالے بال پیشانی پر آ گئے تھے۔

آج کے دن کچھ بھی غیر معمولی تو نہیں ہوا تھا۔ دانش حسبِ معمول تیار ہو کر کام پر نکل گیا تھا اور رات کو واپس نہ آنے کا بھی پہلے سے بتا دیا تھا۔ رافع اور رومی نے بھی اسکول جانے سے قبل معمول کی ہی چیخ و پکار اور شرارتیں کی تھیں۔ رافع کو اپنی ڈرائنگ کی نوٹ بک نہیں مل رہی تھی اور رومی نے عین وقت پر اعلان کیا تھا کہ اس کی ٹیچر نے ایک گتے کا باکس لانے کا کہا تھا۔ عائزہ نے جوتوں کا ایک پرانا ڈبا اسے پکڑا کر مسئلہ حل کیا تھا جبکہ اس دوران رافع نے اپنی نوٹ بک ڈھونڈ لی تھی۔

بچوں کو اسکول بھیجنے کے بعد اس کی صفائی ستھرائی والی روٹین شروع ہو گئی تھی۔ اس پرانے مکان میں بنے فلیٹس کی صفائی کرنا آسان کام نہیں تھا۔ عائزہ پنجاب سے آئی تھی اور ایک چھوٹے مکان میں خوش تھی جس کے چھوٹے سے آنگن میں اس نے پودے لگا رکھے تھے۔ دانش کی پرموشن اور ٹرانسفر ایک ساتھ ہوا تھا۔ اس نے خود ہی ضد کی تھی کہ دانش فیملی کو ساتھ ہی لے کر جائے۔ کمپنی کی جانب سے ایک اچھی کالونی میں مکان ملنا تھا لیکن ابھی اسے سابقہ لوگوں سے خالی کروانے کے بعد رینوویشن کا کام جاری تھا۔ اسی اثنا میں دانش نے اس قدیم بلڈنگ میں رہائش کا بندوبست کر دیا تھا۔ کراچی کے لوگوں.... کے لیے تو یہ ایک بہترین رہائش گاہ تھی لیکن عائزہ کا جی نہیں لگتا تھا۔

اس قدیم جگہ کی صفائی میں کافی وقت صرف ہوتا تھا لیکن وہ بھی زیادہ شکایت نہیں کرتی تھی کیونکہ جلد ہی اس کو ایک بہتر جگہ منتقل ہو جانا تھا۔ اس دن مکڑی کے جالے وغیرہ صاف کر کے وہ جلد ہی فارغ ہو گئی تھی۔ بلڈنگ کے ساتھ ہی ایک چھوٹے سے پلاٹ پر گھاس وغیرہ لگائی گئی تھی جہاں وہ اپنا ہریالی دیکھنے کا شوق پورا کر لیا کرتی تھی۔

گلی کے بچوں سے اس کے بیٹوں کی دوستی ہو چکی تھی اور وہ دوپہر سے شام تک بیشتر حصہ اس کے گھر میں ہی اُدھم مچاتے ہوئے گزارتے تھے۔ اسے یہ رونق اچھی لگتی تھی لیکن یہ بھی حقیقت تھی وہ آدھے سے زائد بچوں کے نام بھی نہیں جانتی تھی۔

عائزہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ وہ مزید گہرائی سے سوچنے لگی۔ شرارتی عالیان جو کہ کونے والی دکان کے مالک کا بیٹا تھا۔ راحیل، شرمیلا سا عینک والا پڑھاکو لڑکا جو کہ ڈاکٹر رانا کا بیٹا تھا۔ پتا نہیں دانش کیوں اسے پسند نہیں کرتا تھا؟ اور موٹو سا پرویز جو کہ صرف اس کے ہاتھ کے بنے کھانے ٹھونسنے کے لیے آیا کرتا تھا۔ عائزہ نے اسے کبھی کھیل میں زیادہ دلچسپی لیتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس کے ہاتھ کے بنے سموسے، پکوڑے اور دیگر چٹ پٹی چیزیں کھانے میں ہی دلچسپی رکھتا تھا۔

''اوہ۔'' عائزہ نے یکلخت ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

اسے اچانک ہی یاد آیا تھا کہ آج ایک نیا لڑکا بھی آیا تھا جسے دیکھ کر ہی اس کا جی مالش کرنے لگا تھا۔ وہ کوئی آٹھ، نو سال کا ہو گا لیکن اپنی عمر کی مناسبت سے بہت چھوٹا تھا۔ قلیل قد و قامت لیکن زرد آنکھوں میں دنیا بھر کے تجربات عیاں تھے اور وہ کوئی جہاندیدہ شخصیت محسوس ہوتا تھا۔ اس

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

کے بال بھی بھورے سے تھے اور ان کی تراش خراش بھی مناسب انداز سے نہیں کی گئی تھی۔ چہرے پر بھی زردی طاری تھی اور وہ جسمانی لحاظ سے بہت زیادہ دبلا تھا۔

عائزہ ناپسندیدگی کے باوجود اس کے اتنے کمزور ہونے پر دل تھام کر رہ گئی تھی۔ ایک ماں ہونے کے ناتے وہ اپنے بچوں کی خوراک کا ازحد خیال کرتی تھی۔ یہ علاقہ بھی ایسے لوگوں کا تھا جہاں کم از کم کوئی گھرانا اتنا کم آمدنی والا نہ تھا کہ بچوں کو اس طرح فاقے کرانے پڑتے۔ وہ بچہ یقیناً والدین کی عدم توجہی کا شکار تھا اور اس بات نے عائزہ کو بے حد تکلیف پہنچائی تھی۔

''پتا نہیں، جب پال نہیں سکتے تو پیدا ہی کیوں کرتے ہیں؟'' وہ ناگواری سے بڑبڑائی تھی۔

اُس کے ممتا والے جذبات امنڈ آئے اور وہ بار بار اس لڑکے کو کچھ کھانے کے لیے ہی پیش کرتی رہی تھی۔ سموسوں، پکوڑوں کے علاوہ اس نے مایونیز والے سینڈوچ بنا کر بھی اسے پیش کیے لیکن وہ بھی شاید زیادہ کھانے کا عادی نہیں تھا۔ وہ ہر چیز کو چکھنے کی حد تک کھا کر چھوڑ دیتا تھا۔ آخر عائزہ نے تھک کر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور بعد میں اس نے دیکھا تھا کہ اس کے حصے کی چیزیں بھی موٹو پرویز کھا گیا۔

عائزہ کے بدن میں سردی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ کراچی میں سردی کم کم ہی آتی تھی لیکن یہاں کے باشندوں کی ایک بار طبیعت صاف کر دیتی تھی۔ پنجاب میں رہنے کی عادی ہونے کے باوجود وہ کراچی کے معتدل موسم کی سردی برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر فین ہیٹر کا لیول ناب گھما کر بڑھا دیا۔ اس بھورے بالوں والے کمزور لڑکے کی یاد نے اسے بے سکون کر دیا تھا۔ اوپر کا چکر لگا کر حاصل ہونے والا اطمینان ایک بار پھر بے اطمینانی میں بدل گیا تھا۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے لڑکے کے بارے میں معلومات لینے کی سنجیدہ کوشش نہیں کی تھی۔ اسے معلوم کر لینا چاہیے تھا کہ وہ محلے کے کس گھر کا تھا تاکہ اس کے والدین سے ایک بار مل سکے۔ اس کے اپنے بچے اس معاملے میں بالکل کورے تھے اور کسی قسم کی بات جاننے میں انہیں دلچسپی نہیں ہوتی تھی۔

''کیا مما؟'' رافع نے اس بھورے بالوں والے لڑکے کی بابت سوال کرنے پر شام کو ان الفاظ کے ساتھ ردِعمل دیا تھا۔ ''مما، آپ نے کہا تھا کہ میں مزید نوڈلز کھا سکتا ہوں اور دیکھیں سارے رومی کھا تا جا رہا ہے۔''

''ہاں، ہاں..... کھا لینا آپ بھی۔'' عائزہ نے کہا۔

''لیکن سنو تو سہی۔ وہ بھورے بالوں والا لڑکا کون تھا جسے اسکول واپسی پر ساتھ لائے تھے؟''

''کون لایا تھا؟'' رومی نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے پوچھا۔

''ہمم۔ رافع لایا تھا شاید۔ آپ جانتے ہو اُسے رومی۔ آپ کا دوست تو نہیں وہ؟'' عائزہ نے پوچھا۔

''کون دوست؟''

عائزہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔ ''وہ چھوٹا سا لڑکا۔ بھورے بالوں والا۔ جس نے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔''

''میں نے بھی کچھ نہیں کھایا۔'' رافع نے منہ بنایا۔

''جھوٹے۔'' رومی نے اس کی بات فوراً کاٹی۔ ''میں نے خود دیکھا تھا تم نے تین سموسے کھائے تھے اور.....''

عائزہ نے اپنی کوشش ترک کر دی۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب اگر وہ لڑکا کبھی گھر آیا تو وہ خود ہی اس سے سب پوچھ لے گی۔

عجیب بات یہ تھی کہ اسے شام کے وقت سیڑھیوں میں لڑکے کا سایہ سا محسوس ہوا تھا لیکن اس نے سر جھٹک کر اس احساس کو رد کر دیا تھا۔ سب بچے اس کی نگاہوں کے سامنے ہی مرکزی دروازہ استعمال کرتے ہوئے عمارت سے باہر نکلے تھے۔ اس کے باوجود عائزہ نے ایک بار آواز دے کر یقین کر لیا تھا کہ وہاں صرف اس کا وہم تھا کوئی انسانی وجود نہیں۔

عائزہ نے ایک بار پھر سے ڈائجسٹ اٹھا لیا۔ اب وہ قدرے مطمئن تھی۔ عجیب قسم کی بے چینی کو اس نے سوچ سوچ کر اپنے تئیں حل کر لیا تھا۔ اب اسے شرمندگی ہو رہی تھی کہ خوامخواہ ہی اُس نے معمولی بات کو ذہن پر سوار کر لیا تھا۔ اس بھورے بالوں والے لڑکے میں کوئی خاص بات ضرور تھی۔ بچوں پر اس طرح کا ظلم اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ کوئی اپنی اولاد کے حوالے سے مجرمانہ حد تک غفلت کا شکار کیسے ہو سکتا تھا؟ کل وہ یقیناً معاملے کی تہ تک پہنچنے کی کوشش ضرور کرے گی۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد وہ ڈائجسٹ کی کہانی پر نظریں دوڑانے لگی۔

''تاجور ہچکچا کر رہ گئی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ کون سا راستہ اُسے منزل پر لے جائے گا۔''

کبھی کبھی آپ بہت گہری نیند سے بھی جاگتے ہیں تو یہ احساس باقی رہتا ہے کہ کس وجہ سے آپ کی آنکھ کھلی ہے۔ ایسا ہی کچھ احساس عائزہ کو اچانک ہوا تھا۔ اس نے نگاہیں ڈائجسٹ سے اٹھائے بغیر ہی جان لیا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ اس نے اپنے ہر عضو کو جیسے کان بنا لیا اور پوری توجہ سے سب

www.Paksociety.com

سننے لگی۔ فین ہیٹر کے پروں کی ہلکی سی زوں زوں کے سوا کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

لیکن کچھ تو تھا۔ ہلکی بہت ہلکی سی آواز تھی جو کہ اس کی سماعتوں سے ٹکرا رہی تھی۔ جیسے کوئی خزاں رسیدہ پتّوں پر چل رہا ہو۔ ہلکے ہلکے قدم۔ کوئی اس کی جانب ہی آ رہا تھا۔ قدموں کی چاپ لمحہ بہ لمحہ گہری ہوتی جا رہی تھی۔ نہایت آہستگی سے عائزہ کے کمرے کا دروازہ کھلا اور وہاں پر ایک مختصر وجود ٹھہرا نظر آیا۔

عائزہ کے حلق سے ایک اطمینان بھری سانس خارج ہوئی۔ رافع اپنی ادھ کھلی اور نیم وا آنکھوں سے اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔

''کیا ہوا رافع بیٹا؟ آپ سو کیوں نہیں رہے؟''

رافع نے کسی اُلّو کے مانند اپنے گول گول دیدے گھمائے۔ اس کی آنکھیں کچی نیند سے جاگنے پر عموماً ایسے ہی پھیل جاتی تھیں۔

''مجھے وہ چھوٹا لڑکا بالکل بھی نہیں پسند۔'' وہ نیم خوابیدہ لہجے میں بولا۔

''کون چھوٹا لڑکا؟ کیا رومی کی بات کر رہے ہو؟''

''میرے بستر میں گھسنے والا چھوٹا لڑکا۔'' رافع نے جواب دیا۔

''رومی آپ کے بستر میں کیوں گھس رہا؟'' عائزہ حیرت سے بولی۔

''رومی نہیں۔ وہ لڑکا بہت گندہ ہے۔ مجھے چٹکیاں کاٹ رہا۔ میرا کمبل بھی کھینچ رہا ہے۔''

''اوہ میرا پیارا بیٹا۔'' عائزہ کو اس کی معصومیت پر بے اختیار پیار آ گیا۔ ''مجھے لگتا ہے کہ آپ نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ چلو میں چل کر آپ کو سلاؤں۔''

یہ کہہ کر عائزہ بستر سے اٹھی اور رافع کا ہاتھ تھام کر اس کے کمرے میں چلی آئی۔ وہاں پہنچ کر اس نے بٹن دبا کر بتی روشن کی۔

رومی حسب عادت اپنے بستر پر منہ کھولے سو رہا تھا۔ دوسری جانب رافع کا بستر بے ترتیب سا ہو رہا تھا جیسے سوتے میں اس نے خوب ٹانگیں چلائی ہوں۔ بستر بالکل خالی تھا اور کمبل بھی نیچے فرش پر گرا ہوا تھا۔

یہ دیکھ کر عائزہ کو اپنے خیال پر یقین ہو گیا کہ رافع نے کوئی بُرا خواب ہی دیکھا ہے۔ اس نے شام کو بچوں سے سوال ہی اس طرح کیے تھے کہ ان کے ذہن میں کوئی چھوٹا لڑکا رہ گیا ہوگا۔ اگرچہ اس نے بڑی احتیاط کی تھی لیکن رافع

کیا آپ
لبوب مقوّی اعصاب
کے فوائد سے واقف ہیں؟

کھوئی ہوئی توانائی بحال کرنے۔ اعصابی کمزوری دور کرنے۔ ندامت سے نجات، مردانہ طاقت حاصل کرنے کیلئے۔ کستوری، عنبر، زعفران جیسے قیمتی اجزاء سے تیار ہونے والی بے پناہ اعصابی قوت دینے والی لبوب مقوّی اعصاب۔ یعنی ایک انتہائی خاص مرکب خدارا۔۔۔ ایک بار آزما کر تو دیکھیں۔ اگر آپ کی ابھی شادی نہیں ہوئی تو فوری طور پر لبوب مقوّی اعصاب استعمال کریں۔ اور اگر آپ شادی شدہ ہیں تو اپنی زندگی کا لطف دوبالا کرنے یعنی ازدواجی تعلقات میں کامیابی حاصل کرنے اور خاص لمحات کو خوشگوار بنانے کیلئے۔ اعصابی قوت دینے والی لبوب مقوّی اعصاب۔ آج ہی صرف ٹیلیفون کر کے بذریعہ ڈاک VP وی پی منگوالیں۔

المسلم دارالحکمت (رجسٹرڈ)

(دیسی طبی یونانی دواخانہ)

ضلع وشہر حافظ آباد پاکستان

0300-6526061

0301-6690383

فون صبح 10 بجے سے رات 8 بجے تک کریں

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

بہت ہی حساس بچہ تھا یقیناً عائزہ کے لہجے میں چھپا اضطراب محسوس کر گیا تھا اور اب اس کی بنیاد پر کوئی ناگوار خواب دیکھ کر بیدار ہو گیا تھا۔

تاہم رافع کو اطمینان دلانے کی غرض سے عائزہ نے اس چھوٹے سے کمرے کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ پلنگ کے نیچے، الماری میں اور پردوں کے پیچھے۔ حتیٰ کہ رافع کے پُرزور اصرار پر اس نے درازوں والی میز کے پیچھے موجود چھوٹے سے خلا میں بھی جھانک کر دیکھا۔

''وہ اتنا پتلا لڑکا تھا مما۔'' رافع نے ہاتھوں کے اشارے سے وضاحت کی تو عائزہ کے بدن میں عدم اطمینان کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ بھوکا، کمزور اور جہاندیدہ نگاہوں والا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے لہرا گیا۔ اس نے دراز بندکی کہ وہ بھی کیسی بے وقوفانہ جگہ پر لڑکے کو تلاش کر رہی تھی۔ اس نے یہ تصور اپنے ذہن سے جھٹکا اور رافع کو بستر میں گھسا کر کمبل میں لپیٹ دیا۔

''مما، پرامس کرو کہ اب وہ میرے خواب میں نہیں آئے گا۔'' رافع نے فکرمندی سے کہا تو عائزہ نے وعدہ کیا کہ اب ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ رافع کے کسی بھی ڈراؤنے خواب کے بعد یہ ایک معمول کا وعدہ تھا جو اسے پوری رات سکون سے سونے میں مدد فراہم کرتا تھا اب سے پہلے یہ ہمیشہ ہی مفید ثابت ہوا تھا۔

رات ساڑھے بارہ کا عمل تھا۔ بظاہر جاگنے کی کوئی وجہ نہیں تھی لیکن عائزہ کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس نے ایک بار پھر ڈائجسٹ پڑھنے کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن پھر رک گئی۔ یہ سچ تھا کہ اس کے پسندیدہ مصنف کے شاندار قسط وار ناول کی ہیروئین دوراہے کا شکار ہو چکی تھی لیکن وہ ایک بار پھر سے تاجور کی بے عملی اور صحیح فیصلہ نہ کرنے کے واقعات نہیں پڑھنا چاہتی تھی۔ ویسے بھی ذہنی انتشار کے دوران وہ اپنی پسندیدہ کہانی بھی پڑھتی تو شاید اچھی نہ لگتی۔

اُس نے 'ویکلی میگزین' کا تازہ شمارہ اٹھا کر جائزہ لینا شروع کر دیا۔ وہ موبائل فون پر سوشل سائٹس پر ایکٹو تھی لیکن بچوں کی وجہ سے دونوں میاں بیوی رات نو بجے کے بعد اس کا استعمال بند کر دیتے تھے۔ ٹی وی آن کر کے وہ بنا آواز کے کچھ دیکھنے کے موڈ میں بھی نہیں تھی سو میگزین کا فیشن پیج کھول لیا۔

سردیوں کے فیشن کے بجائے ابھی تک اس میں خزاں کی ورائٹی والے لباس کی ماڈلنگ موجود تھی۔ ہفت روزہ ہونے کے باوجود وہ میگزین پرانی چیزیں ہی پیش کرتا تھا۔ اس نے بیزاری سے صفحات پلٹے اور جرم و سزا والے صفحات پر پہنچ گئی۔ اُس کی توجہ کا مرکز ایک دھندلی سی تصویر تھی جس میں ایک پچاس سالہ شخص نظر آ رہا تھا۔ یا پھر تصویر دھندلی ہونے کی وجہ سے اس کی عمر زیادہ معلوم ہو رہی تھی۔ یہ ایک جنونی قاتل تھا۔ ساتھ میں ایک گھریلو خاتون کی تصویر بھی تھی جو اس کا شکار بنی تھی۔ کوئی بیگم زرتاشہ.....اور آگے اس کی معلومات لکھی ہوئی تھیں۔

عائزہ کی دلچسپی یکلخت ہی بڑھ گئی۔ اس نے تصاویر کے نیچے لکھی معلومات کے بجائے پورا مضمون ہی شروع سے پڑھنے کا آغاز کر دیا۔ اس کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے ہی رہ گئی جب اس نے یہ پڑھا کہ یہ جنونی قاتل جیل کے پاگل خانے سے فرار ہو چکا ہے اور کراچی میں آزاد دندناتا پھر رہا ہے۔

اپنے چھوٹے شہر سے آنے کی وجہ سے ابھی تک اسے یہ احساس نہیں تھا کہ کراچی بہت بڑا ہے اور ایک شہر میں ہی کئی شہر سمائے ہوئے ہیں۔ اسی لیے کراچی کا نام پڑھ کر ہی اس کے بدن میں سراسیمگی کی لہریں دوڑ گئیں۔ مضمون میں لکھا تھا کہ بیگم زرتاشہ کی طرح ہی ایک اور مرد کرنے کے بعد وہ پکڑا گیا تھا اور اس کے بعد سے ہی اُسے عدالت نے ذہنی عدم استحکام کا شکار ثابت ہونے پر پاگل خانے منتقل کرا دیا تھا۔ کئی سال سے وہ وہاں زیرِ علاج تھا۔

عائزہ نے اپنی انگلیاں اکڑتی ہوئی محسوس کیں۔ قتل ہونے والی دونوں خواتین چھوٹے لڑکوں کی مائیں تھیں۔ دونوں ہی بڑے مکانوں کو فلیٹ میں تبدیل کیے جانے والی عمارتوں میں رہائش پذیر تھیں اور دونوں کے ہی گھنے، سیاہ گھنگریالے بال تھے۔ عائزہ نے لرزتی انگلیوں کے ساتھ اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ وہ مزید پڑھنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی لیکن آنکھیں جیسے مضمون سے چپک کر رہ گئی تھیں۔

''ایسے لوگوں کو پہلی بار میں ہی پھانسی پر کیوں نہیں چڑھا دیتے؟'' عائزہ نے سوچا۔

آگے اس مضمون میں اس جنونی کے بچپن کے لرزہ خیز واقعات بیان کیے گئے تھے۔ اس کی سوتیلی ماں اسے بھوکا رکھتی تھی اور بُری طرح مار پیٹ کرتی تھی۔ اسے کہتی تھی کہ کوئی جن، بھوت آ کر اسے کھا جائے گا اور کئی گھنٹوں کے لیے اکیلے کمرے میں بند کر دیا کرتی تھی۔ سوتیلی ماں کے سیاہ گھنے بال اسے تشدد اور خوف کی یاد دلاتے تھے۔ قید خانے کے معالجوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ جب بھی وہ سیاہ بالوں والی کسی خاتون کو سیڑھیاں

چڑھتا دیکھتا تھا تو اپنے خوف بھرے اور پُرتشدد بچپن میں واپس پہنچ جاتا تھا۔

''میں خود کو چھوٹا لڑکا صرف محسوس نہیں کرتا تھا۔ میں چھوٹا لڑکا بن جاتا تھا۔ وہ میرا گھر تھا اور وہ عورت میری ظالم ماں تھی۔'' اپنے ڈاکٹر کو اس جنونی نے علاج کے دوران بتایا تھا۔

اپنے شکار کے گھر میں گھسنے کے بعد وہ خود کو کسی ویران گوشے میں چھپا لیا کرتا تھا۔ جب رات کی تاریکی اور سناٹا پھیل جاتا تھا تب وہ باہر نکلتا۔ دل میں نفرت اور آنکھوں میں آنسو لیے۔ اپنے ہاتھوں کی گرفت اپنے تئیں اپنی سوتیلی ماں کی گردن پر مضبوط کرتا تھا اور اس کی جان نکلنے تک انتقام کی کیفیت میں ہی ڈوبا رہتا تھا۔

عائزہ نے ایک جھرجھری لے کر ایک لمحے کے لیے اپنی آنکھیں بند کیں اور پھر سے کھول کر قاتل کی تفصیلات پڑھنے لگی۔

''عمر: تقریباً پچاس سال۔ درمیانہ قد۔ بھورے بال جو بڑی حد تک سفید ہو رہے۔ زرد رنگت۔'' ہر لفظ کے بعد ایک چہرہ عائزہ کی آنکھوں کے سامنے لہرانے لگتا تھا اور وہ چہرہ کسی ادھیڑ عمر مرد کا نہیں بلکہ اس کمزور سے لڑکے کا تھا جو آج سہ پہر اس کے گھر میں کھیلنے کودنے آیا تھا۔

''میں خود کو چھوٹا لڑکا صرف محسوس نہیں کرتا تھا۔ میں چھوٹا لڑکا بن جاتا تھا۔'' مضمون میں چھپے یہ الفاظ بار بار عائزہ کے دماغ میں چکرا رہے تھے۔

آگے پڑھنے کی نہ اُس میں ہمت تھی اور نہ حوصلہ۔ چنانچہ اس نے میگزین اٹھا کر ایک جانب پھینک دیا۔

''زیادہ سوچ بچار بھی انسان کا دماغ خراب کر دیتی ہے۔'' اس نے خود کو تسلی دی۔ ویسے بھی اگر اسے کوئی خطرہ لاحق ہوتا تو وہ دانش کو کال کرنے کے علاوہ فوراً پولیس کو بلا سکتی تھی۔ اس کا موبائل فون اس کے پاس ہی تھا اور پولیس اسٹیشن اس کے گھر سے کچھ ہی فاصلے پر واقع تھا۔

وہ ایک بار پھر سے اپنے فلیٹ کا دروازہ کھول کر کوریڈور میں آ گئی۔ تھوڑی دیر وہ نشست گاہ سے آنے والی روشنی میں ہی ٹھہر گئی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کسی روشنی کے جزیرے پر مقیم ہو اور اوپر نیچے پھیلا ہوا اندھیرا جیسے کوئی تاریک سمندر۔ اس نے خود کو ایک بار پھر سے تسلی دی کہ وہ خوامخواہ ہی تماشا بنا رہی ہے ورنہ جو وہ سوچ رہی ہے، ایسا ہونا ناممکنات میں ہے۔ پھر اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اب اپنے ذہن میں کوئی منفی خیال آنے ہی نہیں دے گی تاکہ دماغ فضولیات کی جانب نہ بھٹکے۔

ابھی تک اس نے اپنے موبائل کی ٹارچ روشن نہیں کی تھی اور ہمہ تن گوش ہو کر کچھ سننے کی کوشش میں مصروف تھی۔ ایسے جیسے کوئی جانور تاریک جنگل میں اپنی سماعت کی صلاحیت کا بھرپور استعمال کرتا ہے۔ اس کے رگ و پے میں سنسنی کی لہریں دوڑ رہی تھیں اور اعصاب چٹخنے لگے تھے۔ اس کی کنپٹی پر خون ٹھوکریں مار رہا تھا اور ذہن کے عقب میں مسلسل کوئی آواز شور کر رہی تھی۔

''خطرہ..... خطرہ بہت پاس آ چکا ہے۔ تم خطرے کی زد میں ہو۔''

آواز تو اب کوئی نہیں تھی۔ اس بات کا عائزہ کو پورا یقین تھا۔ اب ایسی کوئی آواز نہیں آئی تھی جس کی وجہ سے اسے شک ہوتا کہ اوپر والے فلیٹ میں کوئی گھوم پھر رہا ہے۔

اوپر جو کمرا لاکڈ تھا وہاں سے بھی کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ اسی لمحے عائزہ کو خیال آیا کہ اس جنونی قاتل کی ماں اسے اکیلے کمرے میں بند کر کے گھنٹوں کے لیے اکیلا چھوڑ دیتی تھی۔ اس نے فوراً ہی یہ سوچ ذہن سے جھٹکی اور سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے اوپر کی جانب روانہ ہو گئی۔

عائزہ کچھ سننے کی کوشش میں اتنی منہمک تھی کہ اپنا موبائل ہاتھ میں ہونے کے باوجود ٹارچ روشن کرنا بھول گئی۔ اوپر سے کوئی ہلکی سی کھٹ پٹ بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ایسی کوئی آواز نہ تھی جس سے معلوم پڑتا کہ اوپر بند کمرے کا دروازہ کسی نے کھولا ہے۔ اور نہایت مہارت کے ساتھ باہر نکل آیا ہے۔ کوئی قدموں کی سرسراہٹ نہیں تھی اور نہ ہی سیڑھیوں پر دروازے کی چرچراہٹ۔ قدیم مکان کا ہر گوشہ جیسے ایک غیر مرئی سکوت کا شکار ہو گیا تھا۔

ایک دم ہی سب کچھ ہوا تھا۔ آخر کار یہ عائزہ کے کانوں کے بجائے اس کی آنکھیں تھیں جس نے وہ وجود دیکھا۔ اس کی آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو گئی تھیں تبھی اسے لگا کہ جیسے وہ کوئی مخنی سا ہاتھ سیڑھیوں کی ریلنگ پر حرکت میں ہے۔ اُس نے جلدی سے موبائل کی ٹارچ آن کی اور اپنی جگہ پر جیسے ساکت ہو کر رہ گئی۔ کوئی ہیولا سا تھا جو بے آواز اوپر سے اس کی جانب تیزی سے حرکت کرتا ہوا آ رہا تھا۔ وہ پہلے سے وہیں تھا اور اُسے محسوس تک نہ کر پائی تھی۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

اس کا چہرہ۔ اس نے اتنا بھیانک چہرہ پوری زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بگڑے نقوش میں سارے جہان کی نفرت سمٹی ہوئی تھی۔ ایسی زہر آلود نفرت کہ اس کے چہرے کا ہر نقش جیسے سیاہ پڑ گیا تھا۔ وہ سیڑھیاں اترنے کے بجائے ہوا میں جیسے تیرتا ہوا اس کی جانب بڑھ رہا تھا اور وہ خوف سے گنگ اپنی جگہ پر منجمد ہو چکی تھی۔

اب اس کے قدموں کی آواز بھی آنے لگی تھی۔ جیسے کوئی تیزی سے سیڑھیاں اتر رہا ہو۔ بلی کی طرح دبے پاؤں لیکن ایک بھاری وجود کی آواز۔ وہ وجود اس کی سمت میں ہی آ رہا تھا اور اس کی مڑی ہوئی انگلیوں والا ہاتھ عائزہ کی جانب بڑھ رہا تھا۔

اپنے پہلو میں ایک خوفزدہ چیخ سن کر عائزہ جیسے اپنے حواسوں میں لوٹ آئی۔ چھوٹا لڑکا اپنے بھورے بالوں کے ساتھ وہیں اس کے پاس موجود تھا اور خوف کے مارے چیخ پڑا تھا۔ ڈر اس کے چہرے سے ہی مترشح تھا اور ایسا لگتا تھا کہ وہ خوف کے مارے وہیں گر جائے گا۔

عائزہ کے اندر ہی جیسے ایک غیر معمولی قوت بیدار ہو گئی۔ خود کو بچانے سے زیادہ اس پر ممتا کے جذبات غالب آ گئے تھے۔ وہ بجلی کی سرعت سے وہیں سیڑھیوں میں ہی لڑکے کی جانب جھک کر بیٹھ گئی اور اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔ اس کے سینے سے لپٹا نحیف و نزار، ننھا سا وجود بید مجنوں کی طرح لرزاں تھا۔

یہ گھٹنوں کے بل اچانک بیٹھنا ہی عائزہ کی نجات کا ذریعہ بن گیا۔ حملہ آور ہونے والا بھیانک ہیولا عائزہ تک پہنچا اور اس کے جھکے وجود سے ٹکرا کر لڑھکتا ہوا سیڑھیوں سے نیچے جا گرا۔ اس کے گرنے کی اٹھا پٹخ نہایت زوردار تھی۔ اپنی ہی جھونک میں وہ اتنی شدت گرا تھا کہ عائزہ والے فلیٹ کے کوریڈور کے بجائے چیختے چلاتے ہوئے نیچے گراؤنڈ فلور تک جا پہنچا اور دھپ کی آواز کے ساتھ... یکلخت ہی خاموشی چھا گئی۔

یہ خاموشی لمحاتی ثابت ہوئی اور اس کے بعد ایک شور برپا ہو گیا۔

''مما..... مما؟ کون ہے؟ مما..... کیا ہوا؟'' چھوٹے چھوٹے بازو اور ٹانگیں ایک دم ہی عائزہ کے وجود سے لپٹ گئی تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی بانہوں کے گھیرے میں کئی ننھے وجود موجود ہوں۔ اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے غور کیا تو یہ صرف دو تھے۔ سیاہ بالوں والے اس کے اپنے بچے۔ اس افراتفری میں اُس کا موبائل ایک جانب گر گیا تھا۔ بچوں کے خوفزدہ سوالات کو نظر انداز کیا اور فون اٹھا کر فوراً کال ملائی۔

پولیس بھی جلد ہی آ گئی اور اس کا شوہر دانش بھی۔ مردہ آدمی کی لاش کو وہاں سے جب لے جایا گیا تو عائزہ کے پاس بتانے کے لیے بہت کچھ تھا۔ بہت ساری باتوں کی وضاحت کرنا تھی۔ سب کچھ آنکھوں کے سامنے عیاں تھا لیکن ایک اتفاق کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ پولیس نے پوری بلڈنگ چھان ماری تھی لیکن بھورے بالوں والے لڑکے کو تلاش نہیں کر پائے تھے۔

بظاہر ایسا ہی لگتا تھا کہ بھورے بالوں والا لڑکا پڑوس میں سے ہی کہیں سے آیا تھا اور پھر اپنے گھر واپس جانے کے بجائے بلڈنگ میں ہی کہیں چھپ گیا تھا۔ اسے تلاش کرنا ناممکن نہیں تھا اور اگر اسے مدد درکار تھی تو وہ بھی فراہم کی جا سکتی تھی۔

آنے والے دنوں میں کسی کو بھی بھورے بالوں والے لڑکے کا کوئی سراغ نہ ملا۔ وہ اپنا نام و نشان چھوڑے بغیر غائب ہو چکا تھا۔ دانش نے... بھرپور کوشش کی تھی لیکن پورے علاقے میں عائزہ کے بیان کردہ حلیے والا کوئی لڑکا نہیں رہتا تھا۔

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہو گی۔ وہ رافع یا رومی میں سے ہی کوئی ہو گا۔'' دانش نے توجیہہ پیش کی تو عائزہ خاموش ہو گئی۔

وہ کہاں سے آیا تھا۔ کہاں گیا، کوئی نہیں جان پایا تھا۔ عائزہ کو تو وہ کسی فرشتے کے مانند لگا تھا جس نے عین وقت پر نمودار ہو کر اس کی ایک جنونی قاتل سے جان بچا لی تھی لیکن ایک عجیب بے کلی اس کے وجود میں سرایت کر گئی تھی کہ سارے ہنگامے میں وہ کہیں غائب کیسے ہو گیا تھا؟

عائزہ چاہنے کے باوجود فرش پر بکھرے مردہ جنونی قاتل کے چہرے کی مسکراہٹ کو اپنے ذہن سے نہیں جھٹک پائی تھی۔ اس نے سنا تھا کہ مردے کے چہرے کو کسی بھی قسم کے تاثرات کے مطابق شکل دی جا سکتی ہے لیکن وہ مکان کسی بالغ مرد کی نہیں تھی۔ اس مسکراہٹ میں طمانیت تھی، سکون تھا، ایک طرح کی آسودگی چھائی ہوئی تھی۔ وہ ایسے لڑکے کی مسکراہٹ تھی جسے بالآخر ماں کی ممتا مل گئی ہو۔

بھورے بالوں والا ننھا لڑکا ہمیشہ کے لیے بے نشاں ہو چکا تھا۔

❖❖❖

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

انوکھی محبت

جمال دستی

محبت کا جذبہ لطیف ہی نہیں پیچیدہ بھی ہے... محبت کی حسین وادیوں میں گھومتے گھومتے ایسے کانٹوں بھرے راستوں سے گزرنا پڑتا ہے جو وجود کو زخمی کردیتے ہیں... دو متضاد طبیعتوں کی مالک بہنوں کا دلچسپ و پُراسرار قصہ... جو زندگی بھر ساتھ رہیں اور مرتے وقت بھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوسکیں...

مجبور و بے بس کردینے والی محبت کے پیچیدہ راستے

جب جان ٹرنر کے ساتھی فرینسی جیکنز اور بروس تھامپسن اس گھر میں داخل ہوئے تو اس وقت بنگ کراسبی کا مقبول گانا 'سائیلنٹ نائٹ' چل رہا تھا۔ فرینسی کا کہنا تھا کہ وہ یہ گانا سن کر رک گئی اور اس نے صوفے کو پکڑ لیا۔ اسے یہ خوف تھا کہ تھوڑی دیر بعد وہ ایک بہت بُرا منظر دیکھنے والے ہیں۔ بروس اس کی حوصلہ افزائی کررہا تھا کہ وہ اوپر جا کر اس تباہی کو دیکھے لیکن وہ صوفے پر بیٹھ کر گانا سننا چاہ رہی تھی۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''کیا خوب صورت آواز ہے اس شخص کی۔'' اس نے ٹرنر سے کہا۔

بہرحال وہ صوفے پر نہیں بیٹھی اور بروس کے پیچھے چلتی ہوئی اوپر چلی گئی۔ دوسرے دونوں بیڈ روم کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ ہال کے آخری سرے پر واقع بیڈ روم کا دروازہ بند تھا۔ پہلے تو وہ یہ سمجھے کہ کوئی دوسری طرف سے دروازے پر زور لگا رہا ہے تاکہ وہ اندر داخل نہ ہوسکیں لیکن ایسا نہیں تھا۔

اگر ان عورتوں کی گردن میں نیلی اور گلابی پٹیاں نہ ہوتیں تو یہی لگتا کہ وہ فرش پر بیٹھے بیٹھے سوگئی ہیں۔ اُن کے سر جھکے ہوئے تھے جیسے وہ اس حالت میں آرام محسوس کررہی ہوں۔ شاید اس نے سوچا ہو کہ ہمیں ان دونوں کو قالین پر لٹا دینا چاہیے تاکہ وہ آگے کی طرف گر کر اپنے آپ کو زخمی نہ کرلیں۔

لیکن اب اس بارے میں کوئی پریشانی نہیں تھی کیونکہ وہ زندگی کی قید سے آزاد ہوچکی تھیں۔ بڑی بہن کی گردن میں پڑی ہوئی نیلی بیلٹ دروازے کی ناب سے اور چھوٹی بہن کی گلابی بیلٹ کمرے کے دروازے کے قریب الماری کے دروازے کی ناب سے بندھی ہوئی تھی۔ ان دونوں نے آخری سفر پر روانہ ہونے کے لیے ایک دوسرے کا ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا تھا جیسے بچپن میں بڑی بہن سڑک پار کرتے وقت چھوٹی بہن کا ہاتھ پکڑ لیا کرتی تھی۔ جب بروس نے کمرے کا دروازہ توڑا تب بھی انہوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔

ٹرنر جانتا تھا کہ مرنے کے بعد انسانی اعضا اکڑ جاتے ہیں لیکن اس طرح جان بوجھ کر ہی ہاتھوں کو پکڑا جاتا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر اس نے افسوس کے انداز میں سر ہلا دیا۔ دوسرے دونوں سراغ رسانوں کا دل بھی بھر آیا اور اُن کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ فرینسی نے اپنی آنکھیں پونچھنے کے لیے جیب سے ٹشو پیپر نکال لیا۔ بروس گو کہ مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ اس کے باوجود وہ بار بار آنکھیں مل رہا اور بڑبڑاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''رات کو ٹھیک طرح سے نیند نہیں آئی۔''

کمرے میں موجود ہر شخص ان دونوں بہنوں کو جانتا تھا بلکہ قصبے کے زیادہ تر لوگ ان سے واقف تھے۔ بڑی بہن کیٹ مچل، پُراسرار کہانیاں لکھتی تھی اور اسے حال ہی میں اپنی آخری کتاب پر دو ایوارڈز بھی ملے تھے۔ چھوٹی بہن مولی قبل از وقت ریٹائر ہوگئی تھی۔ کیٹ کی کامیابی کے بعد اسے کام کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اب وہ اپنا وقت ان کاموں میں گزارتی جن سے اسے دلچسپی تھی۔ مثلاً باغبانی، شالیں بُننا اور انہیں فروخت کرنا۔ ٹرنر نے بھی اپنی ماں کے لیے اس سے ایک شال خریدی تھی۔ اس نے اپنے مکان میں بُنائی کی مشین لگا رکھی تھی جو اس نے سات سال پہلے انشورنس کے پیسوں سے خریدی تھی۔

مولی بھی اپنی بہن کی طرح باصلاحیت تھی لیکن اس نے کبھی شہرت حاصل کرنے کی خواہش نہیں کی۔ وہ گمنامی میں ہی خوش تھی اور چاہتی تھی کہ اسے تنہا چھوڑ دیا جائے۔ اسے مطالعے کا شوق تھا اور ٹرنر سے اس کی ملاقات لائبریری میں ہوئی تھی۔ آخری بار ٹرنر نے اسے کتابوں پر سر جھکائے دیکھا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ اسٹیو ہیری کی تھرلرز پڑھ رہی تھی۔

''مجھے سازشی کہانیاں پسند ہیں چاہے وہ کہیں سے بھی ملیں۔'' اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز میں ایسی کھنک تھی جو ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتی ہے۔

یہ دونوں اموات دیکھنے میں یقیناً خودکشی لگ رہی تھیں۔ بیڈ روم یا باقی گھر میں کہیں بھی جدوجہد کے آثار نظر نہیں آئے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ کیا ان دونوں میں سے کوئی یا دونوں بیمار تھیں؟ ایسا لگتا تو نہیں۔ ان کی بیماری کے بارے میں کبھی کوئی بات نہیں سنی گئی۔ ٹرنر کی ماں اسپتال میں رضاکار کے طور پر کام کرتی تھی۔ اگر ان دونوں بہنوں میں سے کوئی بیمار ہوتی تو اس کے ذریعے معلوم ہو جاتا۔

''یہاں کیا واقعہ پیش آیا ہے؟'' ٹرنر نے خاموشی توڑتے ہوئے پوچھا۔

فرینسی نے ٹشو دوبارہ جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''پہلا خیال خودکشی کے بارے میں ہے۔''

''تمہاری عقابی نظروں سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔''

وہ مسکرا دی گو کہ ٹرنر جانتا تھا کہ وہ اپنے ساتھی سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کہہ سکتی۔

فرینسی اور بروس گزشتہ چند مہینوں سے ایک ساتھ کام کررہے تھے اور ان کے درمیان بہت اچھی ورکنگ ریلیشن شپ قائم ہوگئی تھی اور ایسا لگ رہا تھا کہ اس کا رخ ذاتی تعلق کی جانب بڑھ رہا ہے۔

جب کورونر ماریا لیٹن بیڈ روم میں داخل ہوئی تو بروس نے اس کا بازو تھام لیا کیونکہ وہ لڑکھڑانے لگی تھی۔

waqar azeem www.pakistanipoint.com

''اوہ میرے خدا۔'' وہ بڑبڑائی۔ ''یہ سب کیا ہے؟''

ماریا، کیٹ کی کتابوں کی بہت بڑی پرستار تھی۔ اس نے وہ سب کتابیں پڑھ رکھی تھیں، وہ اور کیٹ باقاعدگی سے کافی پینے جاتیں اور اسے کیٹ کے ساتھ اپنے تعلق پر فخر تھا۔

اس نے اپنی سانسوں پر قابو پانے کے لیے دیوار کا سہارا لیا۔ ''میں اس وقت دوڑ رہی تھی جب میں نے فون سنا۔'' اس نے فرینسی سے کہا۔ ''مجھے امید ہے کہ اگلے سال بوسٹن میں ہونے والے مقابلوں کے لیے کوالیفائی کرلوں گی۔'' وہ دوبارہ لاشوں کی طرف مڑتے ہوئے بولی۔ ''میری سمجھ میں نہیں آرہا۔''

''ہم سب کی بھی یہی رائے ہے۔'' فرینسی نے کہا۔

ٹرنر کمرے سے نکل کر باہر ٹہلنے لگا پھر ایک کھڑکی کے پاس جاکر کھڑا ہوگیا۔ یہ بات کسی کو بھی معلوم نہیں تھی کہ مولی اور اس نے ایک دوسرے سے ملنا شروع کردیا تھا لیکن وہ بہت آہستہ آہستہ قریب آرہے تھے کیونکہ مولی کے شوہر کو مرے ہوئے سات سال ہوچکے تھے۔ اس کے باوجود وہ ابھی تک مردوں سے غیر مطمئن تھی۔ ٹرنر اسے مسلسل یقین دلاتا رہا کہ اس تعلق کو آگے بڑھانے کا انحصار اس پر ہے۔ وہ اس پر کوئی دباؤ نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

مولی نے یونیورسٹی میں تاریخ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کا ارادہ ماسٹرز اور پی ایچ ڈی کرنے کے بعد پڑھانے کا تھا پھر اس کی ملاقات اس فاترالعقل سے ہوئی اور اس کے منصوبے بھاپ بن کر فضا میں تحلیل ہوگئے۔ ویسے تو اس شخص کا نام مائیک پیٹرسن تھا لیکن جو بھی اس سے مل لیتا، اسے فاترالعقل ہی سمجھتا۔ بہت کم لوگوں کو اس کا نام یاد رہا ہوگا لیکن ٹرنر اسے نہیں بھول سکا۔

مولی ہمیشہ کی سیدھی سادی تھی۔ کیٹ کا کہنا تھا کہ وہ مائیک کی مسکراہٹ اور اس کی بھرپور توجہ سے متاثر ہوگئی حالانکہ اور بھی لوگ اسے پسند کرتے تھے۔ کیٹ اور مولی میں اس بات پر جھگڑا بھی ہوا کیونکہ مولی نے کیٹ کی بات نہیں سنی کہ وہ اپنی آنکھیں کھلی رکھے بلکہ اس کی نافرمانی کرتے ہوئے جو اس نے پہلے کبھی نہیں کی تھی، اس فاترالعقل سے شادی کرلی اور پھر اگلے دس سال تک اس سے جان چھڑانے کی کوشش کرتی رہی۔

ٹرنر نے اسے مولی سے دور رکھنے کے لیے کئی احکامات جاری کروائے لیکن سارا عمل ایک مذاق بن کر رہ گیا۔ جج ایک آرڈر جاری کرتا اور وہ دیوانہ اسے نظرانداز کر دیتا پھر جج ایک نیا آرڈر نکالتا اور وہ اسے بھی ہوا میں اُڑا دیتا۔

عشرے کے اختتام پر ٹرنر نے یہ افواہ بھی سنی کہ کیٹ نے کچھ لوگوں سے اپنے بہنوئی کو غائب کروانے کی بات کی ہے لیکن ٹرنر نے اس پر یقین نہیں کیا۔ کچھ دنوں بعد معلوم ہوا کہ وہ دیوانہ شخص نشے کی حالت میں درخت سے گر کر ہلاک ہوگیا۔ حالانکہ ٹرنر کو اس پر حیرت ہوئی کہ اس شخص نے زندگی بھر شراب کو ہاتھ نہیں لگایا۔ یہ ٹرنر کا کیس نہیں تھا لیکن اُسے اس بات کی خوشی تھی کہ مولی بالآخر آزاد ہوگئی جس سے وہ اسکول کے زمانے سے محبت کررہا تھا۔

شوہر کے مرنے کے بعد مولی اپنی بہن کے دو منزلہ مکان میں منتقل ہوگئی اور دونوں بہنیں ایک ساتھ رہنے لگیں۔ ایک ہفتہ قبل ہی ٹرنر اور مولی نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ کرسمس کے موقع پر کیٹ اور ٹرنر کی ماں کو اس تعلق کے بارے میں بتادیں گے۔ تاہم ٹرنر کو شبہ تھا کہ مولی اس کے ردِعمل کے حوالے سے پریشان تھی۔

سچ تو یہ ہے کہ وہ کیٹ کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اس میں اسے اپنی ماں، آنٹیوں اور دادی کی جھلک نظر آتی تھی۔ ایسی عورتیں سب کے سامنے تو اپنے بچوں اور چھوٹے بہن بھائیوں سے شفقت کا اظہار کرتی تھیں لیکن درحقیقت وہ کینہ پرور تھیں اور بدلہ لینے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتیں۔

مولی نے اشارتاً بتادیا تھا کہ کیٹ بھی ان جیسی ہوسکتی ہے لیکن ٹرنر نے کبھی اس سے تفصیل نہیں پوچھی۔ اس نے کیٹ کی آنکھوں میں پڑھ لیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو صحیح سمجھتی ہے اور جو اس سے متفق نہ ہو وہ پرلے درجے کا احمق ہے۔

ماریا نے دیکھا کہ ٹرنر نے اپنا ماتھا کھڑکی کی چوکھٹ پر رکھا ہوا ہے۔ اس نے آہستہ سے اس کی آستین کو چھوا تو وہ چونک پڑا۔ ''معاف کرنا میں کہیں کھو گیا تھا۔'' اس نے کہا۔

''کاش میں بھی ایسا کرسکتی بہرحال ابتدائی رپورٹ کے مطابق ان کی موت صبح کسی وقت ہوئی ہے اور لگتا یہی ہے کہ پھندا لگنے سے ان کا سانس بند ہوگیا تھا۔'' اس نے دوبارہ اس کے بازو کو چھوا۔ ''تم ٹھیک تو ہو؟ مجھے کچھ پریشان لگ رہے ہو؟''

''نہیں بس یونہی.....''

''میں جانتی ہوں۔ یہ ایک سانحہ ہے۔ کیٹ اپنی کامیابی پر بہت خوش تھی اور اس نے دوسرے ناول کا پلاٹ بھی سوچ لیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ دوسروں سے مختلف لیکن

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

اس کی بہترین کتاب ہوگی۔''

''کیا اس نے اس کے موضوع کے بارے میں کچھ بتایا تھا؟''

ماریا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''نہیں، وہ اس بارے میں بہت محتاط تھی۔''

''میرا خیال ہے کہ وہ اور بھی کئی معاملوں میں محتاط تھی۔'' ٹرنر نے کہا۔

''لگتا ہے کہ تمہیں اس کی زیادہ پروا نہیں؟''

''تم نے یہ کیسے کہہ دیا؟''

''اوہ، میں نہیں جانتی۔ کیٹ بدمزاج تھی۔ باتیں کرتے کرتے اس کے چہرے کے تاثرات بدل جاتے۔ وہ ناراض، پریشان یا کبھی کبھی بور نظر آنے لگتی اور اچانک ہی اٹھ کر چل دیتی۔''

''کیا وہ اکثر ایسا کرتی تھی؟''

''اکثر تو نہیں لیکن جب کبھی میں نے کسی معاملے میں اختلاف کیا یا اسے حقائق سے آگاہ کیا تو اس کے چہرے کے تاثرات بدل جاتے ورنہ ہماری گفتگو بہت صاف ستھری ہوتی تھی۔ ہم نے کبھی مذہب، سیاست یا مردوں کے بارے میں بات نہیں کی۔''

ٹرنر نے قہقہہ لگایا تو وہ بولی۔ ''بہرحال مردوں کے معاملے میں ہم دونوں ہی زیادہ کامیاب نہیں تھیں۔ مولی پر جو مصیبت آئی۔ اس کی وجہ سے بھی ہم محتاط تھے۔''

''کیا تم بھی اسے مصیبت سمجھتی ہو؟''

ماریا نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''کیٹ یقیناً ایسا سمجھتی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نے مولی کے ساتھ اس کی زندگی کو بھی بدل کر رکھ دیا۔ وہ اس کی وجہ سے کافی غصے میں تھی۔''

''لیکن مولی تو اس پاگل سے چھٹکارا پانے کے بعد بہت مطمئن نظر آ رہی تھی۔'' ٹرنر نے کہا۔

''میں مولی کو زیادہ نہیں جانتی اور کیٹ نے بھی اس کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں بتایا۔ میرا خیال ہے کہ وہ مولی کے متعلق بات کرنا نہیں چاہتی تھی۔''

''جبکہ وہ دونوں بہنیں تھیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ کیٹ اسے نظرانداز کر سکتی تھی۔'' ٹرنر نے کہا۔ وہ دل میں سوچ رہا تھا کہ کیٹ کی مدد مولی کو کتنی مہنگی پڑی؟

ماریا نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ ''بہرحال یہ ایک سانحہ ہے۔''

وہ کئی سال سے لاشوں کا معائنہ کر رہی تھی۔ اب اس کی ریٹائرمنٹ قریب تھی۔ وہ دوڑنے اور اپنے مکان کی فکر کرنے کے علاوہ چند اور چیزوں میں بھی دلچسپی لے رہی تھی۔ وہ سینٹ ڈیوڈ اسٹریٹ پر رہتی تھی جو شہر کا سب سے چھوٹا علاقہ تھا اور وہاں کے بنگلے ٹرنر کی پہنچ سے باہر تھے۔

اس کا زیادہ وقت مردہ خانے میں گزرتا لیکن گزشتہ دو ماہ سے اس نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ وہ اپنی زندگی میں کچھ تبدیلیاں چاہتی ہے۔ اس نے اشارتاً کہا تھا کہ شاید وہ اپنا عالی شان مکان بیچ کر جھیل کے کنارے کوئی چھوٹا مکان خریدے اور کچھ لکھنے کی کوشش کرے۔

''کیٹ میری حوصلہ افزائی کر رہی ہے اور میں اس کے مشوروں سے مستفید ہو رہی ہوں۔'' اس نے کچھ دن پہلے ٹرنر کو بتایا تھا۔

جب خدمت گار لاشوں کو نیچے لے جا رہے تھے تو ماریا نے کہا۔ ''بظاہر یہ خودکشی لگتی ہے لیکن کل تک میں اس بارے میں مزید بتا سکوں گی۔''

''شکریہ۔'' ٹرنر نے کہا اور ماریا بھی لاشوں کے پیچھے چل دی۔ ٹرنر وہاں سے رخصت ہونے والا آخری شخص تھا۔ رات ہو چکی تھی اور کار کی طرف جاتے ہوئے سردی سے اس کے دانت بج رہے تھے۔ اس نے کار کا دروازہ بند کیا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔

اگلی صبح وہ کار سے اتر کر تقریباً دوڑتا ہوا دفتر پہنچا اور فرینسی کی میز کے سامنے رکھی ہوئی کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہو رہا تھا اور سانسیں بے ترتیب تھیں۔ کچھ دیر بعد جب اس کے حواس بحال ہوئے تو اس نے پوچھا۔

''سائیلنٹ نائٹ، کے بعد کون سا گانا چلا تھا؟''

''کیا؟''

ٹرنر نے اپنا سوال دہرایا تو فرینسی نے اپنی کمر کرسی کی پشت سے لگا لی اور سوچنے لگی کہ کیا وہ کچھ بھول رہی ہے۔ اس نے بڑبڑاتے ہوئے اس خیال کو رد کر دیا اور بولی۔ ''کچھ نہیں، سائیلنٹ نائٹ، کے بعد کچھ نہیں بجا۔ میں اسے کیسے بھول گئی؟''

''یہ بات آج صبح میرے ذہن میں آئی۔ اگر پلیئر کی پروگرامنگ اس طرح سے ہو کہ سی ڈی بار بار چلتی رہے تو سائیلنٹ نائٹ، کے بعد کوئی اور گانا بجنا چاہیے تھا۔''

''میرا خیال تھا کہ ان کے پاس کوئی فینسی ریکارڈ ہے جس میں کئی سی ڈی رکھی ہوئی ہیں لیکن مجھے اس پر شبہ ہے، ماریا کا کہنا ہے کہ ان کے پاس پیسوں کی کمی تھی۔''

''اگر ان کی موت صبح میں ہوئی تو کس نے پلیئر آن

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

کیا اور کیوں؟''

فرینسی کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔ ''میں وہاں جا رہی ہوں۔''

ٹرنر بھی اس کے ساتھ چل دیا اور پسنجر سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''اس واقعے کی اطلاع کس نے دی تھی؟''

''ان کے پڑوسی مسٹر لیسٹر نے۔ اس نے انہیں اتوار سے نہیں دیکھا تھا۔ ان کی کار ڈرائیو وے میں کھڑی ہوئی تھی اور مکان کی لائٹس جل رہی تھیں۔ جب اس نے دروازے پر دستک دی تو کسی نے جواب نہیں دیا۔''

ٹرنر نے سر ہلا دیا۔ ''اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس نے حال ہی میں چند مرتبہ مولی کو ایک کار سے اترتے ہوئے دیکھا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس گاڑی کو کوئی مرد چلا رہا ہے اس نے سوچا.....''

''کیا؟''

فرینسی نے اُس کے چہرے کو دیکھا اور بولی۔ ''اس نے سوچا کہ شاید وہ کسی اور مرد سے ملنے لگی ہے۔ تمہیں کیا ہوا؟ تم ٹھیک تو ہو؟''

''ہاں، کسی نے اس پڑوسی کا بیان لیا ہے؟''

''بروس وہیں گیا ہے۔''

بروس اسے کیٹ کے ڈرائیو وے میں ہی مل گیا۔ اس نے لیسٹر کے بارے میں پوچھا۔

''وہ کیسا شخص ہے؟''

''بہت باتونی لیکن دیکھنے میں بے ضرر لگتا ہے۔ کار فیکٹری سے ریٹائر ہوا ہے، بیوی مر چکی ہے۔ کتابیں پڑھنے کا شوق ہے اور مولی سے ان کا تبادلہ کرتا رہتا تھا اتوار کو بھی وہ اسی لیے ان کے دروازے پر گیا تھا لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔''

''کیا اس نے مکان کے اندر سے موسیقی کی آواز سنی؟''

بروس نے اپنی نوٹ بک کا صفحہ پلٹا اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''نہیں، اس کا کہنا ہے کہ اندر مکمل خاموشی تھی جو کہ ایک غیر معمولی بات ہے کیونکہ مولی اتوار کے روز ریڈیو کے پروگرام سنتی تھی اور بعض اوقات اسے کافی پینے کے لیے اندر بلا لیتی تب بھی ریڈیو چل رہا ہوتا۔ اس کے خیال میں وہ ایک اچھی عورت تھی۔''

ٹرنر نے سر ہلایا اور وہ دونوں عقبی دروازے کی طرف چل دیے۔ گزشتہ شب وہ پہلی بار اس مکان میں آیا تھا۔ اب وہ کچن میں کھڑا ہوا گارڈن کو دیکھ رہا تھا جبکہ فرینسی سی ڈی پلیئر چیک کر رہی تھی۔

عقبی گارڈن ویسا ہی تھا جیسا کہ اس نے سوچا تھا۔ مولی نے بتایا کہ وہی اس کی دیکھ بھال کرتی ہے کیونکہ کیٹ جوڑوں کے درد کی وجہ سے کوئی جسمانی مشقت نہیں کر سکتی تھی۔ اسے جھکنے اور زمین پر بیٹھنے میں تکلیف ہوتی تھی۔ وہ بمشکل تمام لکھ پاتی یا اب اس نے رکی بورڈ استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے کتابیں لکھنے کے لیے ایک ٹائپسٹ کی خدمات حاصل کر لی تھیں۔

عقبی گیٹ کی کنڈی کھلی ہوئی تھی۔ ٹرنر نے اپنے کوٹ کے بٹن بند کیے اور باہر آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ پڑوسی اپنے کچن کی کھڑکی میں کھڑا ہے۔ اس نے ٹرنر کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور وہ اس کے دروازے پر چلا گیا۔

مسٹر لیسٹر چھوٹے قد کا دبلا پتلا شخص تھا۔ اسے دیکھ کر ٹرنر کو اپنے دادا کی یاد آ گئی۔ اس نے اپنا تعارف کروانے کے بعد جوتے باہر ہی اتارے اور مسٹر لیسٹر کے پیچھے چلتا ہوا لیونگ روم اور ڈائننگ روم سے گزر کر کچن میں چلا گیا۔ مسٹر لیسٹر نے دو کپ کافی کے بنائے اور میز پر رکھتے ہوئے بولا۔

''بیوی کے مرنے کے بعد میرے یہاں مہمانوں کی آمد و رفت کم ہو گئی ہے لیکن شاید کچھ بسکٹ رکھے ہوں اگر تم پسند کرو.....''

''نہیں، بس کافی ٹھیک ہے۔'' ٹرنر نے کہا۔

''مجھے تنہائی بہت ستاتی ہے۔ میں ٹھیک طرح سے سو بھی نہیں سکتا۔''

ٹرنر نے کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ ''میں سمجھ سکتا ہوں مسٹر لیسٹر۔''

''میں اکثر اندھیرے میں کرسی ڈال کر بیٹھ جاتا ہوں اور باغ کی طرف دیکھتا رہتا ہوں۔''

''تم پیر کی صبح کیا کر رہے تھے؟''

''میں صبح پانچ بجے کے قریب اٹھا۔ میری نظر بہت اچھی ہے۔ لہٰذا میں نے اس وقت لائٹ نہیں جلائی اور کافی بنا کر باہر دیکھنے لگا۔ ساڑھے پانچ اور پونے چھ بجے کے درمیان میں نے کچھ لوگوں کو اس راستے پر دوڑتے دیکھا جو کیٹ کے عقبی گیٹ کے باہر ہے۔ میں اوپر گیا اور سوئٹر پہن کر واپس آ گیا۔ تب میں نے اس عورت کو دیکھا۔''

''عورت؟''

''میں یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن اس کا قد چھوٹا تھا اس لیے میرا خیال ہے کہ وہ عورت ہی تھی گو کہ میں بھی

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

چھوٹے قد کا دبلا پتلا شخص ہوں۔'' اس نے قہقہہ لگایا۔

''تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ وہ دوڑنے والی تھی؟''

''اس نے رنرز کے اسٹائل میں کسی وقت کے بنا دوڑنا شروع کر دیا۔ تم تو جانتے ہی ہو.....''

''بالکل نہیں، میں نے کبھی دوڑنے کو اتنا آسان نہیں سمجھا۔''

اس شخص نے اپنی ٹانگیں ایک دوسرے پر رکھیں اور بولا۔ ''میں جوانی میں طویل فاصلے کی دوڑ لگایا کرتا تھا۔ دوڑنے والے ہمیشہ اپنے بازو اوپر رکھتے ہیں اور قدم اٹھاتے ہوئے اپنا پاؤں نہیں گھسیٹتے۔''

''اور اس عورت نے بھی یہی کیا؟''

''ہاں اور اس نے بائیں جانب کے راستے کا انتخاب کیا جو کیٹ کے مکان کے پاس سے گزرتا ہے۔ اس ہفتے پورا چاند تھا۔ اس لیے میں اسے دیکھ سکتا تھا جب تک کہ وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی پھر وہ ایک چکر کاٹ کر واپس آئی اور مکانوں کے پیچھے دوڑنے لگی۔''

''اور تم اُسے دیکھتے رہے۔''

''ہاں، میں سات بجے کے بعد بھی وہاں بیٹھا رہا۔ مجھے کہیں جانا نہیں ہوتا اس لیے اٹھنے کی جلدی نہیں تھی۔''

''تم نے دوسرے آفیسر کو اس بارے میں بتایا؟''

''نہیں۔'' وہ شرمندہ ہوتے ہوئے بولا۔ ''اس نے صرف یہ پوچھا تھا کہ میں نے مکان کے آس پاس کسی کو دیکھا۔ وہ عورت واقعی مکان کے آس پاس نہیں تھی۔''

ٹرنر گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔ ''پھر مجھے کیوں بتا رہے ہو؟''

''میں نے اس بارے میں سوچا اور فیصلہ کیا کہ مجھے اس کا ذکر کر دینا چاہیے۔ حالانکہ کھلاڑی اس راستے پر دوڑتے رہتے ہیں۔ اس لیے یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ تم جانتے ہو کہ وہ جنونی ہوتے ہیں۔''

''کیا تم نے دیکھا کہ اس عورت نے کیسا لباس پہن رکھا تھا؟''

''میں اس کا رنگ تو نہیں بتا سکتا لیکن اس عورت نے ہلکی پتلون پہن رکھی تھی جو چاند کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ اس کا بقیہ لباس سیاہ تھا۔''

ٹرنر کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ ''تم نے ہماری بہت مدد کی۔ تمہارا بہت شکریہ۔''

''وہ اچھی پڑوسی تھیں۔ کبھی کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔ کیا انہیں قتل کیا گیا ہے؟''

ٹرنر جوتے پہنتے ہوئے بولا۔ ''ابھی تحقیقات ابتدائی مرحلے میں ہے اس لیے فی الحال کچھ کہنا مشکل ہے۔ تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ انہیں قتل کیا گیا ہے؟''

''وہ اس طرح کی عورتیں نہیں تھیں کہ خودکشی کر لیتیں۔''

ٹرنر نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری کافی اور معلومات کا شکریہ۔ اگر تمہارے ذہن میں کوئی اور بات آئے تو یہ میرا کارڈ رکھ لو۔''

ٹرنر، بروس کے ساتھ پولیس اسٹیشن واپس آیا۔ وہ الیکٹرانکس کے بارے میں ٹرنر اور فرینسی سے زیادہ جانتا تھا۔ اس نے بتایا کہ ان کے سی ڈی پلیئر کو ایک مقررہ وقت پر چلانے کے لیے پروگرام کیا جا سکتا ہے۔

''یہ بالکل تمہاری کافی مشین کی طرح ہے جو تمہارے بستر چھوڑنے سے پہلے چل پڑتی ہے اور کافی تیار ہونے کے بعد بند ہو جاتی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک نے پہلے ہی اس کی پروگرامنگ کر دی ہوگی؟''

''ہاں، بالکل۔''

ٹرنر کا دل یہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ ان دونوں بہنوں نے خودکشی کی ہے۔ پولیس اسٹیشن واپس آنے کے بعد وہ ماریا کے دفتر گیا۔ اسے سراغ رساں کے طور پر کام کرتے ہوئے پندرہ سال ہو چکے تھے لیکن ابھی تک وہ وہاں جانے سے کتراتا تھا۔

''میں ابھی تک کوئی ایسی بات معلوم نہیں کر سکی جس سے ظاہر ہو کہ یہ خودکشی نہیں ہے۔ البتہ ان کے جسمانی نظام میں خواب آور گولیاں پائی گئی ہیں۔'' اس نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ بڑی خوراک نہیں ہے اور صرف اس وقت لی جاتی ہے جب نیند نہ آ رہی ہو یا اس کیس میں آپ مرنے سے پہلے سونا چاہ رہے ہوں۔''

''مولی کبھی خواب آور گولیاں نہیں لیتی وہ.....''

''یہ عام بات نہیں تھی۔ اگر انہوں نے کسی بھی وجہ سے اپنی زندگی ختم کرنے کا فیصلہ کیا تو میں نہیں سمجھتی کہ اس نے کسی ایسی چیز کو لینے سے انکار کیا ہوگا جس سے انہیں مرنے میں آسانی ہو۔''

''نہیں، اس کا شوہر اسے یہ گولیاں دیا کرتا تھا لیکن وہ انکار کر دیتی تھی۔''

''لیکن ایسا نہیں لگتا کہ اس بار بھی وہ جاگنا چاہ رہی تھی۔''

''میں جانتا ہوں کہ اس نے یہ گولیاں نہیں لی ہوں

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

گی۔''

''تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو؟''

''فرض کرو کہ کیٹ نے اسے خفیہ طور پر خواب آور گولیاں دی ہوں۔''

''اس کا مطلب قتل بھی ہوسکتا ہے۔'' ماریا نے نفی میں سر ہلایا اور بولی۔ ''میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ کیٹ نے اپنی بہن کو قتل کیا ہوگا جبکہ اس نے مولی کی زندگی کے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔''

''شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ مولی ایک آزاد اور خودمختار زندگی گزارنا چاہتی تھی جس کی وجہ سے کیٹ اس سے ناراض رہتی تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کا غصہ اور ناراضگی نفرت میں بدل گئی۔''

ماریا نے اپنی رپورٹ کی ایک کاپی اسے دیتے ہوئے کہا۔ ''کسی دوسرے ثبوت کی غیر موجودگی میں مجھے اطمینان ہے کہ ان دونوں نے خودکشی کی ہے۔''

☆☆☆

اپنے باپ کی طرح جب ٹرنر کو بھی نیند نہیں آتی تو وہ گاڑی لے کر سڑکوں پر نکل جاتا۔ اس رات بھی ایسا ہی ہوا۔ ہر طرف گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ آسمان پر کہیں کہیں تارے جھلملا رہے تھے اور دور کہیں کسی مکان کی روشنی اندھیرے کی چادر کو چیر رہی تھی۔

ٹرنر، ڈاؤنی اسٹریٹ سے ہوتا ہوا میئر کی جانب مڑ گیا۔ اسٹریٹ لائٹس برف میں ڈھکی ہوئی تھیں اور بہت سے مکانوں میں روشنی ہو رہی تھی حالانکہ اس وقت صبح کے چار بج رہے تھے۔ جب ٹرنر نوجوانی کی حدود میں داخل ہو رہا تھا تو اس کے والدین سمیت بہت سے لوگ وہاں رہنے کے خواہش مند تھے لیکن اس کی فیملی کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی کیونکہ اس کا باپ نشے کا عادی ہونے کی وجہ سے کوئی کام کرنے کے قابل نہیں تھا۔

'کیوں نہ میں گھر جا کر خواب آور گولیاں لے لوں۔' اس نے سوچا اندھیری رات میں سڑکوں پر بھٹکنے سے تو بہتر ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسے مولی کی خواب آور گولیوں کا خیال آ گیا جس سے اسے اذیت ہونے لگی گو کہ اسے یقین نہیں تھا کہ اس نے وہ گولیاں اپنی مرضی سے لی ہوں گی۔

ماریا کا مکان اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا لیکن لیونگ روم کے پردوں سے روشنی باہر آ رہی تھی۔ اس نے گاڑی سڑک کے کنارے لگائی اور اس کی ہیڈ لائٹس بجھا دیں۔ ''تم اپنی کولیگ کے مکان کے سامنے رات کی تاریکی میں کھڑے کیا کر رہے ہو۔'' اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔ پونے پانچ بجے ماریا مکان سے باہر آئی اور اس نے ڈرائیو وے میں دوڑنا شروع کر دیا۔ اگر وہ اسے دیکھ لیتی تو اس کے پاس کوئی بہانہ نہیں تھا کہ وہ وہاں کیوں کھڑا ہوا ہے لیکن وہ دائیں جانب سڑک پر مڑ گئی اور اس نے البرٹ اسٹریٹ پر دوڑنا شروع کر دیا۔

وہ تیزی سے دوڑ رہی تھی اور جیسا کہ مسٹر لیسٹر نے بتایا اس نے اپنے بازو اوپر کر رکھے تھے۔ ٹرنر نے فاصلہ رکھ کر اس کا تعاقب شروع کیا اور جب وہ مولی کی سڑک پر واقع مکانوں کے پیچھے والے راستے پر دوڑنے لگی تو وہ اس کے پاس سے گزرتا ہوا گھر آ گیا۔

☆☆☆

دو گھنٹے بعد وہ دفتر پہنچا اور فرینسی سے کہا۔ ''چلو کافی پینے چلتے ہیں۔ ڈونٹ کے ساتھ۔ یہ میری طرف سے ہے۔''

''واؤ، میری کرسمس، تمہیں دوبارہ نہیں کہنا پڑے گا۔'' فرینسی نے اس کا کوٹ پکڑا اور اس کے ساتھ چل دی۔ ''مجھے نہیں لگتا کہ رات تم ٹھیک طرح سے سوئے ہو گے۔ کیا مسئلہ ہے؟''

اس نے عمارت سے کچھ دور آنے کے بعد کہا۔ ''ماریا کو ان کے معدوں میں خواب آور گولیوں کی علامات ملی ہیں۔''

''جان اگر میں.....''

''کیا کسی نئی کتاب کے بارے میں معلوم ہوا جس پر کیٹ کام کر رہی تھی؟'' ٹرنر نے فوراً ہی موضوع بدل دیا۔

''کیا ٹائپسٹ نے کچھ بتایا؟''

فرینسی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں اس کے گھر میں کوئی ڈکٹیٹنگ مشین نہیں ملی۔ ہم نے اس کا کمپیوٹر بھی چیک کیا لیکن نئے ناول کے بارے میں کچھ نہیں ملا۔ قصبے میں دو ہی رجسٹرڈ نقل نویس ہیں اور وہ صرف قانونی دستاویزات ٹائپ کرتے ہیں۔ اگر کوئی پیسوں کے لیے چوری چھپے یہ کام کر رہا ہو تو اور بات ہے۔''

''اس پر نظر رکھو اگر نئی کتاب پچھلی سے بہتر ہے.....''

''یہ قتل کا محرک ہوسکتا ہے۔ کیا تم واقعی سمجھتے ہو کہ انہیں قتل کیا گیا ہے؟''

ٹرنر نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ ''میں نہیں سمجھتا کہ مولی نے خودکشی کی ہوگی اور میں جانتا ہوں کہ اس نے خواب آور گولیاں اپنی مرضی سے نہیں لی ہوں گی۔''

وہ ایک الگ تھلگ کونے کی میز پر بیٹھ گئے۔ فرینسی نے ڈونٹ اٹھانے میں دیر نہیں لگائی۔ ٹرنر نے اپنی جیب

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

سے اسپرین کی بوتل نکالی۔ اس کے ہاتھ بڑے اور بھدے تھے اور اکثر اوقات ڈھکنا کھولتے ہوئے آدھی گولیاں زمین پر گر جاتی تھیں لیکن اس مرتبہ فرینسی نے اس کے ہاتھ سے بوتل لی اور دو گولیاں نکال کر اسے پکڑا دیں۔ ٹرنر نے سر ہلا کر اس کا شکریہ ادا کیا اور کافی کے ساتھ وہ گولیاں نگل لیں۔

''میں حیران ہوں کہ تم وہاں کیوں گئے تھے؟'' فرینسی نے کہا۔

''کیا؟''

''یہ ایک چھوٹی جگہ ہے اور یہاں کوئی بات نہیں چھپ سکتی۔ میں اور بروس گھات لگائے رہتے ہیں اس لیے ہمیں معلوم ہو گیا۔''

''تمہارے علاوہ اور کس کو معلوم ہے؟''

''مجھے یقین ہے کہ ماریا بھی جانتی ہے۔''

''ماریا؟''

''اس کے پیٹ میں کوئی بات نہیں رہتی۔ اگر اسے کچھ معلوم ہو گیا تو وہ بات دوسروں تک بھی پہنچ جائے گی۔ میں ثابت تو نہیں کر سکتی لیکن مجھے یقین ہے کہ اس نے لوگوں کو میرے اور بروس کے بارے میں بتا دیا ہے۔''

''ہم بہت محتاط ہیں۔''

فرینسی نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ ''ہم بھی بہت محتاط تھے۔''

''ہم نے تو اتنی احتیاط برتی کہ مجھے محسوس ہوا جیسے ہم کوئی جرم کر رہے ہیں۔'' ٹرنر نے کہا۔

''کسی پڑوسی نے ایک آدمی کو مولی کے گھر کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔''

ٹرنر شرما گیا۔ ''اور مولی کی زبان پھسل گئی۔ شاید اس نے کیٹ کو بتا دیا۔''

''نہیں، ہم اسے اور میری ماں کو کرسمس کے بعد بتانے والے تھے۔''

''وہ دونوں بہنیں ایک دوسرے سے بہت قریب تھیں۔ ایسے لوگ اپنی زبان پر قابو نہیں رکھ سکتے اور کچھ باتیں بغیر کہے بھی سمجھ میں آ جاتی ہیں۔''

ٹرنر نے ڈونٹ کی پلیٹ اس کے آگے بڑھا دی۔ ''میں یہ لنچ میں کھاؤں گی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''کل تم ہمیں کیٹ کے مکان میں چھوڑ کر کہاں غائب ہو گئے تھے؟''

ٹرنر نے اُسے پڑوسی سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا اور صبح اس نے ماریا کا تعاقب کر کے دیکھا، اس کا ذکر بھی کر دیا۔

''اوہ خدایا، میں سمجھ گئی کہ تم اس حوالے سے کیا سو رہے ہو لیکن مجھے امید ہے کہ تم غلطی پر ہو۔''

''مجھے بھی یہی امید ہے۔'' ٹرنر نے کہا اور وہ دونوں جانے کے لیے اٹھ گئے۔

ٹرنر جب سہ پہر میں اپنے اپارٹمنٹ پہنچا تو بہت تھکا ہوا تھا۔ اس کے باوجود وہ جانتا تھا کہ اسے نیند نہیں آئے گی اور اسے خواب آور گولیوں کی ضرورت ہو گی۔ وہ باتھ روم سے گولیوں کی شیشی لے کر آیا اور بستر پر بیٹھ کر اسے کھولنے لگا۔ ڈھکنا بنا کر اس نے شیشی کو الٹا کر کے ہتھیلی پر رکھا۔ اس میں صرف دو گولیاں تھیں۔ گزشتہ ہفتے جب اس نے دو گولیاں نکالیں تو شیشی میں چھ باقی رہ گئی تھیں۔ اسے یقین تھا کہ اس کے بعد اس نے کوئی گولی نہیں نکالی اور شیشی میں چھ گولیاں ہونی چاہئے تھیں لیکن اس میں صرف دو تھیں۔

اس نے وہ گولیاں اور شیشی نیچے پھینکی اور باتھ روم کی طرف دوڑ لگائی لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اسے قے ہو گئی۔ اس نے اپنے کپڑے اتارے اور شاور کے نیچے کھڑا ہو گیا جب اس کے چہرے پر پانی پڑا تو وہ رونے لگا۔

صرف مولی ہی ان گولیوں کے بارے میں جانتی تھی اور اس کے گھر آنے والی وہ واحد فرد تھی۔ پہلی بار جب اس کے اپارٹمنٹ آئی اور اس نے گولیوں کی شیشی دیکھی تو وہ اسے لے کر لیونگ روم میں چلی گئی۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ ٹرنر ان گولیوں کو کس مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ ٹرنر نے بڑی مشکل سے اسے یقین دلایا کہ وہ کبھی بھی اس کے شوہر کی طرح اس کے کھانے یا مشروب میں یہ گولیاں نہیں ڈالے گا۔

جب وہ دونوں ساتھ نہیں ہوتے تو ان کا رابطہ ایس ایم ایس یا ای میل کے ذریعے ہوتا تھا۔ مولی کو فون پر بات کرنا پسند نہیں تھا اور وہ کمپیوٹر بھی زیادہ استعمال نہیں کرتی تھی۔ ان کے گھر میں صرف ایک ہی کمپیوٹر تھا جس پر کیٹ کام کرتی تھی۔ اس کے باوجود وہ کبھی کبھار ٹرنر کو لطیفے اور دلچسپ تصویریں ای میل کے ذریعے بھیجتی رہتی تھی۔ گزشتہ چند روز کے دوران ٹرنر اپنی ای میل چیک نہیں کر سکا کیونکہ موسم کی خرابی کی وجہ سے انٹرنیٹ بھی کام نہیں کر رہا تھا۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

تولیے سے اپنا جسم خشک کرنے کے بعد اس نے ایک بار پھر ای میل چیک کی تو معلوم ہوا کہ انٹرنیٹ سروس بحال ہو چکی تھی۔ مولی نے اسے پیر کی صبح ای میل بھیجی تھی اور اس کے تھوڑی دیر بعد مولی اور کیٹ کی موت واقع ہو گئی تھی۔ ماریا نے ان کی موت کا یہی وقت بتایا تھا۔

وہ اس ای میل کو کھولنا نہیں چاہ رہا تھا لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ اس ای میل کی عبارت کچھ یوں تھی۔ ''میں جانتی ہوں کہ تم میرے پہلے شوہر کے مقابلے میں بہتر شخص ہو لیکن کیٹ اب بھی ویسی ہی حاسد اور کینہ پرور عورت ہے۔ میں تمہاری خاطر اسے تکلیف نہیں پہنچا سکتی۔ مجھے بہت افسوس ہے جان۔''

☆☆☆

جب فرینسی نے اسے پرنٹ آؤٹ واپس کیا تو وہ بولا۔ ''ہم ایک دوسرے سے ملنا چھوڑ سکتے تھے۔ اسے ایسا کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔''

''اس نے کچھ کیا یا نہیں، اس میں تمہاری غلطی نہیں۔ تمہیں نہیں معلوم تھا کہ وہ ذہنی طور پر اتنی کمزور ہے۔''

''اب وہ ایک قاتل کے طور پر پہچانی جائے گی۔''

''ہم اس بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتے۔ اس ای میل کی بنیاد پر با.....''

''خواب آور گولیوں کے بارے میں کیا کہو گی؟''

''جان، تم نے خود ہی کہا تھا کہ تمہیں بوتل کا ڈھکنا کھولتے ہوئے دقت ہوتی ہے اور ہمیشہ کچھ گولیاں گر جاتی ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ چار گولیاں بھی اسی طرح گر گئی ہوں اور تمہیں پتا نہ چلا ہو۔ اس کے علاوہ ہم یہ بھی ثابت نہیں کر سکتے کہ ان کے معدے میں پائی جانے والی وہی گولیاں ہیں۔ انہوں نے جن وجوہات کی بنا پر خودکشی کی ہے، وہ ہم کبھی نہیں جان سکتے۔''

جان نے آگے کی طرف جھک کر دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ اس کے سر میں درد ہو رہا تھا اور اس میں شدت آتی جا رہی تھی۔ ''تم کسی بھی ڈرگ اسٹور سے یہ گولیاں خرید سکتے ہو۔ میری میز کی دراز میں بھی ایسی ایک بوتل ہے جو میں گھر لے جاؤں گی۔''

''ہمیں اُن کے گھر میں خواب آور گولیاں نہیں ملیں۔'' ٹرنر نے کہا۔

''یہ سب اتفاقات ہیں۔ خواب آور گولیاں کہاں سے آئیں۔ یہ بھی ایک اتفاق ہے۔ اس نے اپنی ای میل میں تم سے قطع تعلق کرنے کی بات کی جو کہ تکلیف دہ ہے۔ اس سے زیادہ بدشگونی کوئی نہیں ہو سکتی۔ میں نہیں سمجھتی کہ ان کی بنیاد پر ہم اسے قاتل قرار دے دیں۔ کیا تم ایسا سمجھتے ہو؟''

''تمہاری چھٹی حس کیا کہہ رہی ہے؟''

''میں نے شروع سے اس معاملے میں اپنی چھٹی حس پر بھروسا نہیں کیا۔''

☆☆☆

کیونکہ ان دونوں بہنوں کا کوئی رشتے دار حیات نہیں تھا۔ اس لیے ٹرنر نے ہی ان کی تجہیز و تکفین کے انتظامات کیے۔ انہیں ان کے باپ کے قریب ہی دفن کیا گیا تھا۔

اگلے کرسمس تک ماریا ریٹائر ہو چکی تھی اور اس نے اپنا بڑا مکان بیچ کر جھیل کے کنارے ایک چھوٹا کاٹیج خرید لیا تھا۔ اس نے ای میل کے ذریعے ٹرنر کو اطلاع دی کہ اس نے بوسٹن کی ریس میں حصہ لینے کے لیے کوالیفائی کر لیا ہے۔ بعد میں جب ٹرنر، بروس اور فرینسی کو الگ الگ پیکٹ ملے تو وہ یہی سمجھے کہ ان میں ریس کی تصویریں ہوں گی۔ وہ لنچ روم میں کرسمس پارٹی ختم ہونے کے بعد بیٹھے ہوئے تھے اس لیے انہیں اپنے پیکٹ کھولنے کا موقع مل گیا۔

سب سے پہلے ٹرنر نے پیکٹ کھولا اور اس میں گتے کی جلد والی کتاب دیکھ کر اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ بروس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ ''اوہ میرے خدا۔'' فرینسی صرف سر ہلا کر رہ گئی۔

ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہاتھوں کی تصویر پر سرخ حروف میں The Suicide Murders لکھا ہوا تھا۔ ماریا نے ہر کاپی پر لکھا۔ ''میں تمہاری مدد کے بغیر یہ نہیں کر سکتی تھی۔'' اس کے نیچے اس نے اپنے دستخط کیے تھے۔ سی ڈی پلیئر پر کرسمس کے گیت بج رہے تھے لیکن انہوں نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی لیکن جب سائیلنٹ نائٹ، شروع ہوا تو فرینسی بے اختیار رونے لگی۔ بروس کی نظریں سامنے جم گئیں اور ٹرنر نے وہ کتاب اپنے اوورکوٹ کی جیب میں رکھ لی۔ باقی دونوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ لنچ روم کی لائٹس بند کرتے ہوئے فرینسی کو امید تھی کہ کیٹ اور مولی دونوں اپنی قبروں میں آرام سے سو رہی ہوں گی تاہم وہ اور اس کے ساتھی کبھی نہیں جان سکیں گے کہ انہوں نے خودکشی کیوں کی البتہ مرتے وقت بھی انہوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے رکھا تھا۔

❖❖❖

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

قسط: 03

اناگیر

امجد جاوید

زندگی کی کشمکش میں فنا و بقا ایک حقیقت ہے۔ قدرت کا دستور ہے کہ کوئی غیر معمولی طاقت اسی کو ملتی ہے جو اس کا موزوں استعمال جانتا ہے۔ فنا و بقا سے نبرد آزما ہونے والے خود شناس ہوتے ہیں۔ یہ وصف انہی کو حاصل ہوتا ہے جو اناگیر ہوں اور اپنا ادراک رکھتے ہوں... جو ظلم و جبر کے بگولوں کو مات دینا جانتے ہوں... سنہری ریت کے باطن سے اُبھرنے والے ایک نوجوان کی پرت در پرت کھلتی داستانِ دل نواز۔ وہ ریت کی طرح بکھر سکتا تھا مگر ذروں میں بٹ نہیں سکتا تھا۔ دھرتی کی مٹی میں نکھرنے اور سنورنے کا فن بخوبی جانتا تھا... اپنی ذات کو انا کے بھنور سے بچانا جانتا تھا... حالات کی آندھیوں کے سامنے سینہ سپر ہونے کے گر سے آگاہ تھا۔ جانتا تھا کہ بگولے ریت کو اِدھر اُدھر لے جاسکتے ہیں، فنا نہیں کر سکتے۔ ریشمی سراب تھے جو اس کی راہ میں حائل ہو رہے تھے۔

صحرا کے سرابوں سے ایک دیدہ ور دل فگار نوجوان کی ہنگامہ خیزیاں

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

پیروزاں کی متوحش نگاہیں مجھ پر ٹکی ہوئی تھیں۔ اُسے یقین نہیں آرہا تھا کہ میں اس روپ میں بھی اس کے سامنے آسکتا ہوں۔ میں نے پسٹل سیدھا کیا، اس کا ہاتھ چھوڑ کر سیفٹی کیچ ہٹا دیا، میرے ہونٹ بھنچ گئے اور میرے کانوں میں چیخیں گونجنے لگیں۔ جلتے ہوئے گھر کی آگ سے جو تپش... ہوتی ہے، اس سے میرا بدن دہکنے لگا۔ وہ گولی جو پسٹل سے نکلنے والی تھی، وہ محض ایک گولی نہیں میری نفرت تھی جو میں پیروزاں کے دماغ میں اتار دینا چاہتا تھا۔ میں دانت پر دانت جمائے، شعلہ بار آنکھوں سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ وہ موت کے خوف سے کانپ اٹھی تھی۔ اس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔

''رک جاؤ علی.....'' ساوری کی تیز آواز میرے کانوں میں گونج اٹھی۔ میں نے دیوانہ وار بھاگ کر آتی ہوئی ساوری کو دیکھا۔ وہ ہم سے چند فٹ کے فاصلے پر آکے رک گئی، پھر اُلجھی ہوئی سانسوں میں ہکلاتے ہوئے بولی۔ ''بی بی سچن کو چھوڑ دو، ان کا کوئی قصور نہیں ہے۔''

''تم کون ہو گواہی دینے والی؟'' میں نے انتہائی تلخی سے کہا۔

''سب کچھ غلط فہمی میں ہو رہا ہے۔ اگر بیٹھ کر بات سمجھنے کی کوشش کرو تو سب سمجھ میں آجائے گا۔'' اس نے تیز تیز انداز میں کہا۔

''میں نے اسے چھوڑ دیا تو یہ اگلے ہی لمحے مجھے قتل کروانے کا حکم دے دے گی۔ یہ صرف دھوکا دے سکتے ہیں۔ کسی کا اعتماد نہیں جیت سکتے۔'' میں نے نفرت سے کہا تو پیروزاں بھی بول اٹھی۔

''ایک بار مجھ سے بات کر کے دیکھ لے، پھر جو تیرا دل چاہے کرنا۔''

''چل آ بیٹھ..... بتا کس طرح تم نے مجھے دھوکا نہیں دیا۔'' میں نے اس کا بازو چھوڑتے ہوئے کہا تو وہ ایک دم سے سیدھی ہو کر کھڑی ہو گئی۔ پھر ایک طویل اور گہرا سانس لے کر بولی۔

''چل آ، اِدھر بیٹھ۔''

ہم دونوں چلتے ہوئے چارپائیوں تک آگئے۔ وہ میرے سامنے بیٹھ گئی اور ساوری ایک جانب کھڑی ہو گئی۔ تبھی پیروزاں نے کہا۔

''میں جب شہر میں تھی، مجھے تب ہی پتا چل گیا تھا کہ میری گائیں چوری ہو گئی ہیں۔ وہ گائیں رَتّو بھوہڑ نے چوری کروائی ہیں اور یہ بھی پتا چل گیا تھا کہ اس نے ان گائیوں کے عوض تجھے مانگا ہے۔''

''پھر تم دونوں بہن بھائیوں نے مجھے.....'' میں نے کہنا چاہا تو وہ میری بات کاٹتے ہوئے تیزی سے بولی۔

''میں نے میرن شاہ سے بات ضرور کی تھی لیکن میں ہرگز تجھے انہیں دینے کی بات تو کیا خود سے الگ کرنے کا سوچ بھی سکتی۔'' یہ کہہ کر وہ سانس لینے کو رکی پھر کہتی چلی گئی۔ ''میرن شاہ کا مجھے یہی مشورہ تھا کہ میں تجھے ان کے حوالے کر دوں، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہماری صلح ہو جائے گی۔ سب مسئلے ختم ہو جائیں گے، ہماری کوئی دشمنی نہیں رہے گی۔ کیونکہ اُن سے دشمنی میری تھی۔ میرن شاہ کی نہیں مگر میں یہ چاہتی تھی کہ تجھے نہیں دینا، اس کے علاوہ جو بھی بات ہو، وہ کی جا سکتی ہے۔ اس پر وہ راجھستانی نہیں مان رہے تھے۔''

''جو بھی تھا، مجھے رَتّو بھوہڑ کو دینے کا فیصلہ کس کا تھا؟'' میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔ اس نے ایک لمحہ میری جانب دیکھا پھر دھیرے سے بولی۔

''میرن شاہ کا۔''

''تجھ سے بات کی؟'' میں نے سختی سے پوچھا۔

''نہیں۔'' وہ دھیمے سے بولی۔

''تم بھی اتنی قصوروار ہو جتنا تمہارا بھائی ہے۔ اب میری اور تم لوگوں کی دشمنی ہے۔ بتا دینا اپنے بھائی کو.....'' میں نے کہا اور اٹھ گیا۔ میرے سامنے ساوری کھڑی تھی۔ میں نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا جہاں کسی بھی قسم کے کوئی جذبات نہیں تھے۔ میں نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ ''اب بتا اس پیروزاں کا قصور ہے کہ نہیں، اس نے دھوکا دیا کہ نہیں؟''

وہ خاموش رہی۔ اس نے سر جھکا دیا۔ میں نے مزید کوئی بات نہیں کی بلکہ اپنا بیگ اٹھایا اور جیپ تک آگیا۔ پیروزاں میری طرف دیکھ رہی تھی لیکن اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ مجھے روک لے۔

میں سیدھا زمان موہل کے پاس چلا گیا۔ وہ گوپے ہی میں تھا۔ مجھے دیکھتے ہی بولا۔ ''رات کہاں تھے؟''

''کیوں، تم کیوں پوچھ رہے ہو؟'' میں نے اُس کے پلنگ پر لیٹتے ہوئے پوچھا تو وہ دبے دبے جوش سے بولا۔

''رَتّو بھوہڑ کے ڈیرے پر رات واردات ہو گئی۔ اس کے بندے اٹھا لیے گئے۔ مطالبہ یہی ہے کہ گائیں واپس بھجوا دی جائیں، یہ تمہارے علاوہ کون کر سکتا ہے؟''

''میں گیا ہی نہیں اس کے ڈیرے پر، اب آگے بول۔'' میں نے صاف جھوٹ بولتے ہوئے کہا تو وہ حیرت سے میری

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

جانب دیکھنے لگا پھر سرسراتے ہوئے لہجے میں بولا۔
''تو پھر وہ کون تھے؟ وہ تو یہی سمجھ رہے ہیں؟''
''تمہاری بات ہوئی اُن سے؟'' میں نے جواب دینے کے بجائے اس سے پوچھا تو اس نے ہاں میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
''دن نکلنے سے پہلے ہی رَتّو بھوہڑ کی کال آگئی تھی مجھے۔ اس نے میرے بارے میں پوچھا، میں نے تصدیق کی کہ تم ڈیرے پر ہو۔''
''اب کرو کال اُسے اور میری بات کراؤ۔'' میں نے اچانک کہا تو زمان جز بز ہو گیا، پھر سیل فون نکال کر نمبر ملائے اور فون میری جانب بڑھا دیا۔ کچھ ہی لمحوں بعد دوسری جانب رَتّو بھوہڑ تھا۔
''ہاں بول، زمان کیا خبر ہے؟''
''میں بات کر رہا ہوں علی زین..... مجھ سے پوچھ کیا پوچھنا ہے؟'' میں نے پُرسکون انداز میں کہا تو دوسری جانب خاموشی چھا گئی، پھر غصے میں بھری ہوئی آواز ابھری۔
''میں یہ مانتا ہوں کہ تم میں بہت حوصلہ ہے لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ تم ان کے لیے کام کر رہے ہو، جو تمہیں بھی مروا دینا چاہتے ہیں۔''
''میں کن کے لیے کام کر رہا ہوں اور کن کے لیے نہیں، اِسے چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ میں کہاں آؤں؟'' میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔
''کیا مطلب.....؟'' وہ میری بات نہیں سمجھا تھا۔
''تم مجھے تلاش کر رہے ہو نا، مجھے ڈھونڈ کر مارنا چاہتے ہو، اسی لیے تم نے پیروزاں کی گائیں چرا کر انہیں بلیک میل کیا۔ ان سب کو چھوڑو، میں خود آتا ہوں جہاں تم کہو۔ پھر تم کو میرے ساتھ جو کرنا ہے، کر لینا۔'' میں نے کہا تو وہ پھر خاموش ہو گیا۔
''تم اتنے جی دار ہو یا محض.....'' وہ تذبذب سے بولا۔
''میں کہہ رہا ہوں، نہیں تو آجاؤ یہاں، میں زمان موہل کے پاس بیٹھا ہوں۔ یہاں آکر مجھے پکڑ لو۔ اگر تم میں ہمت ہے۔'' میں نے اسے غیرت دلائی تو اس نے کوئی جواب دیے بغیر کال کاٹ دی۔ میں نے سیل فون کو دیکھا اور زمان موہل کو واپس کر دیا۔ ہم میں خاموشی چھا گئی۔ ظاہر ہے وہ اپنی جگہ سوچ رہا تھا کہ اگر رَتّو بھوہڑ اس کے پاس آہی گیا تو پھر اس کا گھر میدانِ جنگ بن جائے گا؟ میرن شاہ اور پیروزاں کو کیا جواب دے گا؟ ممکن ہے اس کے علاوہ بھی کچھ سوچ رہا ہو۔ تبھی اس نے یونہی بات بڑھانے کے لیے پوچھا۔
''تمہارا فون کہاں ہے؟''
''میں دے آیا ہوں پیروزاں کو۔ اب مجھے ڈیرے پر نہیں رہنا۔ اب میری اور میرن شاہ کی دشمنی ہے۔'' میں نے بڑے اطمینان سے کہا تو وہ بُری طرح چونک گیا۔ وہ ہونقوں کے مانند میری جانب دیکھنے لگا جیسے میں نے یہ بات پاگل پن میں کہی ہو۔
''کیا کہہ رہے ہو تم؟'' اس نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔
''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور انتہائی اختصار سے بتا دیا کہ میں وہاں سے کیوں آگیا ہوں۔ وہ ساری بات سن کر بولا۔
''سمندر میں رہ کر مگر مچھ سے بیر..... میرن شاہ سے دشمنی اور اسی کی بستی میں رہو گے، پاگل ہو گئے ہو کیا؟'' اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔
''تم فکر نہ کرو، میں تمہارے پاس نہیں رہوں گا۔ میں تمہیں کسی امتحان میں نہیں ڈالوں گا۔ تم چاہے.....'' میں نے کہنا چاہا تو اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔
''میں بے غیرت نہیں ہوں کہ اپنے محسن کو یوں بے یارو مددگار چھوڑ دوں، تم نے مجھے ایک نئی زندگی دی ہے، میرن شاہ کے لیے تو میں کام کرتا ہوں۔ اس میں اور تم میں زمین آسمان کا فرق ہے لیکن..... اس سے اچھا نہیں کہ تم واپس چلے جاؤ؟''
''اب نہیں، اس وقت تک نہیں جب تک میں میرن شاہ کو اپنے قدموں پر نہ جھکا لوں۔'' میں نے دانت پیستے ہوئے کہا تو زمان موہل میری جانب یوں دیکھنے لگا جیسے اسے میری ذہنی حالت پر شک ہو رہا ہو۔ اس کے ساتھ ایسا ہونا بھی تھا۔ وہ نہ میری بات سمجھ سکتا تھا اور نہ مجھے۔ اسے حیرت ہونا ہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا، زمان کا فون بج اٹھا۔ وہ بے ساختہ بولا۔
''اوئے رَتّو بھوہڑ کا فون۔''
''سن کیا کہتا ہے۔'' میں نے کہا تو اس نے کال ریسیو کر لی اور پھر اسپیکر آن کر دیا۔ دوسری جانب رَتّو بھوہڑ ہی تھا۔
''یار وہ علی تیرے پاس ہے یا چلا گیا ہے؟''
''نہیں میرے پاس بیٹھا ہے۔''
''اسے کہو، میں میرن شاہ کے پاس آرہا ہوں، وہ مجھے وہیں ملے۔'' رَتّو بھوہڑ نے بڑے سکون سے کہا۔
''لیکن اب وہ میرن شاہ کے ساتھ تمہیں نہیں ملے گا۔''

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

زمان موہل نے کہا تو وہ حیرت سے بولا۔
''وہ کیوں.....؟''
''اس لیے کہ اب اُس کی اور میرن شاہ کی دشمنی چل پڑی ہے۔'' زمان نے کہا تو اس نے حیرت سے پوچھا۔
''وہ کیوں؟''
''یہ بتاؤ، تم نے گائیوں کے عوض علی کو مانگا تھا؟''
''ہاں، یہی شرط تھی۔'' اس نے تیزی سے کہا۔
''یہ بات اب علی کو پتا ہے، ظاہر ہے میرن شاہ نے دھوکا دیا ہے اسے اور وہ اب میرن شاہ کا دشمن ہے۔'' زمان نے بتایا تو دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔ چند لمحوں بعد اس نے کہا۔
''یہی بات میں علی کو سمجھانا چاہ رہا تھا۔ ان بہن بھائی کے لیے انسانوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اب ان کی گائیں واپس چلی جائیں گی۔ میں بھی علی کے خون کا پیاسا اور وہ بھی اسے مارنا چاہیں گے۔ وہ قتل ہو گیا تو انہیں کیا فرق پڑنے والا ہے۔''
''ہاں یہ تو ہے.....'' زمان نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔
''بس پھر، اب ہماری اس سے دشمنی نہیں رہی، اسے بتا دینا۔'' رَتّو بھوہڑ نے کہا تو زمان بولا۔
''میں نے اسپیکر آن کیا ہوا ہے اور وہ سن رہا ہے۔''
''تم ان کی گائیں دو یا نہ دو، یہ میرا معاملہ نہیں اور نہ میرا مسئلہ تھا۔ میں نے تم لوگوں سے دھوکا نہیں کیا، صاف بتا دیا کہ سب کچھ غلط فہمی میں ہوا، کوئی بھی مجھے مارنے آتا تو مجھے اپنا دفاع کرنا تھا۔ اب بھی تمہیں دشمنی کرنی ہے تو کرو.....سر آنکھوں پر لیکن اب میں نے میرن شاہ کو بھی اپنا دشمن بنا لیا ہے۔ اب دیکھنا اس کے ساتھ ہوتا کیا ہے۔''
''دیکھتے ہیں، گائیں تو میں نے بھیج دی ہیں۔ انہوں نے میرے بندے اٹھائے ہیں، اگر تم ان کے بارے میں بتا دو تو میں تم سے دوستی کر لوں گا۔'' رَتّو بھوہڑ نے آفر دی۔ میں یہی چاہتا تھا۔ مجھے وہ کافی حد تک معاملہ فہم لگا تھا، اس قدر جلدی اس نے حالات کو سمجھ کر اپنا فیصلہ دے دیا تھا۔
''مجھے نہیں معلوم تمہارے بندے کہاں ہیں، یہ بھی سن لو! نہ مجھے تمہاری دوستی سے غرض ہے اور نہ دشمنی سے.....'' میں نے صاف انکار کر دیا۔
''دیکھو، اگر تم ہمارے اور میرن شاہ کے درمیان سے ہٹ رہے ہو تو پھر تمہیں کوئی نہ کوئی ثبوت دینا ہوگا۔ پھر ہم جانیں اور میرن شاہ.....'' اس نے واضح انداز میں کہا تو میں نے چند لمحے سوچ کر کہا۔
''چلو ٹھیک ہے..... اگر پیروزاں اور میرن شاہ نے وہ بندے اٹھوائے ہیں تو میں بہت جلد انہیں تلاش کر لوں گا، یہ میرا وعدہ رہا۔''
''میں منتظر ہوں۔'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔
زمان خاموش رہا پھر عجیب سے خوف بھرے انداز میں بولا۔ ''علی، کہیں کسی دلدل میں نہ پھنس جانا، ایک بار پھر سوچ لو، کہیں وہ تمہیں پھنسا نہ رہے ہوں۔''
''فکر نہ کرو زمان، سب اچھا ہو جائے گا، تم کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرو۔'' میں نے کہا اور پلنگ پر پھیل گیا۔ حالات بڑی جلدی بدل گئے تھے۔ میں لیٹا ہوا انہی حالات پر سوچ رہا تھا۔
دوپہر ہونے کو تھی۔ گرمی کافی حد تک بڑھ گئی تھی۔ زمان کچھ دیر میرے پاس بیٹھا تھا پھر وہ بھی غائب ہو گیا تھا۔ وہ کیا کر رہا تھا اور کہاں تھا، اس کی مجھے خبر نہیں تھی۔ ابھی تک آفتاب کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آئی تھی۔ اس کا مطلب تھا وہاں سب ٹھیک تھا لیکن میری بے چینی بڑھ رہی تھی۔ میرن شاہ اور پیروزاں کی طرف سے کوئی ردِعمل سامنے نہیں تھا۔ میں اسی اُدھیڑ بُن میں تھا کہ زمان تیزی سے گوپے میں داخل ہوا، اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ وہ میرے سامنے پیڑھے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔
''پیروزاں کی گائیں واپس آ گئی ہیں۔''
''تو پھر پیروزاں کو بھی چاہیے کہ ان کے بندے واپس کر دے۔'' میں نے سکون سے کہا تو وہ جھجکتے ہوئے بولا۔
''یار، وہ تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔''
''بات کرنے میں تو کوئی حرج نہیں۔'' میں نے کہا تو زمان نے فوراً فون نکالا اور نمبر پش کر کے رابطے کا انتظار کرنے لگا۔ ذرا سی دیر میں رابطہ ہوا تو اس نے فون میری جانب بڑھا دیا۔
''ہاں پیروزاں مائی، بتاؤ کیا کہنا چاہتی ہو۔''
''تم تو ایک دم مجھ سے بدظن ہو گئے ہو۔ نہ کچھ سوچا نہ سمجھا۔'' اس نے شکوہ بھرے انداز میں کہا تو میں بولا۔
''تم بھی جانتی ہو کہ میں بدظن کیوں ہوا ہوں۔ دھوکا دیا ہے مجھے تم نے۔''
''چل چھوڑ سارا غصہ اور.....''
''بکو مت، میں اب تم پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ بچنا ہے تو اب میرے قہر سے بچو تم بھی اور تمہارا بھائی بھی۔'' میں نے

www.pakistanipoint.com

انتہائی غصے میں کہا۔

''تم کوئی آسمان سے اتری ہوئی مخلوق نہیں ہو اور نہ ہی تم لوہے کے بنے ہو، اس قدر غرور سے بات کرو گے تو مٹی میں ملا دوں گی۔'' وہ غراتے ہوئے بولی تو مجھے لگا اس کے اعصاب جواب دے گئے ہیں۔ وہ اب کھل کر سامنے آگئی تھی۔ تبھی میں نے اسے غصہ دلاتے ہوئے مزید کہا۔

''تو پھر دیر کس بات کی ہے، میں یہاں زمان موہل کے پاس ہوں، آکر اٹھا لو مجھے اگر تم میں اور تمہارے بھائی میں ہمت ہے تو.....'' میں نے تضحیک آمیز لہجے میں کہا تو وہ تڑپ کر بولی۔

''تیرا یہ شوق بھی میں پورا کرتی ہوں۔''

''میں اکیلا اور تمہارے پاس فوج ہے لوگوں کی، دھمکیاں مت دو، آؤ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔'' میں نے اسے پھر سے غصہ دلایا تو اس نے فون بند کر دیا۔ میں نے فون زمان کو واپس کر دیا تو وہ بولا۔

''یار مجھے یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم یہ خودکشی کیوں کر رہے ہو؟ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی.....''

''تم اگر میرا ساتھ دینا چاہتے ہو تو خاموش رہو، کچھ نہ کرو۔ ورنہ ابھی یہ جگہ چھوڑ کر جا رہا ہوں۔'' میں نے غصے میں کہا تو وہ خاموش رہا۔ میں اٹھا اور باہر کی جانب چل دیا۔ میں اپنی جیپ میں آبیٹھا اور وہاں سے نکلتے ہی میں نے فون پر آفتاب سے رابطہ کیا۔

''ہاں سناؤ، کیا حالات ہیں؟''

''سکون ہے، وہ بندے بھی سو رہے ہیں، ہر طرف امن ہے۔''

''چلو بہت کر لیا آرام، ان بندوں کو چھوڑ کر آدھے گھنٹے کے اندر اندر مجھے ملو۔'' میں نے تیزی سے کہا تو اس نے پوچھا۔

''خیریت ہے نا؟''

''نہیں، پیروزاں نے دھمکی دی ہے، میں یہاں اکیلا ہوں۔ دیکھتے ہیں وہ سامنے آتے ہیں یا نہیں۔'' میں نے کہا تو وہ ساری بات سمجھ گیا اس لیے تیزی سے بولا۔

''ٹھیک ہے، ملتا ہوں۔''

میں نے فون بند کر کے جیب میں ڈالا اور جیپ لے کر نکل پڑا۔

☆☆☆

آفتاب نے وہ آدمی ویران صحرا میں ایسی جگہ لے جا کر چھوڑے تھے جہاں سے پتا نہ چلے کہ وہ رات بھر کہاں رہے ہیں۔ اس میں انہیں آدھا گھنٹا لگ گیا تھا۔ آفتاب نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر باتوں ہی باتوں میں اُن آدمیوں کو یہ باور کرا دیا تھا کہ انہیں پیروزاں نے اٹھوایا تھا۔ اب جبکہ اس کی گائیں واپس آگئی ہیں تو انہیں چھوڑا جا رہا ہے۔ وہ تینوں اب میرے قریب تھے اور میں بستی چراغ شاہ کے قریب پہنچ چکا تھا۔

بستی کے باہر ایک جگہ کھجوروں کا جھنڈ تھا۔ میں نے جیپ وہیں روکی اور جیپ سے اتر کے کچھ فاصلے پر بنی ایک جھونپڑی میں جا بیٹھا۔ مجھے یہی امید تھی کہ اگر پیروزاں کے لوگ مجھ تک پہنچنے کے لیے آئے بھی تو اسی طرف سے آئیں گے۔ میں وہیں گھات لگا کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد میں نے آفتاب کو اپنی لوکیشن کے بارے میں بتایا اور انتظار کرنے لگا۔

زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ مجھے دور سے چند جیپیں آتی ہوئی دکھائی دیں۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ رہی تھیں۔ مجھے پوری امید تھی کہ راستے میں کھڑی ہوئی میری جیپ دیکھ کر وہ ضرور رکیں گے۔ یہی ہوا..... ان کی جیپوں کی رفتار کم ہوئی اور ایک جانب کھڑی میری جیپ کے نزدیک آرکے۔ آفتاب لوگوں کو صورتِ حال بتا دی تو وہ تیزی سے اسی جانب آنے لگے۔ وہ تین سمتوں میں پھیل کر آگے آگئے تھے میں جھونپڑی میں کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔ ان میں سے کچھ لوگ جیپ سے اترے تو میں نے میرن شاہ کے غنڈے سبحان کو دیکھ لیا۔ وہ جیپ سے اتر کر اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہ اسی جھونپڑی پر پڑی میں جس میں کھڑا تھا۔ وہ بالکل درست اندازہ لگا رہا تھا لیکن نجانے کیوں تذبذب کے عالم میں کھڑا کیا سوچ رہا تھا۔

وہ دس بارہ افراد تھے۔ ان کے عقب میں دو جیپیں کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ پھیل کر کھڑے ہو گئے تھے۔ سبھی کے ہاتھوں میں اسلحہ تھا۔ کسی کے ہاتھ میں گن تھی اور کسی کے ہاتھ میں پسٹل یا ریوالور۔ وہ سب اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔ میں نے اپنا فون آن کیا ہوا تھا اور مسلسل آفتاب کو بتا رہا تھا کہ سامنے کی صورتِ حال کیا ہے۔ وہ بھی مختلف جگہوں پر گھات لگا چکے تھے۔ سبحان اور اس کے ساتھی انہیں بھی اچھی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ اچانک سبحان نے اِدھر اُدھر دیکھ کر اونچی آواز میں کہا۔

''اوئے علی زین، چپ چاپ سامنے آجا، میں تجھے کچھ نہیں کہوں گا۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ دم سادھے وہیں کھڑا

waqarazeem www.pakistanipoint.com

رہا۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ اس کے ساتھی بھی اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے وہ بالکل تیار تھے۔ انہیں میری ذرا سی بھی بھنک مل جاتی تو مجھے قابو میں کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتے تھے۔ اس نے جب دوسری بار یہی صدا لگائی تو میں نے گن سیدھی کر لی۔ جیسے ہی وہ پھر اونچی آواز میں بولا اسی لمحے میں نے کہا۔

''ایک.....دو.....تین.....فائر.....''

ایک دم سے فضا فائرنگ کی خوفناک آواز سے تڑتڑا اٹھی۔ اس کے ساتھ ہی کئی چیخیں بلند ہوئیں۔ کئی خون میں لت پت ریت پر تڑپ رہے تھے۔ وہ ہونقوں کے مانند چاروں جانب دیکھ رہے تھے۔ انہیں سمجھ ہی نہیں آئی کہ فائر کس جانب سے ہوئے ہیں، ان میں جو زخمی نہیں ہوئے تھے۔ وہ کسی آڑ کی تلاش میں بھاگے مگر میں انہیں یہ موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ ایک بار پھر سے چاروں جانب سے فائرنگ ہوئی۔ انہیں سمجھ نہیں آرہا تھا اس لیے ان میں بھگدڑ مچ گئی۔

''ہتھیار پھینک دو۔'' مدثر کی آواز گونجی تو انہوں نے اپنا رخ اسی جانب کر کے فائرنگ کی لیکن تیسری بار بھی انہیں لگا کہ وہ غلطی پر ہیں۔ ایک زوردار برسٹ پڑا۔ کئی چیخیں بلند ہوئیں۔ اگلے ہی لمحے انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔

''سر پر ہاتھ رکھو اور اپنی جیپوں میں بیٹھ کر بھاگ جاؤ۔'' ایک سمت سے جہانگیر کی آواز گونجی تو سامنے پڑے زخمیوں میں جیسے جان آگئی۔ وہ بے یقینی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے تھے۔

''سبحان کے علاوہ باقی چلے جائیں اگر رکے تو انہیں گولی ماردیں گے۔'' میں نے کہا تو وہ وحشت ناک انداز میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ انہیں یقین ہو گیا کہ میں جھونپڑی میں ہوں لیکن کسی کی ہمت نہیں پڑی کہ کوئی ہتھیار اٹھا کر میری سمت بڑھتا۔ وہ تیزی سے جیپوں میں بڑھ رہے تھے۔ سبحان ریت پر پڑا کراہ رہا تھا۔ اس کی ٹانگیں لہولہان ہو رہی تھیں۔ اگلے دو منٹ میں وہاں سوائے سبحان کے کوئی نہیں تھا۔ ایک دم سے سناٹا چھا گیا تھا۔ میں جھونپڑی سے نکلا اور اس کی جانب بڑھ گیا۔ وہ وحشت ناک انداز میں میری ہی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ گڑگڑاتے ہوئے بولا۔

''مجھے جانے دو، میں مرجاؤں گا۔''

میں نے اُس کے سینے پر پاؤں رکھتے ہوئے نفرت سے کہا۔

''اور جن لوگوں کو تم نے مارا ہے، ان کی جان نہیں تھی کیا؟''

''وہ تو میرن شاہ کا حکم.....''

''اور میری اُس سے دشمنی ہے۔'' میں نے کہا تو وہ خوف زدہ انداز میں میری جانب دیکھنے لگا، میں نے پاؤں کا دباؤ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اگر سچ کہو گے تو شاید تمہیں معاف کر دوں، اسپتال بھی لے جاؤں گا، ورنہ تمہیں قبر بھی نصیب نہیں ہوگی، یہیں آگ لگا دوں گا تمہیں۔''

میرے لہجے کا اثر تھا یا اپنے انجام کی اذیت۔ وہ مرے ہوئے انداز میں بولا۔

''پوچھو.....کیا.....پوچھتے ہو؟''

''پرسوں رات ڈیرے پر تم اٹھانے آئے تھے مجھے؟''

''ہاں، میں تھا..... میرن شاہ نے..... کہا تھا..... تجھے..... اٹھا لاؤں۔'' اس نے تکلیف برداشت کرتے ہوئے کہا۔

''میں تو اسی گھر میں تھا، کہاں لے جانا تھا؟'' میں نے تیزی سے پوچھا۔

''گوپے پر..... وہاں رَتّو..... کے لوگوں..... کے حوالے.....کرنا تھا۔'' اس نے اٹکتے ہوئے کہا۔

''اب کس کے کہنے پر آئے ہو؟'' میں نے ایک خیال کے تحت پوچھا۔

''پیروزاں نے..... میرن شاہ کی مرضی..... کے بغیر نہیں۔'' اس نے اذیت بھرے لہجے میں کہا۔ اس دوران وہ تینوں مجھ سے کچھ فاصلے پر آن پہنچے۔ مجھے سوال جواب کرتا دیکھ کر رک گئے۔ ایسے میں سبحان کی جیب میں پڑا فون بج اٹھا، اس نے نکالنے کی کوشش کی لیکن نکال نہیں پایا۔ آگے بڑھ کے میں نے وہ فون نکال لیا۔ فون مسلسل بج رہا تھا۔ میں نے کال ریسیو کی تو پیروزاں چیختے ہوئے بولی۔

''کہاں ہو تم.....؟''

''ابھی تو زندہ ہے لیکن ممکن ہے کچھ دیر بعد اگلے جہان پہنچ جائے۔''

''تو.....'' اس نے حیرت سے کہا۔

''ہاں میں، یہی پوچھنا تھا نا کہ کتنے مرے اور کتنے زندہ ہیں، ہم یہ حساب بعد میں کرتے ہیں، پہلے یہ فیصلہ کر کے بتا دو تم میں سے پہلے کون مرے گا، تم یا میرن شاہ.....'' میں نے پُرسکون لہجے میں انتہائی طنز سے کہا۔

''بکواس بند کر۔ تیرے جیسے باؤلے کُتّے کو میں دیکھ لوں گی۔'' اس نے دہاڑتے ہوئے کہا۔

''مطلب پہلے تم مرنا چاہتی ہو۔'' میں نے کہا تو فون بند ہو گیا۔

اب ہم زیادہ دیر وہاں نہیں رک سکتے تھے۔ میں نے

waqar azeem www.pakistanipoint.com

سبحان کو اٹھنے کے لیے کہا، اس نے انکار میں سر ہلا دیا۔ میں نے مدثر کی جانب دیکھا اور اشارے سے اسے سمجھایا کہ کیا کرنا ہے۔ وہ آگے بڑھے۔ ایک نے اس کی ٹانگیں پکڑیں، تو جہانگیر نے اس کے ہاتھ، دونوں نے اسے اٹھایا اور جیپ کے آگے بنے ہیڈ رالک کے اندر رکھ دیا۔

''اب تمہاری قسمت..... گر جاؤ گے یا منزل تک پہنچ جاؤ گے۔''

''ایسے نہ کرو، تم مجھے اسپتال.....'' اس نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

''تم لوگوں نے میرے سامنے ایک ایسے بندے کو اذیت دے کر مارا تھا جس کا صرف اتنا قصور تھا کہ اس نے کسی بندے کو پناہ دی تھی۔ تم میں اور روہی کے سانپ میں کوئی فرق نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔ وہ تینوں واپس پلٹ گئے۔ میں آہستہ آہستہ چل پڑا۔ مجھے ان کا انتظار تھا۔ جب مجھے یہ احساس ہوا کہ وہ میرے پیچھے آ رہے ہیں، تو میں نے رفتار تیز کر دی۔

بستی چراغ شاہ تک پہنچتے ہوئے مجھے زیادہ وقت نہیں لگا۔ میں نے جیپ بالکل پھاٹک کے پاس جا کر روک دی پھر انتہائی تیزی سے اترا اور سبحان کو اتار کر نیچے پھینکا۔ وہ لکڑی کے پھاٹک کے بالکل درمیان گرا تھا۔ میں نے گن اٹھائی اور اس کا بٹ پورے زور سے اس کے کندھے پر مارا۔ وہ چلا اٹھا، شاید اس کا بازو ٹوٹ گیا تھا۔ پھر دوسرے کاندھے کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا۔ وہ نڈھال ہو کر بے ہوش ہو گیا۔ تبھی میں نے نال اس کی جانب کی اور کئی گولیاں اس کے سینے میں اتار دیں۔ فائرنگ کی آواز نجانے کہاں تک گئی تھی مگر میں دونوں بھائی بہن کو جو پیغام دینا چاہتا تھا، وہ دے دیا۔ میں پلٹا اور جیپ میں آن بیٹھا پھر آگے بڑھ گیا۔

میرے سامنے ببول کا درخت تھا۔ اس کے نیچے سانول کھڑا میری جانب ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کا ریوڑ بیٹھا ہوا تھا۔ جیسے ہی میں نے جیپ بڑھائی، وہ کچے راستے کے کنارے تک آ گیا۔ میرے اور اس کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رہ گیا تو اس نے ہاتھ لہرا کر مجھے رکنے کا اشارہ کیا۔ میں نے اس کے قریب جا کر ایک دم سے بریک لگا دیے، پھر کھڑکی سے اس کی طرف دیکھا تو اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا، حیرت جیسے جم سی گئی تھی۔ اس نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''وہ..... تم نے سبحان کو مار دیا؟''

''ہاں سانول..... نہیں مارنا چاہیے تھا، تیرا دوست تھا؟''

میں نے جان بوجھ کر اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''تم نے..... تم نے مارا..... تم تو میرن شاہ کے ٹٹو تھے۔'' اس نے نفرت سے کہا تو میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تمہیں یہی غلط فہمی ہے۔ میں کبھی بھی میرن شاہ کا یا کسی کا ٹٹو نہیں رہا، میں نے ہمیشہ حق سچ کا ساتھ دیا ہے۔''

''حق سچ کا ساتھ.....'' یہ کہتے کہتے وہ رک گیا پھر بولا۔

''وہ جو بندے یہاں زخمی ہو کر آئے ہیں، وہ بھی تم نے.....؟''

''ہاں، میں نے انہیں گولیاں ماری ہیں اور میرن شاہ کو بھی مارنا ہے۔ اگر میرن شاہ تمہارا دوست ہے تو بتاؤ.....''

میں نے جان بوجھ کر کہا تو وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا پھر تیزی سے پسنجر سیٹ کی جانب آ کر اشارے سے دروازہ کھولنے کا اشارہ کرتا ہوا بولا۔

''کھولو، جلدی کھولو.....''

میں نے دروازہ کھول دیا تو وہ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''چل، جلدی چل.....'' اس کے لہجے میں اضطراب سے زیادہ لرزا تھا، جیسے اسے یقین نہ آ رہا کہ وہ سب کچھ وہی دیکھ سن رہا ہے جو اس کے سامنے ہے۔ میں نے مزید وضاحت سے کچھ نہیں پوچھا بلکہ جیپ بڑھا دی۔ کچھ فاصلے پر جا کر اس نے پوچھا۔

''کوئی ٹھکانا ہے تمہارے پاس، جہاں تم محفوظ ہو؟''

''ایسا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔'' میں نے یونہی کہہ دیا۔

''تو چلو میرے ساتھ، میں تمہیں پناہ دوں گا۔ وہاں تمہاری طرف کوئی آنکھ بھی اٹھا کر نہیں دیکھے گا۔ چلو.....'' اس نے ہیجانی انداز میں کہا تو میں نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا۔

☆☆☆

وہ بستی ایک اونچے سے ٹیلے کے عقب میں تھی۔ وہاں پر زمین یوں ریت میں سے ابھری ہوئی تھی جیسے پانی میں سے کوئی جزیرہ ابھرا ہوا ہو۔ میرے ذہن میں آنے لگا، میں شاید پہلے بھی یہاں آیا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا، یہ تو وہی بستی تھی جہاں میں بابا خیر دین کے ساتھ اپنا بیگ لینے آیا تھا۔ ان لوگوں کی تو پرانی دشمنی چل رہی تھی میرن شاہ سے۔ اسی بستی کا بختاور تھا جو اس رات ریہڑھے پر سے غائب ہو گیا تھا۔ اسے اپنی پناہ میں دینے پر میرن شاہ نے ایک بندہ مار دیا تھا۔ مجھے کافی حد تک اطمینان ہو گیا۔ اس پر چند کچے گھر تھے۔ جھونپڑیاں تھیں اور بستی سے قدرے باہر ایک بڑا سا... گوپا تھا۔ ہم اس گوپے میں جا پہنچے۔ تبھی سانول نے اترتے

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

ہی کہا۔
''چلو آجاؤ، تم یہاں پر محفوظ ہو۔''
یہ کہتے ہوئے وہ اتر کر گوپے کی جانب بڑھا۔ میں نے فون نکالا اور آفتاب کو صورتِ حال بتاتے ہوئے کہا۔
''تم لوگ جاؤ بستی بہادر خان، میں آجاؤں گا، یا پھر فون کر کے بتاتا ہوں۔''
''او کے۔'' آفتاب نے کہا اور فون بند کر دیا۔
ایک بڑے سے صحن میں چار پائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ سانول ایک چار پائی پر بیٹھا ہوا تھا، اس کے علاوہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں اس کے سامنے والی چار پائی پر بیٹھ گیا۔ وہ میری طرف دیکھ کر جذباتی لہجے میں بولا۔
''اب پوچھو، جو بھی پوچھنا ہے، جتنی مرضی باتیں کرنی ہیں.....''
''یار میں نے تم سے کیا پوچھنا، بس یونہی ڈیرے کے باہر تم نظر آتے تھے، تمہارا نفرت والا رویہ دیکھ کر یونہی.....'' میں نے کہنا چاہا تو وہ میری بات کاٹتے ہوئے تیزی سے بولا۔
''میں ہر اُس بندے سے نفرت کرتا ہوں، جو میرن شاہ اور اس کی بہن کا وفادار ہے۔ وہ ظالم ہیں۔''
''تم کب سے یہاں بستی چراغ شاہ میں رہ رہے ہو سانول؟'' میں نے جان بوجھ کر سوال کیا۔
''بچپن سے، یہیں ہوش سنبھالا۔'' اس نے نہ سمجھتے ہوئے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔
''تم بچپن سے ان کا ظلم دیکھ رہے ہو اور برداشت کر رہے ہو؟'' میں نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا تو اس نے بڑی گہری نگاہوں سے میری جانب دیکھا۔ وہ میری بات سمجھ گیا تھا اس لیے طویل سانس لے کر بولا۔
''میں کمزور ہوں، میں تو چاہتا ہوں کہ دن نہ چڑھے اور یہ لوگ اس روئے زمین سے مٹ جائیں۔''
''کچھ نہیں کیا تم نے، ان کا ظلم سہنے کے علاوہ.....'' میں نے پوچھا۔
''کہا نا، کوئی بھی.....'' اس نے کہنا چاہا تو میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔
''تم بے غیرت ہو، اوئے تمہارے پاس یہ کلہاڑی بھی نہیں تھی، تم میں اتنی قوت بھی نہیں تھی کہ میرن شاہ کا گلا دبا سکتے؟ بس چپ چاپ اس کا ظلم سہتے رہے، ڈرتے رہے اس سے۔''
''تم ٹھیک کہتے ہو، میں بے غیرت ہوں، میں کچھ نہ کر سکا اور کسی نہ کسی مسیحا کا انتظار کرتا رہا..... لیکن اب وہ وقت آگیا ہے۔'' اس نے روہانسا ہوتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔
ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ چند صحرائی لوگ وہیں آگئے۔ وہ سبھی میری جانب بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ وہ سب میرے دائیں بائیں بچھی ہوئی چار پائیوں پر آکر بیٹھ گئے۔ ایسے میں ایک ادھیڑ عمر شخص آگیا تو سبھی اس کے لیے کھڑے ہو گئے۔ میں بھی کھڑا ہوا تو اس نے سب کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور سانول کی جانب دیکھا۔
''چاچا سائیں، یہ ہے وہ علی زین جس نے آج میرن شاہ کے سبحان کو ان کے ڈیرے پر مارا ہے۔''
''دوسرے جو دو بندے مرے ہیں، اور پانچ چار زخمی بھی ہوئے۔'' اس نے بڑے سکون سے پوچھا۔
''صرف دو بندے مرے ہیں۔'' میں نے پوچھا۔
''ہاں، صرف دو لیکن اتنا تو ہوا کوئی تو اس کے سامنے ہوا۔'' چاچا سائیں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔
''زیادہ مرنے چاہییے تھے۔'' میں نے بڑبڑاتے ہوئے کہا تو چاچا سائیں بولا۔
''کوئی بات نہیں پھر سہی لیکن آج کی رات تم پر بہت بھاری ہوگی، وہ اور اس کے ساتھ شریک قبیلے تمہیں سارے صحرا میں تلاش کریں گے۔ اس کا ساتھ دینے قانون بھی حرکت میں آجائے گا۔''
''کچھ بھی ہو، اب میرن شاہ میرے ہاتھوں سے نہیں بچ پائے گا۔ معاف کرنا چاچا سائیں، اگر تم لوگ بھی میرے یہاں ہونے سے خوف زدہ ہو تو میں ابھی چلا جاتا ہوں۔'' میں نے ان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تو چاچا سائیں کے چہرے پر ذرا سا تناؤ آیا اور پھر بڑے سکون سے بولا۔
''تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن تم اب یہاں رہو..... ہم مر جائیں گے لیکن تم پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔''
''چاچا سائیں یہ صرف میرے لیے ہے یا پھر تم لوگوں کی بھی دشمنی ہے اُن سے.....''
''دشمنی، پرکھوں سے چل رہی ہے۔'' چاچا سائیں نے دبے دبے غصے میں کہا۔ لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ دو آدمی ٹرے اٹھائے آگئے۔ انہوں نے وہ ہمارے سامنے رکھ دیں۔ میری بھوک چمک اٹھی تھی، میں کھانے میں مصروف ہو گیا۔ چاچا سائیں کے ساتھ باقی لوگ اٹھ کر جا چکے تھے، صرف سانول میرے ساتھ بیٹھا کھاتا رہا تھا۔
تاروں بھری رات کا ملگجا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ میں

www.pakistanipoint.com

ایک چارپائی پر لیٹا ہوا تھا جبکہ سانول میرے پاس بیٹھا تھا۔ تبھی مجھے اچانک خیال آیا۔

''سانول او یار تیرا ریوڑ.....''

''وہ گھر چلا گیا ہوگا، میں نہ بھی ہوں تو میرا ملازم لے جاتا ہے۔'' اس نے بے خیالی کے سے انداز میں کہا تو میں نے پوچھا۔

''ایک بات بتا سانول، تمہیں میرن شاہ سے نفرت ہے لیکن تم اس کے ڈیرے سے تھوڑی دور روزانہ اپنا ریوڑ لے کر کھڑے ہوتے ہو، ایسا کیوں کرتے ہو؟''

''میں جب وہاں جا کر کھڑا ہوتا ہوں تو میرے اندر کی آگ بھڑکنے لگتی ہے۔ کئی برس ہوگئے میں اس آگ کو بجھنے نہیں دے رہا ہوں۔'' اس نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

میں چونک گیا۔ اگرچہ میرن شاہ کسی پر ظلم کرے تو یہ نئی بات نہیں تھی۔ سانول پر کیا گزری، اس کا تجسّس مجھے ضرور ہوا تھا۔

''ہوا کیا سانول.....؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''میری زندگی چھن گئی یار۔'' اس نے دکھ سے لبریز لہجے میں کہا۔

''ایسا کیا ہوا؟'' میں نے پوچھا۔

''میرے بچپن کو مجھ سے چھین لیا، میری منگیتر، وسائی مائی.....'' اس نے کہا ہی تھا کہ میرے دماغ میں جھماکا ہوا۔ وہ چہرہ، جس کی مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی، جس کے خدوخال تو واضح ہوتے تھے لیکن مجھے پتا نہیں چلتا تھا کہ وہ کون تھی، جیسے ہی سانول نے نام لیا تو مجھے یاد آگیا۔ سنہری سی لڑکی، یوں گڑیا جیسی کہ ابھی نیند سے جاگی ہو۔ تیکھے نین نقش والی، پتلے پتلے ہونٹوں پر ہر وقت غصہ دھرا رہتا تھا، آنکھیں یوں جیسے شرمائی شرمائی سی، بلاشبہ وہ حسین تھی۔ وہ پتا نہیں کیا کہتا چلا جا رہا تھا۔

''کیا کہا تم نے.....'' میں نے تیزی سے پوچھا۔

''میں کہہ رہا ہوں کہ اس کی مجھ سے منگنی ہوئی تھی کہ ایک دن وہ میرن شاہ کی نگاہ میں آگئی۔ مجھے وسائی نے کہا بھی کہ میرن شاہ اس کی طرف بُری نگاہ رکھتا ہے لیکن میں نے کوئی اتنی توجہ نہیں دی۔''

''پھر کیا ہوا.....؟'' میں تجسّس سے پوچھا۔

''ہونا کیا تھا..... ایک رات اس نے اپنے غنڈے بھجوا دیے، اور اسے گھر سے اٹھوا لیا۔ وہ اسے لے کر اسی ڈیرے میں آئے تھے جہاں تم ٹھہرے تھے۔ میرن شاہ اپنی ہوس پوری کرنا چاہتا تھا۔ اس نے وسائی کو زدوکوب کیا، وہ اپنا آپ بچانے کی کوشش کرتی رہی، لیکن بچ نہ سکی۔'' یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ چند لمحے بعد میں نے پوچھا۔

''یہ سب کہاں پر ہوا؟''

''اسے اٹھا کر وہ گوپے پر لے گئے تھے۔ اس کا منشی مہر خان صرف اسی لیے رکھا ہوا ہے۔ جب بھی میرن شاہ کو ایسی طلب ہوتی ہے، وہی اس کی خوراک مہیا کرتا ہے۔''

''یہ واقعہ تجھے وسائی نے خود بتایا؟'' میں نے پوچھا۔

''مجھ اکیلے ہی کو نہیں، پوری بستی چراغ شاہ کو بتایا لیکن کون کرے سامنا ان درندوں کا۔ جو بھی آواز اٹھاتا، اسے چیر پھاڑ دیتے ہیں۔'' سانول نے نفرت سے کہا۔

''کوئی قانون نہیں ہے یہاں پر؟'' میں نے پوچھا۔

''قانون تو ان لوگوں کا ہے نا، ان کے ساتھ کچھ ہو جائے تو قانون حرکت میں آجاتا ہے لیکن غریب کی تو کہیں بھی شنوائی نہیں ہوتی۔'' اس نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

''تم نے بھی کچھ نہیں کیا؟'' میں نے پوچھا۔

''مجھے کیا کرنا تھا، پولیس چوکی تک نہیں ہے یہاں، میں نے وسائی سے کہا کہ میں تجھے اپنا لوں گا، شادی کر لیتا ہوں تجھ سے مگر.....'' وہ کہتے کہتے خاموش ہوگیا۔

''مگر کیا.....؟'' میں نے تیزی سے پوچھا۔

''اس نے کنویں میں چھلانگ مار دی، مر گئی وہ.....'' یہ کہتے ہوئے وہ زار و زار رونے لگا۔ میں نے اسے رونے دیا۔ کچھ دیر تک اس کا جی ہلکا ہوگیا تو میں نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

''اب تو چاہتا کیا ہے؟''

''یہی کہ اس میرن شاہ سمیت اس کا خاندان ختم ہونا چاہیے۔'' اس نے انتہائی نفرت سے کہا تو میں نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''ہو جائے گا، فکر نہ کر۔''

میرے یوں کہنے پر اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ پھر یوں تکنے لگا جیسے اسے یقین ہو گیا ہو۔

میں نے اپنا فون نکالا اور زمان کا نمبر پش کرنے لگا۔ کچھ دیر میں اس سے رابطہ ہوگیا۔ میری آواز سنتے ہی وہ چیختے ہوئے بولا۔

''کہاں ہو تم.....؟''

''مجھے چھوڑ یہ بتا، وہ تیرا میرن شاہ کہاں ہے؟'' میں نے انتہائی سنجیدگی سے پوچھا تو وہ لمحہ بھر رک کر بولا۔

''وہ اس وقت گوپے پر ہے۔ وہیں بیٹھا ہے۔ ہر طرف

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

بندے بھجوائے ہوئے ہیں تیری تلاش میں۔"

"میں کون سا غائب ہو گیا ہوں، اِدھر ہی ہوں۔" میں نے سکون سے کہا۔

"میرا مشورہ ہے، تم خاموشی سے نکل جاؤ۔ ورنہ آج رات کے بعد تم یہاں رہو ہی سے نکل بھی نہیں سکتے ہو۔ ابھی وقت....." اس نے کہنا چاہا تو میں نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"مجھے ڈرا رہے ہو، خوف زدہ کر رہے ہو؟"

"نہیں، یہ بات نہیں، پورے علاقے میں جو اس کے دشمن ہیں وہ تھو تھو کر رہے ہیں، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی آ کر، ان کا بندہ، انہی کے ڈیرے پر مار جائے۔ اور جو دوست ہیں وہ سارے مل کر تجھے تلاش کر رہے ہیں۔" اس نے تیز تیز انداز میں مجھے بتایا۔

"اور پیروزاں مائی کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ گھر پر ہی ہوگی، مجھے اس کا نہیں پتا لیکن کل یہاں پر پولیس آ جائے گی، ایم پی اے بھی آ رہا ہے، جس پر ذرا سا بھی شک ہوا، اسے نہیں چھوڑیں گے، پورا علاقہ بھگتے گا یار۔ یہ لوگوں کو پکڑوا کر اپنی دشمنیاں الگ نکالیں گے اور سارا کام بھی ٹھپ ہو جائے گا۔" اس نے اکتاہٹ بھرے انداز میں کہا۔

"کوئی راستہ نکل سکتا ہے؟" میں نے مصلحت آمیز لہجے میں پوچھا۔

"کہا نا چپ چاپ نکل جاؤ، حالانکہ تم نے دیر کر دی، اب بھی نکلنا مشکل ہے لیکن اگر تمہاری قسمت اچھی ہوئی تو نکل جاؤ گے۔"

"کوشش کرتا ہوں۔" میں نے بے دلی سے کہا۔

"ہاں، زندگی رہی تو مل لیں گے۔" اس نے یوں کہا جیسے وہ اب مجھ سے جان چھڑانا چاہتا ہو۔ میں نے مزید بات نہیں کی اور فون بند کر دیا۔

سانول میرے سامنے بیٹھا تھا۔ میں اس کی طرف دیکھتا سوچتا رہا، پھر اچانک کہا۔ "سانول، چل اٹھ بستی چلتے ہیں۔"

"بستی.....وہاں تو....." اس نے شدتِ حیرت سے کہا۔

اس کا منہ کھل گیا تھا لیکن کچھ ہی ثانیے بعد اس کا منہ بند ہونا شروع ہو گیا۔ اس نے میری بات سمجھتے ہوئے سر ہلا دیا۔ پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں اس کے ساتھ وہاں سے چل پڑا تھا۔

☆☆☆

پو پھٹ رہی تھی جب میں ڈیرے کے پاس پہنچا تھا۔ لکڑی کا پھاٹک بند تھا۔ میں نے ہلکے سے اسے کھولا تو پھاٹک ذرا سا چرچرایا۔ میں رک گیا۔ پھاٹک ذرا سا کھلا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا اور پھر اس کے اندر داخل ہو گیا، داخل ہوتے ہی بیٹھ گیا۔ کچھ دیر تک یونہی دم سادھے بیٹھا رہا۔ کوئی آہٹ نہ پا کر میں نے دروازہ بند کیا اور بیٹھے بیٹھے اس دیوار کی جانب بڑھا، جس میں رہائش گاہ کا دروازہ تھا۔ میں نے دیوار کے ساتھ جڑ میں بیٹھ سامنے دیکھا۔ چارپائیاں ویسے ہی بچھی ہوئی تھیں۔ ان پر بابا خیر دین کا ہیولا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں تھا۔ ہر طرح کا اطمینان کر لینے کے بعد میں کھڑا ہوا اور رہائش گاہ کے دروازے تک پہنچا۔ وہ دروازہ اس وقت بند ہوا کرتا تھا۔ میں نے تسلی کے لیے اسے ہلکا سا دبایا تو وہ اندر سے بند تھا۔ میں نے ایک نگاہ بابا خیر دین کو دیکھا، پھر اسی دروازے کی درزوں میں پاؤں رکھ کر دیوار پر چڑھ گیا۔ دیوار پر اپنا توازن درست کیا اور دوسری جانب رہائش گاہ میں اتر کر دیوار کی جڑ میں بیٹھ گیا۔ میں وہاں بیٹھا اپنا سانس درست کرتے ہوئے اندر کا جائزہ لیتا رہا۔

اس طرح کسی کے گھر میں داخل ہونے پر سب سے زیادہ خطرہ کتوں کا ہوتا ہے۔ وہ کسی انجان بندے پر فوراً بھونکنا شروع کر دیتے ہیں۔ رہائش گاہ کے اندر اور پار ریوڑ کے پاس جتنے بھی کتے تھے، میں اب ان کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ میں نے انہیں کچھ دن راتب ڈالا تھا۔ میرے وہاں ہونے کی دوسری وجہ یہی تھی وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ میں ایسے وقت میں وہاں پر چلا جاؤں، جب وہ مجھے تلاش کر رہے ہیں۔ تیسری وجہ وہ وقت تھا، میں جانتا تھا کہ ایسے وقت میں کون کیا کر رہا ہوتا ہے۔

ہر جانب خاموشی تھی۔ مجھے اطمینان ہو گیا تو میں نے کچن کی جانب کان لگائے، میرے اندازے کے مطابق وہاں پر ساوری کا ہونا لازمی تھا۔ وہاں مجھے کوئی آواز سنائی نہ دی لیکن میں پھر بھی اس جانب بڑھ گیا۔ کچن میں چراغ روشن تھا، ادھ کھلے دروازے میں سے ساوری دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے کچھ دیر یہ اطمینان کیا کہ وہ اکیلی ہے، پھر اندر چلا گیا۔ ایک دم سے مجھے اپنے سامنے پا کر اس کا منہ کھلا تو میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کے منہ پر زور سے ہاتھ رکھ دیا۔ وہ میرے ساتھ لگی کانپ رہی تھی۔ تبھی میں نے سرگوشی میں کہا۔

"ڈرو مت، بس تھوڑی دیر....."

اس نے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا، جس میں نرماہٹ تھی۔ میں نے اپنا ہاتھ ہٹایا تو اس نے حیرت سے سرگوشی میں پوچھا۔

"تم یہاں، تمہیں نہیں پتا وہ تمہاری جان کے دشمن ہو

رہے ہیں؟''

''مجھے پتا ہے لیکن میں تم سے ملے بغیر نہیں جاسکتا تھا۔'' میں نے اپنے لہجے میں پیار بھرتے ہوئے کہا تو اس نے آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

''مجھے، وہ کیوں..... میں تو.....''

''ساوری، میں جانتا ہوں تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔ میں تمہیں یہی کہنے آیا ہوں، میں پھر آؤں گا۔'' میں نے محبت سے لبریز لہجے میں کہا۔

''نہیں علی زین، میں خواب نہیں دیکھتی ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے ایک طویل سانس لی پھر حتمی لہجے میں بولی۔ ''چل ٹھیک ہے، مجھے مل لیا، اب جاؤ، اگر بچ کر نکل جاؤ تو.....'' آخری لفظ کہتے ہوئے اس کا لہجہ رندھ گیا تھا۔

''ایسے نہیں کہو، میں.....'' میں نے کہنا چاہا تو وہ تیزی سے بولی۔

''میرن شاہ اپنے کمرے میں ہے۔ ابھی اماں سئین جاگ گئی ہوگی، اسے نیند نہیں آتی، پیروزاں بھی گھر پر نہیں ہے، اماں سئین کسی بھی وقت یہاں آجائے گی۔ تم تو مروگے، مجھے بھی ساتھ میں مروادوگے۔'' اس نے رونے والے انداز میں کہا۔

''کیا ہوا جو ہم ساتھ مریں گے، جی نہ سکے تو مریں گے اکٹھے۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے اسے ساتھ چمٹا لیا۔ اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی، چند لمحوں بعد تیز تیز سانسوں کے درمیان بولی۔

''ابھی تو ساتھ میں جئے بھی نہیں ہیں، تم مرنے کی باتیں کررہے ہو۔''

''ساوری تم نہیں جانتی ہو، تم میرے دل میں کہاں تک اتری ہوئی ہو، بتادوں تو ابھی مرنے کے لیے تیار ہوجاؤ، خیر، جئیں گے، ساتھ جئیں گے۔'' میں نے اس کے ماتھے پر اپنے لب رکھتے ہوئے کہا۔

''یقین نہیں ہوتا، زندگی نے اتنا ذلیل کیا ہوا ہے کہ خوشی کی بات بھی انجانی سی لگتی ہے۔ پتا نہیں تم کون ہو، لیکن تم پر یقین کرنے کو دل کرتا ہے۔'' اس نے میری پشت پر سختی سے ہاتھ جماتے ہوئے کہا۔

''ساوری بس ذرا سا انتظار..... پھر سب ٹھیک ہوجائے گا، یا پھر سب ختم ہوجائے گا۔ انتظار کرو بس ذرا سا۔'' میں نے اسے بھینچتے ہوئے کہا تو اس نے چونک کر خود کو مجھ سے الگ کرلیا پھر بولی۔

''چلے جاؤ، اس سے پہلے.....''

''ٹھیک ہے، جارہا ہوں۔'' میں نے کہا اور کچن سے باہر جانے لگا۔ تبھی اس نے مجھے اشارے سے روکا، پھر خود باہر نکل گئی۔ اس نے غیر محسوس انداز میں اِدھر اُدھر دیکھا پھر مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ میں باہر نکل آیا۔ اس کا خیال تھا کہ میں ڈیرے کی جانب جاؤں گا لیکن میں میرن شاہ کے کمرے کی جانب چل پڑا۔ ساوری پہلے تو پاگلوں کی طرح مجھے دیکھنے لگی پھر ایک دم سے ٹھٹک گئی شاید وہ سمجھ گئی تھی کہ میں کیا کرنے جا رہا ہوں۔ تبھی اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے روکا۔ میں رک گیا تو بھاگتی ہوئی میرے پاس آئی اور سرگوشی میں بولی۔

''کیا کرنے جارہے ہو؟''

''مجھے میرن شاہ کو.....'' میں نے سرد لہجے میں کہا تو وہ بولی۔

''ادھر سے جاؤ گے تو دروازہ لگا ہوا ہوگا، ادھر اماں سئین کے کمرے میں سے جاؤ۔''

''وہ دروازہ.....'' میں نے کہنا چاہا تو وہ تیزی سے بولی۔

''وہ کھلا ہوا ہے، میں رات ادھر ہی سوئی تھی۔'' اس نے کہا۔ تو ایک دم سے میرے ذہن میں خیال آگیا۔ میں نے اسی پر عمل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ میں نے ساوری کو واپس جانے کا اشارہ کیا اور اماں سئین کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے پٹ کھولا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ بڑے سے کمرے کے درمیان وہ جہازی پلنگ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں ادھ کھلی تھیں، شاید وہ کچھ پڑھ رہی تھی یا پھر یادوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ آہٹ پاتے ہی اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اچانک مجھ پر نگاہ پڑی تو وہ پہلے سمجھ نہ سکی، پھر جیسے ہی اسے پتا چلا کہ میں کون ہوں تو اس کی آنکھیں وحشت سے پھیل گئیں۔ اس نے شور مچانے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ میں ایک ہی جست میں پلنگ پر جا پہنچا۔ میں نے انتہائی تیزی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، اس کی چیخ دب کر رہ گئی۔ اس کی وحشت زدہ آنکھیں مجھ پر مسلط تھیں۔ تبھی میں نے سرگوشی میں کہا۔

''اماں سئین، ڈرو مت، پہلے میری بات سنو۔''

میرے یوں کہنے کا اثر ہوا۔ اس کا پورا بدن ڈھیلا پڑ گیا۔ میں نے اس کے منہ سے اپنا ہاتھ ہٹایا تو وہ بولی۔

''تم اندر کیسے آئے ہو؟''

''اماں سئین، میں میرن شاہ سے معافی مانگنے آیا ہوں، اسے سچ بتانا چاہتا ہوں کہ ہوا کیا ہے؟'' میں نے خوف زدہ

www.paksociety.com

لہجے میں کہا تو اس نے حیرت زدہ لہجے میں بے یقینی سے پوچھا۔

''سچ کیا ہے؟''

''میں بتاتا ہوں نا میرن شاہ کو، مجھے اس کے پاس لے چلو، مجھے وہ جو مرضی سزا دے، وہ مجھے قبول ہے لیکن میری بات سن لے۔'' میں نے سرگوشی میں کہا تو اس نے میری طرف دیکھا، پھر سرسراتے ہوئے پوچھا۔

''تم سچ کہہ رہے ہو؟''

''اماں سئین تمہاری قسم، ورنہ میں یہاں موت کے منہ میں کیوں آتا۔'' میں نے کچھ اس طرح دردناک انداز میں کہا کہ وہ پسیج گئی پھر پلنگ سے اٹھتے ہوئے بولی۔

''چل آ، اگر تم جھوٹے ہوئے تو تیری خیر نہیں ہے۔''

''بے شک جو چاہے کرنا۔'' میں نے کہا تو وہ سلیپر پہن کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ میرن شاہ کے کمرے میں جانے والے دروازے کے پاس پہنچی، اندر دیکھا، پھر سوئے ہوئے میرن شاہ کے پاس جا کر بولی۔

''وے میرن، اٹھ، بات سن.....''

اپنی ماں کی آواز پر وہ چونک کر اٹھا، پھر جیسے ہی اس کی نگاہ اپنی ماں کے پیچھے کھڑے مجھ پر پڑی تو اسے جیسے کرنٹ سا لگا۔ وہ پلنگ پر سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے وحشت زدہ انداز میں بولا۔

''تت.....تم.....یہاں کیسے.....؟''

''میں تم سے سچ کہنے آیا ہوں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا تو شدتِ حیرت سے میری طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''سچ، یہ کیا بکواس ہے؟''

''دیکھ میرن شاہ، میں یہاں آ کر تمہیں سوئے ہوئے کو بھی مار سکتا تھا لیکن میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے، میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں، اگر بات سننی ہے تو سنو، ورنہ میں جا رہا ہوں، پھر مجھے نہیں روکنا، اس کا نتیجہ تم جانتے ہو۔'' میں نے اکھڑ لہجے میں درشتی سے کہا تو وہ ایک دم سے سہم گیا پھر بولا۔

''بولو، بات کیا ہے؟''

''مجھے یہاں دیکھ کر تمہیں حیرت نہیں ہوئی کہ یہاں رہتے ہوئے بھی میں نے تمہارے گھر کی دہلیز پار نہیں کی اور آج پہلی بار تمہارے کمرے میں ہوں، سوچا ایسا کیوں ہے؟'' میں نے دبے دبے غصے میں کہا۔

''ایسا کیوں.....؟'' اس نے تیزی سے پوچھا۔

''مجھے یہاں پیروزاں مائی کے بندے چھوڑ کر گئے ہیں۔ پیروزاں نے مجھ سے سودا کیا ہے کہ میں تمہیں قتل کر دوں۔'' میں نے سکون سے کہا تو یہ لفظ اس پر بم کے مانند گرے۔ وہ ہونقوں کی طرح مجھے دیکھنے لگا تھا۔ ایک لمحے کو تو مجھے یوں لگا جیسے اس میں جان ہی نہ رہی ہو۔ پھر جیسے اسے میرے لفظوں کی سمجھ آ گئی ہو، اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''ایسا ممکن نہیں ہے۔''

''مجھے معلوم ہے، تم یہی کہو گے لیکن سچ یہی ہے۔'' میں نے کہا۔

''مگر وہ کیوں کہے گی؟'' اس نے وحشت زدہ انداز میں پوچھا۔

''میں نہیں جانتا، مجھے اگر تمہیں قتل کرنا ہوتا تو اب تک کر چکا ہوتا، یہ دیکھو، میرے پاس پسٹل ہے، اس کا میگزین بھرا ہوا ہے، بتاؤ، فائر کرنے میں وقت لگے گا یا تم سے بات کرنے میں.....'' میں نے وہ بات کہہ دی جس سے وہ تذبذب میں پڑ گیا، کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا۔

''پھر تم نے مارا کیوں نہیں اب تک؟''

''میری اور تمہاری کوئی دشمنی ہے؟'' میں نے اس پر سوال کر دیا۔

''نہیں، میرا خیال ہے کہ نہیں.....''

''پیروزاں ہی نے بتایا تھا کہ بندے مجھے تلاش کرتے ہوئے آ رہے ہیں، اس کے بندے بھی میرے ساتھ تھے، میں نے اکیلے تو اتنے سارے فائر نہیں کر دیے۔'' میں نے دلیل دی تو اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ سوچنے لگا۔

''وہی تو پھر تم نے مجھے مارا کیوں نہیں اب تک؟'' اس نے پھر وہی سوال کر دیا تو میں نے سکون سے کہا۔

''اس لیے کہ میں تمہیں اس کے سامنے لے جانا چاہتا ہوں، سودا اپنی جگہ، میں کوئی پیشہ ور قاتل نہیں، مجھے واپس جانا ہے، تم لوگوں کے جھنجٹ میں نہیں پڑنا، تم لوگوں کی کوئی دشمنی ہے تو خود سنبھالو، یا تو مجھے خود قصبے تک چھوڑ کے آؤ، یا پھر پیروزاں کے سامنے جا کر معاملہ حل کرو۔'' میں نے کہا تو اس کا چہرہ غصے سے تمتمانے لگا۔

''بات تو ٹھیک کر رہا ہے علی زین.....'' اماں نے کہا تو میرن شاہ نے اپنا فون نکالتے ہوئے تیزی سے کہا۔

''میں بلاتا ہوں اُسے یہاں.....''

''نہیں میرن شاہ جی نہیں، وہ سمجھ جائے گی کہ کچھ نہ کچھ ایسا ہو گیا ہے جو تم اس طرح فون کر رہے ہو، اس کے سامنے اس کے منہ سے اپنے قتل کی بابت سنو۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا تو وہ رک گیا، پھر غصے میں بولا۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''اور اگر ایسا نہ ہوا؟''

''پھر تم جو چاہے سزا دینا، اماں سئین ضامن ہے۔'' میں نے تیزی سے کہا تو وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر ایک دم سے پوچھا۔

''کہاں ہے وہ؟ چلو اُس کے پاس۔''

''وہ اس وقت گوپے پر ہے، اسے میرا وہیں انتظار کرنا ہے۔'' میں نے کہا توقف کے بعد کہا۔ ''تم چاہو تو اپنے بندے ساتھ لے سکتے ہو۔''

''وہ تو میں لوں گا، تم چلو۔'' اس نے کہا اور پلنگ سے اتر کر جوتے پہنے، سرہانے پڑی چابیاں اٹھائیں اور چلنے کے لیے تیار ہو گیا۔ تب تک میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

''میں بھی چلتی ہوں تمہارے ساتھ، پوچھتی ہوں اس ڈائن سے۔'' اماں سئین نے کہا۔ جواب میں میرن شاہ خاموش رہا۔ وہ چل پڑا، تو اماں بھی اس کے پیچھے بڑھی۔ وہ تیزی سے صحن میں کھڑی فور وہیل کی جانب بڑھا۔ نیلگوں روشنی پھیل گئی تھی، جس میں ہر شے واضح ہو رہی تھی۔ جب تک وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا، تب تک میں اماں سئین کو لے کر پچھلی نشست پر بیٹھ گیا، انہی لمحات میں میری نگاہ کچن کے پاس کھڑی ساوری پر پڑی۔ اس کی نگاہوں میں وحشت تھی، وہ جانتی تھی کہ میں ان کے ساتھ کیا کرنے والا ہوں۔ یہ لمحات بہت ہی زیادہ سنسنی خیز تھے۔ اگر ساوری اپنے حواس کھو دیتی تو میری موت یقینی تھی۔ اس نے میری جانب دیکھا، میں نے اسے کوئی اشارہ نہیں کیا، بس ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ میرن شاہ نے فور وہیل اسٹارٹ کی اور باہر کی جانب چل پڑا۔

اس کا رخ جیسے ہی گوپے کی طرف ہوا، اس نے اپنا سیل فون نکالا اور منشی مہر خان کو کال کی۔ اسے فوراً بندے لے کر گوپے پر پہنچ جانے کی ہدایت کی اور فون ڈیش بورڈ پر رکھ دیا۔ جیسے ہی وہ بستی چراغ شاہ کے برابر آیا تو میں نے پسٹل کی نال میرن شاہ کی گدی پر رکھ دی۔

''میرن شاہ، گاڑی بستی کی جانب موڑ لو۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہو؟'' اس نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''تیری بہن وہاں پر ہے۔'' میں نے کہا۔

''کیا مطلب وہ گوپا.....'' اس نے کہنا چاہا تو میں نے پسٹل کا دباؤ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''جیسا کہہ رہا ہوں ویسا کر۔ میرے دوسرے ہاتھ میں بھی پسٹل ہے۔''

جیسے ہی میں نے یہ لفظ کہے فور وہیل کو ایک جھٹکا لگا، وہ میری بات سمجھ کر بدحواس ہو گیا تھا۔ تبھی اماں سئین بولی۔

''تم نے دھوکا دیا بے غیرت.....''

''نہیں ابھی تک نہیں، بستی میں چلو۔'' میں نے کہا تو اس نے فور وہیل بستی کی جانب موڑ لی۔ میں اسے راستہ بتاتا رہا، دو منٹ بعد ہم مطلوبہ جگہ پہنچ گئے، جہاں میں نے اسے رکنے کو کہا تو وہ رک گیا۔ میرے کہنے پر وہ گاڑی سے اتر کر کھڑا ہو گیا تب میں نے اماں سئین کو نیچے اترنے کا کہا اور اسی طرف والے دروازے سے باہر آ گیا۔

وہ دونوں میرے سامنے تھے۔ ایسے میں سانول کچھ لوگوں کے ساتھ گلی کے ایک کونے سے نمودار ہوا۔ وہ تیزی سے ہماری جانب بڑھ رہا تھا۔ اس کی حیثیت بالکل ایک تماشائی جیسی تھی۔ میرن شاہ بے یقینی کے سے انداز میں میری جانب دیکھ رہا تھا تبھی اس نے مجھ سے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

''یہاں کیوں لائے ہو؟''

''پہچانو، اِس جگہ کو.....''

''یہ کیا بکواس ہے۔'' اس نے اکتاہٹ بھرے لہجے میں کہا تو میں..... سنی ان سنی کرتے ہوئے نفرت بھرے لہجے میں بولا۔

''تم نہیں تو تمہاری ماں کو اس جگہ کے بارے میں پتا ہو گا؟''

''کیا کہہ رہے ہو تم.....'' اس نے یوں کہا جیسے خوف زدہ ہو گیا ہو۔

''یاد ہے کچھ.....'' میں نے اپنے اندر کی آگ پر قابو پاتے ہوئے نفرت سے کہا تو وہ مجھے یوں دیکھنے لگا جیسے اُسے کچھ بھی سمجھ میں نہ آ رہا ہو..... وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تم کیا کہہ رہے ہو؟''

لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ میں نے دونوں ہاتھوں میں پکڑے ہوئے پسٹل اپنے نیفے میں رکھے اور آگے بڑھ کر پوری قوت سے اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔ چٹاخ کی آواز کے ساتھ سناٹا چھا گیا۔ اس نے غصے میں مزاحمت کے لیے ہاتھ اٹھایا تو میں نے ہاتھ اس کی گردن پر ڈالا اور جھٹکا دیا، وہ لڑکھڑایا تو میں نے اپنا گھٹنا اس کے منہ پر مارا۔ وہ ڈکارتا ہوا ریت پر آ رہا۔ تبھی میں نے ایک ٹھوکر اس کے منہ پر ماری۔ اس دوران اماں سئین چیختی ہوئی مجھے گالیاں دینے لگی تھی۔ میں زیادہ دیر تک وہ تماشا نہیں لگا سکتا تھا۔ اس لیے

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

پسٹل نکال کر سیدھا کیا اور اس کی ٹانگوں پہ فائر کر دیے۔ فلک شگاف چیخ بلند ہوئی، اس کے ساتھ ہی اماں سکینہ کی بھی چیخ ابھری، وہ مجھے مارنے کو دوڑی، سب تک سانول اور اس کے ساتھی اماں کے پاس پہنچ چکے تھے۔ اس نے واویلا مچاتی ہوئی اماں کو پکڑ لیا۔

میرن شاہ ریت پر تڑپ رہا تھا۔ اس کے حلق سے یوں آوازیں نکل رہی تھیں جیسے بکرا ذبح کر دیا گیا ہو۔ چند لمحوں بعد اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''مجھے معاف کر دو، تم جو کہو گے، میں وہ کروں گا۔ میں.....''

''یہ جگہ پہچانو.....''

''تم بتا دو.....'' اس نے چیختے ہوئے بے بسی سے کہا۔

''بے غیرت، تم لوگوں نے ظلم ہی اتنے کیے ہیں کہ یاد ہی نہیں۔'' یہ کہہ کر میں اماں کے پاس جا پہنچا اور اس کے بال پکڑ کر بولا۔ ''اللہ بخش رہتا تھا کبھی یہاں پر، جسے تیرے شوہر سیدن شاہ نے صرف اس لیے مروا دیا تھا کہ اس کی بہن تیرے اس بے غیرت بیٹے کو پسند آ گئی تھی۔'' میں نے اماں کو چھوڑا اور میرن شاہ کے منہ پر ٹھوکر مارتے ہوئے چیخ کر پوچھا۔ ''کچھ یاد آیا بے غیرت.....''

''تت.....تم کون ہو؟''

''میں کوئی بھی ہوں، یاد کرو، تم نے اور تمہارے باپ نے اور اس عورت نے اللہ بخش کی بہن پر ظلم کیا؟ بجائے داد رسی کرنے کے، اس عورت نے ٹھوکریں مار کر اسے اپنے گھر سے نکالا.....'' میں نے کہا تو مجھے خود سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ میرے اندر کی آگ نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ میرے سامنے میرن شاہ پڑا کراہ رہا تھا۔ میرے یاد دلانے پر اماں بھی سہم کر مجھے دیکھنے لگی۔ اسے سمجھ میں آ گیا تھا کہ کوئی اپنا انتقام لینے آ پہنچا تھا۔

''معاف کر دو..... جو ہرجانہ کہو دیں گے..... میرے بیٹے کو چھوڑ دو..... میں تیری ماں جیسی ہوں.....''

''نہیں میری جیسی نہیں ہو تم، میری ماں تو اس روہی میں کیڑے مکوڑے کے جیسی تھی، جسے تم جیسے بے غیرتوں نے مسل کر رکھ دیا، کوئی شنوائی نہیں، کوئی عدالت نہیں..... کوئی قانون نہیں.....'' یہ کہتے ہوئے میں نے میرن شاہ کو ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ وہ چیخ رہا تھا، چلا رہا تھا۔ اماں نے بلکتے ہوئے کہا۔

''چھوڑ دو رب کا واسطہ چھوڑ دو۔''

''یہ سانول..... اس کی منگیتر وسائی..... اس کا کیا قصور تھا۔ تب تم نے اپنے بیٹے سے نہیں کہا..... یہ بھی کسی کی عزت ہے..... اُسے قتل کر دیا.....'' میں نے کہا تو میرن شاہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اماں بھی پاگلوں کی طرح میری طرف دیکھنے لگی۔ تب میرن شاہ کو یقین ہو گیا کہ میں اسے مار کر رہوں گا۔ اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے، بلکتے ہوئے کہا۔

''مجھے بھلے مار دو لیکن میری ماں کو چھوڑ دو.....''

''نہیں تمہاری ماں کو اس سے بھی بڑی سزا دوں گا، وہ تمہیں اپنی آنکھوں کے سامنے مرتا ہوا دیکھے گی..... اب تک وہ دوسروں کو تمہارے ہاتھوں مرتا ہوا دیکھتی رہی ہے، اب تمہیں دیکھے گی تو پتا چلے گا، اپنوں کے مرنے کا دکھ کیا ہوتا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا۔

وہ بستی کی رنگیلی گلی میں گھستا ہوا مجھ سے ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ میرے چاروں طرف کھڑے لوگ دم سادھے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ سانول نے اماں سکینہ کو پکڑا ہوا تھا۔ وہ خود کو چھڑواتے ہوئے مجھے روکتے ہوئے چیخ رہی تھی۔ میری آنکھوں کے سامنے میرن شاہ نہیں، وہ جلتا ہوا گھر تھا، جس کے سامنے میرا باپ خون میں لت پت مجھے کہہ رہا تھا کہ مجھے مار دیں..... کچھ فاصلے پر میری ماں کی لاش پڑی تھی اور اس سے ذرا پرے میری پھوپھی کھلی ہوئی بے جان آنکھوں سے، اس ظالم معاشرے کا المیہ بنی پڑی تھی۔

جلا ہوا گھر آج بھی ویسا ہی تھا۔ اس پر گھاس پھوس اُگ چکی تھی۔ کسی نے وہاں پر ''لاتے' کی لکڑیاں چنی ہوئی تھیں۔ میں نے جیب سے ماچس نکالی اور اسے آگ لگانے لگا۔ سوکھی لکڑیاں دھڑ دھڑ جلنے لگیں۔

''خو اس آگ میں جلے گا یا میں تجھے جلاؤں؟'' میں نے چیخ مارتے ہوئے کہا۔

''نہیں..... یہ ظلم مت کرنا.....''

''میری ماں کا قصور بتا دو۔'' میں نے تضحیک آمیز لہجے میں کہا تو وہ نڈھال سی ہو گئی۔ جیسے غش کھا گئی ہو۔ میں نے ریت پر پڑے ہوئے میرن شاہ کی طرف دیکھا اور اس کی ٹانگوں پر فائر کرنے لگا۔ وہ سہم کر ساکت ہو گیا تھا، میں نے اسے ٹانگ سے پکڑا اور لکڑیوں کے قریب لے گیا۔ آگ کی تپش مجھ تک پہنچی تو میرے اندر کی نفرت پورے جوش سے باہر آ گئی۔ میں نے اسے گھمایا اور آگ میں پھینک دیا۔ میرن شاہ کی چیخ بلند ہوئی۔

''نہیں.....'' اماں وحشیانہ انداز میں سانول سے خود کو چھڑا کر آگے بڑھی۔ تب تک میرن شاہ کو آگ نے پکڑ لیا تھا۔ وہ چیختا بلکتا ہوا خاموش ہو چکا تھا۔ اماں اسے بچانے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

بڑھی تھی لیکن آگ میں نہ کود سکی۔ وہ ریت پر گر کر بے ہوش ہوگئی۔ اس عورت کے لیے بڑی بھیانک سزا تھی جو لوگوں پر ظلم کرنا اپنا حق سمجھتی رہی تھی۔

میں نے سانول کی طرف دیکھا، پھر وہاں کھڑے لوگوں کی جانب، وہ سب خوف زدہ نگاہوں سے میری جانب دیکھ رہے تھے۔ میں نے سب کی طرف دیکھا اور ایک نوجوان کے پاس جا کر اس کے سینے پر انگلی رکھ کر پوچھا۔

''کیا دیکھا تم نے.....؟''

''میں نے کچھ نہیں دیکھا۔'' اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

''کس نے قتل کیا ہے اِسے.....'' میں نے پوچھا۔

''ہم اِسے جانتے ہی نہیں، نہ پہچانتے ہیں۔'' اس نے سکون سے جواب دیا۔ میں نے پیچھے ہٹ کر سب کی طرف دیکھا اور اونچی آواز میں کہا۔

''کب تک ظلم سہتے رہو گے۔ قصوروار تم لوگ ہو۔ ظلم سہتے ہو لیکن ظالم کے سامنے کھڑے ہونے کا حوصلہ نہیں کرتے ہو۔''

میری بات کا کسی نے جواب نہیں دیا۔ میں وہاں سے پلٹا اور میرن شاہ کی فوروہیل میں آ بیٹھا۔ وہ اب تک اسٹارٹ ہی تھی، میں نے گیئر لگایا اور وہاں چل دیا جہاں میری جیپ کھڑی تھی۔

میں نے اپنا فون نکالا اور آفتاب کا نمبر ملایا۔ پہلی ہی بیل پر اس نے فون ریسیو کرلیا۔

''کیسے ہو؟'' اس نے بے تابی سے پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں، میں نے میرن شاہ کو مار دیا ہے۔ تم فوراً یہ علاقہ چھوڑ دو، ایک لمحہ ضائع کیے بغیر.....'' میں نے تیزی سے کہا تو وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول پڑا۔

''تمہیں یوں کیسے چھوڑ کر جائیں گے؟''

''میں بھی تمہارے پیچھے آ رہا ہوں۔ پیروزاں اس وقت بہاول پور میں ہے۔ اس کے راستے میں گھات لگانی ہے۔ رستے میں کہیں میرا انتظار کرو۔ پیروزاں کو ختم کرنا بہت ضروری ہے۔ یہ نہ ہو کہ ہم سب یہیں پھنس جائیں فوراً نکلو، میں بھی تم لوگوں کے پیچھے آتا ہوں۔'' میں نے کہا تو وہ بولا۔

''لیکن یہاں سے نکلنے میں ہماری ضرورت.....''

''یہاں سے زیادہ وہاں ہوگی تمہاری ضرورت.....تم سمجھتے کیوں نہیں ہو؟'' میں نے اس کی توجہ دلائی تو وہ تیزی سے بولا۔

''ٹھیک ہے، ہم تمہارا انتظار کریں گے، تم نکلو۔''

''ہاں ٹھیک ہے، میں نکل چکا ہوں۔'' میں نے کہا اور فون بند کردیا۔

میں ابھی بستی سے نکلا ہی تھا کہ میری نگاہ اپنی جیپ پر پڑی۔ اس کے گرد چند افراد جمع تھے۔ اس کے ساتھ دو مزید جیپیں کھڑی تھیں۔ میں حیران رہ گیا کہ ایسا کیوں ہے؟ اچانک میری نگاہ منشی مہر خان پر پڑی، وہ فوروہیل کی جانب دیکھ رہا تھا، جسے میں ڈرائیو کرکے اپنی جیپ کی جانب جانے والا تھا۔ میں ایک لمحے ہی میں سمجھ گیا، میرن شاہ نے اسے بندے لے کر گوپے کی جانب نکلنے کو کہا تھا۔ وہ نکلا ہوگا اور اس کی نگاہ میری جیپ پر پڑی ہوگی۔ میری جیپ کا وہاں ہونا ہی مشکوک تھا۔

میں ان کے پاس نہیں جا سکتا تھا اور میرے پاس صرف اتنا وقت تھا کہ میں فوروہیل موڑ لوں۔ اس وقت وہ یہی گمان کرسکتے تھے کہ یہ فوروہیل میرن شاہ ڈرائیو کرکے لا رہا ہے۔ ممکن ہے ابھی اُن تک اس کے قتل کی خبر نہ پہنچی ہو۔ اگلے ہی لمحے میں نے رفتار ذرا سی ہلکی کی اور فوروہیل کو مخالف سمت میں موڑ لیا۔ فوروہیل کچے راستے سے ہٹ کر ریت پر چڑھی لیکن طاقتور ہونے کے باعث ایک جھٹکے سے نکل گئی۔

میں نے بیک مرر میں دیکھا، وہ لوگ جیپوں پر سوار ہو رہے تھے۔ منشی مہر خان کے اشاروں سے لگ رہا تھا کہ وہ میرا پیچھا کرنے والے ہیں۔ میں نے فوروہیل کی رفتار بڑھا دی۔ میری پوری کوشش تھی کہ میں اس چھوٹی سی تارکول کی سڑک تک پہنچ جاؤں جو قصبے سے ہوتی ہوئی بہاول پور کی جانب نکلتی تھی۔ میں نے بیک مرر میں دیکھا، وہ جیپیں میرے پیچھے آ رہی تھیں۔ میں نے رفتار مزید تیز کردی۔

میرن شاہ کا قتل کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ دوسرا اس بے دردی سے قتل کرنا کہ صاف پتا لگتا تھا کہ اسے مارنے میں کتنی نفرت کا اظہار تھا۔ روہی میں جدید دنیا کے جتنے بھی اثرات تھے لیکن قبائلی سسٹم کسی نہ کسی صورت میں موجود تھا۔ وہی صدیوں پرانی روایات موجود تھیں کہ دشمن کا دوست، دشمن اور دشمن کا دشمن، دوست۔ پھر قبائل کا ایک دوسرے کے ساتھ رہنا ہی ان کی بقا کا باعث ہوتا تھا۔ میرن شاہ صرف اپنے لوگوں کے ساتھ ہی طاقتور نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ چھوٹے بڑے قبیلے بھی تھے۔ اس طرح میرا قتل کرکے روہی سے نکلنا انتہائی مشکل تھا۔ مگر میں اسے ناممکن نہیں سمجھتا تھا۔ ابھی میرے پاس وقت تھا، ممکن ہے انہیں خبر مل گئی ہو لیکن روہی میں ابھی خبر پھیلنے میں وقت لگنا تھا۔ وہ وقت چاہے تھوڑا ہی

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

سہی، میرے لیے اتنا ہی کافی تھا۔

روشن دن میں بھوری ریت چمک اٹھی تھی۔ میرے پیچھے آنے والی جیپیں اتنی طاقتور نہیں تھیں۔ میں بیک مرر میں دیکھ رہا تھا، لحہ بہ لحہ میرا اور ان کا فاصلہ بڑھتا جا رہا تھا۔ میں یونہی فوروہیل بھگائے چلا جا رہا تھا۔ وہ کوئی باقاعدہ رستہ نہیں تھا۔ کہیں پر ریت تھی، کہیں پکی زمین اور کہیں بھربھری مٹی تھی۔ روہی کا صحرا بالکل ہی سپاٹ یا بے آب وگیاہ نہیں بلکہ جھاڑیاں، پودے کہیں کہیں گھاس کی بھرمار تھی۔ مجھے کوئی آئیڈیا نہیں تھا کہ میں فوروہیل کس سمت بھگائے چلا جا رہا ہوں، لیکن سورج کا اندازہ کر کے میں اپنے تئیں تارکول کی سڑک کی جانب بھاگا جا رہا تھا۔ میری کوشش یہی تھی کہ جتنی جلدی ہو سکے ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاؤں، پھر راستہ تلاش کرنا اتنا مشکل نہیں تھا۔

مجھے فوروہیل بھگاتے تقریباً آدھا گھنٹا ہو گیا تھا۔ میرے پیچھے آنے والی جیپیں اب دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ مجھے یقین ہونے لگا کہ میں انہیں جُل دینے میں کامیاب ہو گیا ہوں، تب میں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ اب مجھے تارکول کی سڑک کی جانب بڑھنا چاہیے۔ ایک اونچے ٹیلے پر کافی بڑی بڑی جھاڑیاں تھیں۔ میں نے اس کی اوٹ میں فوروہیل کھڑی کی اور فون نکال کر آفتاب کا نمبر ملانے لگا۔ چند لمحوں بعد ہی میرا اس سے رابطہ ہو گیا۔

''کہاں ہو تم؟'' اس نے پوچھا۔

''یہی میں تم سے پوچھنے والا ہوں۔ میرے ہر طرف ریت ہی ریت ہے، ٹیلے ہی ٹیلے ہیں۔ جس طرف سڑک ہے وہ سمت سمجھ میں نہیں آ رہی۔'' میں نے اسے اپنا مسئلہ بتایا تو وہ بولا۔

''ہم اس وقت سڑک سے ذرا ہٹ کے کھڑے ہیں لیکن ہیں پاس ہی۔''

''تو پھر کمپاس کی مدد سے مجھے سمت بتاؤ۔'' میں نے کہا تو وہ بولا۔

''ایک منٹ میں ابھی تمہیں بتاتا ہوں۔''

میں انتظار کرنے لگا۔ اگلے دو منٹ میں مجھے اس نے سمت کے بارے میں سمجھا دیا۔ میں بالکل اس کے مخالف سمت جا رہا تھا۔ بھگدڑ کی وجہ سے مجھے اندازہ ہی نہیں ہوا کہ میں کدھر جا رہا ہوں۔ تبھی میں نے کہا۔

''تم لوگ کہیں سکون کر دیا آہستہ آہستہ آگے بڑھو۔ میں پہنچتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے کہا اور فون کال ختم کر دی۔

میرے خیال میں مجھے دائیں جانب اپنا سفر جاری رکھنا چاہیے تھا۔ مجھے لوکیشن دیکھنے کے لیے ٹیلے کے سرے پر جانا تھا تاکہ اندازہ کر سکوں کہیں کوئی بستی یا راستہ دکھائی دے جائے۔ یا پھر مجھے اندھا دھند یونہی چلتے چلے جانا تھا۔

میں فوروہیل سے اترا اور ٹیلے پر چڑھنے لگا۔ ٹیلے پر چڑھتے ہوئے میرے پاؤں ریت میں دھنس رہے تھے۔ میں زور لگاتے ہوئے چڑھتا چلا گیا۔ میں جیسے ہی ٹیلے کے اوپر آیا، میں حیران رہ گیا۔ جس طرف میں جا رہا تھا، اس جانب سے کوئی دس بارہ جیپیں اور فوروہیل آ رہی تھیں۔ اتنی تعداد میں یہ لوگ دیوانہ وار یونہی بھاگے نہیں چلے آ رہے تھے۔ میں نے مخالف سمت میں دیکھا، منشی مہر خان کی جیپیں کافی فاصلے پر بھاگی چلی آ رہی تھیں۔ مجھے صاف دکھائی دے رہا تھا کہ میں گھیرا جا چکا ہوں۔ اپنے بچاؤ کے لیے اب جو کچھ بھی کرنا تھا، خود ہی کرنا۔ اگر میں آفتاب کو فون کر بھی دیتا تو فوری طور پر میری مدد کو نہیں آ سکتے تھے۔ یہ آپشن میں نے فوری طور پر ذہن سے نکال دیا۔

میں وہاں جھاڑیوں میں دبک کر بھی نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ وہاں دبک کر بیٹھنے کا مطلب یہ تھا کہ میں اپنا آپ ان کے حوالے کر دوں۔ زیادہ سے زیادہ دس منٹ بعد وہ مجھے گھیر سکتے تھے۔ ٹیلے سے نیچے کھڑی فوروہیل میری نشاندہی کر سکتی تھی میں پیدل نکل کر بھی نہیں بھاگ سکتا تھا۔ کوئی ایسی آڑ نہیں تھی جہاں میں چھپ سکتا تھا زیادہ سے زیادہ میں کسی ٹیلے کی آڑ یا اوٹ میں بیٹھ جاتا، اپنے اوپر ریت ڈال کر چھپ جاتا، لیکن کب تک؟ میں نے تیزی سے سوچا اور رسک لینے کا سوچ کر ٹیلے سے نیچے اترنے لگا۔ ٹیلے پر چڑھتے ہوئے دیر لگتی ہے، اترنے میں نہیں۔ میں فوراً نیچے اترا، ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔ وہ لوگ میرے پیچھے اور آگے کی سمت سے آ رہے تھے۔ میں نے درمیان میں دائیں جانب کا رخ کیا اور فوروہیل بھگا دی۔

میں نہیں جانتا تھا کہ میرا اور سڑک کے درمیان کتنا فاصلہ ہے۔ مجھے ہر حال میں وہاں سے نکلنا تھا۔ میں جیسے ہی ان ٹیلوں کے درمیان سے نکل کر قدرے نچلی زمین پر آیا جسے مقامی زبان میں ''پک'' کہتے ہیں۔ تبھی میری نگاہ دائیں بائیں گاڑیوں پر پڑی۔ بلاشبہ وہ مجھے دیکھ چکے تھے اور میری جانب بڑھ رہے تھے۔ یہی میرے امتحان کا وقت تھا۔ میں نے اپنے حواس قابو میں رکھتے ہوئے گاڑی کی رفتار مزید تیز کر دی۔

میں زیادہ سے زیادہ دو ڈھائی کلومیٹر تک گیا ہوں گا کہ

www.paksociety.com
www.pakistanipoint.com

دونوں طرف کی گاڑیاں میرے نزدیک آ گئی تھیں۔ میں نے ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ سنبھالا اور اپنے نیفے سے پسٹل نکال لیا۔ میرا اگر آخری وقت آ ہی گیا ہے تو میں اکیلا تو نہ مروں، کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر آخری وقت تک مقابلہ کرتے ہوئے مروں۔ میری سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ میں منشی مہر خان کو ماروں۔ دونوں طرف کی گاڑیاں میرے نزدیک آ گئی تھیں اچانک ان گاڑیوں سے فائرنگ ہونے لگی جو منشی مہر خان کی مخالف سمت سے آ رہی تھیں۔ ایک لمحے کو میرا دل میری کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا۔ مجھے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا کہ اب میرا آخری وقت آ گیا ہے لیکن اگلے ہی لمحے میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میری فوروہیل کا ٹائر پھٹنے کے ساتھ ہی منشی مہر خان والی جیپوں پر فائرنگ ہونے لگی۔ میں زیادہ دور نہ جا سکا، فوروہیل رک گئی تھی۔

وہ نو دو راد مجھے روکنے کے ساتھ ساتھ منشی مہر خان کو بھی روک رہے تھے۔ دونوں جانب سے فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔ میں تیزی سے پچھلی سیٹ پر چلا گیا تھا۔ اتنی شدید فائرنگ ہونے لگی تھی میں دبک کر لیٹ گیا۔ اِکّا دُکّا گولیاں فوروہیل کو لگ رہی تھیں۔ اچانک فائرنگ رک گئی۔ میں نے لاشعوری طور پر سر اٹھا کر دیکھا تو منشی مہر خان والی جیپیں پلٹ کر جا رہی تھیں۔ بلاشبہ وہ یہی سمجھیں ہوں گے کہ میری مدد کو کوئی آ گیا ہے۔ ہوا بھی ایسے ہی تھا، نو اردوں نے میری مدد کر دی تھی۔ مگر وہ کون تھے؟ دوست یا دشمن؟ اتنی تیزی سے وہ مجھ تک کیسے پہنچ گئے تھے؟ میں پچھلی سیٹ پر پڑا یہی سوچ رہا تھا کہ سناٹے میں آواز ابھری۔

''اُوئے زین باہر آ جا۔''

یہ تو اسی چاچا سائیں کی آواز ہے، سانول مجھے جس کے پاس لے کر گیا تھا۔ کیا وہ اس قدر تیز ہو سکتا ہے مجھ تک پہنچ جائے یا وہ بھی..... یہی سوچتے ہوئے میں نے سر اٹھایا تو وہ سامنے کھڑا تھا۔ اسے یقین تھا کہ میں اس پر فائر نہیں کروں گا۔ وہ فوروہیل کی جانب ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ اکیلا ہی کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ کوئی نہیں تھا، اگر اس کے ساتھی تھے بھی تو وہ ابھی گاڑیوں ہی میں تھے۔ باہر نکلنا ایک بڑا رسک تھا لیکن مجھے باہر تو نکلنا تھا، میں خود نہ نکلتا تو وہ مجھے نکال لیتے۔ میں نے پسٹل کو پھر سے نیفے میں اُڑسا اور دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ میں نے ریت پر قدم رکھا ہی تھا کہ چاچا سائیں میری جانب بڑھا۔ اس نے دور ہی سے بانہیں پھیلا دیں۔ میں نے اس سے گلے ملتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

''چاچا سائیں تمہیں پتا کیسے لگ گیا کہ میں.....''

''میں سانول کے ساتھ رابطے میں تھا۔ میں بھی ذہنی طور پر تیار تھا کہ تم اگر میرن شاہ کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یہاں سے نکلنا مشکل ہو جائے گا، اس نے جب بتایا کہ منشی مہر خان تمہیں پکڑنے کے لیے نکل پڑا ہے تو میں اپنے دوست کو ساتھ لے کے نکل پڑا۔'' اس نے کہا۔

انہی لمحات میں میری نگاہ اُس کے پیچھے فوروہیل سے اترتے ہوئے شخص پر پڑی تو میں چونک گیا۔ وہ رَتّو بھوہڑ تھا۔ شاید اس نے میرا چہرہ پڑھ لیا تھا اس لیے رَتّو بھوہڑ نے مسکراتے ہوئے اونچی آواز میں کہا۔

''گھبراؤ نہیں، میں دوست بن کر آیا ہوں، دشمن نہیں۔''

''اگر تم دشمن بن کر ہی آتے تا تب بھی مجھے اتنی حیرت نہ ہوتی۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا تو وہ ہلکا سا قہقہہ لگا کر ہماری جانب بڑھتے ہوئے بولا۔

''تمہیں دوست تو اب ہمیں بنانا ہی پڑے گا۔ تم نے وہ کام کر دیا جس کے لیے مجھے کئی برس ہو گئے مگر نہیں کر سکا۔''

''بس، ہو گیا۔'' میں نے اختصار سے کہا، حالانکہ اُسے کیا خبر تھی کہ یہاں تک پہنچنے کے لیے میں نے بے شمار راتیں اپنی آنکھوں میں کاٹی تھیں۔ کن صعوبتوں سے گزرا اور کن مصیبتوں کو سہا تھا۔ میں خاموش رہا تو اس نے پوچھا۔ ''جس نفرت سے تم نے میرن شاہ کو مارا ہے، لگتا ہے تمہاری کوئی پرانی دشمنی تھی اس سے؟''

''اس نے مجھے دھوکا دیا تھا، صرف اپنی گائیوں کے عوض میرا سودا کر دیا، میری یہ قیمت لگائی اس نے۔'' میں نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے یونہی ایک بات کہہ دی۔

تبھی چاچا سائیں نے بڑے سکون سے کہا۔

''اچھا خیر! میری اطلاع کے مطابق روہی میں پولیس پھیل گئی ہے۔ انہوں نے اس پورے علاقے میں اپنے مخبر چھوڑ دیے ہیں۔ وہ بستی بستی تلاشی لے رہے ہیں۔''

''اور تمہیں ڈر ہے کہ اب میں تمہاری بستی نہ چلا جاؤں۔'' یہ کہتے ہوئے میں ہنس دیا پھر لمحہ بھر رُک کر بولا۔ ''فکر نہ کرو، مجھے ابھی یہاں سے نکلنا ہے بس سڑک تک پہنچ جاؤں۔''

''سوچنا بھی مت کہ تم سڑک کے ذریعے نکل جاؤ گے۔'' چاچا سائیں نے تیزی سے کہا پھر سمجھاتے ہوئے بولا۔ ''مجھے ڈر نہیں اور نہ شک ہے، مجھے یقین ہے، وہ بستی جائیں گے۔ ممکن ہے وہ اب تک ہو کر جا بھی چکے ہوں۔ اس لیے میں نے رَتّو کو بلایا ہے۔ اب تم اس کے پاس رہو گے تو یہ.....''

''مطلب، سیدھے سیدھے ان کے پاس چلا جاؤں جو

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

پہلے ہی میری جان کے دشمن ہیں۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''نہیں، ایسا نہیں ہے، اب روہی میں تمہارا سب سے بڑا کوئی دوست ہوگا تو وہ میں ہوں، رَتّو بھوہڑ..... کیونکہ میرن شاہ میرا سب سے بڑا دشمن تھا اور پیروزاں اس سے بھی بڑی دشمن۔'' اس نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

''تمہاری اس دشمن کو بھی میں ہی ختم کروں گا۔'' میں نے نفرت سے کہا۔

''لیکن، ابھی نہیں کر سکتے، اس کے لیے کچھ وقت درکار ہوگا، پوری پلاننگ چاہیے اس کے لیے اور.....''

''میری گارنٹی ہے، چاچا سائیں کی گارنٹی پُتر..... رَتّو بھوہڑ ہمارا دوست ہے، یہ دھوکا نہیں دے گا۔'' وہ بڑے مان سے بولا۔

''کیا، یہ دھوکا.....'' میں نے کہنا چاہا تو وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولا۔

''میرا پُتر بخنّاور، اسی رَتّو بھوہڑ کی وجہ سے بچا تھا، وہ اب بڑے محفوظ ہاتھوں میں ہے، اب یہ میرن شاہ مر گیا ہے نا تو وہ بہت جلد میرے پاس آجائے گا۔'' چاچا سائیں نفرت بھرے لہجے میں جذباتی ہوتے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہے، جیسے تم کہو لیکن یہ دیکھ لو..... تمہارے راجھستانی دوست ناراض ہو جائیں گے۔'' میں نے کہا اور خاموش ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''وہ اب ناراض نہیں ہوں گے، تم ان سے ملو گے تو پتا چل جائے گا۔'' رَتّو بھوہڑ نے کہا پھر تیزی سے بولا۔ ''ساری باتیں یہیں کر لیں گے، یہاں سے نکلو، ابھی ہم محفوظ نہیں ہیں۔''

اس نے کہا ہی تھا کہ میں اور چاچا سائیں اس کی فور وہیل کی جانب بڑھ گئے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ڈرائیور تھا۔ ہم پچھلی نشستوں پر بیٹھ گئے تو پسنجر سیٹ پر بیٹھنے سے پہلے رَتّو بھوہڑ نے سب گاڑی والوں کو اشارہ کیا۔ تبھی کوئی کسی جانب نکل گیا کوئی کسی جانب۔ میں سمجھ گیا۔ ریت پر ثبت ہونے والے نشان اگرچہ زیادہ دیر تک نہیں رہتے لیکن جب تک رہتے ہیں، وہ پوری پوری نشاندہی کر دیتے ہیں۔ وہ سب گاڑیاں یوں نکلی تھیں کہ کسی کو خبر نہ ہو کون سی گاڑی کدھر گئی ہے۔

☆☆☆

معلوم نہیں کتنا وقت ہوا تھا، آہٹ پر میں نے چونک کر دیکھا۔ چاچا سائیں کے ساتھ ایک نوجوان لڑکا ٹرے میں کھانا رکھے آگیا تھا۔ اس نے میرے سامنے کھانا رکھا تو میں اٹھ کر ہاتھ دھونے لگا۔ نوجوان واپس چلا گیا تو وہ بولا۔

''حالات بہت گمبھیر ہو گئے ہیں۔ پیروزاں آگئی ہے اور وہ پاگلوں کی طرح بے قابو ہو رہی ہے۔''

''اچھا ہے، اُسے مزید پاگل ہونے دو چاچا۔''

''اس کے پاگل ہونے سے یہ ہوگا کہ وہ پوری روہی میں تمہیں تلاش کروا رہی ہے۔ اس وقت ہر بندے کی ہمدردیاں اس کے ساتھ ہیں۔ ہیلی کاپٹر تک آگیا ہے۔ گاڑیاں بستی بستی پھیل گئی ہیں۔ جس بے دردی سے تم نے میرن شاہ کو مارا ہے وہ بھولنے والی نہیں اسے جو بھی.....'' وہ کہہ رہا تھا لیکن میں نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

''وہ زیادہ سے زیادہ کیا کرے گی، اس کے بندے مجھ تک پہنچ جائیں گے، فرض کرو کہ وہ مجھے پکڑ بھی لیتے ہیں تو کیا مجھے مار دیں گے؟ تو مار دیں، اس کے بعد کیا ہوگا؟'' میں نے روٹی توڑتے ہوئے کہا۔

''خیر، میں ان بندوں کو تم تک نہیں پہنچنے دوں گا۔ وہ چاہے جو مرضی کر لیں، پولیس تو آئے گی کیونکہ ہمارے دشمن بھی ان کے ساتھ ہیں۔'' چاچا سائیں نے ایک ہی سانس میں اچھی اور بُری بات کہہ ڈالی۔ میں نے اس کی طرف توجہ نہیں دی اور کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا۔ وہ باہر کے حالات بتاتا رہا۔ میں سیر ہو کر کھا چکا تو اس نے برتن سمیٹ لیے۔ باہر جاتے ہوئے اس نے کہا

''میں ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور پھر سے چارپائی پر لیٹ گیا۔

پتا نہیں کتنا وقت گزر گیا تھا۔ کبھی میری آنکھ لگ جاتی، کبھی میں غنودگی میں چلا جاتا مگر لاشعوری طور پر میں چوکنا تھا۔ کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ میں اچھی طرح سمجھتا تھا کہ میں رَتّو بھوہڑ کی بستی میں تھا۔ میں اگر چاہتا تو ان کی مدد سے تارکول کی سڑک تک چلا جاتا، آگے جو بھی ہوتا مگر میں خود روہی سے جانا نہیں چاہتا تھا۔ اب میں فیصلہ کر چکا تھا کہ پیروزاں کو ختم کر کے ہی واپس جاؤں گا۔ اس کے لیے میں رَتّو بھوہڑ کی پوری مدد لوں گا۔

یہی کوئی سہ پہر کا وقت تھا جب چاچا سائیں کمرے میں آگیا۔ وہ میرے سامنے والی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے ہولے سے بولا۔

''میرن شاہ کی باقیات کو دفنا دیا گیا ہے۔''

''حالات کیا ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''کل بہت بڑا اکٹھ ہونے والا ہے۔ پولیس بھی موجود

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

ہے، جسے حکم دیا گیا ہے اس اکٹھ سے پہلے پہلے قاتل کو پکڑ کر پیش کیا جائے۔'' وہ دبے لہجے میں یوں بولا جیسے انتہائی مشکل حالات درپیش ہوں۔

''کس نے دیا ہے یہ حکم؟'' میں نے پوچھا۔

''انہوں نے جن کی اس علاقے میں چلتی ہے۔ پولیس کا بڑا افسر بھی آیا تھا، پورے علاقے کی سیاست یہاں جمع تھی۔ شہر سے وہ لوگ بھی تھے جو یہاں ان کے ساتھ کاروبار کرتے ہیں۔ سارے زورآور لوگ تھے یہاں پر۔'' اس نے یوں کہا جیسے مرعوب ہو گیا ہو۔ چاچا سائیں کا لہجہ حوصلہ افزا نہیں تھا۔ خوف زدہ شخص کچھ بھی کر سکتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ لوگ اتنے طاقت ور نہیں ہیں۔ اگر طاقتور ہوتے تو میرن شاہ کے سامنے دب کر نہ رہتے۔ اگرچہ وہ بھی ان کا مقابلہ کر رہے تھے لیکن بختاور وہاں سے بھاگنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ جس نے اسے پناہ دی تھی وہ بے دردی سے قتل ہو گیا تھا۔ اگر رتو بھوہڑ کے یہاں تلاشی شروع ہو بھی جاتی تو یہ لوگ زیادہ دباؤ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ میں جانتا تھا کہ بستی بہادر خان کے لوگ بھی اتنے طاقتور نہیں ہیں لیکن ان کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں تھی، وہ پھر بھی قابلِ بھروسا لوگ تھے۔ تبھی میں نے چاچا سائیں سے بڑے سکون سے پوچھا۔

''میرا خیال ہے، مجھے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ ورنہ وہ لوگ آپ سب کو بہت تنگ کریں گے۔ ویسے بھی میں کب تک ایک کمرے تک محدود ہو کر پڑا رہوں گا؟''

''تمہاری بات ٹھیک ہے لیکن میں تمہاری حفاظت کا وعدہ کر چکا ہوں، میں اور رتو بھوہڑ آخری دم تک تمہاری حفاظت کریں گے۔'' اس نے حوصلہ مند لہجے میں کہا۔

''چاچا سائیں یہ نوبت ہی کیوں آئے؟ میں نہیں چاہتا کوئی انگلی اٹھائے۔ مجھے کہیں اور ٹھکانا کرنا ہوگا۔'' میں نے سکون سے کہا۔

''میں تو ہر طرح سے حاضر ہوں باقی تم جیسے کہو.....'' اس نے میرے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا تو میں نے حتمی لہجے میں کہا۔

''اس بستی سے کوئی بھی میری مخبری کر سکتا ہے۔ کسی امتحان میں پڑنے کے بجائے، میرا نکل جانا ہی بہتر ہے۔'' میں نے کہا تو چاچا سائیں سر جھکاتے ہوئے خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد بولا۔

''تم نہا دھو کر تازہ دم ہو جاؤ پھر دیکھتے ہیں۔ میں رتو بھوہڑ سے مشورہ کر لوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا پھر اس کے ساتھ ہی اٹھ گیا۔

شام ڈھلتے ہی میں بستی سے نکلا تو میرے ساتھ ایک نوجوان بھی تھا۔ فیصلہ ہو گیا تھا۔ کوئی بستی تک نہ بھی پہنچ سکے یہاں سے مخبری بھی ہو سکتی تھی۔ اب تک کوئی راجھستانی میرے سامنے نہیں آیا تھا۔ ہماری کوشش یہی تھی کہ کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر نکلا جائے۔ ہم پیدل ہی چل پڑے تھے۔ چھوٹا سا بیگ میرے کندھوں پر تھا جس میں فالتو میگزین تھے جبکہ پسٹل میں نے اپنے نیفے میں اُڑسے ہوئے تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ نوجوان کے پاس کوئی ہتھیار تھا یا نہیں، جب میں چلنے لگا تو وہ میرے ساتھ ہو گیا تھا۔ انہوں نے مجھے یہی بتایا تھا کہ اس کے ساتھ جاؤ، یہ تمہیں ایک محفوظ مقام پر لے جائے گا۔

ہم گپ شپ کرتے ہوئے پیدل چلتے چلے گئے۔ تقریباً ایک گھنٹا بعد ایک چھوٹے سے دربار تک پہنچ گئے۔ اس کی چار دیواری نہیں تھی۔ اگر دربار کے اندر اور باہر دیے روشن نہ ہوتے تو شاید کچھ فاصلے سے بھی اندازہ نہ ہوتا کہ یہاں کوئی دربار ہے۔ کچھ فاصلے پر گھاس پھوس سے بنی جھونپڑیاں تھیں۔ وہ نوجوان مجھے ایک جھونپڑی میں لے گیا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے ماچس نکال کر دِیا سلائی روشن کی اور تلاش کر کے چراغ جلا دیا۔ جھونپڑی کی ایک جانب گھاس پھوس کو اس طرح تہ کر کے رکھا ہوا تھا جیسے کوئی اس پر سویا ہو۔ اگلے چند لمحوں میں میرے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ اس نے اپنے کندھے سے چادر اتاری اور وہاں بچھا دی پھر بولا۔

''لو بھائی یہاں لیٹ جاؤ۔''

''اور تم.....؟'' میں نے پوچھا۔

''میں یہاں سونے نہیں آیا، میں جاگ کر پہرا دوں گا۔'' اس نے بڑی سادگی سے کہا تو میں ہنس دیا پھر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''کتنے دن تک پڑے رہیں گے یہاں؟''

''یہی کوئی دو چار دن، جب روہی میں تلاشی والی ہلچل ختم ہو جائے گی تب پھر جو حکم ہوگا۔'' اس نے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''چل ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا اور وہیں لیٹ گیا۔ یک گونہ سکون میرے بدن میں اتر گیا۔ تبھی اس نوجوان نے اپنے بیگ میں سے ایک پوٹلی نکالی اور تنوریاں روٹیاں میرے سامنے رکھ دیں۔ پھر منرل واٹر کی ایک بوتل مجھے تھماتے ہوئے کہا۔ ''لے بھائی کھا۔''

''ابھی تو کھا لیں گے، دو چار دن کیسے گزاریں گے اس

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ویرانے میں؟'' میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو وہ بولا۔

''یہاں جو در بار کا مجاور ہے نا، اپنا ہی بندہ ہے۔ اس کا گھر یہیں نزدیک ہے، صبح سے وہی ہمارے لنگر پانی کا بندوبست کرے گا۔''

''رَبّ بڑا بے نیاز ہے یار، ہمارے جیسوں کو بھی رزق دیتا ہے۔ یہ اس کی بے نیازیاں ہی ہیں۔'' میں نے کہا اور کھانا کھانے لگا۔ وہ میٹھی روٹیاں تھیں، جو اس وقت بہت اچھی لگ رہی تھیں۔

کھانا کھا کر وہ نوجوان باہر نکل گیا تو میں نے اپنا فون نکالا۔ مجھے یہ دیکھ کر سخت مایوسی ہوئی کہ وہاں پر سگنل ہی نہیں تھے۔ مجھے آفتاب لوگوں کی اتنی فکر نہیں تھی۔ وہ بے وقوف نہیں تھے کہ راستے ہی میں کہیں پڑے ہوئے ہوں گے۔ انہوں نے جہاں جانا تھا، وہ چلے گئے ہوں گے۔ میرا اگر ان سے رابطہ ہو جاتا تو روہی کے اندر ہونے والی ہلچل کے بارے میں پوری طرح پتا چل جاتا۔ میں نے فون واپس جیب میں رکھا اور آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔

رات کا نجانے کون سا پہر تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے دور کہیں کوئی فور وہیل آ رہی ہے۔ میں زمین پر ہی لیٹا ہوا تھا۔ اس لیے زیادہ اچھی طرح محسوس کر سکتا تھا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میری ساری سماعتیں اسی آواز کی جانب مرکوز ہو گئیں۔ لمحہ بہ لمحہ آواز قریب آتی ... جا رہی تھی۔ میں تیزی سے اٹھا اور جھونپڑی سے باہر آ گیا۔ باہر اندھیرا تھا اور دور دور تک کوئی ہیڈ لائٹس دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ وہ نوجوان کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے پوری کوشش سے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر ایک جانب بڑھ گیا۔ میں ذرا سے فاصلے پر گیا تو مجھے وہ نوجوان سامنے سے آتا ہوا دکھائی دیا۔

''تم نے سنی یہ آواز.....؟'' میں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''ہاں، میں سن رہا ہوں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''کون ہو سکتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''تم نے شاید دیکھا نہیں، یہاں سے تھوڑے سے فاصلے پر کچی سڑک ہے، کوئی مسافر ہو گا۔'' اس نے بتایا۔

''اور کوئی ہماری تلاش میں ہوا؟'' میں نے پوچھا۔

''تو دیکھ لیں گے۔'' اس نے جرأت مندانہ انداز میں کہا اور آواز کی جانب متوجہ ہو گیا۔ پھر ہولے سے بولا۔ ''اگر وہ گاڑی ہماری جانب آ بھی جائے تو فوراً سامنے نہیں جانا، جب تک.....'' اس نے کہا تو میں سمجھ گیا اس لیے اسے ٹوکتے ہوئے بولا۔

''تم فکر نہ کرو، آؤ اِدھر۔''

میں اُسے لیتا ہوا جھونپڑی سے کچھ فاصلے پر چلا گیا۔ وہاں کافی جھاڑیاں تھیں۔ ان میں آسانی سے چھپا جا سکتا تھا۔ ہمیں وہاں بیٹھے دو سے تین منٹ ہوئے ہوں گے کہ ایک فور وہیل جھونپڑی سے کچھ فاصلے پر آ رکی۔ وہ مکمل اندھیرے میں تھی۔ فور وہیل کے اندر بھی روشنی نہیں ہو رہی تھی۔ ایک شخص اترا اور جھونپڑی کی جانب بڑھا۔ پھر باہر ہی رک کر ہلکے سے آواز دی۔

''علی زین، اوئے رکھے.....''

میں آواز پہچان گیا۔ وہ چاچا سائیں تھا۔ اس کے ساتھ ہی دو تین بندے مزید اتر آئے۔ وہ وہاں تک آئے تب تک چاچا سائیں جھونپڑی کے اندر چلا گیا، کچھ دیر بعد ہی وہ واپس آ کر تشویش بھرے لہجے میں بولا۔

''اندر تو کوئی بھی نہیں ہے۔''

''ہو سکتا ہے وہ کہیں دوسری جگہ.....''

''نہیں اندر ان کا سامان پڑا ہے۔ دیا بھی جل رہا ہے۔''

''تو پھر کہاں جا سکتے ہیں؟''

''اِدھر اُدھر ہی کہیں ہوں گے۔''

اس کے ساتھ ہی چاچا سائیں نے آواز دی تو ہم جھاڑی سے باہر نکل آئے۔ ہم جیسے ہی ان کے سامنے گئے تو وہ سبھی جھونپڑی میں آ بیٹھے۔ چاچا سائیں کے ساتھ رَتّو بھوہڑ بھی تھا اور اس کے ساتھ دو راجھستانی تھے۔ وہ دونوں نوجوان تھے۔ ایک دم خاموشی کے بعد چاچا سائیں نے کہا۔

''علی زین! روہی میں اب تمہارا رہنا مشکل ہو گیا ہے۔''

''تو میں نکل جاتا ہوں روہی سے۔'' میں نے فوراً کہا۔

''یہاں سے لے کر بہاول پور تک سمجھو تمہارے لیے ہر جگہ خطرہ ہے۔ پیروزاں نے تمہارے سر کی قیمت پچاس لاکھ رکھ دی ہے۔ زندہ یا مردہ جس حالت میں بھی تم ملو۔''

''واہ! اب تو میری اہمیت ہو گئی۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تم ہنس رہے ہو، لیکن آج شام ہی تمہارے ہونے کا شک لے کر پولیس میرے پاس آئی تھی۔ وہ پتا نہیں مطمئن ... ہوئے ہیں یا نہیں۔'' رَتّو بھوہڑ نے تشویش زدہ انداز میں کہا۔

''ہو سکتا ہے وہ تمہارے پیچھے ہی آ گئے ہوں۔'' میں نے کہا۔

''اب تو کوئی بھی انہونی ہو سکتی ہے۔ سنا ہے اماں سئین اپنا سب کچھ لٹا کر تمہیں پکڑنا چاہتی ہے۔ وہ اس طرح رو رہی ہے کہ ہر بندہ اس سے ہمدردی کر رہا ہے، کیا سیاست دان اور

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

کیا پولیس والے.....'' اس نے اکتاہٹ سے کہا۔
''تم لوگ کیوں آئے اور اب کیا کرنا ہے؟'' میں نے پوچھا۔
''دیکھ، یہاں اب تمہیں کوئی بھی نہیں رکھے گا، اگر کوئی رکھے گا تو اس پچاس لاکھ کے لالچ میں۔ بہاول پور تک تم جا نہیں سکتے، تمہارے پاس ایک ہی راستہ بچا ہے۔'' رَتّو بھوہڑ نے سمجھاتے ہوئے کہا۔
''وہ کیا.....؟'' میں نے پوچھا۔
''جب تک معاملہ ٹھنڈا نہیں ہو جاتا، تم بارڈر پار چلے جاؤ۔ بختاور بھی وہیں ہے۔ جب واپس آنا ہو تو اسے بھی ساتھ ہی لے کر آجانا۔'' چاچا سائیں نے سمجھاتے ہوئے کہا۔
''کیا مجھے ابھی جانا ہوگا؟'' میں نے صورتِ حال سمجھتے ہوئے کہا۔
''ہاں، کیونکہ کل سے یہ آنا جانا بھی بند ہو جائے گا۔ اِدھر اُدھر کا سارا کام تو ٹھپ ہے۔ سمجھو۔ اُدھر جاؤ گے تو کام بھی سمجھ لینا۔'' یہ کہہ کر اس نے سانس لی پھر راجھستانیوں کی جانب اشارہ کر کے کہا۔ ''یہ دونوں تمہیں لے جائیں گے، ساری بات ہوگئی ہے۔ چند دن سکون کر۔'' رَتّو بھوہڑ نے کہا۔
''ہاں، بختاور کو بھی ساتھ لے آنا۔'' چاچا سائیں شاید اپنے بیٹے کے لیے کچھ زیادہ ہی اداس ہو گیا تھا۔
''ٹھیک ہے۔'' میں جانے کے لیے ایک دم سے تیار ہو گیا۔ تو وہ مجھے بتانے لگا۔
''جہاں ہم کھڑے ہیں یہاں سے چولستان کی سمجھو شروعات ہے۔ آگے گاڑی نہیں جا سکتی، تم لوگوں کو اونٹوں پر سفر کرنا ہوگا۔ ابھی نکلو گے تو بارڈر پار کرتے دن چڑھ جائے گا۔''
''لے بھایا..... کپڑے بدل لے۔'' ایک راجھستانی نے اپنی پوٹلی میں سے کپڑے نکال کر دیے۔ میں نے وہ کپڑے بدلے۔ اپنے پسٹل لیے، بیگ سنبھالا اور اپنا فون رَتّو بھوہڑ کو دیتے ہوئے کہا۔
''اس فون میں صرف دو نمبر محفوظ ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی کال کرے، تو میرے بارے میں سب کچھ ٹھیک بتا دینا۔''
''ٹھیک، میں بتا دوں گا پر تم پریشان نہ ہو، اُدھر جا کر تمہیں بڑا اچھا فون مل جائے گا، جتنی مرضی یہاں کے لوگوں سے باتیں کرنا۔'' رَتّو بھوہڑ نے سکون سے کہا تو چاچا سائیں بولا۔
''میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہیے۔''
''ہاں، چل رکھے، گاڑی میں بیٹھ اور تم جاؤ۔ اونٹ مل جائیں گے آگے۔'' اس نے تیزی سے کہا۔
کچھ دیر بعد ہم تینوں چل پڑے۔ میرے دونوں ساتھیوں میں سے ایک کا نام رتن تھا اور دوسرے کا رگھو۔ وہ دونوں ہی ہندوؤں کی نچلی ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ ہم خاموشی سے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔

☆☆☆

صبح کا نیلگوں اجالا پھیل رہا تھا، جب ہم راجھستان کے پھیلے ہوئے صحرا میں پیدل چلتے جا رہے تھے۔ بارڈر پار کرنے سے پہلے ہم نے اونٹ چھوڑ دیے تھے۔ تب سے اب تک کوئی دس کلومیٹر کا فاصلہ ہم پیدل چل چکے تھے۔ ہم تینوں میں سوائے مطلب کے کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ اچانک رتن نے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔
''بھایا، تھک تو نہیں گئیو۔''
''نہیں ابھی مزید چل سکتا ہوں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''دھیرج رکھ، بس یہی دو کلومیٹر اور ہے۔ پھر بستی ما پہنچ جائیں گے۔'' اس نے یوں کہا جیسے اُسے بھی گھر جانے کی خوشی ہو رہی ہو۔ تبھی رگھو بولا۔
''یہ تو بتا، آج اِدھر ہی رہنا ہے یا.....''
''آج کا دن اسے ادھر ہی رکھیں گے۔ کل پھر سوچیں گے آگے کی، ایک دن تو سکون کر لیں یار۔'' اس نے کہا۔
''وہ چاچا سائیں کا بیٹا بختاور کدھر ہے؟'' میں نے پوچھا۔
''وہ تو شہر میں رہتا ہے بڑے ٹھاٹ سے۔ اس کا باپ خرچ دیتا ہے۔ تجھے اُدھر ہی لے کر جانا ہے، تیرا خرچ رَتّو بھوہڑ کرے گا۔'' اس نے مجھے بتایا تو میں مسکرا دیا۔ مجھے لگا وہ مجھ سے کوئی اہم کام لینا چاہتا تھا۔
وہ چند گھروں کی بستی تھی جس میں کسی گھر کی کوئی چار دیواری نہیں تھی۔ کہیں مٹی کی چوکور اور کہیں گول دیواریں بنا کر اوپر گھاس پھوس کے چھپر ڈالے ہوئے تھے۔ کسی نے زیادہ تھڑا بنایا ہوا تھا کسی نے کم۔ ہر گھر میں جلانے والی لکڑیوں کا انبار لگا ہوا تھا۔ اسی طرح ہر گھر میں کوئی نہ کوئی جانور ضرور تھا۔ وہ گائیں تھیں یا بھیڑ بکریاں۔ اونٹوں کے ریوڑ کے ریوڑ موجود تھے۔ مجھے ایک چکور دیواروں والے کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ اس کے بعد رتن اور رگھو نجانے کہاں غائب ہو گئے۔ میں چارپائی پر لیٹ گیا۔

www.pdfbooksfree.pk
www.pakistanipoint.com

زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ پہلے پائل کا چھنا کا ہوا اور اس کے ساتھ ہی ایک پکی عمر کی عورت اندر داخل ہوئی۔ وہ لمبے سے قد کی تھی۔ تیکھے نقوش سیاہ رنگ کا گھا گھرا اور چولی پہنا ہوا تھا۔ جس میں میں مختلف بھڑکیلے رنگوں کے پھول بنے ہوئے تھے۔ اس کا رنگ سانولا تھا، اس نے سیاہ آنچل سر پر جمایا ہوا تھا، اس نے بانہوں میں کہنیوں تک سفید چوڑیاں پہنی ہوئی تھیں۔ اس کی بغلیں پسینے سے بھیگی ہوئی تھیں۔ میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور وہ میری جانب تک رہی تھی۔ چند لمحے یونہی دیکھتے رہنے کے بعد بولی۔

''ائے بھایا..... سومت جانا، ابھی روٹی پکا رہی ہوں، بتا دودھ کے ساتھ کھالے گا یا کچھ بھنڈی ترکاری بنا دوں؟''

''جیسے تیرا دل چاہے۔'' میں نے کہا اور اس کے چہرے پر دیکھا۔ کوئی عام سی عورت ہوتی تو بلاشبہ نظریں جھکا لیتی یا پھر نگاہیں چرا کر بات کرتی مگر وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

''پھر جو بناؤں کھالینا، اُدھر کے لوگوں کو زیادہ پسند نہیں آتے اِدھر کے کھانے۔''

''چل پھر میں دودھ کے ساتھ ہی کھالوں گا۔'' میں نے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے باہر چلی گئی۔

کچھ دیر بعد وہ دودھ کا کٹورا بھرے اور ایک چنگیر میں روٹی رکھے آ گئی۔ اس نے میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''یہ لے، کھالے، پھر آرام سے سو جانا۔''

''رتن اور رگھو کہاں ہیں؟'' میں نے کٹورا پکڑتے ہوئے پوچھا۔

''وہ تو نہیں آویں گے شام تک۔ تجھے میرے ذمے ڈال گئے ہیں۔'' اس نے سکون سے کہا تو میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''اچھا، میری ذمے داری اب تم پر ہے؟''

''ہاں نا، تمہاری روٹی پانی، تمہیں دبانا، تھکاوٹ دور کرنا، کوئی بھی خدمت جو تم کہو۔'' اس نے یہ سارا کچھ یوں کہہ دیا جیسے وہ سب ایک ہی جیسی 'خدمات' ہوں۔

''یہاں آنے والے ہر مہمان کی یونہی خدمت کرتی ہے؟''

''ہاں، ایسے ہی، جو ایک بار میرے پاس آتا ہے، وہ دوبارہ میرے پاس آنے کی خواہش ضرور کرتا ہے۔'' اس نے ایک ادا سے اپنا آنچل سینے سے ہٹاتے ہوئے کہا تو میں سمجھ گیا، وہ کیا کہنا چاہ رہی ہے۔ تبھی میں نے کہا۔

''مجھے شام تک سونا ہے، اگر تم.....''

''روٹی کھا کے سو جا، کوئی اِدھر نہیں آئے گا۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا پھر رک کر بولی۔ ''ایک بات پوچھوں؟''

''بول کیا پوچھتی ہے۔''

''دھندا کرتے ہو یا قتل کر کے آئے ہو؟'' اس نے سیدھے پوچھ لیا۔

''تیرا اس سے کیا مطلب.....؟'' میں نے پوچھا۔

''ہے نا، دھندا کرنے والا ڈرپوک ہوتا ہے اور قتل کرنے والا بہادر۔'' اس نے یوں کہا جیسے مجھ پر طنز کر رہی ہو۔

''دیکھ، مجھ سے ایسے سوال نہ کر، تو نے روٹی کھلائی، تیرا شکریہ، اب تو کون ہے، کیا چاہتی ہے، میں نہیں جانتا۔'' میں نے کسی حد تک چڑتے ہوئے کہا۔ پتا نہیں وہ کیا جانچنا چاہتی تھی، اس کی نیت کیا تھی۔ وہ میری طرف گہری نگاہوں سے دیکھتی رہی پھر کچھ کہے بغیر باہر چلی گئی۔ لیکن میرے دماغ میں یوں چبھنے لگی جیسے اس کے من میں کچھ تھا جس کا اظہار نہیں کر پا رہی تھی۔

مجھے اونگھ آ گئی یا میں سو گیا تھا لیکن اچانک اٹھنے والے شور سے میری آنکھ کھل گئی۔ باہر کوئی مردانہ آواز میں جھگڑ رہا تھا۔ اس کے ساتھ تیز تیز آواز میں وہی عورت باتیں کر رہی تھی۔ پھر اس کے ساتھ ہی ایک دوسری مردانہ آواز ابھری، جو مصلحت بھری تھی۔ اس میں میرا ہی ذکر تھا۔ ایک دم سے میرے سارے حواس بیدار ہو گئے۔ یہ باہر کیا ہنگامہ مچ گیا ہے؟ میں تیزی سے اٹھ کر دروازے تک گیا۔ میں نے دروازے کی درز سے دیکھا، باہر دو راجھستانی اجنبی اور وہی عورت کھڑے تھے، ان میں زور شور سے بحث چل رہی تھی۔

''نہ، نہ کھیا نہ..... میں اسے یوں نہیں لے جانے دوں گی، تیری دشمنی جو بھی ہے، رتن اور رگھو کو لے آؤ، وہ لے جائیں تو لے جائیں۔'' اس عورت نے حتمی لہجے میں کہا۔

''وہ دونوں تو اب نہیں آنے والے، وہ گئے، اس بستی میں وہ کبھی نہیں آئیں گے۔ باقی رہی اس بندے کی بات..... وہ تو میں لے جاؤں گا۔'' ایک بوڑھے سے بندے نے غصے میں کہا۔

''پھر مجھے مار دے اور لے جا۔'' عورت نے بھی غصے میں کہا۔

''تو کیوں اس کے لیے مرنے کو تیار ہے، تجھے نہیں پتا یہ کون ہے؟'' ساتھ کھڑے نوجوان مرد نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''دیکھ کھیا، تجھے پتا ہے، میرے پاس جو آتا ہے میں اس کی خدمت کے پیسے لیتی ہوں، وہ کوئی بھی ہوتا ہے مجھے اس سے غرض نہیں، یہی میرا دھندا ہے۔ آج اگر اسے میں نے دے دیا، کل کون آئے گا میرے پاس۔'' اس نے بھی سمجھانے والے انداز میں کہا تو کھیا بولا۔

''تجھے پتا ہے بگا کون ہے، میرا بیٹا ہے، اس کی دشمنی چل رہی ہے اس بندے کے ساتھ، جب تک وہ واپس نہیں آجاتا، یہ میرے پاس رہے گا۔ باقی رہی پیسے کی بات، چار گنا لے مجھ سے.....'' ادھیڑ عمر آدمی نے کہا۔

''وہ اُدھر ہے بارڈر پار اور تجھے یہاں پتا چل گیا کہ اس کی دشمنی ہے بگا کے ساتھ۔'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''میری روز بات ہوتی ہے اُس سے۔ مجھے رات ہی بتا دیا تھا اُس نے۔ اب سیدھے سیدھے مجھ سے پیسے لے اور اسے میرے حوالے کر دے، ورنہ میں ابھی بی ایس ایف والوں کو بتاتا ہوں، وہ.....'' ادھیڑ عمر نے کہنا چاہا تو وہ عورت تنک کر بولی۔

''تو میرا کیا، بھی کا دھندا چوپٹ ہوگا۔ تم کر لو گے دھندا؟ تیرا وہ بگا آجائے گا واپس؟..... نہ کھیا، مجھے دھمکی مت دے۔ بس رتن اور رگھو کو لے آ اور اسے لے جا۔ باقی میں کچھ نہیں جانتی۔'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تو میں نے دروازہ کھول دیا۔ ان سب نے میری جانب دیکھا اور خاموش ہو گئے۔ میں کمرے سے باہر آ گیا۔ میں نے ان کی طرف دیکھا اور ان کے پاس آ گیا۔ پھر اسی ادھیڑ عمر کی طرف دیکھ کر بولا۔

''پہلی بات تو یہ ہے کہ میری بگا سے کوئی دشمنی نہیں، وہ خواہ مخواہ دشمنی بنا رہا ہے۔ دوسری بات مجھے اگر یہاں خراش بھی آئی نا..... تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اِدھر کسی کو کچھ نہیں ہوگا۔''

''مجھے جو کچھ بگا نے کہا، میں تو وہی جانتا ہوں۔ رتن اور رگھو ہمارے دشمن ہیں، ان کی تو ایک نہیں چلے گی یہاں، رتّو بھوہڑ کام ہمارے ساتھ کرے اور دشمنوں سے بھی ویسی ہی سانجھ رکھے، ایسا نہیں ہوگا۔ رتّو بھوہڑ کی نیت خراب لگتی ہے۔ اگر بگا کے ساتھ تمہارا کچھ نہیں چل رہا تو پھر اس کے ساتھ تجھے یہاں بھیجنا تھا۔ پھر میں نے اپنے بیٹے کو بچانا ہے، وہ آجائے تو میں تجھے جانے دوں گا۔'' اس نے اپنا مدعا کہہ دیا۔

''دیکھ، تو ایک بار رتّو بھوہڑ سے بات کر لے، تیری یہ ضد کام نہیں آنے والی، میں یہاں ہوں۔ یہاں سے نہیں جانے والا۔ زیادہ ضد کرے گا تو کام خراب ہو جائے گا، بہت کچھ ختم ہو جائے گا۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا تو نوجوان نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''تم بھی ضد مت کرو۔ ہمارے پاس رہو، مہمان بنو ہمارے۔ بگا آجائے تو تم چلے جانا۔'' اس نے پھر وہی بات کر دی۔ مجھے ایک دم سے غصہ آ گیا۔ وہ خواہ مخواہ بلائے جان کی طرح نازل ہو گئے تھے۔ میں نے خود پر قابو رکھتے ہوئے کہا۔

''میں تو نہیں جانے والا، میری رتّو بھوہڑ سے بات کروا یا پھر یہاں سے چلا جا، دماغ مت خراب کر۔'' میں نے انتہائی سخت انداز سے کہا تو نوجوان نے نجانے کس زعم میں تھپڑ مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا، جیسے ہی اس کا ہاتھ میری جانب بڑھا، میں نے اس کی کلائی پکڑ لی، اسی کلائی کو جھٹکا دیا تو وہ دہرا ہو گیا، میں نے دوسرے ہاتھ سے مُکا اس کی پسلیوں پر مارا۔ وہ طاقتور تھا اس لیے کوئی آواز نہ نکلی، اس نے زور لگا کر اپنی کلائی مجھ سے چھڑا لی، اس سے پہلے کہ ہم گتھم گتھا ہو جاتے، وہ عورت ہمارے درمیان آ گئی۔ اس نے نوجوان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''دیکھ، تم زیادتی کر رہے ہو۔ میرا غصہ مت جگاؤ، اب چلے جاؤ۔''

''نہیں جا سکے گا یہ اس بستی سے۔ اگر یہ یہاں سے گیا تو میں تجھے مار دوں گا، سن لے۔'' نوجوان نے کہا اور پھر پلٹ کر ادھیڑ عمر سے کہا۔ ''فیصلہ کر، اگر آج رات تک بگا آجاتا ہے تو ٹھیک ورنہ.....''

''چل، میں کرتا ہوں ان کا بندوبست۔'' ادھیڑ عمر نے کہا اور نوجوان کو لے کر چل پڑا۔ میں انہیں جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ مجھے وہاں یہ پریشانی تھی کہ اگر انہوں نے بھارتی فورسز میں سے کسی کو بھی اطلاع دے دی تو سب کچھ چوپٹ ہو جائے گا اور مجھے شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ میں اگر بگا کو اسی رات مار دیتا تو یہ نوبت نہ آتی۔ سانپ ہر صورت میں سانپ ہی ہوتا ہے، اس کی آنکھیں نیلی ہوں یا سیاہ۔

''یہ کیا کر سکتے ہیں؟'' میں نے اس عورت سے پوچھا۔

''کر تو بہت کچھ سکتے ہیں مگر یہ مجھے نہیں جانتے۔'' اس نے کہا اور پھر چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد بولی۔ ''میں کرتی ہوں کچھ۔''

یہ کہتے ہی وہ اونچی آواز میں کسی کو آوازیں دینے لگی۔ اس کے جواب میں کسی گھر سے زور سے آواز آئی۔ چند لمحوں بعد ایک لڑکا گھر سے باہر آ گیا۔ وہ تیزی سے ہماری جانب

waqar Azeem www.pakistanipoint.com

آرہا تھا۔ اس نے میلی سی پتلون پہنی ہوئی تھی اور اسی طرح کی شرٹ تھی۔ بال لمبے لمبے جیسے پتا نہیں کب سے نہ کاٹے گئے ہو۔ وہ مجھے دیکھتے ہوئے اس عورت کے پاس آ کر کھڑا ہوگیا۔ وہ اسے کچھ سمجھانے لگی۔ وہ کھڑا سر ہلاتا رہا۔ ان کی باتوں کے دوران ہی ایک فور وہیل اچانک موڑ لے کر سامنے آرکی۔ میں نے چونک کر اس فور وہیل کو دیکھا، شاید دشمن سر پر آن پہنچا تھا۔ میرے لیے راہِ فرار نہیں تھی۔ میں بالکل سامنے کھڑا تھا، عورت اپنی بات بھول کر فور وہیل کی جانب دیکھنے لگی۔ تبھی فور وہیل کی ڈرائیونگ سائڈ کا شیشہ نیچے ہوا تو میری نگاہ ڈرائیور پر پڑی۔ وہ میری جانب دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ مجھے اس کا چہرہ جانا پہچانا لگا، جیسے میں نے اُسے کہیں دیکھا ہوا ہو۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے وہیں رُکے رہنے کا اشارہ کیا اور فور وہیل سے اتر کر میری جانب بڑھ آیا۔ میں اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے سیاہ پتلون پر سفید قمیص پہنی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا ہوا تھا۔ وہ میرے پاس آ کر رکا اور چشمہ اتار کر بولا۔

''مجھے پہچانا؟''

''نہیں تو.....'' میں نے اس کے جانے پہچانے چہرے کو دیکھتے ہوئے ہوئے کہا تو وہ ذرا سا مسکرایا پھر بولا۔

''بستی چراغ، اونٹ ریہڑھا، آخری مسافر اور.....''

''اوئے تم بختاور ہو'' میں نے جوش سے کہا۔

''ہاں نا، میں بختاور ہوں۔'' اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''تمہیں میرے بارے میں کیسے.....'' میں نے پوچھنا چاہا تو اس نے کہا۔

''باتیں کرنے کا بڑا وقت ہے، میں ذرا اس سے بات کرلوں۔'' اس نے عورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، پھر اپنی جیب سے فون نکال کر نمبر پش کیے اور رابطہ ہو جانے پر حیران کھڑی عورت کو فون تھماتے ہوئے بولا۔

''لے رتن سے بات کر۔''

وہ فون پکڑ کر باتیں کرنے لگی پھر فون واپس کرتے ہوئے بولی۔ ''ٹھیک ہے لے جا اِسے۔''

جیسے ہی اس نے اجازت دی، بختاور نے نوٹوں کی ایک گڈی اس کی جانب بڑھا دی۔ اس نے یوں پکڑی جیسے یہ اسی کا حق ہو۔ بختاور نے مجھے اشارہ کیا، میں نے اندر سے اپنا بیگ اٹھایا اور اس کے ساتھ چل دیا۔

فور وہیل میں ایک بندہ بیٹھا ہوا تھا۔ میں پسنجر سیٹ پر بیٹھا تو اس نے فور وہیل بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''کہو کوئی بندہ آیا تھا؟''

''ہاں آیا تھا لیکن مجھے سمجھ نہیں آئی۔'' میں نے کہا اور کچھ دیر پہلے کی رُوداد بیان کردی۔

''رگھو نے بے ایمانی کی ہے۔ اس نے بگا کے باپ کو تمہارے بارے میں بتا دیا۔ اب وہ چین سے تو نہیں بیٹھے گا مگر اس کا بھی بندوبست ہو جائے گا۔ مجھے رتن نے بتایا تو میں فوراً بھاگا۔''

''زیادہ سے زیادہ کیا کرے گا وہ؟'' میں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''یہی اپنے بندے لگائے گا تمہیں پکڑنے کے لیے، اُدھر بگا بھی بھاگ گیا ہے نا رتو بھوہڑ کے پاس سے۔'' اس نے صورتِ حال بتائی۔

''انہیں تمہارے بارے میں پتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''پتا ہو یا نہ ہو، تم سکون سے رہو، میں دیکھ لوں گا سب۔'' اس نے مجھے اطمینان دلایا اور پتلی سی تارکول کی سڑک پر فور وہیل بھگا دی۔

تھوڑا سا سفر طے ہوگیا تو میں نے تجسّس بھرے لہجے میں پوچھا۔

''یار، تم اس دن کہاں غائب ہوگئے تھے؟''

میرے اس سوال پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا، پھر مزہ لیتے ہوئے بولا۔

''تمہیں آج تک یاد ہے؟''

''تم یاد ہو تو وہ بھی یاد ہے، مجھے آج تک تجسّس ہے، تم تو یوں غائب ہوئے تھے جیسے گدھے کے سر سے سینگ.....'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''یار، سیدھی سے بات تھی، کسی نے بھی عقل استعمال نہیں کی، میں اتنی دیر میں کہاں جا سکتا تھا بھلا، اُڑ تو سکتا نہیں تھا۔''

''پھر کہاں گئے تھے؟'' میں نے پوچھا۔

''... ریہڑھے کے نیچے کنڈے لگا کر رسّے باندھے ہوتے ہیں، اگر سامان کو باندھنا ہو... تو وہی رسّے کام آتے ہیں۔ میں انہیں پکڑ کر چپک گیا تھا، کسی نے بھی نیچے نہیں دیکھا۔ پھر تم پھنس گئے، ماراماری ہونے لگی۔ ریہڑھا چل پڑا، تھوڑا آگے جا کر میں پھر ریہڑھے پر بیٹھ گیا۔'' یہ کہہ کر اس نے قہقہہ لگا دیا۔ میں یونہی خجل سا ہونے لگا کہ یہ سامنے کی بات میرے ذہن میں کیوں نہیں آئی تھی۔ پھر

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

سوچا چھا ہوا نہیں آئی۔ میں خاموش ہو گیا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹا سفر کرنے کے بعد ہم ایک قصبے کے نواح میں واقع ایک فارم ہاؤس آ گئے۔ وہ ذرا بھی گنجان آباد علاقہ نہیں تھا۔ نہ ہی وہ کوئی زرعی علاقہ تھا۔ ایک نہر اس قصبے کے درمیان سے گزرتی تھی۔ جس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ہم اس فارم ہاؤس پہنچے تھے۔

بختاور مجھے ایک آرام دہ کمرے میں لایا اور بولا۔

''لو جی، کرو آرام، رات کو ملتے ہیں۔''

میں بستر پر لیٹتے ہی گہری نیند میں چلا گیا۔

☆☆☆

رات کا پہلا پہر گزر چکا تھا۔ میں اور بختاور کھانا کھا چکے تھے۔ اس نے مجھے ایک پتلون اور شرٹ دے دی تھی جسے پہن کر میں بہت سکون محسوس کر رہا تھا۔ میں تازہ دم تھا۔ وہ مجھے لے کر باہر آ گیا۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اگر کوئی دوسرا وقت ہوتا تو میں اسے بڑا رومانوی ماحول سمجھتا لیکن ابھی تک مجھے اس ماحول کی خوبصورتی سمجھ نہیں آئی تھی۔ دور تک سنسان سا علاقہ تھا۔ دور دور تک لان بنے ہوئے تھے۔ سامنے ایک لان میں کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ وہاں ملگجا اندھیرا تھا۔ وہ ایک کسی پر جا بیٹھا تو میں نے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''اکیلے ہی رہتے ہو تم یہاں؟''

''نہیں تو..... وہ دوسری جانب کئی بندے ہیں، سبھی دھندے والے ہیں، انہیں ابھی تمہارے بارے میں نہیں بتانا۔'' اس نے سکون سے کہا۔

''وہ کیوں، وہ کوئی.....'' میں نے پوچھنا چاہا تو وہ بولا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں، ابھی تم سے اودھے رام ملیں گے، وہی جس کے پاس ہم نے پناہ لی ہے، کہنے کو وہ ایک سیاست داں ہے۔ زمیندار ہے لیکن جرم کی دنیا میں وہ اس علاقے کا بے تاج بادشاہ ہے۔ ابھی آئے گا تو مل لینا، پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔'' اس نے مجھے سمجھانے والے انداز میں کم اور وارننگ دینے والا لہجے میں زیادہ سمجھایا تھا۔ میں خاموش رہا کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ کچھ دیر بعد اس نے مجھ سے پوچھا۔

''میرا پیچھے مسلسل رابطہ ہے۔ وہاں جو کچھ ہوا، مجھے اس کا اندازہ تو ہے لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔''

''کون سی بات.....؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ میرن شاہ سے تمہاری کوئی پرانی دشمنی تھی یا کیا تھا کہ.....''

''بختاور! چھوڑو اسے، جب میں پیروزاں کو ختم کر دوں گا تو پھر ساری بات بتا دوں گا۔ یہ سب یاد کر کے میرے زخم ہرے ہو جاتے ہیں۔'' میں نے انتہائی دکھ سے کہا تو وہ تیزی سے بولا۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے پھر کسی وقت سہی۔''

کچھ لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔ پھر ہم وہاں کے ماحول کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ ایسے میں دور سے فور وہیل کی ہیڈ لائٹس ابھریں، بختاور کے منہ سے نکلا۔

''لو بھئی، اودھے رام آ گیا۔ دیکھو، سنبھال کے بات کرنا۔''

میں خاموش رہا۔ کچھ دیر بعد فور وہیل ہمارے قریب آ رکی پھر اس میں سے ایک چھوٹے قد کا گول مٹول سا ادھیڑ عمر شخص برآمد ہوا۔ وہ چلتے ہوئے یوں لگ رہا تھا جیسے گھسن گھیریاں کھا رہا ہو۔ اس نے سفید کرتہ اور دھوتی باندھ رکھی تھی۔ گلے میں زرد رنگ کا پٹکا تھا، جیسے عموماً ہندو شدت پسند قسم کے لوگ پہنتے تھے۔ وہ ہمارے قریب آ گیا۔ اس کا منہ بڑا سا تھا اور آدھا سر گنجا تھا۔ اوپری لب پر ہلکی سی مونچھ تھی۔ اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے ہولے سے کہا۔

''رام رام بھائیا جی، بیٹھو بیٹھو۔'' وہ بیٹھ گیا تو ہم بھی بیٹھ گئے۔ تبھی اس نے میری جانب غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے آج جانا تھا، لیکن تم سے ملنے کا وقت تو مجھے نکالنا ہی تھا۔ سیدھی کام کی بات کریں۔''

''جی جی کیوں نہیں.....'' میں نے کہا۔

''دیکھ بھائیا..... یہاں بیٹھ کر تمہیں روٹیاں تو توڑنی نہیں ہیں، جہاں تک میں نے تمہارے بارے میں سنا اور جو مجھے بتایا اس سے تو یہی لگتا ہے کہ تم دھندے والے بندے نہیں ہو۔ یہ کھیپ لے کر جانا آنا، یہ چھوٹے چھوٹے کام والے تم بندے ہی نہیں ہو۔ کیا ٹھیک کہہ رہا ہوں؟''

''جی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ بات تو تم اچھی طرح سمجھتے ہو گے کہ یہ جرم کی دنیا ہے، یہاں دین دھرم یا ذات جاتی کو نہیں دیکھا جاتا۔ بس اپنا فائدہ اور طاقت دیکھی جاتی ہے۔ کچھ بڑا کرنا ہے تو بتاؤ، جیسا کہو گے ویسا کام ہے میرے پاس۔'' اس نے میرے چہرے پر نگاہیں گھماتے ہوئے پوچھا۔

''دیکھیں اودھے رام جی، مجھے کچھ دن کاٹنے ہیں یہاں، اس کے بعد چلے جانا ہے۔ تب تک جو کام ہو.....'' میں نے کہنا چاہا تو وہ بولا۔

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

''چلو جتنے دن ہو اِدھر کام کرو، دو چار بڑے کام ہیں۔ واپس جائے گا تو لمبے ڈالر لے جائے گا۔ میں جا رہا ہوں جیسلمیر، ادھر آجاؤ بختاور کے ساتھ۔ وہیں سارا معاملہ سمجھا دوں گا۔ عیش سے رہنا ادھر۔'' اودھے رام نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' میں نے فوراً رضامندی دے دی۔ تبھی وہ اٹھتا ہوا بولا۔

''بختاور، جی خوش ہو گیا، اس سے مل کر۔ بندہ سمجھ دار ہے، زیادہ چخ چخ نہیں کرنا پڑی، معاملے کو سمجھتا ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے میری جانب ہاتھ بڑھایا، پھر میرا ہاتھ دباتے ہوئے بولا۔ ''چل آ، ملتے ہیں وہیں۔''

''وہ جو پیچھے بکا اور.....'' بختاور نے کہنا چاہا تو اودھے رام حقارت سے گالی بکتے ہوئے بولا۔

''چھوڑ اُن کو، انہیں تو اب پتا بھی نہیں چلے گا یہ کدھر ہے۔ باقی میں انہیں خود دیکھتا ہوں، کچھ لوگوں کا مغز ٹھیک کرنا ہے۔ تم لوگ تیاری کرو۔'' اس نے کہا اور میرا ہاتھ چھوڑ کر اپنی فور وہیل کی جانب چل پڑا۔ میں اس کے اعتماد پر حیران تھا۔ پہلی ملاقات میں یوں اعتماد کر لینا بہت مشکل ہوتا ہے۔

اودھے رام کے جانے کے کوئی گھنٹے بھر بعد ہم بھی چل پڑے۔ ہمارے ساتھ اس بار ایک ڈرائیور اور ایک نوجوان تھا۔

☆☆☆

قصبے ستاسری سے جیسلمیر کی کوئی چھ گھنٹے کی ڈرائیونگ تھی۔ رات کا دوسرا پہر ختم ہونے کو تھا، جب ہم شہر کے ایک گنجان آباد علاقے میں جا پہنچے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے سارے شہر میں حویلیاں ہوں۔ ہم ایک ایسی حویلی میں جا پہنچے جو خاصی قدیم لگتی تھی۔ یہ غنیمت تھا کہ وہ گلی کافی کشادہ تھی۔ ہم فور وہیل سمیت حویلی کے اندر تھے۔ سامنے برآمدے میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ہمیں ایک روشن کمرے میں لے گئے، جو کافی حد تک خنک ہو رہا تھا۔ وہاں بیڈ لگا ہوا تھا، بھینی بھینی خوشبو کی مہک تھی۔ میں نے بیڈ پر پھیلتے ہوئے کہا۔

''بختاور یار..... اتنی خاطر مدارت ہو رہی ہے، رَب خیر ہی کرے۔''

''اسی سے اندازہ لگا لو، کام بھی تو بڑا ہوگا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھا چل وہ تو دیکھا جائے گا، لیکن کام کیا ہے اور وہ کون بتائے گا؟'' میں نے پوچھا تو وہ اکتاہٹ بھرے انداز میں بولا۔

''جب ضرورت ہوگی تو بتا دیں گے، جلدی کا ہے کی ہے۔''

''تو پھر اب سوئیں؟'' میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''اگر پینی ہے، یا کوئی دوسرا شغل کرنا ہے تو بتاؤ، ورنہ سو جاؤ۔'' اس نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''نہیں یار، یہ پینے وینے کا چکر نہیں، جب کوئی کام نہیں تو آرام ہی کرنا ہے۔'' لفظ میرے منہ ہی میں تھے کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

''آجاؤ۔'' بختاور نے کہا تو ایک گھٹے ہوئے بدن والا جوان اندر آگیا۔ اس کے ساتھ ایک لڑکی تھی۔ پتلی سی، جس کا چہرہ میک اَپ سے بے نیاز تھا۔ اس کے چہرے پر اگر کوئی فوری توجہ حاصل کرنے کی شے تھی تو اس کی بڑی بڑی آنکھیں، یوں لگتا تھا جیسے نیند سے بھری ہوں، موٹے موٹے لب، لمبی گردن میں لاکٹ لٹک رہا تھا، جو شیولنگ کی علامت تھا۔ اس سے لگ رہا تھا کہ وہ لڑکی ہندو ہے۔ دونوں نے نیلی جینز اور سیاہ ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھے۔ بختاور انہیں دیکھتے ہی اٹھا۔ دونوں سے گلے ملا۔ میرے ساتھ دونوں نووارد نے ہاتھ ملائے اور بیڈ پر ہی بیٹھ گئے۔ نوجوان نے میری طرف غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ ہے وہ جوان، جس کا ذکر اودھے رام نے کیا تھا؟''

''ہاں یہی ہے۔'' وہ عام سے لہجے میں بولا۔

''تو پھر کریں کام کی بات؟'' اس نے میری جانب دیکھتے ہوئے پوچھا، پھر میری ہاں اور ناں جانے بغیر تیزی سے بولا۔ ''یہاں کے ایک بزنس مین کو قتل کرنا ہے۔''

''تم لوگوں سے کیوں نہیں ہو سکا؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا تو ایک لمحے کو وہ گڑبڑا گیا پھر ہلکے سے مسکراتے ہوئے بولا۔

''ہمیں یہاں رہنا ہے۔ کب تک، یہ معلوم نہیں، تمہارا کام جب ختم ہو جائے گا، تمہیں یہاں سے جانا ہوگا۔'' اس نے اپنی طرف سے دلیل دیتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے، بندہ بتاؤ۔'' میں نے سکون سے کہا تو وہ ایک سیل فون میری جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔

''اس میں ساری معلومات ہیں۔ اسے دیکھو، جو بات سمجھ میں نہ آئے، تمہیں ضرورت ہو، وہ مجھے بتانا، پھر ڈسکس کر لیں گے۔''

''ڈن ہو گیا۔'' میں نے کہا تو وہ میری جانب دیکھ کر

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

بولا۔
''یہ اتنا آسان ٹارگٹ نہیں ہے، پہلے معلومات دیکھو، پھر بات کرنا۔''
''ٹھیک ہے۔'' میں نے ہلکی سی مسکان سے کہا تو شاید وہ چڑ گیا، اس نے دبے دبے غصے میں کہا۔
''یہ کام تمہیں اس لیے دیا جا رہا ہے کہ تم.....''
اس نے کہنا چاہا لیکن میں نے اسے درمیان میں ٹوک دیا۔
''ایسی باتیں کرنے سے بندہ بزدل لگتا ہے، بلکہ تھڑدلا بھی۔ تم نے کہہ دیا بس ہو گیا۔ اب کوئی دوسری بات کرو۔'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا تو وہ بھڑک اٹھا، یہی میں چاہتا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، بختاور نے موقع کی نزاکت دیکھتے ہوئے کہا۔
''علی بھائی تم اس کے بارے میں نہیں جانتے ہو، یہ ندیم ڈانڈیا ہے، اگر تم ذرا سی بھی خبروں میں دلچسپی رکھتے ہو تو اس کا نام ضرور سنا یا پڑھا ہو گا۔ وہاں یہ مسنگ پرسن ہے۔''
''اوہ، تو یہ ہے ندیم ڈانڈیا.....'' میں نے سر سراتے ہوئے کہا۔
''ہاں، اُدھر یہ بم دھماکوں میں، بندے مارنے میں مشہور رہا ہے۔ فورسز اس کے پیچھے چڑھی تو یہ بارڈر پار کر کے اِدھر آ گیا، تیری میری طرح دشمنیوں کے چکر میں اِدھر نہیں آیا۔'' بختاور نے مزید بتایا تو مجھے اس سے نفرت سی... ہونے لگی۔ بے گناہ لوگوں کا قاتل میرے سامنے کس طرح بیٹھا ہے۔ میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔
''ہاں مسنگ پرسن..... اُدھر لوگ اس کے لیے احتجاج کر رہے ہیں، اور یہ یہاں سکون سے بیٹھا ہے۔'' میں نے دبے دبے انداز میں ہولے سے کہا تو وہ ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولا۔
''سکون سے کہاں یار..... پورا نیٹ ورک دیکھ رہا ہوں، خیر چھوڑو، اگر تم یہ کام کرنے میں کامیاب ہو گئے تو سمجھو یہاں تمہارے لیے راستے کھل جائیں گے۔ جس طرح چاہے رہنا۔''
''ٹھیک ہے۔ کرتے ہیں بات۔'' میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔
''اگر کچھ موڈ ہے تو آ جاؤ۔'' اس نے دعوت دی، میں نے انکار میں سر ہلا دیا، جبکہ بختاور اٹھ کر چلا گیا۔ میں نے سیل فون کھولا اور اس بزنس مین کے بارے میں معلومات ویڈیو کی صورت میں دیکھنے لگا۔ بختاور جس وقت واپس آیا تو وہ سُرور میں تھا۔ تب تک میں ساری معلومات دیکھ چکا تھا۔
دن کافی چڑھ آیا تھا۔ میں حویلی کے صحن میں آیا تو سفید رنگ کی ایک کار کھڑی تھی۔ اس کے پاس ہی ندیم ڈانڈیا اور وہی رات والی لڑکی کھڑی تھی، اس نے سرخ رنگ کا لانگ اسکرٹ اور سیاہ ٹائٹس پہن رکھے تھے۔ اس نے اپنے اسکرٹ کے رنگ والی لپ اسٹک لگائی ہوئی تھی۔ اس کی سوئی سوئی آنکھیں چشمے کے پیچھے چھپی ہوئی تھیں۔ میرے پیچھے ہی بختاور آ گیا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی ڈانڈیا بولا۔
''ذرا سنبھال کے، تمہارے پاس کوئی ایسا ثبوت نہیں ہے کہ تم ٹورسٹ ہو۔ لیکن جو لڑکی تمہارے ساتھ جا رہی ہے، تیز چھری ہے۔''
''رابطہ رکھنا۔'' میں نے دو لفظوں میں اس کی بات کا جواب دیا تو وہ لڑکی کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھی۔ میں اس کے ساتھ بیٹھا تو وہ چل دی۔ کچھ ہی دیر بعد ہم مین روڈ پر آ گئے۔
''میرا نام مانسی ہے، بتاؤ کیا پلان ہے تمہارا؟'' وہ منمناتے ہوئے بولی۔
''اس وقت تک کوئی پلان نہیں ہے۔ اس لیے آج صرف جیسلمیر کی سیر کریں گے۔'' میں نے سکون سے کہا تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔
''چلو پھر، آج سیر ہی سہی۔''
''یہ شہر دیکھا ہوا ہے تم نے؟'' میں نے پوچھا۔
''ہاں، بہت اچھی طرح، پچھلے دو ماہ سے ہوں یہاں پر۔'' اس نے بتایا۔
''وہ جو بندہ ہمارا ٹارگٹ ہے، اس کے بارے میں جانتی ہو؟'' میں نے ایک خیال کے تحت پوچھا تو وہ بولی۔
''ہاں، پہلے میں نے اور ڈانڈیا نے کوشش کی تھی لیکن کوئی ایسا راستہ نہیں ملا جس سے کام ہو جاتا۔ دو بار کوشش کی ہے۔''
''کیوں نہیں ہو سکا کام؟'' میں نے پوچھا۔
''اس کے اردگرد لوگ بہت ہوتے ہیں، وہ صرف بزنس مین ہی نہیں، یہاں کا جو دو نمبر دھندا ہوتا ہے، اس کا بڑا ہے۔ اس کے جانے سے اودھے رام کو دونوں طرح کا فائدہ ہو گا۔'' اس نے سڑک پر نگاہیں جمائے بتایا۔
''کہاں رہتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔
''اس شہر میں اس کے کئی ٹھکانے ہیں۔ کوئی قلعے کے پاس، ایک فورٹ روڈ پر، اور کچھ اِدھر اُدھر۔'' اس نے بے

پروائی سے بتایا۔

''اب کہاں جارہے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''یہی قلعے کی طرف، وہیں اچھا وقت گزر سکتا ہے، لوگوں کا بھی رش ہوتا ہے۔'' اس نے موڑ مڑتے ہوئے بتایا۔ میں خاموش ہوگیا۔ کچھ دیر بعد اس نے ایک پارکنگ میں کار لگائی اور پیدل ہی قلعے کی جانب چل پڑے۔ مانسی نے ٹکٹ لیے اور قلعے کے اندر داخل ہوگئے۔

اندر بھانت بھانت کے لوگ تھے۔ ہم بھی اُن میں شامل ہوگئے۔ ابھی ہمیں کچھ دیر ہی ہوئی تھی قلعہ دیکھتے ہوئے کہ مانسی کا فون بج اٹھا۔ وہ کچھ دیر سنتی رہی، پھر فون بند کرکے بولی۔

''ڈانڈیا کا فون تھا، بتا رہا تھا کہ آج رات ایک ریزورٹ میں اس بزنس مین کو آنا ہے، وہاں ایک بڑا فنکشن ہے۔''

''ہم اس وقت وہاں جاسکیں گے؟'' میں نے پوچھا۔

''شاید جاسکیں، عام طور پر ٹکٹ ہوتا ہے۔'' اس نے سوچتے ہوئے کہا۔

''چلو اُدھر چلتے ہیں۔ ایک بار دیکھ کر آئیں۔ اگر ٹکٹ مل سکا تو.....'' میں نے کہا تو مانسی میری بات سمجھتے ہوئے سر ہلا کر چل دی۔

وہ ریزورٹ قلعے میں ہی بنا ہوا تھا۔ یہاں پر زیادہ تر لوگ شام کا نظارہ کرنے آتے تھے۔ ہم کچھ دیر باہر کا نظارہ کرنے کے بعد ہال میں چلے آئے۔ ہر طرف کھانوں کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ میں اور مانسی ایک ٹیبل پر بیٹھ گئے۔ مانسی نے کچھ روایتی کھانے منگوا لیے۔ میں وہاں کے ماحول کا جائزہ لیتا رہا۔ کھانے کے بعد لاؤنج میں آئے تو رات ہونے والے فنکشن کے کچھ پوسٹر لگے ہوئے تھے۔ ایک جانب اسی بزنس مین کی تصویر والا پوسٹر تھا۔ مانسی کاؤنٹر پر چلی گئی۔ میں اس کے ساتھ تھا۔ اس نے خالص راجستانی انداز میں پوچھا۔

''کیا اس پروگرام کے ٹکٹ مل سکتے ہیں؟''

کاؤنٹر پر کھڑی لڑکی نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا پھر بولی۔

''سارے ٹکٹ بک چکے ہیں۔''

''اوکے۔'' مانسی نے کہا اور پلٹ گئی۔ میں اس کے ساتھ چل دیا۔ میں تیزی سے سوچنے لگا کہ اس کے علاوہ یہاں آنے کا کوئی جواز کیا ہوسکتا ہے۔ میں یہی سوچتا ہوا چند قدم ہی چلا تھا کہ ایک لڑکا ہمارے ساتھ ساتھ چلنے لگا، اس نے مانسی سے کہا۔

''ٹکٹ چاہئیں آپ کو؟ ایک کے تین میں مل جائیں گے، کتنے چاہئیں؟'' اس نے تیزی سے پوچھا تو مانسی نے کہا۔

''اتنا مہنگا نہیں۔'' اس نے صاف انکار کردیا، پھر ان میں بھاؤ تاؤ ہوا اور مانسی نے دو ٹکٹ خرید لیے۔ ہم واپس حویلی چل دیے۔

☆☆☆

رات کا آنچل پھیل چکا تھا۔ میں اور مانسی کسی رومانوی جوڑے کے مانند اس ریزورٹ میں جا پہنچے تھے۔ مانسی نے شرٹ پتلون پہنی ہوئی تھی۔ اس کے بال کھلے ہوئے تھے۔ ہم کھلی فضا میں گھومتے رہے۔ یہ جگہ دراصل شہر کی جانب والے قلعے تھے۔ قلعہ سب سے اونچی جگہ پر تھا۔ وہاں سے شہر کی روشنیوں کا نظارہ بہت خوبصورت دکھائی دے رہا تھا۔ مگر میرے دماغ میں کچھ اور ہی چل رہا تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ ملگجی سی روشنی تھی۔ وہاں پر کئی جوڑے یونہی بیٹھے ہوئے تھے۔ مانسی میرے ساتھ جُڑ کر کھڑی ہوئی تھی۔ مجھے نہیں معلوم اس کے دماغ میں کیا تھا۔ لیکن میں اپنی سوچوں میں اس سے بہت زیادہ فاصلے پر تھا۔ وہاں پر کھڑے رہنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ ہم اپنے ساتھ کوئی بھی ہتھیار اندر نہیں لا سکے تھے۔ ڈانڈیا نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ ہم تک کوئی نہ کوئی ہتھیار ضرور پہنچا دے گا۔ ہم تک ابھی کوئی نہیں آیا۔ ہم کافی دیر گزار کر وقت پر اس پنڈال میں پہنچ گئے تھے جہاں روایتی رقص پیش کیا جانے والا تھا۔ وہاں کوئی اسٹیج نہیں تھا۔ دائرے میں کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ بالکل اس طرح جیسے ہاکی یا کرکٹ میچ میں تماشائی بیٹھتے ہیں۔ میرے خیال میں وہ رقص دیکھنے کے لیے تقریباً سوڈیڑھ سو لوگ ہوں گے۔ ان میں ہر طرح کے افراد تھے۔ ملکی اور غیر ملکی مرد عورتیں۔

رقص کا آغاز ہونے جا رہا تھا لیکن ابھی تک ہمیں کوئی ہتھیار نہیں ملا تھا۔ وہ بزنس مین بھی ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔ ایسے میں مانسی کا فون بج اٹھا۔ وہ چند لمحے سنتی رہی پھر فون میری جانب بڑھا دیا۔ دوسری جانب ڈانڈیا تھا۔

''سنو، سامنے ان رقص کرنے والوں کو دیکھو۔''

وہ یہ کہہ کر خاموش ہوگیا تو میں نے سامنے دیکھا۔

''دیکھ لیا۔'' میں نے بتایا۔

''ان میں صرف ایک ہی گہری نیلی پگڑی والا ہوگا، سازندوں میں بیٹھا ہوگا، اسے ذرا غور سے دیکھو۔''

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

''ہاں مجھے دکھائی دے گیا ہے، موٹا سا ہے، کافی بڑی بڑی مونچھیں ہیں اور سیاہ رنگ ہے اس کا۔'' میں نے بتایا۔

''بالکل وہی۔'' وہ دبے دبے جوش سے بولا پھر سانس لے کر کہا۔ ''وہ ابھی اٹھ کر واش روم کی جانب جائے گا، تم اس کے پیچھے چلے جاؤ۔ اس سے یہی پوچھنا کہ جودھ پور سے آئے ہو یا ستاسری سے، بس وہ پہچان لے گا۔'' اس نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''اوکے۔'' میں نے کہا اور فون جیب میں ڈال لیا۔ مانسی نے مجھ سے فون نہیں مانگا۔ وہ یوں میوزک میں مست ہو رہی تھی جیسے اسے کچھ اور سوجھ ہی نہ رہا ہو۔ میں اس نیلی پگڑی والے کی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ فون سن رہا تھا، پھر فون سنتے ہی اٹھا اور ایک جانب چل دیا۔ میں اٹھا اور اسے نگاہوں میں رکھتا ہوا اس کے پیچھے چل دیا۔

میں نے اسے واش روم سے پہلے ہی جا لیا۔ اس کے ساتھ لگتا ہوا بولا۔ ''ارے بھائیا..... جودھ پور سے آئے ہو یا ستاسری سے۔''

''جودھ پور سے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر کندھوں پر ڈالی ہوئی شال کو ذرا سا ہٹا کر بولا۔ ''یہ لو۔''

میں نے نیچے دیکھے بغیر اندازے سے چادر کے نیچے ہاتھ ڈالا تو ایک ڈبا میرے ہاتھ سے ٹکرایا۔ میں نے وہ پکڑا اور اس سے الگ ہو گیا۔ وہ سمجھدار تھا، اس نے یوں چھپا کر مجھے دیا تھا کہ اگر کہیں کوئی کیمرا بھی دیکھ رہا ہو تو اس میں نہ آسکوں۔ میں نے وہ ڈبا لیا اور واش روم میں گھس گیا۔ میں نے جلدی سے اسے کھولا، ایک جدید پسٹل اور ایک میگزین پڑا ہوا تھا۔ میں نے پسٹل چیک کیا، وہ لوڈڈ تھا، میں نے اسے شرٹ کے نیچے کیا۔ ڈانڈیا نے یہ عقل مندی کی تھی کہ پسٹل پر سائلنسر لگا ہوا تھا۔ فالتو میگزین جیب میں ڈالا اور نکل کر باہر چل دیا۔ میں خود کو پوری طرح تیار محسوس کر رہا تھا۔

میں دوبارہ پنڈال میں آیا تو وہاں کافی ہلچل تھی۔ ناچنے گانے والوں کے بالکل سامنے وی آئی پی نشستوں پر کافی لوگ براجمان ہو گئے تھے۔ میں مانسی کے پاس پہنچا تو ناچ شروع ہو چکا تھا۔ دو جوان لڑکیاں زرد رنگ کا چمکیلا چولی گھاگھرا پہنے، بڑا سا آنچل لیے ناچ رہی تھیں۔ میوزک کی تیز آواز سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ میں مانسی کے قریب بیٹھ گیا تو اسے اپنے قریب کر کے پوچھا۔

''کون ہے وہ بے چارہ؟''

''وہ سامنے، جس نے سفید رنگ کا کرتہ پہنا ہوا ہے، اس کے اوپر سرخ صدری ہے، بڑی مونچھوں والا گنجا ہے۔'' اس نے نشاندہی کی تو میں اسے پہچان گیا۔ دوپہر کے وقت میں نے اس کی تصویر بھی دیکھی تھی۔ میں نے وہاں کا جائزہ لینے کے لیے ہر طرف دیکھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے ساتھ اور پیچھے کچھ لوگ کھڑے ہیں۔ جو کسی بھی ہنگامی صورت میں اسے بچا سکتے تھے۔ میرا اور ان کا فاصلہ یہی کوئی ساٹھ ستّر فٹ کا رہا ہوگا۔ دونوں لڑکیاں درمیان میں ناچ رہی تھیں۔ ان کے ساتھ ذرا سے فاصلے پر ایک بڑے سے ڈھول پر دو آدمی کھڑے اسے بجا رہے تھے۔ باقی پیچھے بیٹھے ساز بجا رہے تھے۔ رواتی دُھن عروج پر آگئی تھی۔ میں نے ہولے سے مانسی کا ہاتھ پکڑا۔ اس نے زور سے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے اس کے چہرے پر دیکھا، اس کی آنکھوں میں بہت کچھ تھا۔ میں نے ہولے سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور اٹھ گیا۔ میں ان ساری نشستوں کے پیچھے چلا گیا۔ مجھے صرف دس سے بیس سیکنڈ چاہیے تھے۔

میں پیچھے جا کر وہاں جا کھڑا ہوا جہاں کافی حد تک اندھیرا تھا۔ میں نے خود کو تیار کیا، ایک دم سے پسٹل نکالا اور نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ کھٹاک سے آواز آئی، میں نے اپنے ہدف کو سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے دیکھا تھا۔ میرے لیے اتنا ہی کافی تھا، یہی چند لمحے انتہائی قیمتی تھے۔ میں نے وہاں مزید کچھ نہیں دیکھا، میں پیچھے پلٹا اور اس جانب دوڑا جہاں میں اور مانسی پہلے کھڑے تھے۔

قلعے کے ان کنگروں میں بڑے بڑے سوراخ تھے۔ پرانے زمانے میں چاہے وہ جنگی مقاصد کے لیے استعمال... ہوتے ہوں گے، مگر میں انہیں استعمال کرنے کا سوچ چکا تھا۔ میں ایک سوراخ میں داخل ہوا تو سامنے شہر تھا لیکن سوراخ سے نیچے جو زمین تھی وہ کم از کم بیس فٹ سے زیادہ تھی، اس کے بعد ایک ڈھلوان تھی، جس کے بعد پھر اتنی ہی اونچی دیوار تھی، جو سیدھی تارکول کی سڑک کنارے تھی۔ اتنی اونچائی خوف زدہ کر دینے والی ہوتی ہے۔ مگر میں نے ذرا سا بھی وقت نہیں لیا۔ سوراخ سے پار ہو کر میں لٹک گیا۔ پھر دیوار کے ساتھ چپک کر ہاتھ چھوڑ دیے۔ میں اگلے چند لمحوں میں ڈھلوانی تہ پر تھا، میرے کولھے پر دباؤ پڑا۔ ایک لمحے کو لگا جیسے میں اپنا توازن کھو دوں گا۔ اس کا نتیجہ یہی تھا کہ میں سڑک پر جا پڑتا۔ پھر کوئی بھی گاڑی مجھے کچل سکتی تھی۔ میں نے اپنا توازن برقرار رکھا اور پھر اگلی دیوار پر ایسے ہی لٹک گیا۔ یہ بلاشبہ رسک تھا۔ نیچے سڑک پر مجھے کوئی بھی دیکھ سکتا

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

تھا۔ کوئی مجھے دیکھ کر شور بھی مچا سکتا تھا لیکن یہ وقت ایسی باتیں سوچنے کا نہیں تھا۔ چند لمحوں کا یہ کھیل تھا۔ میں نے پھر خود کو دیوار کے ساتھ لٹکایا اور پھر روک روک کر میں نے خود کو چھوڑ دیا۔ میری کوشش تھی کی میں اپنے پاؤں پر گروں لیکن گرتے ہوئے میں توازن برقرار نہ رکھ سکا اور لڑھکتا ہوا چند فٹ تک گیا۔ میں تیزی سے اٹھا تو میرے گھٹنے اور دائیں کولہے میں شدید درد اٹھا۔ یہی دراصل تربیت ہوتی ہے۔ اتنی اونچائی سے نیچے آنا اور پھر درد برداشت کرنا ہی اصل تربیت ہوتی ہے۔

اس وقت میرے لیے پہلا مسئلہ یہی تھا کہ میں وہاں سے غائب ہو جاؤں۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا، ایک موٹر سائیکل والا آ رہا تھا۔ میں نے اسے ہاتھ دیا تو وہ نہیں رکا لیکن اگلے ہی دو منٹ میں ایک آٹو رکشے والا آ گیا۔

''کدھر جانا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''ریلوے اسٹیشن۔'' میں نے کہا اور اس میں بیٹھ گیا۔ اس نے آٹو بھگا دیا۔ مجھے نہیں معلوم وہ درست راستے پر جا رہا تھا یا نہیں۔ ایسے میں فون بجنے لگا۔ مانسی کا فون ایسے ہی کسی وقت کے لیے میں نے جیب میں رکھا ہوا تھا۔ میں نے کال پک کی تو دوسری جانب ڈانڈیا تھا۔

''کہاں ہو؟''

''پتا نہیں، آٹو رکشا میں ہوں۔ ریلوے اسٹیشن جا رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''اوہ، چل ٹھیک پہنچ، ہم آ رہے ہیں۔'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔

رکشے والے نے مجھے ریلوے اسٹیشن پر اتارا تو میں نے جیب سے ایک بڑا نوٹ نکال کر اسے دیا۔ اس نے پیلے سے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

''چھٹا نہیں صاحب۔''

''رکھ لو۔'' میں نے کہا تو اس نے حیرت سے میری جانب دیکھا۔ پھر نوٹ جیب میں رکھتے ہی چل پڑا۔ میں نے ریلوے اسٹیشن کی عمارت کو دیکھا۔ اوپر سرخ رنگ میں شہر کا نام لکھا ہوا تھا اور اِدھر اُدھر بنی برجیوں سے مغل تعمیر کا احساس ہو رہا تھا۔ میں نے اپنے اردگرد دیکھا تو مجھے احساس ہوا کہ میں کافی خطرناک جگہ پر کھڑا ہوں۔ مجھ سے کچھ فاصلے پر سیکیورٹی کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ بلاشبہ گاڑی کے پاس کوئی نہ کوئی محافظ تو ہوتا ہی ہے۔ اگرچہ میں نروس نہیں تھا لیکن مجھے یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے جانا کدھر ہے؟ کیا میں اسٹیشن کے اندر چلا جاؤں یا پھر یہیں کھڑا رہوں؟ اس جگہ کھڑے رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ ان چند منٹوں میں مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ اسٹیشن سیکیورٹی والوں کے استعمال میں زیادہ رہتا ہے۔ میرے گھٹنے اور کولھے کا درد بڑھنے لگا تھا جو لمحہ بہ لمحہ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ میں اگر چلتا تو میری لڑکھڑاہٹ واضح دکھائی دینا تھی۔ ماحول ایسا نہیں تھا کہ میں بھاگ سکتا۔ مجھے کسی راستے کا بھی علم نہیں تھا۔ سیڑھیوں کے ساتھ ساتھ جالیاں تھیں، میں اس سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ میرے لیے سب سے بڑا مسئلہ زبان کا تھا، میں اگر چاہتا بھی تو راجستانی انداز میں بات نہیں کر سکتا تھا۔ میں اسی اُدھیڑ بن میں تھا کہ میرے قریب ایک کار آن رکی۔ اس میں ڈانڈیا کے ساتھ بختاور بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے خود پر قابو پایا اور سکون سے چلتا ہوا کار میں جا بیٹھا۔ تبھی کار چل پڑی۔

میں جب کار میں بیٹھا تو میرا درد شدت اختیار کر گیا۔ میں خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ڈانڈیا نے بیک مرر میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''خیر تو ہے نا؟''

اس کے پوچھنے پر میں نے اسے اپنی حالت کے بارے میں بتایا تو مجھے کوئی جواب دینے کے بجائے اس نے تیزی سے فون نکالا اور کسی سے بات کرنے لگا۔

تیزی سے سفر کرتے ہوئے ہم حویلی پہنچ گئے تھے۔

حویلی کے ایک کمرے میں دری بچھی ہوئی تھی۔ میں اس دری پر الٹا لیٹا ہوا تھا۔ میرے اردگرد، بختاور، ڈانڈیا اور مانسی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک بوڑھا میرے قریب بیٹھا ہوا میرے کولہے اور ٹانگ پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تک کہیں کہیں سے دباتا رہا، پھر بولا۔

''نہیں کوئی ہڈی نہیں ٹوٹی۔ بس یہی لگتا ہے پٹھوں کو دباؤ پڑا ہے۔ یہ اوپر جسم پر جو خراشیں آئی ہیں، ان کی وجہ سے زیادہ درد محسوس ہو رہا ہے۔''

''کوئی اپائے ہے تو کرو۔'' ڈانڈیا نے تیزی سے کہا۔

''کرتا ہوں نا۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنے ساتھ لائی ہوئی پوٹلی میں سے ایک شیشی نکالی۔ اس میں سیاہ رنگ کا تیل تھا، وہ ڈانڈیا کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''یہ لے، یہ سارا تیل ہلکی ہلکی مالش سے جذب کر دے، یہ بھلا چنگا ہو جائے گا۔''

ڈانڈیا نے وہ شیشی پکڑی اور میرے تیل لگانے لگا۔ جیسے ہی وہ تیل میرے بدن پر لگا، مجھے یوں لگا جیسے میرا بدن وہاں سے جل گیا ہو۔ میں نے پوری قوت لگا کر اپنی چیخ کو

www.pakistanipoint.com
Waqar Azeem

روکا تھا، میں تڑپنے لگا۔ تبھی بوڑھا زور زور سے لیٹے رہنے کے لیے کہتا رہا۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا، کچھ دیر بعد مجھے یوں لگا جیسے ٹھنڈ پڑ گئی۔ پھر جیسے ہی دوبارہ تیل لگتا، وہی جلن ہونے لگتی۔ یہ آزمائش کوئی گھنٹا بھر رہی۔ وہ سارا تیل جذب ہو گیا تو مجھے سکون ہو گیا۔ ڈانڈیا اور بختاور اس بوڑھے کے ساتھ چلے گئے، جبکہ مانسی میرے قریب بیٹھی رہی۔ نجانے اسے کیا سوجھی، وہ میرے بدن پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

''نہ کرو، اب میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے کہا تو وہ جذباتی لہجے میں بولی۔

''میں نے اس دنیا میں ایسا حوصلہ اور پھرتی کسی میں نہیں دیکھی ہم اسے قتل کرنے کا دو ماہ سے سوچ رہے ہیں اور تم.....''

''کوئی اور بات کرو۔'' میں نے کہا تو وہ ہولے سے بولی۔

''تو پھر سنو..... جتنی جلدی ہو سکتا ہے، یہاں سے نکل جاؤ۔''

''ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟'' میں نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''یہ کوئی ممبئی یا کراچی نہیں ہے جہاں تم انسانوں کے سمندر میں غائب ہو جاؤ، یہ جیسلمیر ہے، یہاں سیکیورٹی فورس کا بہت اثر ہے، جو بندہ قتل ہوا ہے، وہ بہت اہم شخص تھا۔ جتنی آسانی سے تم نے یہ کام کیا، اتنا ہی مشکل ہے یہاں سے نکلنا، بہت مشکل.....'' اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''کیا یہ لوگ معاملہ نہیں سنبھال سکتے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ مجھے نہیں پتا لیکن یہ دیکھو، ہلچل مچ گئی ہے۔'' اس نے کہا اور اپنا فون میرے آگے کر دیا۔ اس میں کچھ تصویریں تھیں۔ وہ کسی سی سی ٹی وی سے لی گئی تھیں۔ وہ ریزورٹ کے اندر کی تھیں۔ کچھ دوپہر کی اور کچھ شام کی۔ دو تین میں مانسی بھی ساتھ دکھائی دے رہی تھی۔ ایک خاکہ تھا، جو میرے چہرے سے پچاس فیصد ملتا جلتا تھا۔ حیران کن بات یہ تھی کہ جس رکشے پر میں ریلوے اسٹیشن پہنچا تھا، اس رکشے والے کی بھی تصویر تھی۔ اب وہ پکڑا گیا تھا یا خود پولیس اسٹیشن چلا گیا تھا۔ میں نے تصویریں دیکھ کر کہا۔

''اس میں تو تم بھی نظر آ رہی ہو۔''

''میں تو برقع پہن کر یا چادر اوڑھ کر نکل جاؤں گی، لیکن تم کیسے نکلو گے؟'' اس نے کہا تو میں ہنس دیا۔

''یار نکلنا تھوڑی ہے۔ یہاں آرام کریں گے چند دن۔'' میں نے کہا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس دی۔ پھر ہنستے ہوئے میرے جسم پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

''بس یہی چاہتی ہوں، ہم تم کمرے میں بند ہوں اور چابی کھو جائے۔''

''او جاؤ یار، میرا دماغ مت کھاؤ۔'' میں نے تلخی سے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ اس کے چہرے پر سختی آ گئی۔ وہ چند لمحے مجھے دیکھتی رہی، پھر اٹھ کر باہر چل دی۔

صبح میں بالکل فریش تھا۔ کہیں کوئی درد نہیں تھا۔ ایک خاتون کمرے میں پتلون اور شرٹ رکھ گئی تھی۔ میں فریش ہو چکا تو بختاور آ گیا۔ وہ مجھے لے کر نیچے گیا تو ناشتا لگا ہوا تھا۔ میں خاموشی سے میز پر بیٹھ گیا۔ ناشتے کے بعد جب میں چائے لے کر بیٹھا ہوا تھا، تبھی ڈانڈیا بولا۔

''علی یار، تم نے مانسی کو ہرٹ کر دیا۔''

''کیوں کیا ہوا؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے بتایا ''اوئے یار وہ ایسی لڑکی نہیں، وہ تو کسی کو قریب نہیں پھٹکنے دیتی، تم پر نجانے کیسے مہربان ہو گئی۔''

''وہ مہربان ہے یا نہیں مگر بات اس نے تھرڈ کلاس کی تھی، مجھے اچھی نہیں لگی، اس لیے جھٹک دیا۔'' میں نے سکون سے کہہ دیا تو اس نے پوچھا۔

''خیر چھوڑ، ابھی ہمیں باہر نکلنا ہے، کیا تم خود کو فٹ سمجھ رہے ہو؟''

''بالکل، میں فٹ ہوں۔'' میں نے کہا تو ہم اٹھ کر باہر آ گئے۔ اس بار صحن میں فور وہیل کھڑی تھی۔ ہم اس میں بیٹھ گئے۔

وہ بھی شہر کا کوئی پرانا علاقہ تھا۔ پُر پیچ گلیوں میں ہوتے ہوئے فور وہیل ایک جگہ کھڑی کر کے پیدل جانا پڑا۔ بھول بھلیوں کے جیسی گلیوں میں سے ہوتے ہوئے ہم ایک حویلی کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ اس کی ڈیوڑھی کھلی تھی اور اس میں چند لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سب کے پاس اسلحہ تھا۔ ہم تینوں اندر چلے گئے۔ بلاشبہ وہ ڈانڈیا کو جانتے تھے۔ ڈیوڑھی پار کر کے ہم صحن میں آ گئے۔ وہاں بھی کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہمیں صرف ایک بار دیکھا، پھر اپنی اپنی مصروفیت میں کھو گئے۔ ہم ایک کمرے میں پہنچے..... تو سامنے صوفے پر اودھے رام بیٹھا ہوا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی اٹھ گیا۔ مجھے دیکھ کر اس کی باچھیں کھل گئیں۔

''ارے آؤ آؤ یار..... تم نے کمال کر دیا۔ میں نے سمجھا تم کچھ دن لوگے۔ مگر یہ ایک دن میں ہی.....''

www.Aqeel.com
www.pakistanipoint.com

''بڑا کام کر دیا ہے جی۔'' ڈانڈیا نے کہا تو... اودھے طنزیہ لہجے میں بولا۔

''تم سے تو نہیں ہوانا، اسے کہتے ہیں کام۔'' یہ کہہ کر اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے مجھے ساتھ بیٹھنے کا اشارہ کیا، پھر میری جانب دیکھ کر پوچھا۔ ''اس میں کوئی شک نہیں کہ تم نے بڑا کام کیا ہے بول، تجھے کیا انعام دیا جائے؟''

''مجھے کچھ نہیں چاہیے۔'' میں نے سکون سے کہا۔

''ارے یار کچھ تو.....'' اودھے رام نے حیرت سے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' میں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا تو وہ خاموشی سے میری طرف دیکھنے لگا پھر کچھ دیر بعد بولا۔

''تم بندے ہو کام کے، اس لیے تمہارا محفوظ رہنا بہت ضروری ہے۔ تمہیں آج رات ہر حال میں یہاں سے نکلنا ہوگا، کیونکہ شہر میں احتجاج شروع ہوگا، ابھی کچھ دیر بعد جلوس نکلیں گے۔ مجھے بھی ایک جلوس میں شامل ہونے کے لیے جانا ہے، پولیس پر بہت زیادہ دباؤ آ گیا ہے۔ دوسری فورسز بھی تمہاری تلاش میں نکلی ہوئی ہیں۔''

''تو پھر کرنا کیا ہے، تم بتاؤ گے یا ہم ہی کچھ کریں؟'' ڈانڈیا نے پوچھا۔

''ابھی شہر میں ہلچل نہیں ہوئی، حکومت کہہ رہی ہے کہ شام تک کا وقت دیا جائے، یہاں کی ساری نفری تلاش میں لگی ہوئی ہے لیکن جو بھی ہے، اگر یہ یہاں سے نکلا تو پکڑا جائے گا۔''

''اودھے جی، کرنا کیا ہے؟'' اس بار بختاور نے اکتاتے ہوئے پوچھا۔

''تم لوگ جاؤ، میں اس کا بندوبست کر دیتا ہوں۔'' اس نے دونوں کی جانب باری باری دیکھتے ہوئے کہا تو وہاں خاموشی چھا گئی۔

''ٹھیک ہے۔'' ڈانڈیا نے کہا اور اٹھ گیا، اس کے ساتھ ہی بختاور بھی چل دیا۔ میں بیٹھا رہا۔ وہ مجھ سے تفصیل پوچھنے لگا کہ میں نے یہ سب کیسے کیا۔ اس میں کوئی پانچ دس منٹ لگ گئے۔ ایسے میں ایک شخص اندر آ گیا۔ میں اسے دیکھ کر چونک گیا۔ یہ وہی ساز ندہ تھا، جس نے مجھے پسٹل دیا تھا۔ وہ میری طرف دیکھ کر مسکرایا تو میں نے اس کی جانب ہاتھ بڑھا دیا۔

''یہ مادھو کر ہے، پہچان گئے ہو۔''

''جی بالکل، میں سمجھتا ہوں اصل کام اسی کا تھا۔'' میں نے اس کی تعریف کی تو وہ اپنی آنکھوں سے بھی ہنس دیا۔

''چند دن اس کے ساتھ رہنا ہے، اتنے دن میں تمہارے کچھ کاغذ بن جائیں گے، پھر تمہیں یہاں کوئی نہیں پوچھے گا، سکون سے رہنا۔'' اودھے نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

''ایک بات پوچھوں.....؟'' میں نے پوچھا۔

''مجھے ان دنوں سے الگ کیوں کر دیا، حالانکہ وہ.....'' میں کہنا چاہ رہا تھا کہ وہ میری بات کاٹ کر بولا۔

''بندے، بندے میں فرق ہوتا ہے، تم آزاد رہو۔ اب جاؤ۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا اور مادھو کر کے ساتھ چل پڑا۔ اس نے پہلے میرے کپڑے بدلوائے۔ میں بالکل کسی راجھستانی حلیے میں آ گیا۔ پھر ہم اس حویلی سے نکلتے چلے گئے۔

☆☆☆

ہم دونوں ایک پرانی سے موٹر سائیکل پر سوار شہر کے شمالی علاقے کی جانب چل دیے۔ راستے میں ایک بڑا گودام آیا... تو وہیں سے دائیں جانب سڑک سے ہوتے ہوئے صحرا کی جانب نکل گئے۔ ایک جگہ چند جھونپڑیاں بنی تھیں، مادھو کر نے ایک جگہ لے جا کر موٹر سائیکل روک دی۔ وہاں مختلف عمر کے مرد اور عورتیں تھیں۔ بچے بھی تھے۔ انہوں نے ہمیں ایک نگاہ دیکھا اور اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ میں موٹر سائیکل سے اترا تو اس نے ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''وہ رہا ہمارا جھونپڑا، ہم ادھر ہی رہیں گے۔''

ہم اس جانب چل دیے۔ پرانے کپڑوں کو جوڑ کر بنایا ہوا وہ ایک چھوٹا سا ٹینٹ تھا۔ زمین پر ایک پتلا سا گدا تھا، اس کے ایک طرف تکیہ تھا۔ میں وہاں جا کر لیٹ گیا۔ اس نے پانی کی ایک بوتل میرے پاس لا کر رکھ دی۔

''بڑی پُرسکون جگہ ہے یار۔''

''ہاں، ہے تو، رات کے وقت مزید پُرسکون ہو جائے گی۔'' یہ کہہ کر اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے پوچھا۔ ''پیتے ہو تو لاؤں؟''

''نہیں، میں ایسا کوئی شغل نہیں کرتا۔''

میرے کہنے پر وہ ہنس دیا، پھر جھونپڑے سے باہر چلا گیا، میں سکون سے لیٹ گیا اور حالات پر غور کرنے لگا۔ اودھے نے مجھے ڈانڈیا اور بختاور سے الگ کیوں کیا؟ شہر میں کسی جگہ میں محفوظ کیوں نہیں رہ سکتا تھا؟ کیا یہ جھونپڑا زیادہ محفوظ ہے؟ کیا یہ مادھو کر اس کا اتنا ہی قابلِ اعتماد بندہ ہے کہ مجھے اس کے ساتھ بھیج دیا؟ یا پھر کوئی میرے ساتھ نیا

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

کھیل تو نہیں کھیلا جائے گا؟ مجھے مانسی کی باتیں یاد آنے لگیں اس نے کہا تھا کہ جتنی جلدی ہو جائے، میں یہاں سے نکل جاؤں۔ میں ایسی ہی باتیں سوچتا ہوا آنکھیں بند کر کے لیٹا رہا۔ میرا پیچھے کی دنیا سے رابطہ کٹ چکا تھا۔ کس کے ساتھ کیا ہوا؟ میں یہی سوچ رہا تھا کہ خوشگوار پرفیوم کی مہک میرے نتھنوں سے ٹکرائی، میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا میرے سامنے مانسی تھی۔ اس نے بھی راجستانی عورتوں کی طرح گھاگرا چولی پہنی ہوئی تھی۔ اسے یوں دیکھ کر میں ہنس دیا۔ اگلے ہی لمحے وہ میرے اوپر آن پڑی۔ میں نے اسے اپنے دونوں ہاتھوں پر سہارا نہ ہوتا تو وہ میرے سینے پر گرتی۔ میں نے اسے سنبھال لیا تو وہ میرے ساتھ لگ کر چپک گئی۔ وہ لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔ کبھی میں نے پوچھا۔

''تم یہاں کیسے؟ اور اس حال میں؟''

''جو بھیس یار نے بنایا، میں نے بھی بنالیا۔'' پھر ایک دم سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''او ظالم، تم نے اپنی اداؤں سے مجھے لوٹ لیا ہے۔ اب تمہیں اپنی نگاہوں سے غائب نہیں ہونے دوں گی۔'' اس نے قربان ہو جانے والی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمہیں پتا کیسے چلا کہ میں یہاں ہوں؟'' میں نے پوچھا تو وہ سیدھی ہو کر بیٹھتے ہوئے انتہائی سنجیدگی سے بولی۔

''دیکھ علی زین، میں جو کہنے جا رہی ہو، اسے غور سے سننا۔ پہلے جو بھی تھا، اس پر لکیر پھیر دو، اب اور اس وقت سے میں تمہارے ساتھ کبھی جھوٹ نہیں بولوں گی۔ کبھی بھی نہیں۔ میں تمہیں سچ بتاؤں گی، باقی تم خود سنبھال لینا۔''

''یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔'' میں نے سکون سے کہا۔

''وہی کہہ رہی ہوں نا، سچ یہ ہے کہ مجھے اودھے رام نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ تاکہ میں تم سے دوستی بناؤں، تمہارے ساتھ رہوں۔'' پھر ایک دم سے مزہ لیتے ہوئے بولی۔ ''تمہاری اور میری جوڑی بنا رہا ہے وہ.....''

''کیا شادی کر لو گی میرے ساتھ؟'' میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''شادی کا ایک نقصان ہے یار، اس میں صرف ایک رات ہوتی ہے۔ یوں ساتھ رہنے میں.....'' وہ کہتے ہوئے رک گئی اور زور سے آنکھ ماردی۔ مجھے اس کی یہ ادا اچھی لگی۔ لیکن ایسی نہیں کہ میں وہیں ڈھیر ہو جاؤں۔ میرا کوئی خاص ردِعمل نہ پا کر بولی۔ ''یار ظاہر ہے جوڑی اس لیے بنا رہا ہے کہ ہم مل کر کام کریں گے، اور کیا؟''

''مانسی میں کون سا پروفیشنل ہوں، حالات کا مارا ہوا یہاں... تک آ پہنچا ہوں۔ اب یہ لوگ.....''

''میں جانتی ہوں کوئی کیسا بھی حالات کا مارا ہوا ہو، وہ تیرے جیسا نہیں ہو سکتا، تیرے سامنے نجانے کتنے پروفیشنل پانی بھریں۔ خیر! اس دنیا کا اعتبار نہیں ہوتا۔ کب ساتھ چھوٹ جائے کوئی نہیں کہہ سکتا لیکن جتنا بھی وقت ساتھ گزاریں، اچھا گزاریں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ میرے سینے کے ساتھ لگ کر میرے اوپر لیٹ گئی۔

''مجھے یہ بتا، تمہاری ان باتوں کو سننے والا تو کہہ دے گا نا کہ تم بہت تجربے کار ہو، بڑی پرکھ ہے تمہیں۔ تم ہو کیا؟'' میں نے اسے خواہ مخواہ غصہ دلاتے ہوئے پوچھا تو اس نے اپنی انگلی میرے لبوں پر پھیرتے ہوئے ہولے سے کہا۔

''وقت آئے گا نا تو خود بخود پتا چل جائے گا، میں کیا بتاؤں تمہیں۔''

لفظ اُس کے منہ ہی میں تھے۔ انہیں لمحات میں تھوڑے فاصلے سے کسی جیپ کی آواز آئی، اس کے ساتھ ہی کئی جیپوں کی آواز ابھری۔ اگلے لمحے مجھے لگا جیسے وہ ساری جیپیں رک گئی ہوں۔ ان میں سے کئی لوگ اترے۔ میری چھٹی حس بیدار ہو گئی۔ میں نے اٹھنا چاہا تو مانسی نے مجھے ہولے سے کہا۔

''لیٹے رہو.....''

میں نے اس کی ایک نہیں سنی، میں نے جھونپڑے کے نیچے سے جو تھوڑی سی جگہ ہوتی ہے وہاں سے دیکھا، کافی فاصلے پر کئی افراد کھڑے تھے۔ ان کے بوٹوں سے لگ رہا تھا کہ وہ آرمی کے لوگ ہیں یا پھر کسی بھی فورسز کے ہو سکتے تھے۔ ایک ہی لمحے میں میرے سارے حواس بیدار ہو گئے۔ میں نے مانسی کو ایک جانب کیا اور اپنے نیفے میں اُڑسے پسٹل کو نکال لیا۔ میں نے باہر کی جانب کان لگا دیے تھے۔ قدموں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ تبھی کسی نے سخت اور اونچی آواز میں پوچھا۔

''اوئے سن، ادھر کوئی اجنبی بندہ تو نہیں آیا۔''

اس کے ساتھ ہی سناٹا چھا گیا۔ میں نے مانسی کے چہرے کی جانب دیکھا، اس کا رنگ اُڑ چکا تھا، آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ وہ ایک ٹک میری جانب دیکھے جا رہی تھی۔

حالات کی تندو تیز آندھیوں کی زد میں آجانے والے نوجوان کی سنسنی خیز داستان کے مزید واقعات اگلے ماہ پڑھیے

waqar azeem
www.pakistanipoint.com

درحقیقت

کبیر عباسی

اپنے کام سے کام رکھنے والے ہمیشہ سکون و اطمینان میں رہتے ہیں... لیکن دوسروں کی زندگی کے بارے میں جاننے کا تجسس انسان کو بے قرار رکھتا ہے... ایک ایسے ہی نوجوان کا قصہ... جو خود کو دوسروں سے مختلف سمجھتا تھا...

ایک جلد باز..... نامردم شناس کا دردناک احوال

آپ نے وہ معروف مقولہ تو ضرور سن رکھا ہوگا کہ ''جو دکھتا ہے وہ ہوتا نہیں اور جو ہوتا ہے وہ دکھتا نہیں۔'' تو میں آج جو کہانی آپ کو سنانے بلکہ پڑھانے جا رہا ہوں، وہ اسی قول سے متعلق ہے۔ آپ پتا نہیں اس پر یقین رکھتے ہیں یا نہیں۔ میں دل سے اس پر ایمان رکھتا ہوں۔ آج کل تو مجھے یہ بار بار یاد آتا ہے۔ کوئی نیک نام مشہور ہو یا بدنام۔ کسی کو ایماندار مانا جا رہا ہو یا بے ایمان۔ کوئی ملزم قرار دیا جا رہا ہو یا مجرم۔ ہر دو صورتوں میں لوگ کسی نہ کسی وجہ سے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

عموماً ایک پختہ نظریہ قائم کر کے اس پر بحث شروع کر دیتے ہیں مگر میں یہ سوچتا رہ جاتا ہوں کہ خدا جانے حقیقت کیا ہے؟ آپ شاید سوچ رہے ہوں کہ میں کنفیوز قسم کی شخصیت کا مالک ہوں لیکن ایسا نہیں ہے۔ تو پھر عام لوگوں کی طرح میری سوچ کا پلڑا ایک طرف واضح طور پر کیوں نہیں جھکتا؟ اس سوال کا جواب آپ کو اس کہانی کے اختتام پر ہی ملے گا۔

یہ آج سے لگ بھگ تیس سال قبل کی بات ہے۔ ان دنوں میں لاہور کے ایک سرکاری کالج سے ایف اے کر رہا تھا۔ مجھ سے چھوٹی تین بہنیں تھیں۔ امی گھریلو خاتون تھیں جبکہ ابو ایک پرائیویٹ فرم میں ملازمت کرتے تھے۔ زندگی سکون سے گزر رہی تھی کہ ایک حادثے نے سب کچھ تہ و بالا کر دیا۔ ایک تیز رفتار گاڑی نے راہ چلتے میرے ابو کو ٹکر مار دی تھی۔ راہ گیر انہیں اٹھا کے اسپتال لے گئے۔ ان کا پورا جسم زخموں سے چور تھا۔ امی سیدھی سادی گھریلو خاتون تھیں۔ وہ حادثے کا سن کے بالکل ڈھے کے رہ گئیں۔ بہنیں بھی سہم گئیں۔ وہ دن میری زندگی کے مشکل ترین دن تھے۔ مجھے گھر والوں کو بھی سنبھالنا پڑ رہا تھا اور اسپتال کے چکر بھی کاٹنا پڑ رہے تھے۔ ہم نے اپنی ساری جمع پونجی ان کے علاج پر لگا دی لیکن وہ جانبر نہ ہو سکے۔

میں گھر کا اکلوتا مرد تھا۔ ابو کی موت نے یکدم ذمے داریوں کا سارا بوجھ میرے کندھوں پر ڈال دیا۔ میں پڑھنے لکھنے سے شغف رکھنے والا سیدھا سادا لڑکا تھا۔ حالات سے مجبور ہو کے کالج چھوڑ کے کام کی تلاش میں لگ گیا۔ چچا نے بہت کہا کہ میں تعلیم جاری رکھوں وہ کفالت کریں گے لیکن میری خودداری نے گوارا نہ کیا۔ ویسے بھی ان کی اپنی فیملی خاصی بڑی تھی اور بمشکل ہی وہ گھر کا گزارا چلا رہے تھے۔

میں نے اپنے چند جاننے والوں سے کام کا کہا ہوا تھا۔ انہی میں سے میرے دور پار کے چچا ٹھیکے دار تھے۔ وہ مکانات کی تعمیر کے ٹھیکے لیا کرتے تھے۔ انہوں نے مجھے مزدوری کی پیشکش کی۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ کام سخت تھا لیکن دیہاڑی مناسب تھی اور سب سے بڑی بات کہ پیسے روز کے روز مل جاتے۔ نوکری کی صورت میں ایک ماہ بعد تنخواہ ملتی اور یہ ایک ماہ ادھار لیے بغیر کاٹنا مشکل تھا۔ یہی سوچ کے میں نے ان کی پیشکش قبول کر لی۔ قلم اور کتابیں اٹھانے والے میرے ہاتھوں نے بیلچہ و کدال اٹھا لیا۔

کام سے تو میں نے سمجھوتا کر لیا لیکن میرے ساتھ کام کرنے والے دوسرے مزدوروں اور میرے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ کوئی مجھے دبا کے رکھنے کی کوشش کرتا تو کوئی فحش مذاق کرتا۔ میں خود کو نہ ان کے رنگ میں رنگ سکتا تھا نہ ان کے انداز میں انہیں جواب دے سکتا تھا۔ میں بس کڑھ سکتا تھا سو کڑھ رہا تھا۔

دن بھر سخت مشقت کے بعد میں گھر پہنچتے ہی لیٹ جاتا۔ دوستوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا خواب و خیال ہو گیا تھا۔ میرا جی چاہتا تھا کہ کوئی تو ہو جس کے ساتھ گھڑی بھر بیٹھ کے میں دل کی باتیں کر سکوں۔ اپنے دکھ سکھ بانٹ سکوں مگر دن بھر کام کے بعد اتنی ہمت ہی نہ بچتی کہ کسی سے مل پاتا۔ رہے ساتھی مزدور..... تو ان سے بات کرنے سے بہتر خاموشی تھی۔ میں دن بھر گونگا بنا کام میں لگا رہتا۔ اس معمول نے میرے ڈپریشن میں اضافہ کر دیا تھا۔ مجھے اپنی زندگی میں کسی دوست کی کمی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا مگر کوئی ہم مزاج ملتا تو بات کرتا۔

ہم جس علاقے میں کام کر رہے تھے ان دنوں وہاں تعمیرات کا کام زوروں پر تھا۔ ہر دوسرے تیسرے پلاٹ پر کوئی نہ کوئی مکان زیرِ تعمیر تھا۔ تعمیرات کی وجہ سے وہاں عارضی طور پر جگہ جگہ چھپر ہوٹل کھل گئے تھے۔ ہم دن کا کھانا ایسے ہی ایک ہوٹل میں کھایا کرتے تھے۔ میرے ساتھی بے ڈھنگے انداز میں کھانا کھاتے ہوئے بلند آواز میں ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرتے۔ وہ اکثر مجھے بھی اپنا نشانہ بنانے کی کوشش کرتے۔ میری کوشش ہوتی کہ ان سے الگ ہی بیٹھوں۔

اس دن بھی میں ایک تنہا گوشے میں بیٹھا خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا کہ ایک شخص میرے سامنے والی کرسی پر آ کے بیٹھ گیا۔ میری نظر اس کے چہرے پر پڑی، اور ٹک کے رہ گئی۔ اس کی عمر چوبیس پچیس سال رہی ہو گی۔ حلیے سے وہ میرا ہم پیشہ ہی لگ رہا تھا لیکن اس کے پُرکشش چہرے پر عجیب سی نرمی اور حلیمی چھائی ہوئی تھی۔

اس نے ویٹر کو آرڈر دیا۔ اس کی آواز میں بھی حلاوت گھلی ہوئی تھی۔ لہجے سے وہ پڑھا لکھا لگتا تھا۔ میں اسے دیکھتا رہا لیکن اس نے ایک نظر بھی میرے چہرے پر ڈالنا گوارا نہ کیا۔ بس خاموشی سے کھانا کھاتا رہا۔ اس کی رفتار خاصی تیز تھی، ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بہت جلدی میں ہو۔ عجلت کے باوجود وہ انتہائی سلیقے سے کھانا کھا رہا تھا۔ اتنے دنوں میں اس فیلڈ میں مجھے واحد کوئی ڈھنگ کا آدمی ملا تھا۔ میں اسے مخاطب کرنے کے لیے الفاظ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے اٹھتے دیکھ کے دوسری میز پر بیٹھے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

مزدوروں کے گروپ میں سے ایک شخص امجد نے اس سے پوچھا۔ ''کہاں جارہے ہو سبحان؟''

اس نے اچٹتی ہوئی نگاہ امجد کے چہرے پر ڈالی اور سپاٹ انداز میں بولا۔ ''نماز پڑھنے جارہا ہوں۔'' میں اس کی شخصیت سے متاثر تو پہلے ہی ہو چکا تھا۔ اس کے جواب نے میری نظروں میں اس کا قد مزید بلند کر دیا۔ مجھ سمیت کوئی بھی مزدور نماز نہیں پڑھتا تھا مگر اس کے باوجود اس کے مذہب کی طرف رجحان سے میں متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''جاؤ، مگر ٹائم پر پہنچ آنا۔'' امجد نے تنبیہی انداز میں کہا۔

سبحان کچھ کہے بغیر باہر نکل گیا۔ اس کے باہر نکلتے ہی امجد ناگواری سے بولا۔ ''خدا نے اچھی شکل کیا دے دی، یہ خود کو پھنے خان سمجھنے لگا ہے۔'' ساتھ والا شخص ہنسا۔

''اس کا پیچھا چھوڑ دے۔ یہ تیرے دام میں آنے والا نہیں۔''

''میں تو بس ساتھی ہونے کے ناتے اس سے بات کرتا ہوں مگر یہ تو ہمیں جیسے انسان ہی نہیں سمجھتا۔'' اس کا انداز جلا بھنا تھا۔ ایک اور شخص اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگا۔ وہ سبحان کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے اور میرے دل میں اس کے لیے ہمدردی بڑھتی جارہی تھی۔ وہ بھی میرے جیسے حالات کا شکار ہی لگ رہا تھا۔

جس دن ٹھیکے دار نہ ہوتا میرے ساتھی مزدور کھانا کھانے کے بعد بھی کافی دیر تک ادھر ہی بیٹھے سگریٹ پھونکتے ہوئے گپیں ہانکتے رہتے تھے۔ میں ان کے اٹھنے کا انتظار کرتا رہتا۔ اس دن بھی ایسا ہی ہوا۔

ہم کھانا کھا کے باہر نکلے ہی تھے کہ میری نظر سبحان پر پڑی۔ وہ ایک طرف سے تیزی سے چلتا ہوا آرہا تھا۔ وہ میرے قریب سے بے نیازی سے گزرا۔ میں بھی تیز تیز قدم اٹھاتا اس کے پیچھے چلنے لگا۔ چند قدم چلنے کے بعد ہی وہ ایک زیرِ تعمیر مکان کی طرف مڑ گیا۔

''تو یہ ادھر کام کرتا ہے۔'' میں نے زیرِ لب جیسے خود سے کہا۔ مجھے وہ پہلی ہی نظر میں اچھا لگا تھا اور میرا دل اس سے دوستی کے لیے مچل گیا تھا۔ گو کہ اس کی اور میری عمر میں چھ سات سال کا فرق تھا لیکن میرے لیے اس فرق سے زیادہ مزاج کی ہم آہنگی اہم تھی۔

اگلے دن کھانے کی میز پر بیٹھتے ہی میری نظر دروازے کی طرف بار بار اٹھنے لگی۔ مجھے سبحان کا انتظار تھا۔ میں نے کھانا شروع کیا ہی تھا کہ وہ مجھے آتا دکھائی دیا۔ اس کے ساتھی جب بیٹھ چکے تو وہ متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اور کوئی میز خالی نہ پا کر وہ سیدھا میری میز کی طرف ہی آیا۔ بیٹھتے ہی اس نے گردن گھما کے کاؤنٹر کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بے چینی چھائی ہوئی تھی۔ ویٹر پر نظر پڑتے ہی اس نے اشارے سے اسے اپنی طرف بلایا۔

''السلامُ علیکم۔'' میں دھیرے سے بولا۔ اس نے چونک کے میری طرف دیکھا اور زیرِ لب ''وعلیکم السلام'' کہا۔

''آپ نے کل بھی اسی میز پر بیٹھ کے کھانا کھایا تھا۔'' میں نے رسمی انداز میں بات کا آغاز کیا۔ اس نے ناگوار سی نظر مجھ پر ڈالی اور جواب دیئے بغیر ویٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ میں شرم سے جیسے زمین میں گڑھ گیا۔ اس کے بعد مجھے اس سے بات کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔

'یہ تو واقعی انتہائی مغرور لگتا ہے۔' میں نے سوچا۔

وہ گزشتہ روز کی طرح جلدی جلدی کھانا کھا کے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے جانے کے بعد اس کے ساتھی حسبِ معمول اسے لعن طعن کرنے لگے۔ اس کا رویہ میرے ساتھ بھی اچھا نہیں تھا مگر اس کے باوجود جانے کیوں مجھے اس سے نفرت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ اگر دیگر مزدوروں سے بات چیت نہیں کرتا تھا تو وہ لوگ اس قابل تھے ہی نہیں۔ ان کا رویہ کونسا اس کے ساتھ اچھا تھا۔ وہ مجھے بھی شاید انہی کے قبیل کا سمجھا تھا، اسی وجہ سے اس نے مجھ سے بات نہیں کی تھی۔ یہی سوچ کے میں نے خود کو مطمئن کر لیا تھا۔

اگلے روز جب وہ میرے سامنے بیٹھا کھانا کھا رہا تھا تبھی میں نے فیصلہ کیا کہ میں بھی آج اس کے ساتھ نماز پڑھنے جاؤں گا۔ شاید میرے اسی عمل سے اس کے دل میں میرے لیے گنجائش بن جاتی۔

اس کے باہر نکلتے ہی میں بھی اس کے پیچھے نکل آیا تھا۔ لوگوں کی بھیڑ میں وہ تیزی سے راستہ بناتا جارہا تھا۔ مجھے اس کا پیچھا کرنے میں مشکل پیش آرہی تھی لیکن کسی نہ کسی طرح میں اس پر نظر رکھنے میں کامیاب رہا تھا۔ مسجد کا گیٹ قریب آیا تو میں نے اپنی رفتار سست کر لی۔ میرا خیال تھا وہ گیٹ سے اندر ہی جائے گا مگر اس وقت میں حیران ہوا جب میں نے اسے مسجد کے اندر جانے کے بجائے سیدھا آگے جاتے دیکھا۔

'یہ کہاں جارہا ہے؟' بے اختیار میرے ذہن میں سوال

www.paksociety.com

ابھرا۔ تجسّس کے باعث میں بھی مسجد کے اندر جانے کے بجائے اس کے پیچھے ہی چلتا رہا۔ وہ ایک ریستوران میں داخل ہوگیا۔ یہ نسبتاً مہنگا ریستوران تھا۔ میں باہر ہی کھڑا اس کے نکلنے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ جلد ہی مجھے دکھائی دیا۔ اس کے ہاتھ میں کھانے کا پارسل تھا۔ میں ایک بار پھر اس کے عقب میں ہولیا۔ اس کا رخ شاہی محلے کی طرف تھا۔

وہ میرے سامنے ہی ایک مکان کی سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر گیا۔ اس نے دستک دی مگر کسی کے دروازہ کھولنے کا انتظار کیے بنا دروازہ دھکیل کے اندر داخل ہوگیا۔ میں ہکا بکا نیچے کھڑا اس مکان کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

اس کا کردار یکدم ہی میری نظر میں مشکوک ہوگیا تھا۔ وہ اس طرف آخر کیا کرنے آیا تھا؟ اس طرف تو کوئی شریف آدمی آنا گوارا نہیں کرتا تھا اور وہ ''دن دِہاڑے'' بے تکلفی سے اندر داخل ہوگیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ یہاں روز ہی آتا تھا۔ تو کیا نماز پڑھنے جانا محض بہانہ ہی تھا؟ اس سوال کا جواب جو میرے سامنے آیا تھا میں نہ چاہتے ہوئے بھی اس پر یقین کرنے پر مجبور تھا کہ کانوں سنی جھٹلائی جاسکتی تھی مگر آنکھوں دیکھی حقیقت سے نظر چرانا ممکن نہیں تھا۔

میں مرے ہوئے قدموں سے واپس آگیا۔ اس کی شخصیت کا جو بُت میں نے تراشہ تھا وہ ایک ہی جھٹکے سے مسمار ہوگیا تھا۔ کسی طوائف کے کوٹھے پر جاکے اپنی خواہش پوری کرنا شاید میری نظر میں اتنا بڑا گناہ نہ ہوتا اگر وہ اس کام کے لیے نماز کا بہانہ نہ کرتا۔ وہ تو بہت بڑا بہروپیا نکلا تھا۔ جس نے اپنے چہرے پر معصومیت و شرافت کا نقاب چڑھا رکھا تھا۔

اگلے روز جب وہ مجھے ہوٹل میں نظر آیا تو میں نے اسے بغور دیکھا۔ آج مجھے اس کے چہرے پر معصومیت کے بجائے عیاری و مکاری نظر آرہی تھی۔ میرے دل میں بے اختیار اس کے لیے شدید نفرت کا جذبہ پیدا ہوا۔ اس سے بہتر تو وہ مزدور تھے جو جیسے اندر سے تھے ویسا ہی ان کا ظاہر تھا۔

اس کے جانے کے بعد اس کے ساتھیوں نے حسبِ معمول اس کی ذات کو موضوعِ گفتگو بنا لیا۔ وہ اس کے روزانہ نماز کے بعد دیر سے کام پر لوٹنے کے حوالے سے خفگی کا اظہار کررہے تھے۔ کچھ دیر تو میں ان کی گفتگو سنتا رہا، آخر مجھ سے رہا نہیں گیا۔ میں نے ان کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

''وہ نماز پڑھنے نہیں جاتا۔'' سب کی حیران نظریں مجھ پر مرکوز ہوگئیں۔ میں نے ایک لمحے کا توقف کیا اور یکدم جیسے دھماکا کیا۔ ''وہ طوائف کے کوٹھے پر جاتا ہے۔''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' ایک شخص نے پوچھا۔ اس کے لہجے سے بے یقینی جھلک رہی تھی۔ میں انہیں گزشتہ روز کی رُوداد سنانے لگا۔

''اب آیا ناں اونٹ پہاڑ کے نیچے۔'' امجد جوش سے بولا۔ ''آج وہ آئے تو اس سے حساب لیتے ہیں۔''

میرے ساتھی اٹھے تو میں بھی ان کے ساتھ ہولیا۔ سبحان کے ساتھی جوش و خروش سے اس کے خلاف منصوبے بنا رہے تھے۔

کام کرتے ہوئے بھی میرا ذہن سبحان کی طرف ہی لگا رہا۔ جانے اس کے ساتھیوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ شام کو چھٹی ہوئی تو بے اختیار میرے قدم اس سمت اٹھنے لگے جہاں سبحان کام کرتا تھا۔ میں اس مکان کے قریب پہنچا ہی تھا کہ مزدوروں کا ایک گروپ مجھے باہر نکلتا دکھائی دیا۔ ان کے چہرے جوش سے سرخ تھے۔ وہ بلند آواز میں قہقہے لگا رہے تھے۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی امجد میری طرف آیا۔

''آ..... باؤ، تجھے چائے پلاتا ہوں۔'' اس نے بے تکلفی سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''تیری وجہ سے آج مجھے اس پھنے خان کی ساری پھنے خانی ناک سے نکالنے کا موقع ملا۔''

''آپ سبحان کے بارے میں بات کر رہے ہیں؟'' میں نے بے چینی سے استفسار کیا۔

''ہاں، ٹھیکیدار نے آج اسے کام سے بھی نکال دیا اور اس کی دیہاڑی بھی دبالی۔'' اس نے آنکھ میچتے ہوئے کہا۔

''مگر کیوں؟'' مجھے جانے کیوں اس اطلاع سے شاک لگا تھا۔

''اس نے ٹھیکیدار کے ساتھ بدتمیزی کی تھی۔''

میرے پوچھنے پر وہ تفصیل بتانے لگا۔ ٹھیکیدار سبحان کے روز دیر سے لوٹنے پر اعتراض کیا کرتا تھا مگر نماز کی وجہ سے وہ اسے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ آج امجد نے ٹھیکیدار کو بتا دیا تھا کہ وہ نماز کا بہانہ کرکے طوائف کے کوٹھے پر جاتا ہے۔ اس نے جب سبحان سے اس بابت بات کی تو وہ حیران رہ گیا۔ پہلے تو وہ انکار کرتا رہا مگر پھر وہ غصے سے مزدوروں کو بُرا بھلا کہنے لگا کہ تم لوگ میری جاسوسی کرتے ہو۔ میری شکایتیں کرتے ہو۔ امجد کو تو ایسے ہی کسی بہانے کا انتظار تھا۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

وہ اس سے جھگڑنے لگا۔ پہلے تو بات تُو تکار تک محدود رہی مگر اس کی زبان درازی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ نتیجے میں مزدوروں نے اس کے ساتھ مار پیٹ شروع کر دی۔ ٹھیکدار بھی ان کے ساتھ تھا۔

''آج اُسے پٹتے دیکھ کر میرے کلیجے میں ٹھنڈ پڑ گئی۔'' امجد کہہ رہا تھا اور مجھے جانے کیوں افسوس ہو رہا تھا۔ میں بجھے دل کے ساتھ گھر آ گیا۔ میرے پردۂ تصور پر اس کا زخمی چہرہ چپک کے رہ گیا تھا۔ مجھے پچھتاوا ہو رہا تھا کہ میں نے اس کا رازِ طشت از بام کیوں کیا۔ نہ میں ایسا کرتا نہ اس کے ساتھ اتنا بُرا سلوک ہوتا۔

اس کے ساتھ اچھا ہوا۔ میرے اندر سے مخالف آواز ابھری۔ وہ اگر پکڑا نہ جاتا تو جانے کتنے عرصے تک اپنے چہرے .... پر اچھائی اور نیکی کا بہروپ چڑھائے رکھتا۔ اب اسے احساس ہو گا کہ لوگ اندھے نہیں۔ وہ نظریں رکھتے ہیں، اندر گہرائی تک اترنے والی کھوجی نظریں۔ تم نے اسے پکڑوا کے نیکی کا کام کیا ہے۔ خواہ مخواہ خود کو موردِ الزام مت ٹھہراؤ۔ یہ آواز مجھے اطمینان دلا رہی تھی۔ میرا پچھتاوا خاصی حد تک کم ہو گیا۔

اگلے روز کھانے پر سبحان تو نہیں تھا مگر ہر زبان پر اسی کا ذکر تھا۔ اس کی نماز کے بہانے طوائف کے کوٹھے پر جانے کی بات ہر طرف مشہور ہو چکی تھی۔ باقی لوگ بھی چسکے لے لے کر اس کے بارے میں بات کر رہے تھے اور لاحول پڑھ رہے تھے۔ وہ بدتو تھا ہی، بدنام بھی ہو گیا تھا۔

☆☆☆

چند دن تک سبحان لوگوں کے لیے موضوعِ گفتگو بنا رہا پھر آہستہ آہستہ اس کا ذکر لوگوں کی زبانوں سے معدوم ہوتا چلا گیا۔ سننے میں آیا تھا کہ وہ اسی علاقے میں کہیں کام کرتا ہے اور اب بھی دن کو طوائف کے کوٹھے پر جاتا ہے مگر اب لوگوں کی اس موضوع میں دلچسپی نہیں رہی تھی۔ میرا کئی بار جی چاہا تھا کہ اسے تلاش کروں۔ اس سے ملوں اور اس سے پوچھوں کہ آخر اس طوائف میں ایسی کیا خاص بات ہے کہ اپنے خون پسینے کی کمائی روز اس کے در پر لُٹا آتا ہے۔ خود سستا کھانا کھاتا ہے اور اس کے لیے اچھا کھانا لے کے جاتا ہے۔ اس سے چند گھڑی کی ملاقات کے لیے لوگوں سے اُلجھتا ہے لیکن یہ خواہش دل میں ہی دبی رہی۔ کبھی اس پر عمل کی مجھے ہمت ہی نہیں پڑی۔

میں جانے کتنے عرصے تک اپنے ذہن میں مچلتے ان سوالوں کو دبائے رکھتا کہ ایک دن اچانک مجھے ان سوالوں کا جواب مل گیا۔ یہ ایسا انوکھا جواب تھا کہ جس نے سنا انگشت بدنداں رہ گیا۔

اس دن میں کھانا کھا کے باہر نکلا ہی تھا کہ میری نظر سبحان پر پڑی۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں تیزی سے چلتا ہوا جا رہا تھا۔ بے اختیار میرے قدم اس کے پیچھے اٹھنے لگے۔ اس کا رخ شاہی محلے کی طرف ہی تھا۔ پچھلی بار کی طرح اس نے اسی ہوٹل سے کھانا پیک کرایا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وقت اپنے آپ کو دوہرا رہا ہو۔ وہ جب طوائف کے کوٹھے میں داخل ہوا تو میں پُرسوچ انداز میں دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ اچانک میرا دل اس طوائف کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے مچلنے لگا جس پر وہ مر مٹا تھا۔ بے اختیار میرے قدم سیڑھیوں کی جانب بڑھے۔ تجسّس کی ایک لہر تھی جو مجھے اپنے ساتھ بہائے لے جا رہی تھی۔ ہر طرح کا خوف میں فراموش کر چکا تھا۔

دروازے پر پہنچ کے میں نے جھری سے اندر جھانکا۔ اندر کا منظر دیکھ کے میں سکتہ زدہ رہ گیا۔ وہ ایک ضعیف خاتون تھی جس کی پائنتی کے پاس سبحان بیٹھا اسے نرمی و محبت سے دیکھ رہا تھا۔ خاتون کی آنکھیں بند تھیں۔

وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کے نرمی سے بولا۔ ''ماں جی، کھانا کھا لیں۔'' خاتون نے آنکھیں نیم وا کیں۔ سبحان اپنے ہاتھوں سے لقمے بنا کے اسے کھلانے لگا۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ سارا جہاں جسے گناہ کی یکجیز میں تھپڑا سمجھ رہا تھا وہ تو عظمت کے اعلیٰ مینار پر فائز تھا۔ وہ یہاں اپنی خواہش کی تسکین کے لیے نہیں اپنی ماں کی بھوک مٹانے آتا تھا۔

مجھے کچھ یاد نہیں کہ میں وہاں سے کیسے لوٹا تھا۔ میرے سائیں سائیں کرتے ذہن میں ایک ہی جملہ بار بار گردش کر رہا تھا۔ ''ماں جی کھانا کھا لیں۔'' میرا جی چاہ رہا تھا کہ میں اپنے بال نوچوں۔ اپنے ہی چہرے پر تھپڑ مار مار کے لال کر دوں۔ یہ میں نے کیا کر دیا تھا؟ طوائف کے کوٹھے پر اسے جاتے دیکھ کے خود ہی اس کے متعلق اندازہ لگا لیا تھا۔ میں جسے آنکھوں دیکھی حقیقت سمجھا تھا وہ تو حقیقت تھی ہی نہیں۔

یہ میں ہی تھا جس کی وجہ سے وہ بدنام ہوا تھا اور اب یہ میری ہی ذمے داری بنتی تھی کہ اس کے دامن پر لگا داغ مٹاؤں۔ میں سیدھا اسی جگہ گیا جہاں سبحان پہلے کام کیا کرتا تھا۔ جہاں سے وہ میری وجہ سے زدوکوب کر کے نکالا گیا تھا۔ امجد پر نظر پڑتے ہی میں چلّایا۔

''سبحان کوٹھے پر گناہ کرنے نہیں جاتا۔''

''کیا مطلب؟'' اس کی آنکھوں میں اُلجھن تھی۔

میری آواز سن کے باقی مزدور بھی اکٹھے ہو گئے۔

''وہاں اس کی ماں رہتی ہے۔ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلا رہا تھا۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کے آ رہا ہوں۔'' میرا جی چاہ رہا تھا کہ میں چلّا چلّا کے سارا شہر اکٹھا کرلوں۔ سب کو بتاؤں کہ ہم جسے گناہ گار سمجھ رہے تھے، وہ تو پارساؤں سے بھی پارسا ہے۔

''او باؤ، تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ اس کی ماں نہیں ہوگی۔ اس کے پورے خاندان کو میں جانتا ہوں۔''

''اس کی ماں کو بھی جانتے ہو؟''

''ہاں۔'' وہ بیزاری سے بولا۔ ''اس کی ماں کو بھی جانتا ہوں۔ وہ سیدھی سادی گھریلو خاتون ہے۔''

''پتا نہیں۔ وہ اُسے ماں جی ہی کہہ رہا تھا۔'' میں ناسمجھی کی کیفیت میں بولا۔

''ہوسکتا ہے، وہ طوائف ہی کی اولاد ہو۔ اس کا باپ اسے اپنے پاس لے گیا ہو۔'' ایک مزدور نے اندازہ لگایا۔

''یہ ہوسکتا ہے۔'' امجد کے چہرے پر جوش نظر آنے لگا۔ ''بلکہ ایسا ہی ہوگا۔ ورنہ اسے کیا پڑی تھی کہ پرائی عورت کو روز جا کے کھانا کھلاتا، اس کے لیے بدنامی مول لیتا۔''

اس کا نظریہ ٹھیک لگ رہا تھا۔ میں انہیں سبحان سے متعلق باتیں کرتا چھوڑ کے کام پر آ گیا۔ میں نے اپنے ساتھی مزدوروں کو بھی سبحان کی حقیقت بتادی۔ وہ بھی ساری رُوداد سن کے ششدر رہ گئے تھے۔

☆☆☆

یہ دو دن بعد کی بات ہے۔ ہم لوگ کھانا کھانے ہوٹل جا رہے تھے کہ میری نظر سبحان پر پڑی۔ وہ حسبِ معمول تیزی سے چلتا جا رہا تھا۔

میں تو اس سے بات کرنے کا بہانہ ڈھونڈ رہا تھا، اسے دیکھتے ہی لپکا۔ ''سبحان بھائی، بات سنیں۔''

وہ میری طرف مڑا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھوں میں تنفّر جاگا۔ وہ قدم آگے بڑھانے ہی لگا تھا کہ میں تیزی سے بولا۔ ''مم..... میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔ میں نے آپ کو غلط سمجھا۔''

وہ منہ سے کچھ نہ بولا۔ بس سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا۔ ''میں جان گیا ہوں کہ آپ وہاں گناہ کرنے نہیں جاتے۔ اپنی ماں سے ملنے جاتے ہیں۔''

اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے حیرت جاگی۔ اگلے ہی لمحے وہ لب بھینچ کے بولا۔ ''وہ میری ماں نہیں ہے۔''

''تو پھر کون ہے؟'' میں نے حیرانی سے پوچھا۔ اس نے ناگواری سے میری طرف دیکھا اور بغیر کچھ کہے آگے بڑھا۔ میں اس کے پیچھے لپکا۔

''پلیز سبحان بھائی، مجھے بتائیں۔ وہ آپ کی ماں نہیں ہے تو پھر کون ہے؟ آپ کیوں اس کے پاس جاتے ہیں۔''

''تمہیں اس سے کیا مطلب؟ جاؤ اپنا کام کرو۔''

اس نے مجھے جھڑکا لیکن آج میں ہر صورت حقیقت جاننا چاہتا تھا۔ اس کا رویہ نظر انداز کرتے ہوئے اس کے ساتھ چلنے لگا۔

''میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔ آپ میری وجہ سے ہی بدنام ہوئے تھے۔ میں چاہتا ہوں کہ اب لوگوں کو حقیقت بتاؤں۔'' میرے لہجے میں حقیقی ندامت تھی۔

''مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ لوگ میرے متعلق کیا سوچتے ہیں۔''

''آپ کو فرق پڑنا چاہیے۔ آپ نیک ہیں تو کیوں بدنام رہنا چاہتے ہیں۔'' میں چلّایا۔ اس نے مجھے چونک کے دیکھا اور بولا۔

''میں بس اُس کی نظروں میں سرخرو رہنا چاہتا ہوں۔'' اس نے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔ ''رہی بات لوگوں کی تو انہیں کبھی کوئی مطمئن کرسکا ہے؟''

''آپ لوگوں کو چھوڑیں۔ مجھے تو مطمئن کرسکتے ہیں ناں؟''

''پتا نہیں تم کون ہو اور کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔'' اس نے بیزاری سے کہا۔ میں نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

''بس آج میری تشفّی کردیں۔ اس کے بعد کبھی آپ کے راستے میں نہیں آؤں گا۔'' میں نے التجا کی۔ اس کے چہرے پر جھنجلاہٹ نمودار ہوئی۔ مجھے لگا کہ وہ پھر سے مجھے جھڑکنے لگا ہے لیکن اس نے ایک گہری سانس لی اور بولا۔

''وہ ایک غریب اور تنہا عورت ہے۔ اس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں۔ میں بس ہمدردی میں اس کا تھوڑا سا خیال رکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

میرے ذہن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا واقعہ آیا۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ایسے تو وہ ایک ضعیف خاتون کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔ میں اسے کیا سمجھا تھا اور وہ کیا نکلا تھا۔ میرے دل پر ندامت کا بوجھ اور بڑھ گیا۔

''بس یا اور کچھ؟'' اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔ میں نے اسے عقیدت بھری نظروں سے دیکھا اور بولا۔

''آپ بہت بڑا کام کر رہے ہیں۔ اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا۔''

اس کے چہرے پر شرمندگی کے تاثرات نمودار ہوئے۔ ''میں کیا اور میری اوقات کیا۔'' اس نے دھیرے سے کہا۔

''وہ آپ کو ملی کہاں؟'' میں اپنی ساری اُلجھنیں آج ہی سلجھا لینا چاہتا تھا۔

''تم نے سنا ہوگا کہ جس کا کوئی نہیں ہوتا اس کا خدا ہوتا ہے۔ تو خدا خود اتر کے کسی کا سہارا نہیں بنتا۔ وہ اپنے بندوں میں سے ہی کسی بندے کو اس کام کے لیے چن لیتا ہے۔'' اس نے رک کے ایک لمحے کے لیے میری جانب دیکھا۔ میرے چہرے پر سوالیہ تاثرات تھے۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

''وہ مجھے راستے میں ہی ملی تھی۔ وہ روڈ کراس کرنا چاہ رہی تھی لیکن گاڑیوں کا شور سن کے بدک کے پیچھے ہٹ جاتی۔ اس کی بے بسی دیکھ کے میرا دل پسیج گیا۔ میں نے اسے روڈ کراس کرایا۔ میں جانے لگا تو وہ بولی۔''

''بیٹا، تمہاری مہربانی ہوگی اگر مجھے میرے گھر پہنچا دو۔ مجھے صاف نظر نہیں آتا۔''

''اس کے لہجے میں شرمندگی تھی۔ میں اسے گھر تک چھوڑ آیا۔ اس کے گھر کی حالتِ زار دیکھ کر صاف لگ رہا تھا کہ ایک عرصے سے اس کی صفائی نہیں ہوئی۔ اس سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ یہاں تنہا رہتی ہے۔ کسی پڑوسی سے کہہ کے دن میں ایک آدھ بار کھانا منگوا لیتی ہے۔ اس کے پاس پیسے ختم ہو گئے تھے۔ بس ایک انگوٹھی بچی تھی، وہ اس دن وہی بیچنے نکلی تھی۔ اس کے حالات دیکھ کر میں نے اس کی مدد کی ٹھان لی۔ میں اسے ساتھ گھر لے جانا چاہتا تھا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ سو مجھے اب جب بھی موقع ملتا ہے۔ اس کے پاس سے ہو آتا ہوں۔'' اس نے مختصراً ساری تفصیل سنا دی۔

میں اسے بے یقینی سے دیکھ رہا تھا۔ اس لمحے مجھے وہ آسمان سے اترا کوئی فرشتہ لگا جو ایسے بے غرض کسی مجبور کی مدد کر رہا تھا۔

''تو آپ نے یہ سب باقی لوگوں کو کیوں نہیں بتایا؟''

''بتا تا تو کون یقین کرتا؟ سب جانے میرے متعلق کیا سوچنے لگتے۔ جیسے ابھی سوچ رہے ہیں۔'' اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

میں شرمندہ ہو گیا۔ اس کی بات ٹھیک تھی۔ ''میری وجہ سے ہی آپ کے دامن پر داغ لگا تھا۔ اب میں ہی اسے دھوؤں گا۔ وہی لوگ جو آپ کو طنزیہ نظروں سے دیکھتے تھے اب عزت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔''

وہ میری طرف دیکھ کے مسکرایا۔ ''اس کی ضرورت نہیں۔ جو لوگ ہاتھوں میں نشتر لیے کھڑے ہوں ان کے دل میں کسی کے لیے عزت پیدا نہیں ہوتی۔'' وہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ میں کھڑا اسے عقیدت بھری نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

میرا خیال تھا کہ میں اس سارے معاملے کی حقیقت جان گیا ہوں مگر ایسا نہیں تھا۔ اس کہانی نے قریباً دو ہفتوں بعد ایک اور انکشاف انگیز موڑ لیا۔ اس دن میں صبح صبح کام پر پہنچا تو مزدوروں کے چہرے پر سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی بشیر طنزیہ انداز میں بولا۔

ایک عورت

ایک عورت اپنے دو بچوں کو ساتھ لے کر ایک سہیلی سے ملنے گئی۔ چھوٹے بچے کو دیکھ کر سہیلی نے کہا۔ ''اس کی آنکھیں بالکل ماں کی طرح ہیں۔''

ماں بولی۔ ''اور ماتھا باپ کا ہے۔''

''اور پاجامہ بڑے بھائی کا ہے۔'' اس کے بڑے بچے نے کہا۔

مبشر حسن ہیڈ بکائی

تراش خراش

ایک سپاہی دوسرے سے۔ ''تم پولیس میں بھرتی کیوں ہوئے؟''

دوسرا سپاہی بولا۔ ''میری بیوی نہیں ہے اور میں مرنا چاہتا تھا اور تم؟''

پہلا سپاہی۔ ''میری بیوی تھی اور مجھے سکون کی موت چاہیے تھی۔''

ساہیوال سے احمد علی کا جواب

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

''تو اس جانے کے بڑے گُن گاتا تھا۔ پتا ہے اس لے لیا کیا؟''

''کیا کیا؟'' میں نے حیرانی سے استفسار کیا۔

''وہ اس بوڑھی عورت کو قتل کر کے بھاگ گیا ہے۔''

اس نے یکدم دھماکا کیا۔ میں ششدر رہ گیا۔

''کیا؟'' میرے لبوں سے بمشکل سرسراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔ میرا دماغ اس جملے کو جذب نہیں کر سکا تھا۔

''میں کہتا تھا ناں یہ دیکھنے میں بڑا معصوم لگتا ہے لیکن ہے کوئی بڑی پہنچی ہوئی چیز۔ تو میرا اندازہ درست نکلا۔'' وہ جوش سے بولا۔

''آخر ہوا کیا ہے؟'' میں پھٹی پھٹی آواز میں چلّایا۔

وہ تفصیل بتانے لگا۔ میں ہکا بکا اسے دیکھتا رہ گیا۔ میں جسے فرشتہ سیرت سمجھا تھا وہ تو شیطان صفت نکلا تھا۔ بلکہ اس نے تو شیطان کو بھی مات دے دی تھی۔

بشیر کے مطابق گزشتہ روز ایک عورت نے سبحان کو تیزی سے اس بڑھیا کے گھر سے نکلتے دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف تھا۔ وہ اس کا انداز دیکھ کے چونک گئی۔ وہ بڑھیا کے گھر گئی تو سارا گھر الٹا پلٹا پڑا تھا۔ وہ اپنے ہی لہو میں لت پت پڑی تھی۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھنسا تھا۔ عورت نے چلّا چلّا کے سارا محلہ اکٹھا کر لیا۔

بڑھیا مر چکی تھی۔ کسی نے پولیس کو اطلاع دے دی۔ پولیس کو سبحان کا علم ہوا تو وہ اسے تلاش کرتے ہوئے اس کے گھر پہنچی مگر وہ اپنے گھر والوں سمیت غائب ہو چکا تھا۔ وہ کرائے کے گھر میں رہتا تھا۔ وہ کہاں گیا کوئی کچھ نہیں جانتا تھا۔ پولیس اسے تلاش کر رہی تھی۔ بشیر، سبحان کے پڑوس میں ہی رہتا تھا۔ وہیں سے اسے یہ سب پتا چلا تھا۔

مزدور جوش و خروش سے اس واقعے کے متعلق اظہارِ خیال کر رہے تھے اور میں سکتہ زدہ کھڑا تھا۔ آخر وہ کیا چیز تھا؟ اس نے اپنے چہرے پر کتنے نقاب ڈال رکھے تھے۔ ہر نقاب سے نکلنے والا چہرہ نقلی ہی نکلتا تھا۔ یا میں ہی اتنا معصوم تھا کہ ہر بار اس سے دھوکا کھا جاتا تھا۔

اس واقعے کو دن گزر گئے تھے، پولیس سبحان کی تلاش میں تھی لیکن اسے جانے زمین کھا گئی تھی یا آسمان۔ اس کا کہیں پتا نہیں تھا۔

اس دوران مجھے چند نئی باتیں معلوم ہوئی تھیں۔ اس بڑھیا کے پاس کچھ زیورات محفوظ تھے۔ پولیس کا خیال تھا کہ سبحان کو کسی طرح ان زیورات ہی کی بھنک مل گئی تھی۔ وہ اسی وجہ سے روز اس کے پاس جاتا تھا۔ جب وہ سیدھے طریقے سے زیورات حاصل نہ کر سکا تو اس نے بڑھیا کا منہ بند کر کے اس پر تشدد کیا۔ وہ چاقو سے اس کے جسم پر چرکے لگاتا رہا۔ بڑھیا یہ تشدد برداشت نہیں کر سکی اور جان سے گزر گئی۔ اس نے مرنے سے قبل شاید اسے زیورات کا پتا بتا دیا تھا۔ یا وہ خود ہی زیورات تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ پولیس کو الماری میں ایک خفیہ خانہ ملا تھا جو کھلا ہوا تھا۔

عملی زندگی میں قدم رکھتے ہی میرا پہلا پالا مزدوروں سے پڑا تھا۔ وہ جاہل تھے، بدتمیز تھے مگر جیسے بھی تھے ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا۔ ان لوگوں میں مجھے سبحان ہی ایک مہذب انسان لگا تھا، کچھ عرصہ میں اس کے متعلق بدگمانی کا شکار رہا تھا لیکن اس کی حقیقت جان کے میں اس کی بہت عزت کرنے لگا تھا۔ اور اب مجھے معلوم ہوا تھا کہ وہ اس کا اصلی روپ نہیں محض دکھاوا تھا۔ اس نے خود کو پرت در پرت تہوں میں لپیٹ رکھا تھا۔ اس واقعے نے مجھ پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ میرا لوگوں پر سے اعتبار ہی اٹھ گیا۔ میں ہر شخص، ہر واقعے کو شک کی نظر سے دیکھنے لگا۔

انہی دنوں کویت میں نوکریوں کے ویزے آئے تو میں نے وہاں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنے ملک سے میرا جی بالکل اُچاٹ ہو چکا تھا۔ امی کے زیورات بیچ کر میں کویت چلا گیا۔ یہاں ماحول کسی حد تک مختلف تھا۔ لوگ اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔ میں پوری طرح کمائی میں جُت گیا۔ نہ اب مجھے کسی دوست کی کمی محسوس ہوتی تھی اور نہ کسی کے ساتھ پر اعتبار کرنے کا جی چاہتا تھا۔ میں دن بھر کام میں مشغول رہتا اور رات کو گھر پہنچتے ہی کھانا کھا کے سو جاتا۔ میرے روم میٹ ایک دوسرے سے ہنستے بولتے۔ وہ مجھے بھی گفتگو میں شریک کرنے کی کوشش کرتے لیکن میں لیے دیئے ہی رہتا۔ نہ سبحان میرے ذہن سے محو ہوا تھا نہ میں اس کا دیا گیا سبق بھولا تھا۔

مجھے وہاں کام کرتے چھ سات سال بیت گئے۔ میں اب بطور سپروائزر کام کر رہا تھا۔ زندگی سکون سے گزر رہی تھی کہ سبحان کی صورت میں ایک بار پھر میری زندگی میں ہلچل ہوئی۔

ہماری کمپنی نے چند نئے مزدور ہائر کیے تھے۔ سبحان انہی میں سے ایک تھا۔ میں تو اسے دیکھ کر چونکا ہی تھا وہ بھی مجھے پہچان گیا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے نمودار ہوئے۔

''تم میرے ساتھ آؤ۔'' میں اُسے کہتے ہوئے اپنے دفتر کی طرف بڑھا۔ میرے ذہن میں بگولے اٹھ رہے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

تھے۔ اس جیسے فراڈیئے کو میں ہرگز یہاں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

میں اپنی کرسی پر بیٹھا ہی تھا کہ سبحان کمرے میں داخل ہوا۔ وہ دروازے میں ہی کھڑے ہو کے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر ہراس چھایا ہوا تھا۔

''اندر آجاؤ۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔

وہ دھیرے سے چلتا ہوا چند قدم آگے آیا اور پرسوچ انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔

''ہاں تو ..... یہاں کیا چکر چلانے کا ارادہ ہے؟'' میں نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''کک..... کیا مطلب؟'' وہ ہکلایا۔

''جو شخص ایک بوڑھی عورت کی خدمت کے بہانے اسے قتل کر کے اس کے زیورات لے اُڑے، وہ موقع ملنے پر کس کام سے چوک سکتا ہے؟''

اس کی رنگت متغیر ہوئی۔ ''میں نے اسے قتل نہیں کیا تھا۔'' اس نے احتجاجی انداز میں کہا۔ میں اسے طنزیہ نظروں سے دیکھتا رہا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ آپ نے بھی دوسرے لوگوں کی طرح مجھے غلط سمجھا۔ حالانکہ آپ تو مجھے جانتے تھے۔ کیا میں اس طرح کا کام کر سکتا تھا؟'' اس کے لہجے میں شکوہ زیادہ تھا یا دکھ۔ میں اندازہ نہیں لگا سکا۔

''میں اب اٹھارہ سال کا لڑکا نہیں ہوں جو تمہاری باتوں میں آجاؤں گا۔'' میں نے سختی سے کہا۔

''آپ مانیں یا نہ مانیں۔ میں نے اسے قتل نہیں کیا تھا۔ جب میں حسبِ معمول کھانا لے کے وہاں پہنچا تو اس کا گھر الٹ پلٹ کیا ہوا تھا۔ وہ اپنے ہی لہو میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں.....''

اسی لمحے دروازہ کھلا اور تنویر اندر داخل ہوا۔ کمپنی میں لوگوں کو ہائر کرنے کی ذمے داری اسی کی تھی۔ وہ پاکستانی ہے اور میری اس کے ساتھ اچھی علیک سلیک تھی۔ اس پر نظر پڑتے ہی سبحان کے چہرے پر چھایا خوف بڑھ گیا۔

''اِسے کیوں بلایا ہے؟'' وہ بے تکلفی سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

میں اسے سبحان کے متعلق بتانے لگا۔ ساری بات سنتے ہی وہ سبحان کی طرف مڑا اور دہاڑا۔ ''دفع ہو جاؤ، یہاں سے۔'' سبحان کے چہرے پر طیش کے تاثرات نمودار ہوئے۔ مجھے لگا کہ وہ تنویر پر جھپٹ پڑے گا۔ وہ ایک قدم تنویر کی طرف بڑھا بھی مگر پھر جھٹکے سے دروازہ کھول کے باہر چلا گیا۔

''تم یہ ساری رپورٹ لکھ کے دو۔ میں ابھی اسے فارغ کرتا ہوں۔'' وہ سخت غصے میں لگ رہا تھا۔

''اس کی بات تو سننے دیتے۔'' میں نے دھیرے سے کہا۔

اس نے غصیلے سے انداز میں میری طرف دیکھا۔ ''کیا اب بھی کچھ جاننے کے لیے باقی ہے؟'' میں کہنا چاہتا تھا کہ آنکھوں دیکھی حقیقت میرے سامنے غلط ثابت ہو چکی تھی۔ یہ سب تو سنی سنائی تھی لیکن اس کا موڈ دیکھ میں کچھ نہ کہہ سکا۔

میں نے سبحان کے متعلق رپورٹ لکھ دی۔ تنویر رپورٹ لے کے چلا گیا۔ میں سبحان سے ملنا چاہتا تھا لیکن اچانک ایسی مصروفیت درپیش آگئی کہ میں اس سے ملنے کے لیے وقت ہی نہیں نکال سکا۔ شام کو میں فارغ ہو کے دفتر پہنچا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

وہ سبحان تھا۔ اس کے چہرے پر کرب چھایا تھا۔ اس نے ایک لفافہ میری طرف بڑھایا۔

''مجھے یہاں سے بھی آپ کی وجہ سے نوکری سے نکال دیا گیا ہے۔'' اس نے عجیب سے انداز میں میری طرف دیکھا۔ ''میں جا رہا ہوں۔ میرے جانے کے بعد یہ پڑھ لینا۔''

وہ لفافہ میری ٹیبل پر رکھ کے چلا گیا۔ جانے کیوں مجھے اس کا انداز دیکھ کے دکھ ہو رہا تھا۔ میں نے گم صم سے انداز میں لفافہ کھولا۔ اس میں دو الگ الگ ورق رکھے تھے۔

میں نے ایک ورق کھولا۔ ''فیروز صاحب، میں جیسا بھی ہوں، خدا بہتر جانتا ہے۔ بندوں کی میں نے کبھی پروا نہیں کی۔ ایک آپ نے میرے اندر اترنے کی کوشش کی تھی مگر افسوس آپ نے اس بار بھی نتائج اخذ کرنے میں غلطی کی۔ آپ بھی عام انسان ہی نکلے۔ یا میں ہی غلط تھا کہ آپ کو مختلف سمجھا تھا۔ پہلے تو آپ نے مجھ سے حقیقت جاننے کے لیے ضد کی تھی۔ اس بار میں خود آپ کو حقیقت بتاتا ہوں۔ گو کہ اس کا اب کوئی فائدہ نہیں۔ آپ نے مجھے جو نقصان پہنچانا تھا پہنچا چکے مگر آپ کو بھی علم تو ہونا چاہیے کہ جو دکھتا ہے وہ ہوتا نہیں اور جو ہوتا ہے وہ دکھتا نہیں۔

اس دن جب میں کھانا لے کے اس بوڑھی خاتون کے پاس پہنچا تھا تو وہ خون میں لت پت الماری کے پاس پڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ دبا ہوا تھا۔ وہ کاغذ

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

بھی میں آپ کو دے رہا ہوں، پڑھ کے حقیقت جان لیں۔ میں نے وہ زیورات مجبوری میں رکھے تھے۔ وہ میری ضرورت بھی تھے اور اس کی آخری خواہش بھی۔''

میں نے دوسرا ورق کھولا۔ میرے ہاتھ لرز رہے تھے۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ ایک بار پھر مجھ سے بہت بڑی غلطی سرزد ہو چکی ہے۔ اس پر انتہائی شکستہ تحریر میں لکھا تھا۔

''سبحان، پتا نہیں تمہارے پہنچنے تک میں زندہ بھی رہتی ہوں یا نہیں۔ تم میرے لیے اتنی قربانی دیتے رہے ہو۔ آج میں نے بھی تمہاری خاطر قربانی دے کے تمہارے احسانات کا بدلہ چکانے کی کوشش کی ہے۔ وہ مجھے چرکے لگاتے رہے اور مجھ سے میرے زیورات کا پوچھتے رہے، مگر میں نے انہیں کچھ نہیں بتایا۔ یہ میرے لیے محض زیورات نہیں میرے محبوب کی نشانی تھے۔ ان پر صرف تمہارا حق ہے۔ تمہارے لیے ہی میں اتنی مزاحمت کر سکی۔ میں تکلیف سے بے ہوش ہو گئی۔ مجھے ہوش آیا تو وہ جا چکے تھے۔ میں بمشکل زیورات کے خفیہ خانے تک پہنچی۔ زیورات دیکھ کے میں نے سکون کا سانس لیا۔ یہ تمہارے لیے ہیں، لے جاؤ۔ پولیس کے چکر میں نہ پڑنا اور.....''

میں سکتہ زدہ یہ تحریر پڑھ رہا تھا۔ میرے کندھے ندامت کے بوجھ سے جھکے چلے جا رہے تھے۔ میں ایک بار پھر دھوکا کھا گیا تھا۔ میں کتنی ہی دیر گم صم بیٹھا اس تحریر کو تکتا رہا۔

کمرے کا دروازہ کھلا تو میں چونکا۔ وہ تنویر تھا۔ ''کیا ہوا۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' اس نے فکرمندی سے پوچھا۔

میں نے خاموشی سے سبحان کا خط اس کی طرف بڑھا دیا۔ ''یہ کیا ہے؟'' تنویر بولا۔

''پڑھ کے دیکھ لو۔'' میرے گلے سے بمشکل پھنسی پھنسی آواز برآمد ہوئی تھی۔ اس نے چونک کے مجھے دیکھا اور خط میرے ہاتھ سے لے کے پڑھنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ وہ یہ تحریر پڑھ کے شرمندہ ہو گا مگر اس کے ردِعمل نے مجھے حیران کر دیا۔

''یہ بندہ تو بہت بڑی فلم ہے یار۔ کیا کہانی بنائی ہے اس نے۔''

''کک..... کیا مطلب؟'' میں نے اُلجھن آمیز انداز میں پوچھا۔

''تم اس پر یقین تو نہیں کر بیٹھے؟''

''کیا اب بھی کوئی گنجائش ہے۔'' میں نے اسی کا فقرہ لوٹایا۔

''گنجائش ہی گنجائش ہے۔'' وہ طنزیہ انداز میں ہنسا۔ ''یہ دیکھو۔ کیا یہ سات آٹھ سال پرانی تحریر لگ رہی ہے؟ وہ عورت شدید زخمی تھی۔ اس پر خون کا کوئی داغ ہے؟''

میں نے اسے افسوس بھری نظروں سے دیکھا۔ ''تم یہ نہیں مانو گے کہ ہم سے غلطی ہوئی ہے؟''

''ہم سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ وہ تمہیں بیوقوف بنا گیا ہے۔'' اس نے ناگواری سے کہا۔ ''تم نے بتایا تھا کہ اس عورت کی نظر کمزور تھی۔ وہ ضعیف تھی۔ اب تم ہی بتاؤ، یہ ممکن ہے کہ وہ مرتے ہوئے اپنی مدد کے لیے کسی کو بلانے کے بجائے خط لکھنے بیٹھ جائے؟''

''ہم اس عورت کو جانتے نہیں تھے۔'' اس کی باتیں میرے دل کو لگ رہی تھیں لیکن پھر بھی میں نے کمزور سے انداز میں دفاع کی کوشش کی۔

''ٹھیک ہے، ہم اسے نہیں جانتے مگر یہ کاغذ دیکھو۔ یہ اتنا پرانا لگ رہا؟ یہ ممکن ہے کہ اس پر خون کا معمولی دھبا تک نہ ہو۔'' اس کا انداز چیلنج کرنے والا تھا۔ میں نے کاغذ لے کے بغور دیکھا۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ اتنا پرانا ہے یا نہیں۔ وہ میرے چہرے پر اُلجھن دیکھ کے بولا۔

''اس کے پاس اگر اتنا واضح ثبوت تھا تو اس نے تمہیں پہلے کیوں نہیں بتایا۔ یہ تو اسے صبح ہی تمہارے سامنے رکھ دینا چاہیے تھا۔''

''اس نے اب کیوں بتایا؟'' میں نے عجیب سے انداز میں استفسار کیا۔

''اسے یہ آئیڈیا ہی بعد میں آیا ہو گا۔'' وہ ہنسا۔ ''اس نے سوچا ہو گا کہ اس کی نوکری تو جا ہی چکی۔ جاتے ہوئے وہ تمہیں بھی اُلجھن میں ڈال جائے۔ اب ساری زندگی تم ندامت کے بوجھ سے دبے رہو۔ واہ..... کیا انتقام لیا ہے اس نے تم سے۔'' ہنستے ہنستے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

شاید وہ ٹھیک کہہ رہا تھا یا محض اپنی غلطی چھپانے کو تاویلیں گھڑ رہا تھا۔ وہ ایک عام شخص تھا، اسے ایسا ہی کرنا تھا، مگر میرے اندر احساس باقی تھا، میں چاہ کے بھی خود کو بے قصور نہیں مان سکتا تھا۔ اس داغِ ندامت نے ہمیشہ میرے ساتھ ہی رہنا تھا۔ رہی حقیقت..... تو ہم اس پر بحث تو کر سکتے تھے مگر درحقیقت ہوا کیا تھا یہ کبھی نہیں جان سکتے تھے۔

❖❖❖

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

سب کچھ اتفاق پر مبنی تھا۔ اتفاق سے بارڈر سے اسمگل شدہ جیپ ریگ ماہی ریسٹورنٹ کے قریب خراب ہوئی۔ اتفاق سے اردگرد کوئی کاریگر نہ ہونے کی وجہ سے نوجوان ڈرائیور نے ریسٹورنٹ کا رخ کیا اور اتفاق سے عبداللہ کو خطیر رقم کے متعلق معلومات حاصل ہوئیں۔ جسے وہ چاروں ریگستان سے باہر شہر منتقل کرنا چاہتے تھے۔ جیپ دیکھنے کے بعد اسے بہ خوبی اندازہ ہوگیا کہ وہ چاروں اسمگلر ہیں۔ اس نے خرابی دور کرنے کے بعد جیپ کے بریک

رگ و پے میں اتر جانے والے زہر کی آتش فشانی.....

امیدوں کے دیے جلتے رہیں تو تاریک راتوں میں بھی راستے نظر آنے لگتے ہیں... کچھ بدفطرت اور بدخصلت لوگ شمعیں بجھانے کا کام بڑی سرعت سے کرتے ہیں... ریگ زاروں میں کھوئے ہوئے کردار... وہ ایک دوسرے کے ساتھی تھے... مگر راہ میں ایسی رکاوٹیں کھڑی تھیں جو انہیں جدا کر رہی تھیں...

ریگ ماہی

عمران قریشی

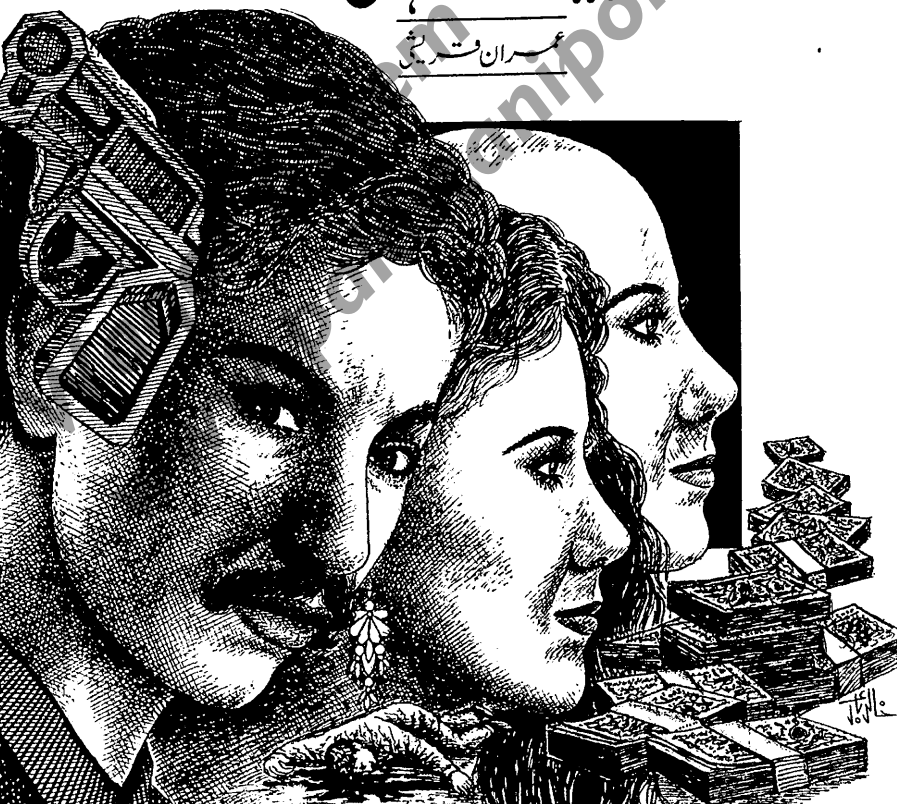

urdunetpoint.com

ڈھیلے کر دیے اور ریسٹورنٹ واپس آ گیا۔ جیپ ریسٹورنٹ کے سامنے واقع درختوں کے جھنڈ میں گھس کر ایک درخت کے ساتھ ٹکرا کر تباہ ہوئی۔ وہ درختوں کے جھنڈ میں آ گیا۔ جیپ کے نچلے حصے میں آگ لگی ہوئی تھی۔ تاہم پیٹرول کی ٹینکی سے دور تھی۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا ہوا نوجوان خون میں لت پت تھا۔ پچھلے حصے میں دو آدمی گتھم گتھا اپنے ہاتھوں سے سر تھامے ہلکے ہلکے کراہ رہے تھے۔ نوجوان ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا ادھیڑ عمر شخص حادثے کی تباہ کاریوں سے قدرے محفوظ تھا۔ عبداللہ نے قریب ہی پڑی اینٹ کو اٹھایا اور تینوں کے سروں پر رسید کر کے عالم خرد کی دنیا سے بیگانہ کر دیا۔ پھر یکے بعد دیگرے ان چاروں کو جیپ سے نکال کر جھنڈ کے قریب گھاس کے قطعہ پر لٹا دیا۔ اس اثنا میں جیپ کے نیچے لگی آگ بجھ گئی لیکن گھاس پر سیاہ نشان چھوڑ گئی۔ درخت کے تنے پر کاری ضرب سے گہرا نشان پڑ گیا تھا۔ جیپ کے پچھلے حصے میں لوہے کی پٹی رکھی ہوئی تھی۔ اس نے کھینچ تان کر اسے بھی گھاس والے قطعہ کے پاس پہنچا دیا۔ ادھیڑ عمر شخص کے سر پر گہرا گھاؤ تھا جس سے خون نکل کر چہرے پر پھیل گیا تھا۔ اس کی کمر پر بندھے ہوئے ہولسٹر سے ریوالور کی نال جھانک رہی تھی۔ عبداللہ نے ریوالور نکال کر دیکھا، چیمبر کے اندر گولیاں موجود تھیں۔ نال پر سائیلنسر بھی لگا ہوا تھا۔ اس نے لوہے کی پٹی پر لگے ہوئے تالے کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ ہلکی سی آواز کے ساتھ تالے کے پرخچے اڑ گئے۔ اس نے ریوالور کو دوبارہ ہولسٹر میں رکھ لیا۔ رات کے ساڑھے آٹھ بجنے والے تھے۔ نو بجے نومی ریسٹورنٹ آتا تھا۔ اس کی آمد سے قبل عبداللہ کو وہ سب کچھ کر لینا چاہیے تھا جو اس کی آمد کے بعد نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے پٹی کا ڈھکن جھٹکے کے ساتھ کھول دیا۔ اندر بڑے نوٹوں کی گڈیاں بھری ہوئی تھیں۔ اسے سینے میں دھڑکتا ہوا دل رکتا محسوس ہوا۔ رقم کو جلد از جلد مناسب مقام پر منتقل کر دینا چاہیے تھا۔ اس نے پٹی کو بند کیا اور ریسٹورنٹ کے تہ خانے میں لے آیا۔ تہ خانے کا راستہ ہال کمرے کی سیڑھیوں کے نیچے سے جاتا تھا۔ پٹی کو اندر منتقل کرنے کے بعد اس نے دروازے کو تالا لگا دیا پھر دوبارہ جھنڈ میں آ گیا۔

پونے نو بجنے والے تھے۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔ رات کے اس پہر ٹرک ڈرائیوروں یا پھر بھولے بھٹکے مسافروں میں سے شاذ و نادر ہی کوئی ریسٹورنٹ کا رخ کرتا تھا۔ اس نے ان چاروں کو قریبی پہاڑی علاقے میں بنے غار میں پہنچا دیا۔ یہ جھنڈ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اس کے دہانے پر گھنی جھاڑیوں کی بہتات تھی۔ دہانہ ان کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ ان کو زمین پر لٹانے کے بعد اس نے بیلٹوں سے ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر منہ کے اندر رومال ٹھونس دیے اور جھنڈ کی طرف آ گیا۔ پندرہ سالہ نومی عمارت کی طرف جا رہا تھا۔ اس کا رخ مخالف جانب تھا۔ اس لیے وہ اسے دیکھ نہیں سکا۔

عبداللہ جھنڈ میں داخل ہو گیا۔ اس نے تنقیدی نگاہوں سے اطراف کا جائزہ لیا۔ وہ اندھیرے میں کچھ زیادہ نہیں دیکھ پایا۔ تاہم جیپ گھنے درختوں کے پیچھے محفوظ تھی۔ اب اسے نومی کے ریسٹورنٹ سے باہر جانے کا انتظار کرنا تھا اور ایسا صبح سے پہلے ممکن نہیں تھا۔ وہ عمارت کی طرف چلا آیا۔ نومی نہایت تحمل اور خاموش طبع لڑکا تھا۔ ہر چند کے وہ اس پر اندھا اعتماد کرتا تھا۔ تاہم اس معاملے میں راز دار نہیں بنانا چاہتا تھا۔ اسے ہال کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر نومی کے چہرے پر روایتی مسکراہٹ نمودار ہوئی جو یک دم حیرت کے ملے جلے تاثرات میں تبدیل ہو گئی اور اس نے سلام کرنے کے بجائے متفکر لہجے میں پوچھا۔

''جناب خیریت تو ہے؟ کیا کوئی حادثہ پیش آ گیا؟''

عبداللہ نے چونکتے ہوئے اپنے سراپا پر نگاہ دوڑائی۔ جھاڑیوں کے تنکے اور گرد و غبار کی پتلی تہ اس کے جسم کا محاصرہ کیے ہوئے تھی۔ چند خون کے دھبے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے بہانہ گھڑتے ہوئے کہا۔

''کھانے کے بعد واک کے دوران اندھیرے کی وجہ سے سڑک کے کنارے واقع کھائی کا اندازہ نہیں لگا سکا۔ خوش قسمتی سے نیچے گرنے کے دوران ایک چھوٹے سے درخت کی بدولت بچت ہو گئی۔ ورنہ زندہ بچنا ممکن نہیں تھا۔''

نومی اور بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن عبداللہ نے اسے موقع نہیں دیا اور سیڑھیاں چڑھ کر دوسری منزل پر واقع خواب گاہ میں آ گیا۔ خواب گاہ کی لائٹ آف تھی۔ اندھیرا اس کی حالت زار کی پوشیدگی کے لیے ضروری تھا۔ اس نے بہ آہستگی ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور کمرے میں قدم رکھ دیا۔ حسب عادت ماہی مطالعے میں مصروف تھی۔ ٹیبل لیمپ کی روشنی اس کے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی کتاب کی حد تک محدود تھی۔ دروازہ کھلنے کی پھر بند ہونے کی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ گیلری میں لگے ہوئے بلب کی روشنی کمرے کے اندر آ رہی تھی۔ ماہی نے چند لمحے خالی خالی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد دوبارہ مطالعہ شروع کر دیا۔ وہ پینتیس سے چالیس کے درمیان کی بھرپور جسم کی عورت تھی۔

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

بڑی بڑی سیاہ خواب آلود آنکھیں، منہ کا دہانہ تنگ اور بال غیر معمولی طور پر لمبے تھے۔ اس کے مقابلے میں عبداللہ قبول صورت، معمولی شخصیت اور درمیانے قد کا تھا۔ اس کے باوجود ان کی ازدواجی زندگی خوشگوار تھی۔ وہ خواب گاہ سے ملحقہ باتھ روم میں آگیا۔

دو سال قبل جب عبداللہ نے ریگ ماہی ریسٹورنٹ کی عمارت کو خریدا تھا، تب وہ نہایت قابلِ رحم اور خستہ حالت پر میں تھی۔ اس نے اپنی تمام جمع پونجی اس کی حالت بہتر کرنے پر لگا دی۔ سروس اسٹیشن کا آغاز حال ہی میں کیا تھا۔ وہ گاڑیوں کا کام بخوبی کر لیتا تھا۔ ماہی کو کھانا پکانے کا شوق تھا۔ ریگستان کے آخر میں واقع بارڈر پر ٹرکوں اور بسوں کی آمدورفت کا سلسلہ کم وبیش جاری رہتا تھا۔ یہ لوگ زیادہ تر چائے اور سگریٹ نوشی کے لیے ریسٹورنٹ کا رخ کرتے تھے۔ دونوں نے باہمی مشورے سے رات کی ڈیوٹی کے لیے مقامی لڑکے کو ملازم رکھ لیا تھا۔ ہر چند کے وہ گاڑیوں کی سروس ٹائروں میں ہوا بھرنے کے کام سے ناآشنا تھا۔ تاہم رات کے وقت اس کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ ماہی نے اسے چائے بنانا سکھا دیا تھا۔ اس لیے وہ چائے اور کیک بسکٹ پر مشتمل آرڈر کی تکمیل بہ آسانی کر لیا کرتا تھا۔ باتھ روم میں عبداللہ نے شرٹ کو اچھی طرح دھویا۔ پھر غسل کے بعد شب خوابی کا لباس زیب تن کر کے باہر آگیا۔ ماہی دودھ کا گلاس ہاتھ میں تھامے اس کی منتظر تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے گلاس اس کے ہاتھوں سے لیا اور چند گھونٹوں میں ختم کرنے کے بعد ٹیبل لیمپ کو آف کر کے ماہی کے پہلو میں لیٹ گیا۔

☆☆☆

صبح اس کی آنکھ کچھ تاخیر سے کھلی۔ ساڑھے نو بجنے والے تھے۔ نومی کام ختم کر کے چلا گیا تھا۔ عبداللہ کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ نومی کے جانے سے قبل وہ ریسٹورنٹ کا کام سنبھال لے۔ گزشتہ ماہ تک وہ ایسا بخوبی کر لیتا تھا لیکن اس ماہ غیر معمولی نیند کی وجہ سے اس کی آنکھ معمول کے مطابق نہیں کھلتی تھی۔ ماہی کچن میں ناشتا تیار کر رہی تھی۔ اس نے عجلت کے عالم میں منہ ہاتھ دھویا اور ناشتے کی میز پر آگیا۔ اس کی کھوجتی ہوئی نگاہیں ماہی کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ بظاہر اس کے چہرے پر کوئی تاثرات نہیں تھے لیکن وہ جانتا تھا کہ اس کی طرح ماہی کے دل و دماغ میں بھی ایک طوفان برپا تھا جو اسے سرکشی پر مجبور کر رہا تھا۔ اس کا ثبوت اس کے سیاہ ہونٹ اور انگلیوں پر سگریٹ کے نشان تھے۔ چند دنوں سے کرولا کی حالت بھی اس بات کی نشاندہی کر رہی تھی کہ اس کے ذریعے ریگستان کا طویل سفر کیا جاتا تھا۔ یعنی وہ جس کے پاس جاتی تھی، وہ ریگستان میں واقع مختصر آبادیوں میں کہیں رہائش پذیر تھا۔ نومی اس کا شریکِ راز تھا۔ وہ تمام رات ریسٹورنٹ میں جاگتے ہوئے گزارتا تھا اور اس کی موجودگی میں ماہی ریسٹورنٹ سے باہر جاتی اور واپس آتی تھی۔ عبداللہ نے جب بھی اسے کریدنے کی کوشش کی اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

ناشتا کرنے کے بعد وہ ریسٹورنٹ سے باہر آگیا۔ جیپ کو کرولا کے ساتھ ٹوچین کرنے کے بعد وہ اسے ریسٹورنٹ کے پچھلے حصے میں واقع چاردیواری کی طرف لے آیا۔ اس چاردیواری میں کاٹھ کباڑ رکھا ہوا تھا۔ اس نے گیٹ کھول کر جیپ کو اندر دھکیل کر اس کے اوپر ترپال ڈال دی اور مطمئن ہونے کے بعد پہاڑی غار کی طرف چل دیا۔ اسے جلد ایک ڈرامے کو ترتیب دینا تھا۔ تینوں زخمیوں اور ہلاک ہو جانے والے نوجوان کو جیپ میں منتقل کر کے پہاڑی کھائی سے نیچے دھکیلنے کے بعد رقم کو محفوظ مقام پر منتقل کرنا تھا لیکن غار کے پاس پہنچتے ہی اسے احساس ہو گیا کہ چند افراد غار تک رسائی حاصل کر چکے تھے۔ غار کے دہانے پر اگی ہوئی جھاڑیاں مسلی ہوئی تھیں۔ سگریٹ کے چند ٹکڑے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ وہ جھاڑیوں کو ہٹا کر اندر داخل ہو گیا۔ کچی زمین پر جابجا قدموں کے نشان تھے۔ چاروں زخمیوں کا وہاں نام ونشان نہیں تھا۔ اسے فوراً ہی رقم کا خیال آیا۔ وہ عجلت کے عالم میں ریسٹورنٹ کی طرف دوڑا۔ ماہی رہائشی کمروں میں کہیں تھی۔ اس نے تہ خانے کا رخ کیا۔ اردگرد تنقیدی نگاہوں سے جائزہ لینے کے بعد اس نے تالا کھولا اور سیڑھیاں اتر کر نیچے آگیا۔ رقم سے بھری ہوئی پیٹی تہ خانے میں موجود تھی۔ وہ پیٹی کے پاس بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ عمارت کے باہر کسی گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ اس نے پیٹی کے اوپر کاٹھ کباڑ ڈال کر اسے اچھی طرح چھپایا اور تہ خانے کے دروازے کو تالا لگا کر ہال کمرے سے ہوتا ہوا باہر آگیا۔ ایک منی ٹرک اور اسٹیشن ویگن کے کچھ افراد اس کے منتظر تھے۔ ٹرک ڈرائیور نے ناشتے کے متعلق دریافت کیا۔ اسٹیشن ویگن میں تحقیقاتی ٹیم کے افراد براجمان تھے جن کی تعداد آٹھ تھی۔ وہ کولڈ رنکس اور چپس وغیرہ سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے۔ چند کو صرف چائے درکار تھی۔ عبداللہ انہیں ہال کمرے میں لے آیا اور خود ماہی کا ہاتھ بٹانے کی نیت سے کچن میں

www.paksociety.com

آ گیا۔ ناشتے اور دوسرے لوازمات کی منتقلی کے دوران اسے منی ٹرک ڈرائیور کی آواز نے اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ تحقیقاتی ٹیم کے افراد کو بتا رہا تھا۔

شہر کے پاس پولیس اہلکار ناکا بندی کر کے کسی جیپ کی تلاش میں مصروف تھے۔ یہ جیپ گزشتہ روز ریگستان کے قریب بارڈر کے پاس سے اینٹی نارکوٹکس والوں نے آپریشن کے دوران اچھی خاصی رقم کے ساتھ اسمگلروں سے ہتھیائی تھی۔ تاہم شہر کی طرف روانہ ہونے کے بعد اس کا کچھ پتا نہیں چلا۔ پولیس اہلکاروں میں سے دو میرے جان پہچان والے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ریگستانی سڑک سے لے کر پہاڑی علاقے کے اختتام تک ریگ ماہی ریسٹورنٹ کے علاوہ جیپ کو چھپانے کے لیے مناسب جگہ نہیں ہے۔ وہ جلد ریسٹورنٹ کا رخ کرنے والے ہیں۔

عبداللہ کو اپنے ہاتھوں کے طوطے اڑتے ہوئے محسوس ہوئے۔ وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ حادثے کا شکار ہونے والی جیپ میں اینٹی نارکوٹکس کے افراد سفر کر رہے تھے۔ وہ بے خبری میں جرم کا ارتکاب کر بیٹھا تھا۔ درختوں کے جھنڈ میں بہت سے ثبوت بکھرے پڑے تھے۔ اس نے ماہی کو کاؤنٹر سنبھالنے کے لیے کہا اور ہال کمرے سے نکل کر سروس اسٹیشن کی طرف آ گیا۔ یہاں ایک گیلن میں کچھ پیٹرول رکھا ہوا تھا۔ ماچس اس کی جیب میں تھی۔ اس نے گیلن کو اٹھایا اور درختوں کے جھنڈ کی طرف چل دیا۔ جھنڈ کے درمیان ... جیپ اور کرولا کے ٹائروں کے واضح نشان تھے۔ اس نے پیٹرول چھڑک کر گھاس کو آگ لگا دی۔ پھر جھاڑو سے جیپ اور کرولا کے ٹائروں کے نشان صاف کر دیے۔ بل کھاتی ہوئی سڑک پر چند گاڑیاں ریسٹورنٹ کی طرف آتی نظر آئیں۔ وہ ان کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا۔ تاہم جھاڑو کو اس نے سڑک سے کچھ ہٹ کر جھاڑیوں کے درمیان چھپا دیا۔ گاڑیاں اس کے قریب آ کر رک گئیں۔ ایک آفیسر نے اس کے سراپا کا تنقیدی نگاہوں سے جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''درختوں کو آگ کس نے لگائی؟''

عبداللہ نے مسکراتے ہوئے بتایا۔ ''درختوں کو نہیں، میں نے گھاس کو لگائی ہے۔ خشک اور بنجر زمین کو شاداب کرنے کا آزمودہ نسخہ ہے۔''

آفیسر گاڑی سے اتر کر جھنڈ کی طرف آ گیا۔ باقی کے اہلکار مختلف جگہوں پر کھڑے ہو کر ماحول کا جائزہ لینے لگے۔ آفیسر نے جلتی ہوئی گھاس کا جائزہ لینے کے بعد اس درخت پر نگاہیں مرکوز کر دیں جس سے ٹکرا کر جیپ کو حادثہ پیش آیا تھا۔ درخت کا تنا وہاں سے مجروح ہو گیا تھا۔ وہ اس کے پاس بیٹھ گیا اور تنے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ ''کافی گہرا گھاؤ ہے۔ کسی گاڑی کی ٹکر کا معلوم ہوتا ہے۔ جیپ بھی ہو سکتی ہے۔''

عبداللہ نے جواب دیا۔ ''میں درختوں کے فضول حصے کو تلف کر کے یہاں گھاس پر چند میزیں اور کرسیاں نصب کرنے کے بعد اوپن کافی ہاؤس بنانا چاہتا ہوں۔ اس مقصد کے لیے کلہاڑی کی مدد سے درختوں کو کاٹ رہا تھا۔ گھاس کو آگ بھی اسی وجہ سے لگائی ہے۔''

چند لمحے زمین کا جائزہ لینے کے بعد آفیسر جھنڈ سے باہر آ گیا۔ اس سے کچھ ہٹ کر کھلی جگہ پر گھاس کا ایک اور ٹکڑا تھا۔ اس کے قریب سے گزرتے ہوئے وہ زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ خون کے چند دھبے تھے جو جم کر سیاہی مائل ہو گئے تھے۔ وہ ہاتھ لگاتے ہوئے بولا۔ ''انسانی خون لگتا ہے۔ یقیناً زخمیوں کو گھاس کے اس حصے پر منتقل کیا گیا ہو گا۔ درختوں کے جھنڈ سے یہ نزدیک ہے۔''

عبداللہ پریشان لہجے میں بولا۔ ''جناب آپ کون سے زخمیوں اور خون کی بات کر رہے ہیں۔ مجھے ان کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ یہ ایک پہاڑی علاقہ ہے اور رات کے اندھیرے میں یہاں بھیڑیے دندناتے پھرتے ہیں۔ کل رات بھی ان میں گھمسان کی جنگ ہوئی تھی۔ یہ اسی کا شاخسانہ ہے۔''

''آفیسر بولا۔ ''گھاس بھی مسلی ہوئی ہے۔ جیسے کسی انسان کو گھسیٹا گیا ہو۔ بھیڑیوں کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں۔'' وہ جواب سنے بغیر اٹھ کر گاڑیوں کی طرف آ گیا۔ جھاڑیوں کے پاس کھڑے پولیس اہلکاروں میں سے ایک نے جھاڑو اس کے ہاتھوں میں تھماتے ہوئے بتایا۔ ''یہ قریبی جھاڑیوں میں سے ملی ہے۔ زمین کو اس سے صاف کیا گیا ہے۔''

آفیسر نے کچی زمین کا جائزہ لیا۔ جھاڑو کے نشان سڑک سے درختوں کے جھنڈ تک تھے۔ وہ چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ ''میں ریسٹورنٹ کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ جیپ اور نارکوٹکس کے افراد اندر پوشیدہ ہیں۔ اس تمام علاقے میں تمہارے ریسٹورنٹ کے سوا اور کوئی ایسی عمارت نہیں ہے جہاں انہیں چھپایا جا سکے۔''

عبداللہ غصیلے لہجے میں بولا۔ ''لیکن میرے

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

ریسٹورنٹ کی ساکھ متاثر ہو جائے گی۔ ہال کے اندر تحقیقاتی ٹیم کے بہت سے افراد موجود ہیں۔ جن میں اکثریت عورتوں پر مشتمل ہے اور عورتیں افواہیں پھیلانے میں کمال کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس لیے میں بغیر سرچ وارنٹ کے تلاشی کی اجازت نہیں دوں گا۔''

آفیسر نے اثبات میں سر ہلایا اور عمارت کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''میرے خیال میں چائے پینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ وارنٹ کی بحث پر بعد میں بات چیت کی جاسکتی ہے۔''

عبداللہ نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ بات سنے بغیر ہال کمرے میں آگیا۔ تحقیقاتی ٹیم فارغ ہونے کے بعد واپس جانے کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ ٹرک ڈرائیور سگریٹ سلگانے کے بعد ٹانگیں لمبی کر کے دو کرسیوں پر تقریباً لیٹا ہوا تھا۔ آفیسر کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ کاؤنٹر پر ماہی تحقیقاتی ٹیم سے بل وصول کر رہی تھی۔ اس کا چہرہ سیاہ نقاب کے پیچھے پوشیدہ تھا۔

عبداللہ تعارف کرواتے ہوئے بولا۔ ''یہ میری بیوی ماہین ہے۔ میری عدم موجودگی میں کاؤنٹر کو سنبھالتی ہے۔''

آفیسر نے چونکتے ہوئے ماہی کے چہرے پر نگاہ دوڑائی۔ نقاب کے پیچھے دھندلے نقوش غیر واضح تھے۔ تاہم گزشتہ شہرت پوشیدگی کا پردہ چاک کر رہی تھی۔ آفیسر زیرِلب بڑبڑایا۔ ''ماہین۔'' پھر گویا ہوا۔ ''اگر میں اندازے میں غلطی نہیں کر رہا تو اس نام کی شہرت کا ڈنکا چند سال قبل فلمی دنیا میں بجتا رہا ہے۔''

عبداللہ کی بے چینی بڑھنے لگی۔ آفیسر اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا تھا۔ وہ اسے شک میں مبتلا کر کے واپس نہیں بھیجنا چاہتا تھا۔ اس لیے مسکراتے ہوئے بولا۔ ''آپ نے ٹھیک پہچانا۔ چند سال قبل ماہی کا شمار صف اول کی ہیروئنوں میں کیا جاتا تھا لیکن ہر عروج کے بعد زوال کی طرح اس کا دور بھی اچانک ختم ہو گیا۔ حالات ناگزیر ہونے کے بعد ہم دونوں یہاں آگئے۔''

''میں ان ناگزیر حالات کی وجہ جان سکتا ہوں۔'' آفیسر نے پوچھا۔

عبداللہ نے بتایا۔ ''ایک میگا پروجیکٹ کے بعد پروڈیوسر نے فلم فلاپ ہونے کا ذمّے دار ماہی کو ٹھہراتے ہوئے معاوضہ دینے سے انکار کر دیا۔ بات تو تو..... میں میں سے شروع ہو کر ہاتھا پائی تک جا پہنچی۔ پروڈیوسر دل کا مریض تھا۔ جھگڑے کے دوران اس پر دل کا دورہ پڑا اور وہ جاں بحق ہو گیا۔ اس کی بیوی نے ماہی پر قتل کا مقدمہ دائر کر دیا۔ کافی عرصہ مقدمہ چلتا رہا اور باضابطہ طور پر معاملے میں ملوث نہ ہونے کی وجہ سے اس کی تمام جائداد ضبط کرنے کے بعد اسے بری کر دیا گیا۔''

آفیسر بولا۔ ''اس مقدمے کی تفصیل سے میں آگاہ ہوں۔ بعد از مقدمہ کافی عرصے تک یہ افواہیں گردش کرتی رہی تھیں کہ ماہی اور پروڈیوسر کی شادی موت سے چند دن قبل ہوئی تھی اور ناکام ہونے کی وجہ سے لڑائی جھگڑے کا باعث بن رہی تھی۔''

عبداللہ نے جواب دیا۔ ''میڈیا کو ایسی افواہیں چینل چلانے کے لیے درکار ہوتی ہیں۔ وہ انہیں اچھال کر عوام کو متوجہ کر کے چینل کو فروغ دیتے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔''

تحقیقاتی ٹیم بل کی ادائیگی کے بعد ہال کمرے سے باہر چلی گئی۔ منی ٹرک ڈرائیور بھی روانگی کے لیے پر تول رہا تھا۔ آفیسر نے ہال کمرے کا بھرپور جائزہ لینے کے بعد عمارت کے متعلق چند سوالات پوچھے اور دوسرے دن سرچ وارنٹ کے ساتھ آنے کا کہہ کر وہاں سے رخصت ہو گیا۔ اس کی غیر متوقع آمد نے عبداللہ کو پریشان کر دیا تھا۔ اسے سب سے پہلے رقم اور جیپ سے پیچھا چھڑانا تھا پھر اس بات کا پتا لگانا تھا کہ ڈرائیور کی لاش اور باقی کے افراد کو غار سے نکال کر کون لے گیا تھا۔ ماہی نے اس سے حالات کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے گول مول جواب دے کر اسے مطمئن کر دیا اور کاؤنٹر سنبھالنے کا کہہ کر تہ خانے میں آگیا۔ پیٹی میں رقم محفوظ تھی۔ عبداللہ نے چمڑے کے ایک بیگ میں رقم کو منتقل کرنے کے بعد بیگ کو مضبوط رسی کے ساتھ باندھا اور ریسٹورنٹ کی چھت پر آگیا۔ وہاں متروک شدہ چمنی کا سوراخ تھا۔ چند ماہ قبل عبداللہ نے آتش دان کو بند کر دیا تھا۔ تاہم چھت کی طرف نکلنے والا راستہ اب بھی موجود تھا۔ اس نے رسی کے ذریعے بیگ کو چمنی کے اندر لٹکایا اور رسی کو سوراخ میں لگی ہوئی سلاخ کے ذریعے باندھ دیا۔ پھر سوراخ پر گتے کے ڈبے رکھنے کے بعد اسے بند کر دیا۔ اب رقم چمنی کے اندر محفوظ تھی۔ عمارت کی پچھلی طرف کھڑی ہوئی جیپ کو دن کی روشنی میں ٹھکانے لگانا ممکن نہیں تھا۔ اس کے لیے اندھیرے کا ہونا ضروری تھا۔ وہ چھت سے نیچے آگیا۔ ہال کمرے میں چند کسٹمر خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

☆☆☆

تمام دن مصروفیت میں گزرا۔ دوپہر کے بعد ٹرکوں کی

آمد کا جو سلسلہ شروع ہوا۔ وہ دوپہر تک چلتا رہا۔ یہ ٹرک بارڈر کی طرف سفر کرتے تھے اور ریگستان میں داخل ہونے سے قبل ریسٹورنٹ میں کھانا پینا اور فریش ہونا ان کے معمولات میں شامل تھا۔ عبداللہ کو چند منٹوں کی فراغت نصیب نہیں ہوئی۔ مغرب کے بعد ہال کمرا خالی ہوگیا۔ ماہی کچن میں تھی۔ وہ ریسٹورنٹ کے پچھلے حصے میں واقع چاردیواری کی طرف چلا آیا۔ گیٹ پر تالا لگا ہوا تھا۔ اس نے تالا کھولا اور اندر قدم رکھ دیا۔ نومی کے آنے سے قبل اسے جیپ سے چھٹکارا حاصل کر لینا چاہیے تھا۔ وہ اسے کرولا کے ساتھ باندھ کر کسی گہری کھائی میں دھکیل سکتا تھا۔ اس کی سوچ درمیان میں رہ گئی اور وہ ٹھٹک کر جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔ جیپ چاردیواری کے اندر نہیں تھی۔ اس کے ٹائروں کے نشانات کو جھاڑو کے ذریعے صاف کر دیا گیا تھا۔ گیٹ کے تالے کو نہایت مشاقی سے کھولنے کے بعد واپس بند کر دیا گیا تھا۔ یقینی بات تھی کہ ریسٹورنٹ کی عمارت میں موجود دو افراد میں سے کوئی ایک ان حرکات میں ملوث تھا۔ ماہی کا رویہ چند دنوں سے مشکوک سا تھا۔ وہ نہ جانے کن خیالات میں گم رہتی تھی۔

جیپ کے غیر متوقع طور پر غائب ہو جانے کے بعد اسے احساس ہوا کہ چمنی کے اندر سے رقم کو باہر نکالنا ماہی یا پھر نومی کے لیے مشکل نہیں تھا۔ رقم اب تک اگر محفوظ تھی تو تہ خانے کے دروازے پر لگے ہوئے تالے کی وجہ سے تھی۔ وہ بدحواس ریسٹورنٹ کی طرف دوڑا۔ ہال کمرے میں اس نے نومی کو کاؤنٹر صاف کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ آج وقت سے کچھ پہلے آگیا تھا۔ اس کی طرف توجہ دیے بغیر وہ سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر آگیا۔ چمنی کے سوراخ پر رکھے ہوئے گتوں کو اس نے عجلت کے عالم میں ہٹایا اور رسی سے بندھے ہوئے بیگ کو باہر نکال کر رقم کا معائنہ کرنے لگا۔ وہ اندر محفوظ تھی۔ اسے رات کے وقت چمنی میں رکھنا حماقت تھی۔ صبح دوبارہ چمنی کے اندر منتقل کیا جا سکتا تھا۔ اس نے بیگ کو سیڑھیوں کے پاس رکھا اور ہال کمرے میں آکر نومی کو سروس اسٹیشن میں اوزاروں کی ترتیب تبدیل کر دینے کے بہانے باہر بھیج دیا۔ ماہی کچن میں رات کا کھانا بنا رہی تھی۔ نومی کے باہر جانے کے بعد عبداللہ نے پھرتی کے ساتھ سیڑھیوں پر رکھے ہوئے بیگ کو اٹھایا اور تہ خانے میں منتقل کر کے دروازے کو تالا لگا دیا۔ ہال کمرے میں چند ٹرک ڈرائیور اس کے منتظر تھے۔ انہیں چائے اور بسکٹ چاہیے تھے۔ عبداللہ نے ماہی کو چائے بنانے کے لیے کہا اور خود ٹرکوں کے ٹائروں میں ہوا بھرنے کے لیے ہال کمرے سے باہر نکل گیا۔ اسے رات کافی دیر تک کام کرنا پڑا۔ کھانے پینے کا سامان تقریباً ختم ہوگیا۔ ساڑھے بارہ بجے کے قریب وہ کمرے میں چلا آیا۔ ماہی حسبِ معمول کتاب کے مطالعے میں مصروف تھی۔ ٹیبل لیمپ کی روشنی میں اسے اس کے چہرے پر دو آنسو چمکتے ہوئے دکھائی دیے۔ وہ تڑپ کر رہ گیا اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے آنسو پونچھتے ہوئے بولا۔

''تم رو رہی ہو، ضرور کسی کسٹمر نے کچھ کہا ہوگا۔ سچ پوچھو تو مجھے تمہارا کاؤنٹر پر کھڑے ہونا ایک آنکھ نہیں بھاتا۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

عبداللہ نے پریشان لہجے میں کہا۔ ''مجھے معلوم ہے کہ یہ کام تمہاری مرضی کا نہیں ہے لیکن میرا تم سے وعدہ ہے کہ جلد تمہیں تمہاری حیثیت کے مطابق زندگی دینے کی کوشش کروں گا۔ تمہیں صرف چند دن انتظار کرنا ہوگا۔'' ماہی نے اپنا چہرہ دوسری طرف کرتے ہوئے ٹیبل لیمپ کو آف کر دیا۔

عبداللہ نے طویل سانس لیا اور لباس تبدیل کر کے سونے کے لیے لیٹ گیا۔ تمام دن کے تھکے ہونے کی وجہ سے اسے جلد نیند آگئی اور وہ خراٹے لینے لگا۔ اس کے سونے کے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد ماہی نے کمبل کو ہٹایا اور باتھ روم میں آگئی۔ شب خوابی کا لباس تبدیل کرنے کے بعد اس نے ہلکا پھلکا لباس زیب تن کیا اور خواب گاہ سے ہوتی ہوئی ہال کمرے میں چلی آئی۔ نومی کاؤنٹر کے پیچھے زمین پر لیٹا ہوا خراٹے لے رہا تھا۔ اس نے دروازہ کھولا اور رات کے اندھیرے میں مدغم ہو کر سیاہی کا ایک حصہ بن گئی۔

☆☆☆

صبح عبداللہ کی آنکھ نومی کے جھنجوڑنے سے کھلی۔ اس کے چہرے پر بے چینی کے تاثرات تھے۔ عبداللہ کے آنکھیں کھولنے پر وہ مضطرب لہجے میں بولا۔

''جناب ساڑھے نو بجنے والے ہیں۔ مجھے گھر جانے کے لیے دیر ہو رہی ہے اور نیچے ہال کمرے میں گاہکوں کا رش لگا ہوا ہے۔'' عبداللہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''ماہی کہاں ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''وہ عمارت میں کہیں نہیں ہیں، میں تلاش کر چکا ہوں۔''

عبداللہ نے اسے ہال کمرے کی طرف جانے کے لیے کہا اور خود لباس تبدیل کرنے کے لیے باتھ روم میں گھس گیا۔ اس کا دماغ مختلف سوچوں کے گھیرے میں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ماہی رات کو اس کی مدہوشی کے دوران باہر جاتی تھی۔ شاید منشیات کے حصول کے لیے۔ تاہم اس کے لیے

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

فرار ہونا ضروری نہیں تھا۔ یقیناً اسے کوئی بہتر سہارا مل گیا تھا۔ اس کی پرورش اور تربیت میں بازارِ حسن کا عمل دخل زیادہ تھا۔ وہ متوجہ ہونے والے وجود کو پیسوں میں تول کر اس کی حیثیت کا اندازہ لگاتی تھی اور عبداللہ کے پاس یہی نہیں تھا۔ چہرے پر چھینٹے مارنے اور عجلت میں کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وہ ہال کمرے میں آگیا۔ وہاں گاہکوں کی ریل پیل تھی۔ گزشتہ رات کچن کا سامان ختم ہوگیا تھا۔ چند گاہک چائے کے لیے اصرار کررہے تھے۔ ان کے علاوہ باقی سب کے ساتھ معذرت کرتے ہوئے عبداللہ نے انہیں رخصت کردیا اور نومی کو کاؤنٹر سنبھالنے کا کہہ کر کچن میں آگیا۔

چائے بنانے کے دوران بھی اس کا دماغ ماہی کی غیر موجودگی کا سبب تلاش کرتا رہا۔ تہ خانے کے دروازے پر لگا ہوا تالا اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ وہ رقم لے کر فرار نہیں ہوئی تھی۔ یعنی اسے رقم سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ کسی کی محبت میں گرفتار تھی۔ عبداللہ نے دل میں مصمم ارادہ کیا کہ وہ اسے اتنی آسانی سے قطع تعلق کی اجازت نہیں دے گا۔ اسے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ نومی تھا۔ عبداللہ نے اسے جانے کے لیے کہا اور چائے کی پیالیوں کو ٹرے میں رکھ کر ہال کمرے میں آگیا۔ تہ خانے کے پاس سے گزرتے ہوئے اسے اینٹی نارکوٹکس والوں کی کارروائی یاد آئی۔ وہ سرچ وارنٹ لے کر کسی بھی وقت ریسٹورنٹ کا رخ کرسکتے تھے۔ ان کے آنے سے قبل رقم بھرے تھیلے کو چمنی کے اندر چھپانا ضروری تھا۔ اس کام سے فارغ ہوکر اس نے چھت کے کنارے سے سڑک کی طرف نگاہ دوڑائی۔ پہاڑوں کے پاس بل کھاتی ہوئی سڑک پر دو جیپیں ریسٹورنٹ کی طرف آرہی تھیں۔ وہ ٹکٹکی باندھ کر انہیں دیکھنے لگا۔ وہ چند منٹوں میں ریسٹورنٹ کے قریب آگئیں۔ عبداللہ نے اطمینان کا طویل سانس لیا۔ اگر وہ بروقت بیگ کو چمنی کے اندر منتقل نہ کرتا تو رقم کو اینٹی نارکوٹکس والوں کی نگاہوں سے بچانا ممکن نہیں ہوتا۔ وہ ان کے استقبال کے لیے ہال کمرے میں آگیا۔ جیپوں میں سے اینٹی نارکوٹکس اہلکار اتر کر سڑک پر پھیل گئے اور ان کا آفیسر عبداللہ کے پاس کھڑا ہوا۔ عبداللہ نے سلام کرتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا۔ آفیسر کے ہاتھ میں سرچ وارنٹ تھا۔ اس نے اہلکاروں کو تلاشی کے لیے عمارت کے اندر بھیج دیا اور عبداللہ کا ہاتھ تھام کر قریبی میز کی طرف آگیا۔ کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہو؟ ماہی بھی کاؤنٹر پر نہیں ہے۔ تم دونوں کے درمیان کچھ اَن بَن تو نہیں ہوئی؟''

عبداللہ بولا۔ ''صف اول کی ہیروئن کو ریسٹورنٹ میں باندھ کر رکھنا کچھ آسان کام نہیں۔ ہر چند کے اسے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ تاہم کام نہایت صبر آزما اور محنت طلب ہے۔ میں چند دنوں سے کسی اچھے اور معیاری کلک کی تلاش میں تھا۔ لیکن آج وہ ناراض ہوکر شہر چلی گئی۔''

آفیسر چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد بولا۔ ''مجھے اس کے متعلق کچھ باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ فلموں میں کام کرنے سے پہلے اس کا تعلق بازارِ حسن سے تھا۔ وہ دوران اداکاری منشیات کی عادی رہی تھی۔ تم نے نہ صرف اس کا علاج کرایا بلکہ اچھے اور نامی پروڈیوسروں کے ذریعے اسے کام بھی دلوایا۔''

بات کھلنے پر عبداللہ گویا ہوا۔ ''آپ کو تحقیقات کروانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں کچھ بھی چھپانے کا قائل نہیں ہوں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے جب میں نے اسے پہلی دفعہ دیکھا تھا تب اس کی عمر سولہ سال تھی۔ یہ اس کے کوٹھے پر آغاز کے دن تھے۔ وہ الھڑ جوانی کے سرکش اور منہ زور گھوڑے پر سوار تھی۔ مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے جاگیردار اور نواب اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے ہزاروں روپے خرچ کرنے کے لیے آمادہ رہتے تھے۔ وہ انہیں گھاس نہیں ڈالتی تھی۔ میری عمر اس وقت پچیس سال تھی اور جس پروڈکشن کے لیے کام کررہا تھا۔ اس کو اپنی نئی فلم کے لیے نئے اور تروتازہ چہرے کی تلاش تھی۔ میں نے تمام شہر چھان مارا۔ مجھے وہ چہرہ نہیں ملا۔ بازارِ حسن میں ماہی کا چرچا تھا۔ میں نے کوٹھے پر آنا جانا شروع کردیا۔ کوٹھے کی کرتا دھرتا کشمیری بائی نے چند دنوں کی مستقل آمد اور بڑی رقم خرچ کرنے پر ماہی کو میرے سامنے پیش کردیا۔ کچھ ملاقاتوں کے دوران معلوم ہوا کہ وہ کوٹھے کے ماحول سے دلبرداشتہ تھی۔ میٹرک اچھے نمبروں سے پاس کرچکی تھی اور مطالعے کا شوق رکھتی تھی۔ میں نے جلد ہی اسے کام کے لیے آمادہ کرلیا۔ کشمیری بائی نے مخالفت کی۔ تاہم تگڑے معاوضے کے عوض راضی ہوگئی اور ماہی نے فلم انڈسٹری میں نہایت دھڑلے کے ساتھ قدم رکھ دیا۔ اس کی پہلی فلم نے ہی کامیابی کے تمام ریکارڈ توڑ دیے۔ فلم بینوں نے اس کی اداکاری کو سراہا۔ اور دو سال کے مختصر عرصے میں اس کی

قدر و منزلت کا ہر پروڈیوسر معترف ہو گیا۔ میں تو پہلی نگاہ میں گھائل ہو کر رہ گیا تھا۔ تاہم وہ مجھے کافی عرصے تک نظر انداز کرتی رہی۔ بعد میں بہ حالتِ مجبوری اسے مجھے اپنا منیجر رکھنا پڑا اور ہم دونوں نے کامیاب فلموں کی نہ ختم ہونے والی گنتی کا آغاز کر دیا۔''

نارکوٹکس آفیسر جو نہایت توجہ سے اس کی آپ بیتی سُن رہا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر بولا۔ ''اس کے لیے تمہاری سنجیدگی قابلِ تعریف ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس نے تمہاری قدر نہیں کی۔ اگر کر لیتی تو اس کی زندگی بن جاتی۔''

ایک اہلکار میز کی طرف آیا اور آفیسر سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ ''عمارت کی تلاشی مکمل ہو گئی ہے۔ سیڑھیوں کے نیچے بنا ہوا تہ خانہ باقی رہ گیا ہے۔ ہمیں اس کی چابی درکار ہے۔ آفیسر نے تفہیمی نگاہوں سے عبداللہ کی طرف دیکھا۔ اس نے جیب میں سے چابی نکالی اور اسے تھما دی۔ وہ سیڑھیوں کی طرف چلا گیا۔ اتنے میں ہال کمرے کا دروازہ کھول کر دو اہلکار اندر آ گئے۔ میز کے قریب آنے کے بعد ایک نے آفیسر کو بتایا۔ ''جناب درختوں کے جھنڈ سے کچھ ہٹ کر گھاس والے قطعے میں سے گولی کا خول دریافت ہوا ہے۔''

عبداللہ نے بمشکل تمام اپنے چہرے کے تاثرات پر قابو پایا۔

آفیسر نے خول کو ہاتھ پر رکھا اور بہ غور جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ ''اچھے اور طاقتور ریوالور کی گولی ہے۔ گھاس کے قطعے میں اس کا کیا کام؟'' پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ''یہ وہی گھاس کا قطعہ تو نہیں جہاں گزشتہ روز خون کے دھبے دکھائی دیے تھے؟''

اہلکار نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بتایا۔ ''بالکل وہی..... گولی زمین کے اندر دھنسی ہوئی تھی۔ سوراخ نے ہمیں اپنی طرف متوجہ کیا۔''

اس کی بات درمیان میں رہ گئی۔ قدموں کی چاپ سنائی دی اور تہ خانے کی تلاشی لینے والے دونوں اہلکار لوہے کی پیٹی کو ہاتھوں میں پکڑے باہر آ گئے۔ انہوں نے اسے آفیسر کے سامنے رکھتے ہوئے بتایا۔ ''جناب اس کے تالے کو گولی مار کر توڑا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مسروقہ رقم جو اسمگلروں سے دستیاب ہوئی تھی۔ وہ ایسی ہی پیٹی میں ڈال کر شہر لائی جا رہی تھی۔''

آفیسر بولا۔ ''وہ پیٹی نارکوٹکس والوں کی تھی۔ اگر یہ وہی ہے تو پھر آفس سے اس کے متعلق سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔'' اس نے چند لمحے پیٹی کے کنڈے کا معائنہ کیا اور سر اثبات میں ہلاتے ہوئے بولا۔ ''یہاں بھی ریوالور کے نشانات ہیں۔ پیٹی کو زمین پر رکھ کر تالے پر فائر کیا گیا ہو گا اسی وجہ سے گولی زمین کے اندر دھنس گئی۔''

''عبدل.....'' اس نے ایک اہلکار کو مخاطب کیا۔ گھاس کے قطعے پر جو خون کے دھبے ہیں۔ انہیں کھرچ کر بوتل میں محفوظ کر لو۔ لیبارٹری ٹیسٹ کے بعد اس حقیقت سے پردہ اٹھ جائے گا کہ خون جانور کا ہے یا انسان کا.....''

عبدل کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد آفیسر نے استفہامیہ نگاہوں سے عبداللہ کی طرف دیکھا۔

وہ ہراساں لہجے میں بولا۔ ''ٹھیک ہے۔ اب چھپانے کا کچھ فائدہ نہیں۔ میں سب کچھ سچ بتانے کے لیے تیار ہوں۔ گزشتہ شام دھماکے کی آواز نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔ میں بھاگ کر ریسٹورنٹ سے باہر آ گیا۔ درختوں کے جھنڈ میں ایک جیپ کھڑی تھی۔ اس کا اگلا حصہ درخت کے ساتھ ٹکرایا تھا اور نچلے حصے کو آگ لگی ہوئی تھی۔ جیپ کے بالکل پیچھے سفید رنگ کی ایک گاڑی کھڑی تھی اور اس میں سے چار افراد ہاتھوں میں ریوالور لیے نیچے اتر رہے تھے۔ ان میں سے دو نے ریوالور مجھ پر تان لیے۔ باقی دو جیپ کی طرف چلے گئے۔ وہ سب اپنے چہروں کو سیاہ کپڑوں سے ڈھانپے ہوئے تھے۔ دونوں نقاب پوشوں نے مجھے درخت کے پاس کھڑے رہنے کا حکم دیا اور خود جیپ کے اندر سے لوہے کی پیٹی کو اٹھا کر باہر لے آئے۔ ان میں سے ایک نے فائر کر کے تالے کو توڑ دیا اور اندر موجود رقم کو اپنے ساتھ لائے ہوئے تھیلوں میں منتقل کرنے لگے۔ میں نے جیپ کے پچھلے حصے میں جھانک کر دیکھا۔ اندر زخمیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ ڈرائیور کا آدھا جسم سیٹ سے باہر لٹک رہا تھا اور اس میں حرکت کے آثار نہیں تھے۔ چاروں نقاب پوشوں نے رقم کی منتقلی کے بعد پیٹی کو درختوں کے درمیان پھینک دیا اور جیپ کو سفید گاڑی کے ساتھ ٹوچین کرنے کے بعد ریگستان کی طرف چلے گئے۔''

آفیسر نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ ''بعد ازاں ان کی گاڑی کے ٹائروں کے نشانات کو نہ صرف تم نے جھاڑو کی مدد سے صاف کیا بلکہ جیپ کے نیچے لگ جانے والی آگ کے نشان کو چھپانے کے لیے گھاس کو آگ لگا کر سیاہ کر ڈالا اور پیٹی کو تہ خانے میں بند کر کے دروازے کو تالا لگا دیا۔''

عبداللہ نے برجستہ جواب دیا۔ ''انہوں نے فرار

www.Azeem.pk
www.pakistanipoint.com

سے پہلے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے پولیس کو کچھ بتانے کی کوشش کی تو وہ ماہی کو گولیوں سے بھون دیں گے۔ کل صبح آپ کے جانے کے بعد ان میں سے ایک ریسٹورنٹ میں آیا۔ اس نے مجھ سے آپ کی آمد کے متعلق دریافت کیا۔ میں نے تمام بات چیت نہایت تفصیل کے ساتھ دہرادی۔ اس نے ماہی پر پستول تانا اور اسے اپنے ہمراہ لے گیا۔ جناب قانون اور اسمگلروں کے درمیان پس کر میں ماہی کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکا۔ تاہم باہر نکلنے سے پہلے اس نے مجھے تسلی دی کہ اگر میں اپنے گزشتہ رویے پر قائم رہا تو ماہی کو کچھ نہیں کہا جائے گا اور معاملہ دب جانے کے بعد اسے واپس ریسٹورنٹ کے پاس چھوڑ دیا جائے گا۔''

آفیسر نے پوچھا۔ ''گاڑی کا رنگ اور ماڈل تفصیل کے ساتھ بتاؤ۔''

عبداللہ نے فرضی نمبر اور تفصیل بتادی۔

آفیسر کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ''ہر چند کے مجھے تمہارے بیان پر یقین نہیں۔ تاہم اس کے باوجود بھی اپنے دو اہلکاروں کو سادہ لباس میں متعین کیے جارہا ہوں۔ تمہاری حفاظت کے لیے یہ ضروری ہے۔''

عبداللہ نے بہت کہا کہ اس کارروائی کی بدولت ماہی کی زندگی کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے لیکن آفیسر نے اس کی ایک نہ سنی اور چند لمحے کی رسمی پوچھ گچھ کے بعد رخصت ہوگیا۔ آفیسر کی پوچھ گچھ کے دوران اسے دانتوں پسینہ آگیا تھا۔ اس نے وقتی طور پر اسے ٹال تو دیا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ مطمئن نہیں ہوا تھا۔ اہلکاروں کی تعیناتی اس بات کا ثبوت تھا۔ تاہم وہ مختصر وقت کو استعمال میں لاکر بہت کچھ کرسکتا تھا۔ اگر ماہی کی گمشدگی کا معاملہ نہ ہوتا تب وہ رقم کو استعمال کرکے بہ آسانی ریگستان میں واقع بارڈر کے ذریعے قریبی ملک کی طرف فرار ہوسکتا تھا لیکن ماہی کی غیر موجودگی میں وہ ایسا نہیں کرسکتا تھا۔ اسے چند گاڑیاں ریگستان سے نکل کر اپنی طرف آتی ہوئی دکھائی دیں۔ ان کی تعداد تین تھی اور انہیں کولڈ رنکس اور چپس درکار تھے۔ عبداللہ بے دلی کے ساتھ آرڈر کی تکمیل میں مصروف ہوگیا۔

☆☆☆

صبح بارہ بجے کے قریب غیر متوقع طور پر نومی کمرے میں داخل ہوا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا اور چہرے پر جوش کے تاثرات تھے۔ وہ سانس کو درست کرتے ہوئے بے چین لہجے میں بولا۔ ''میرے پاس آپ کے لیے نہایت اہم خبر ہے۔ مجھے اس کے لیے کچھ رقم درکار ہے۔''

عبداللہ بولا۔ ''اگر خبر کا تعلق ماہی سے ہے تو جتنی کہو گے میں دینے کے لیے تیار ہوں۔''

نومی نے بتایا۔ ''وہ باچو پہلوان کی کوٹھی میں ہے۔ میں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ وہ اسے اندر لے جارہا تھا۔''

عبداللہ نے بے چین لہجے میں پوچھا۔ ''باچو کون ہے؟''

''وہ اسمگلروں کا باپ ہے۔ شراب کی اسمگلنگ، منشیات کی ہیرا پھیری اور لوگوں کو بارڈر کے پار غیر قانونی طور پر منتقل کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ دھنورا گاؤں میں اس کی بہت بڑی کوٹھی ہے۔''

''کیا تم مجھے دھنورا گاؤں لے جاسکتے ہو؟'' عبداللہ نے سو کا نوٹ اس کے ہاتھوں میں تھماتے ہوئے پوچھا۔

نومی کے چہرے پر خوشی کے تاثرات پیدا ہوئے اور وہ سرشاری کے عالم میں بولا۔ ''یہاں آیا ہی اسی لیے ہوں۔ تاہم صرف کوٹھی تک لے جاؤں گا۔ باچو کی ناراضی مول لینا میرے اختیار میں نہیں ہے۔''

عبداللہ نے اسے یقین دلایا کہ وہ اسے معاملے میں ملوث کرنے کی قطعی کوشش نہیں کرے گا۔

نومی مطمئن ہوگیا اور دونوں ریسٹورنٹ سے باہر آگئے۔ عبداللہ نے کرولا باہر نکالی اور اسے سڑک پر لے آیا۔ وہاں متعین گارڈ دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ تاہم اسے یقین تھا کہ وہ جہاں بھی تھے، ریسٹورنٹ کی عمارت پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ہارن پر ہاتھ رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں پہاڑی سے اتر کر نیچے آگئے۔ ان کے قریب آنے پر عبداللہ نے نومی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ میری بیوی کے متعلق کچھ جانتا ہے اور اس کے کہنے کے مطابق وہ بارڈر کے قریب دھنورا گاؤں میں ہے۔ میں وہاں بات چیت کے لیے جارہا ہوں۔ تم اپنے آفیسر کو اس کے متعلق بتادو۔ ایک اہلکار نے قمیص کے نیچے بندھا ہوا وائرلیس سیٹ نکالا اور ہیڈ کوارٹر سے رابطہ کرنے لگا۔ چند منٹوں کے بعد آفیسر کی آواز سنائی دی۔ اہلکار نے اسے حالات سے مطلع کیا۔ آفیسر نے اسے عبداللہ کے ساتھ دھنورا گاؤں کی طرف جانے کی ہدایت دے کر سیٹ کو آف کردیا۔ عبداللہ دانت پیس کر رہ گیا۔ نارکوٹکس اہلکار کو اپنے ساتھ لے جانے کا مطلب یہ تھا کہ اپنی آمد کا باقاعدہ اعلان کرتے ہوئے دھنورا گاؤں کی طرف جاتا۔ تاہم وہ انکار

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا اس لیے خاموش ہو گیا۔ ایک اہلکار واپس پہاڑی کی طرف چلا گیا اور دوسرا گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ عبداللہ نے گاڑی کو ریگستان کی طرف جانے والی سڑک پر ڈال دیا۔

ریگستان میں داخل ہونے کے بعد عبداللہ نے گاڑی کی رفتار میں اضافہ کر دیا۔ یہ سفر دو گھنٹوں پر محیط رہا۔ چھوٹی موٹی آبادیوں اور اونچے نیچے پُر پیچ راستوں سے گزرنے کے بعد کرولا مختصر قصبے میں داخل ہو گئی۔ یہاں مکان پکے اور کشادہ تھے۔ چند پکی گلیوں سے گزرنے کے بعد گاڑی ایک ٹیلے کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔

نومی نیچے اُترتے ہوئے بولا۔ ''ٹیلے کے سامنے سے گھوم کر جب آپ آگے جائیں گے تو باچو کی رہائش گاہ کے سامنے پہنچ جائیں گے۔ میں گاؤں کے باہر چائے کے ہوٹل میں آپ کا انتظار کروں گا۔ واپس جاتے ہوئے مجھے وہاں سے لے لیجیے گا۔''

عبداللہ اہلکار کے ہمراہ سامنے دکھائی دینے والے ٹیلے کی سائڈ سے ہو کر آگے بڑھنے لگا۔ ٹیلا زیادہ بڑا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ مختصر پگڈنڈی آگے جا رہی تھی۔ دوسری طرف وسیع و عریض میدان تھا جس کے سامنے محل نما کوٹھی دکھائی دے رہی تھی۔ گیٹ پر دو مسلح افراد کھڑے تھے۔ ان کے قریب پہنچنے کے بعد عبداللہ نے تعارف کرواتے ہوئے باچو سے ملاقات کے لیے کہا۔ ایک گن بردار گیٹ کھول کر اندر چلا گیا۔ اس کی واپسی پانچ منٹ کے بعد ہوئی۔ اس نے دونوں کو اندر جانے کے لیے کہا۔ دونوں گیٹ عبور کر کے اندر آ گئے۔ کار پورچ کے سامنے سرسبز لان تھا۔ رہائشی علاقہ سامنے کی طرف واقع تھا۔ شیشے کے دروازے پر دو دربان ان کے منتظر تھے۔ انہوں نے دروازہ کھولتے ہوئے اندر جانے کے لیے کہا۔ یہ وسیع و عریض سٹنگ روم تھا۔ زمین پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ دیواروں کے ساتھ صوفوں کی قطاریں تھیں اور سائڈ ٹیبل پر کسی عورت کی تصویر فریم میں لگی ہوئی تھی۔ وہ دونوں صوفوں پر بیٹھ گئے۔ عبداللہ نے اچٹتی ہوئی نگاہ تصویر پر ڈالی۔ عورت کے سر پر بال نہیں تھے۔ وہ یکسر گنجی تھی۔ چہرے کے نقوش حیرت انگیز طور پر ماہی سے مشابہت رکھتے تھے۔ اس نے تصویر کو اٹھا کر جائزہ لیا۔ وہ ماہی تھی۔ اہلکار تفہیمی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

عبداللہ نے بتایا۔ ''تصویر میری بیوی کی ہے۔ تاہم اس میں اس کے بال نہیں ہیں۔''

اہلکار مسکراتے ہوئے بولا۔ ''یہ ملک کی مایۂ ناز ہیروئن رہ چکی ہے۔ اس کے کام سے محبت کرنے والا کوئی بھی شخص اس کی تصویر اپنے سٹنگ روم میں لگا سکتا ہے۔ یہ کوئی حیرت کی بات نہیں۔''

سٹنگ روم کا اندرونی دروازہ کھلا اور جو شخص اندر داخل ہوا اُس کا قد غیر معمولی طور پر لمبا تھا۔ چہرے کے نقوش کرخت، ہونٹ بھنچے ہوئے اور ہاتھوں میں قیمتی سگار پکڑا ہوا تھا۔ وہ شلوار قمیص میں ملبوس تھا۔ اس نے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے آنے کی وجہ دریافت کی۔

عبداللہ نے سائڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے اس کی تلاش ہے۔ عروج کے دور میں، میں اس کے مداحوں میں سے ایک تھا اور محبت کے اظہار کے طور پر میں نے زوال کے دنوں میں بھی اس کی تمام فلمیں سینما گھر جا کر دیکھیں۔''

باچو کے چہرے پر ایسے تاثرات پیدا ہوئے جیسے نادانستگی میں اس نے کونین کی گولی نگل لی ہو۔ وہ تلخ لہجے میں بولا۔ ''یہ کسی فلم کی ہیروئن نہیں ہے بلکہ میری بیوی بانو ہے اور اس کا فلم انڈسٹری سے کسی بھی قسم کا تعلق نہیں ہے۔''

عبداللہ اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے بولا۔ ''آخری دنوں میں وہ منشیات کا استعمال کرنے لگی جس کی بدولت اس کی مقبولیت میں تیزی سے کمی واقع ہوئی۔ ان دنوں میں نے اسے سہارا دیا اور چند ایسی فلمیں دلوانے کے لیے پروڈیوسروں کی خوشامدیں کیں جن کی وجہ سے وہ دوبارہ مداحوں کے دلوں میں جگہ بنانے میں کامیاب ہوئی۔ ہر چند کے یہ فلمیں عوام میں مقبولیت حاصل نہیں کر سکیں۔ تاہم اتنی رقم ضرور حاصل ہو گئی جس کی بدولت ہم نے ریسٹورنٹ کی اس عمارت کو خرید لیا اور وہاں منتقل ہو گئے۔''

باچو نے سگار کا لمبا کش لے کر دھواں باہر اگلتے ہوئے پوچھا۔ ''تو ریگستان کے اختتام پر واقع ریسٹورنٹ تمہارا ہے۔ مجھے ٹرک ڈرائیورز تمہارے حسنِ اخلاق، مناسب دام اور خوب صورت بیوی کے متعلق بتاتے رہتے ہیں۔''

عبداللہ بولا۔ ''ماہی واقعی بہت خوب صورت اور جاندار عورت ہے۔ میرا اور اس کا ساتھ چند سالوں کا نہیں ہے۔ وہ جب سولہویں سال میں تھی، تب میں نے اسے فلم انڈسٹری سے متعارف کروایا تھا۔ اس کی ہر بات اور ہر عادت کے متعلق مجھے سب معلوم ہے۔ اس کا شوق کیا ہے اور کس طرح کا لباس پسند کرتی ہے، مجھے سب معلوم ہے۔

waqarazeem pakistanipoint.com

اگر میری آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے کمرے کے کسی بھی کونے میں کھڑا کر دیا جائے تو میں اس کے جسم کی خوشبو سے اس جگہ کا اندازہ لگا سکتا ہوں۔''

نارکوٹکس اہلکار خاموش اور لاتعلق بیٹھا تھا۔ چونکہ سادہ لباس میں ملبوس تھا اس لیے باچو اس کی حیثیت سے بے خبر تھا۔

عبداللہ روانی میں بولے جا رہا تھا۔ ''مجھے تمہاری رہائش گاہ میں سے اس کے جسم کی خوشبو آ رہی ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ گزشتہ ماہ سے وہ روزانہ رات کو دودھ میں غنودگی کی دوا ملا کر مجھے سُلا دینے کے بعد دھنورا گاؤں آتی تھی۔ شاید منشیات کے حصول کے لیے..... یہ سب یہاں عام ہے۔''

باچو کے چہرے پر شدید غصے کے تاثرات پیدا ہوئے۔ تاہم اس کے کچھ کہنے سے قبل سٹنگ روم کا دروازہ کھول کر ماہی اندر داخل ہوئی۔ وہ سفید کرتے شلوار میں ملبوس تھی۔ سر پر دوپٹے کا ہالہ تھا۔ ہالے سے دکھائی دینے والی چندیا نہایت مضحکہ خیز دکھائی دے رہی تھی۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد وہ باچو کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ اس کی نگاہیں قالین پر مرتکز تھیں اور چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہیں تھے۔ باچو معنی خیز لہجے میں بولا۔ ''بانو تمہارے سامنے ہے۔ تم اپنا اطمینان کر سکتے ہو۔''

عبداللہ نے پوچھا۔ ''تم مجھے بتائے بغیر یہاں کیوں آئیں۔ جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں وہ سب کچھ جانتا ہوں جو تم مجھ سے چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔ تمہیں دوبارہ منشیات کی عادت لگ چکی ہے لیکن فکر نہ کرو میں پہلے کی طرح تمہیں اس سے نجات دلوا دوں گا۔''

ماہی بولی۔ ''تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتی۔ میرا نام بانو ہے۔ میں باچو کی دوسری بیوی ہوں۔ دھنورا گاؤں میں پیدا ہوئی ہوں اور یہیں پلی بڑھی ہوں۔'' بات کے اختتام پر وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ پھر صوفے سے اٹھ کر باہر نکل گئی۔

عبداللہ غصیلے لہجے میں بولا۔ ''اس کا یوں رونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ماہی ہے۔ اگر بانو ہوتی تو پھر اسے رونے کی کیا ضرورت تھی؟''

باچو صوفے سے کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ ''وہ تمہاری ماہی ہے یا پھر میری بانو، مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اس نے جو کچھ کہا وہ تمہارے سامنے ہے۔ اگر اسے منا سکتے ہو تو بہ خوشی ریسٹورنٹ لے جاؤ۔ بصورتِ دیگر اپنا اور میرا وقت ضائع مت کرو۔'' وہ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

☆☆☆

دونوں کوٹھی سے باہر نکلنے کے بعد پولیس اسٹیشن چلے آئے۔ عمارت دو کمروں پر مشتمل تھی۔ حوالدار عبدالرحیم پینتالیس سے چالیس کے درمیان کا نہایت جہاندیدہ اور خودغرض انسان دکھائی دیتا تھا۔ اس نے پہلی نظر میں ہی نارکوٹکس اہلکار کو پہچان لیا اور نرم لہجے میں بولا۔ ''اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو آپ کا تعلق سرکاری ادارے سے ہے۔ اس لحاظ سے آپ میرے بھائی بند ہیں۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔''

نارکوٹکس اہلکار منہ بنا کر کمرے کے کونے میں کھڑا ہو گیا۔ عبداللہ بولا۔ ''گزشتہ رات میری بیوی ماہی اپنی خواب گاہ سے لاپتا ہو گئی۔ میرے ریسٹورنٹ میں کام کرنے والے مقامی لڑکے نے مجھے بتایا کہ اس نے دھنورا گاؤں میں اسے باچو کی حویلی میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔ میں اس کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔ باچو سے ملاقات کے دوران وہ کمرے میں آئی۔ ہر چند کہ وہ مجھے پہچاننے سے انکاری رہی۔ تاہم میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ میری بیوی ماہی ہی ہے۔''

حوالدار مسکراتے ہوئے بولا۔ ''یقیناً آپ کی ملاقات بانو سے ہوئی ہو گی۔ اس کی صورت ماضی کی ہیروئن سے ملتی ہے۔ چند عرصہ قبل ایک بیماری کی وجہ سے اس کے بال گر گئے۔ تب میں کوٹھی میں ہی تھا۔ آپ کو یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے۔ ان دونوں کی شادی کے دوران تمام کام میں نے ہی سنبھالے تھے۔ اگر آپ کو یقین نہیں تو ان کی شادی کی تصاویر دیکھ سکتے ہیں۔ البم کوٹھی میں موجود ہے۔''

عبداللہ نے بتایا۔ ''وہ بات چیت کے دوران زاروقطار رونے لگی تھی۔ یہ اس بات کا اظہار ہے کہ وہ کوٹھی میں خوش نہیں ہے۔''

حوالدار ہنستے ہوئے بولا۔ ''چھوٹی موٹی باتوں پر رو دینا بانو کی عادت ہے۔ اگر آپ کو شک ہے تو میں آپ کے ساتھ کوٹھی چل سکتا ہوں۔ باچو کے پاس نکاح نامہ موجود ہے۔ آپ دیکھ سکتے ہیں۔''

عبداللہ نے پریشان نگاہوں سے نارکوٹکس اہلکار کی طرف دیکھا۔ وہ لاتعلق کھڑا تھا۔

''ٹھیک ہے آپ ہمارے ساتھ کوٹھی چلیں۔ اگر

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

نکاح نامہ اصل ہوا تو میں واپس چلا جاؤں گا۔"

حوالدار کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ تھانے کی عمارت کوٹھی سے زیادہ دور نہیں تھی۔ وہ پیدل چلتے ہوئے کوٹھی پہنچ گئے۔ سٹنگ روم میں باچو کے ساتھ دوبارہ ملاقات ہوئی اور چند لمحے کی گفتگو کے بعد وہ اپنی اور بانو کی شادی کا البم لے آیا۔ البم میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھے بانو پر اپنا حق ثابت کرنے کے لیے غیر آدمیوں کے سامنے البم کی نمائش کرنا ہوگی۔ البم تمہارے سامنے ہے۔ تم اپنا اطمینان کر سکتے ہو۔"

عبداللہ نے البم کھولا اور اندر لگی ہوئی تصویروں کا معائنہ کرنے لگا۔ یہ تمام تصاویر دوران نکاح یا پھر رخصتی کے وقت کھینچی گئی تھیں۔ دلہن کا چہرہ گھونگھٹ کے پیچھے پوشیدہ تھا۔ قد وغیرہ ماہی جیسا تھا۔ باچو نے جیب میں سے چند اور تصاویر نکالیں اور عبداللہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "یہ چند تصاویر اور ہیں جن میں بانو کا چہرہ واضح ہے اور میں نے نوکر کو جامع مسجد کی طرف روانہ کر دیا ہے۔ وہ جلد ہی مولوی صاحب کو لے کر آ جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ ان کے بیان سے تمہاری تسلی ہو جائے گی۔"

عبداللہ نے تصاویر پر نگاہ دوڑائی۔ پہلی تصویر میں بانو، باچو کے ساتھ صوفے پر بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ دوسری تصویر طلوع ہوتے ہوئے سورج کے دوران ریگستانی ٹیلے کے اوپر کھڑے ہو کر کھینچی گئی تھی جبکہ تیسری کوٹھی کے کچن میں کھانا بنانے کے وقت میں لی گئی تھی۔ ان تینوں تصاویر میں بانو کے سر پر بال نہیں تھے۔"

عبداللہ نے پوچھا۔ "بانو کو یہ بیماری کب لاحق ہوئی؟"

"دو ماہ قبل....." باچو نے بتایا۔

"مجھے اس کی وہ تصاویر درکار ہیں جن میں اس کے بال موجود ہوں۔"

باچو نے ناگوار لہجے میں جواب دیا۔ "ہمارے گاؤں کی روایات میں عورتوں کی تصاویر اتارنے کو معیوب سمجھا جاتا ہے، تاآنکہ غیر مردوں کے سامنے انہیں نمائش کے لیے بھی پیش کیا جائے۔ میں نے تمہاری پریشانی کو مدنظر رکھتے ہوئے نہ صرف البم سامنے رکھ دیا بلکہ چند تصاویر اور بھی دکھا دیں۔ میرے خیال میں تمہارے اطمینان کے لیے یہ کافی ہے۔ بصورتِ دیگر میں تم دونوں کو زبردستی کوٹھی سے باہر بھجوا سکتا ہوں۔"

عبداللہ کے چہرے پر غصے کے تاثرات پیدا ہوئے اور وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "میرے ساتھ بیٹھے ہوئے اس نوجوان کو جانتے ہو۔ اس کا تعلق اینٹی نارکوٹکس سے ہے۔ چند دن قبل ہونے والی کارروائی میں نارکوٹکس والوں نے منشیات کے علاوہ خطیر رقم اسمگلروں سے ہتھیائی تھی۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو اسمگل کی جانے والی منشیات میں تمہارا ہاتھ بھی تھا اور مقصد میں ناکامی کے بعد چھاپے کا نزلہ مجھ پر آ گرا۔ تم نے نارکوٹکس والوں کی کارروائی کا غلط مطلب اخذ کرتے ہوئے میری بیوی کو اغوا کر لیا۔"

باچو اور اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے حوالدار کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ نارکوٹکس اہلکار بھی اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ باچو چہرے کے تاثرات پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ "مجھے یاد ہے بارڈر کے پاس بہت بڑے پیمانے پر آپریشن ہوا تھا۔ چند گرفتاریاں بھی ہوئی تھیں۔ اگر ان میں سے کوئی اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ میں معاملے میں ملوث تھا تب میں خود کو گرفتاری کے لیے بہ خوشی پیش کر دوں گا۔ بصورتِ دیگر بہتان مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔ اس لیے آئندہ سوچ سمجھ کر بات کرنا۔"

کمرے کا دروازہ کھول کر سفید کپڑوں میں ملبوس مولوی اندر داخل ہوا۔ وہ کاندھے پر سرخ رومال اور سر پر سفید پگڑی باندھے ہوئے تھا۔ اس کے ہاتھوں میں فائل تھی۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد اس نے سلام دعا کرتے ہوئے تفہیمی نگاہوں سے باچو اور حوالدار کی طرف دیکھا۔

باچو بولا۔ "مولوی صاحب ان دونوں کو آپ کی گواہی درکار ہے۔ آپ انہیں بتا دیجیے کہ میری اور بانو کی شادی گزشتہ سال کس ماہ اور کس دن کو ہوئی تھی۔"

مولوی صاحب بولے۔ "اس بات کا ثبوت میرے پاس نکاح نامے کی صورت میں موجود ہے۔" اس نے فائل کھولی اور نکاح نامہ نکال کر میز پر رکھ دیا۔ "کوٹھی سے آنے والے نوکر نے جب مجھے حالات سے باخبر کیا تو میں اسے ساتھ لیتا آیا۔"

عبداللہ نے نکاح نامہ اٹھایا اور اس کا جائزہ لینے لگا۔ نکاح نامے پر رجسٹرار کی مہر اور دستخط موجود تھے۔ گواہوں والے خانے میں حوالدار عبدالرحیم کے دستخط تھے۔ باقی کے دونوں گواہوں کو وہ نہیں جانتا تھا۔ حق مہر پانچ لاکھ تھا۔ تاہم رجسٹرار کی مہر اور دستخط کی نقل کرنا مشکل نہیں تھا۔

مولوی صاحب بولے۔ "چند دن قبل نکاح نامہ باچو

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

نے میرے حوالے کیا کہ اس پر پلاسٹک کور چڑھوالاؤں۔ ابھی تک شہر جانا نہیں ہوا۔ جب بھی گیا پہلا کام یہی کروں گا۔''

کمرے کا دروازہ کھول کر ایک نوکر اندر داخل ہوا۔ اس نے باچو کے کان میں سرگوشی کی اور جس خاموشی کے ساتھ آیا تھا اسی خاموشی سے واپس چلا گیا۔

باچو، عبداللہ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ ''دھنورا گاؤں والے اس بات سے باخبر ہو گئے ہیں کہ تم بانو پر ملکیت کے دعوے دار بن کر حویلی میں آئے ہو، وہ نہایت مشتعل اور غصے میں ہیں۔ تم دونوں کی بہتری اسی میں ہے کہ خاموشی کے ساتھ گاؤں سے باہر چلے جاؤ۔ میرے آدمی تمہیں سرحد تک چھوڑ آئیں گے۔'' وہ صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ کوٹھی کے دروازے پر لوگوں کا ہجوم نہایت مشتعل دکھائی دیتا تھا۔ ان کی تعداد سو کے لگ بھگ تھی۔ وہ کوٹھی کے سامنے والے ٹیلے کے اوپر تک چڑھے ہوئے تھے۔ بہت سوں کے ہاتھوں میں ڈنڈے اور زنجیریں بھی دکھائی دے رہی تھیں۔

باچو نے مختصر تقریر کرتے ہوئے انہیں بتایا۔ ''یہ ایک اتفاق ہے کہ بانو اور ماہی کی شکلوں میں مشابہت پائی جاتی ہے۔ میں نے انہیں مطمئن کر دیا ہے۔ یہ دوبارہ گاؤں کا رخ نہیں کریں گے۔ اس لیے تلخ کلامی یا ہاتھا پائی کی ضرورت نہیں ہے۔ ان دونوں کو گاؤں سے باہر جانے دیا جائے۔''

مجمع نے باچو اور بانو کے حق میں نعرے بازی کی اور چند جوان ہاتھوں میں رائفلیں تھامے کوٹھی کے دروازے سے باہر نکل آئے۔ انہوں نے عبداللہ اور نارکوٹکس اہلکار کو اپنے حلقے میں لے لیا اور مجمع کے درمیان راستہ بناتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ ٹیلے کو عبور کرنے کے بعد لوگوں کی تعداد میں کمی واقع ہوئی اور وہ بہ احسن وخوبی پہنچ گئے۔ نومی اس کا منتظر تھا۔ اس نے اسے گاڑی میں بٹھایا اور ریسٹورنٹ کی طرف گاڑی کو دوڑانے لگا۔

دورانِ سفر خاموشی رہی۔ ریسٹورنٹ کے پاس اہلکار گاڑی سے اتر کر پہاڑی کی طرف چلا گیا۔ وہ ہیڈ کوارٹر کو معاملے کی تفصیل سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ محکمے کا براہِ راست معاملے میں ملوث ہونا عبداللہ کے حق میں بہتر تھا۔ وہ اکیلا باچو سے مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ تمام دھنورا گاؤں اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ اینٹی نارکوٹکس والوں کے ملوث ہونے کے بعد وہ ماہی کو باچو کے چنگل سے بہ آسانی آزاد کروا سکتا تھا۔

ریسٹورنٹ کے سامنے کھڑی ہوئی اپنی سائیکل کو اٹھاتے ہوئے نومی نے واپس جانے کی اجازت طلب کی۔ عبداللہ نے اسے بازو کے پاس سے تھاما اور گھسیٹتے ہوئے کچن میں لے آیا۔ نومی حیرت بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عبداللہ سرد لہجے میں بولا۔

''اتنے لمبے سفر کے بعد یقیناً تمہیں کافی کی ضرورت ہوگی۔ تم کافی پی کر چلے جانا۔'' اس نے پانی برتن میں ڈالا اور چولھے پر رکھ دیا۔

نومی ہراساں لہجے میں بولا۔ ''مجھے کافی کی ضرورت نہیں ہے۔ ریسٹورنٹ تمام دن بند رہا ہے۔ میں اس کے لیے پریشان ہوں۔''

''تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تھوڑے سے کام کا تگڑا معاوضہ تمہاری جیب میں ہے۔ ریسٹورنٹ کی فکر کیا معنی رکھتی ہے؟''

نومی نے ہڑبڑا کر عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کون سا معاوضہ، معاف کیجیے گا۔ میں آپ کی بات نہیں سمجھ سکا۔''

میں سمجھائے دیتا ہوں۔ بالکل سامنے کی بات ہے۔ تم نے صبح دس بجے گھر کا رخ کیا اور بارہ بجے ریسٹورنٹ آ کر ماہی کی موجودگی سے مجھے باخبر کیا۔ ریسٹورنٹ سے دھنورا گاؤں کا فاصلہ دو گھنٹوں کا ہے۔ یعنی جانے اور آنے میں چار گھنٹے لگتے ہیں۔'' اس نے کھولتے ہوئے پانی کے برتن کو ہینڈل کے پاس سے تھاما اور برتن کو نومی کے چہرے کے قریب کرتے ہوئے بولا۔ ''یہ بات میری سوچ سے بالاتر ہے کہ تم نے سائیکل پر دو گھنٹوں کے درمیان یہ فاصلہ کیسے طے کیا۔ صرف دو باتیں ہو سکتی ہیں یا تو تمہارے اندر سپرمین کی روح حلول کر گئی ہے اور تم میلوں کا فاصلہ منٹوں میں طے کرنے کی طاقت رکھتے ہو یا پھر باچو پہلوان کے ساتھ تمہارے گہرے روابط وتعلقات ہیں۔ صرف دو منٹوں کے دوران سچ اگل دو۔ بصورتِ دیگر کھولتا ہوا پانی تمہارے چہرے کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دے گا۔''

نومی بولا۔ ''ٹھیک ہے، مجھے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے درست اندازہ لگایا۔ مجھے اس کام کے لیے پانچ ہزار روپے دیے گئے ہیں۔ وہ باچو کا آدمی تھا۔ آپ کے متعلق بہت کچھ جانتا تھا۔ اس نے مجھ سے چند سوالات کیے جو کسی لوہے کے ٹرنک اور جیپ سے متعلق تھے۔''

عبداللہ نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ ''تم نے سوالوں

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

کے کیا جواب دیے؟ تفصیل کے ساتھ بتاؤ۔"

"تفصیل کچھ زیادہ نہیں۔ مجھے ٹرنک اور پولیس جیپ کے متعلق کچھ معلوم نہیں تھا۔ اس لیے میں نے لاعلمی کا اظہار کر دیا۔ تب اس نے مجھے ریسٹورنٹ کی طرف جانے کے لیے کہا۔ تاکہ میں آپ کو دھنورا گاؤں کا راستہ دکھا سکوں۔"

ٹرنک کی بات سے عبداللہ کو چمنی میں موجود رقم یاد آئی۔ وہ وہاں غیر محفوظ تھی۔ اس نے نومی سے کہا۔ "ریسٹورنٹ میں کھانے کا سامان ختم ہو گیا ہے۔ ماہی کی غیر موجودگی کے باعث شہر جا کر بندوبست نہیں کر سکا۔ اس لیے تم آج چھٹی کرو۔ کل تمہارے متعلق کچھ فیصلہ کرنے کے بعد تمہیں مطلع کر دوں گا۔"

نومی نے کوئی جواب نہیں دیا اور کچن سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد عبداللہ نے چھت کا رخ کیا۔ رقم کو چمنی کے اندر سے باہر نکالا اور تہ خانے کے اندر منتقل کرنے کے بعد دروازے کو تالا لگا دیا پھر کافی اور سینڈوچ بنانے کے بعد کمرے میں آ گیا۔ دورانِ کھانا اس کا دماغ سوچوں کے گھیرے میں تھا۔ نومی کے بیان کے مطابق باچو نارکوٹکس والوں سے ہتھیائی ہوئی رقم سے آگاہی رکھتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ نارکوٹکس والوں کی جیپ اور ڈرائیور کی لاش باچو کی حویلی میں تھی۔ تاہم ماہی کا رویہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ وہ ٹرانس کی کیفیت میں نہیں تھی۔ ایسی حالت میں انسان جذباتی کیفیت سے مبرا ہوتا ہے۔ وہ وہی کچھ کرتا ہے جس کے لیے اسے کہا جاتا ہے۔ ماہی کا رویہ اس بات کی دلیل تھی کہ وہ ہوش و حواس میں بات کر رہی تھی۔ تاہم منشیات کے ذریعے اسے بلیک میل کرنا مشکل نہیں تھا۔

کھانے کے بعد اس نے ہال کمرے کا رخ کیا۔ کاؤنٹر کی دراز میں فون ڈائریکٹری پڑی تھی۔ اس نے ایجنٹی نارکوٹکس ہیڈ کوارٹر کا نمبر تلاش کیا اور ڈائل کرنے کے بعد رابطہ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد اس کا رابطہ ایکسچینج سے ہوا۔ وہ آفیسر کے نام سے واقف نہیں تھا۔ اس لیے اس نے کسی ذمے دار آفیسر سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اتفاق سے کوئی بھی مطلوبہ عہدے دار موجود نہیں تھا۔ آپریٹر نے اسے پیغام ریکارڈ کروانے کے لیے کہا اور عبداللہ نے نہایت تفصیل کے ساتھ دھنورا گاؤں اور باچو کی مجرمانہ سرگرمیوں سے پردہ اٹھاتے ہوئے اس حقیقت کا بھی انکشاف کیا کہ مطلوبہ جیپ اور نارکوٹکس سے متعلقہ افراد باچو کی کوٹھی میں قید ہیں اور رقم کو انہوں نے بارڈر پار منتقل کر دیا ہے۔ پیغام ریکارڈ کروانے کے بعد اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور خواب گاہ میں آ گیا۔ بیڈ پر لیٹ کر اگلے لائحہ عمل پر غور کرنے لگا۔ اگر نارکوٹکس والوں کو باچو کی کوٹھی سے ڈرائیور کی لاش اور جیپ دستیاب ہو جاتی تو معاملے میں براہِ راست ملوث ہونے کے بعد اس کے لیے فرار کے تمام راستے مسدود ہو کر رہ جاتے اور اس کی گرفتاری کے بعد ماہی کو کوٹھی سے آزاد کرانا مشکل نہیں ہوتا۔ تاہم رقم کی ریسٹورنٹ میں موجودگی خطرناک تھی۔ اسے کہیں اور منتقل کرنا نہایت ضروری تھا۔ بینک کا لاکر اس کے لیے موزوں تھا۔ شہر جانے سے قبل اہلکاروں سے اجازت لینا مشکل مرحلہ تھا۔ تاہم وہ کوئی بہانہ بنا کر انہیں مطمئن کر سکتا تھا۔ ابھی تمام رات باقی تھی۔ وہ مناسب بہانے کے متعلق سوچ سکتا تھا لیکن تمام دن کے تھکے ہونے کی وجہ سے جلد ہی اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ گہری نیند سو گیا۔

☆☆☆

کسی کے بُری طرح جھنجوڑنے سے اس کی آنکھ کھلی۔ کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ بیڈ کے پاس ہاتھوں میں ریوالور تھامے ایک ہیولا کھڑا تھا۔ وہ زیادہ سوچنے نہیں پایا۔ اسے باچو کی آواز سنائی دی۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ چند معاملات پر بات چیت کرنے کے بعد میں واپس چلا جاؤں گا۔" اس نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کر دی۔ پھر قریبی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "تمہاری بیوی تمہیں جلد واپس مل جائے گی۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ ہاں پچیس کروڑ کا اچانک گم ہو جانا میرے لیے ضرور غیر معمولی دھچکا تھا۔ مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں نے اپنے آدمیوں کو نارکوٹکس والوں کی جیپ کا پیچھا کرنے کی ہدایت نہیں دی۔ جیپ کی گمشدگی کے بعد تمام ملنے والے شواہد نے تمہارے ریسٹورنٹ کو مشکوک قرار دے دیا۔ میں نے اپنے آدمیوں کو تمہاری نقل و حمل کی نگرانی پر مامور کر دیا۔ انہوں نے رات کے وقت درختوں کے درمیان ملنے والے چند نشانات کی روشنی میں پہاڑی غار کو دریافت کیا اور نارکوٹکس والوں کو دھنورا گاؤں منتقل کر دیا۔ جیپ کی تلاشی کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ رقم سے بھری ہوئی پیٹی کو اس کے اندر سے نکال لیا گیا ہے۔ میں نے اپنے آدمیوں کو دوبارہ ریسٹورنٹ کی طرف بھیجا لیکن اس دوران نارکوٹکس والے وہاں پہنچ چکے تھے۔ اس لیے کارروائی دوسرے دن تک کے لیے ملتوی کر دی گئی۔ دوسرے دن میرے آدمیوں نے مجھے اطلاع دی کہ نارکوٹکس کے دو اہلکاروں کو ریسٹورنٹ کی نگرانی پر مامور کر

دیا گیا ہے، ہمیں ایک دفعہ پھر پیچھے ہٹنا پڑا۔"

عبداللہ نے پوچھا۔ "وہ اب بھی پہاڑی کے اوپر پہرا دے رہے ہیں۔ تم ریسٹورنٹ کے اندر کیسے آ گئے؟"

اس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔ "ان دونوں کی نگرانی عمارت کے سامنے کی حد تک محدود ہے۔ پچھلا حصہ ان کی نگرانی سے محفوظ ہے۔ میں پچھلی دیوار کو پھلانگ کر اندر آیا ہوں۔ بہرحال مجھے تمہاری طرف سے خطرہ لاحق نہیں تھا۔ تمہاری بیوی کافی دنوں سے دھنورا گاؤں منشیات کے حصول کے لیے آ رہی تھی۔ ریگستان میں واقع تمام چھوٹی موٹی آبادیوں کے علاوہ دھنورا گاؤں کے تمام رہائشی منشیات کی لت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے لیے منشیات کا استعمال ایسے ہے جیسے نوزائدہ بچے کے لیے دودھ کا حصول..... اور یہ تمام منشیات انہیں میری کوٹھی سے دستیاب ہوتی ہے۔ شروع کے چند دن تمہاری بیوی نے قریبی گاؤں سے رابطہ کرنے کے بعد منشیات کے حصول کے لیے نومی کو استعمال کیا۔ بعدازاں اس نے مستقل طور پر دھنورا گاؤں آنا شروع کر دیا۔ میں اس کو استعمال کر کے تم سے بہ آسانی رقم واپس لے سکتا تھا۔ میرا ارادہ بھی یہی تھا۔ تاہم چند گھنٹوں کی سوچ بچار کے بعد میں نے اس میں ردوبدل کر دی۔"

عبداللہ کافی حد تک اپنی حالت پر قابو پا چکا تھا۔ وہ بات کاٹتے ہوئے تلخ لہجے میں بولا۔ "رقم میرے پاس نہیں ہے۔ جیپ اور اس میں موجود افراد نے اسے بھی چرا لیا ہے۔ تم ریسٹورنٹ کی تلاشی لے سکتے ہو۔"

باچو نے سرد نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا پھر کرسی سے اٹھ کر پلنگ کے دوسری طرف چلا آیا۔ وہاں قالین پر رقم سے بھرا ہوا بیگ رکھا تھا۔ اس نے بیگ اٹھا کر عبداللہ کے سامنے رکھ دیا اور طنزیہ لہجے میں بولا۔ "تہ خانے کا دروازہ توڑنا میرے لیے مشکل نہیں تھا اور رقم کے متعلق مجھے نومی نے تفصیل کے ساتھ بتا دیا تھا۔ وہ تمہیں چمنی کے اندر سے رات کو بیگ نکالتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ تمہیں چھت پر جانے سے پہلے ریسٹورنٹ کے دروازے کو بند کر دینا چاہیے تھا۔"

عبداللہ کے چہرے پر اندھیرا چھاتا چلا گیا۔ رقم بھی ہاتھ سے گئی اور بیوی بھی۔ اینٹی نارکوٹکس والوں کی تلوار الگ سر پر لٹک رہی تھی۔ وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح پلنگ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ پچیس کروڑ کی رقم تمہارے پاس ہے۔ جیپ اور اہلکاروں کو تم پہلے ہی دھنورا گاؤں منتقل کر چکے ہو۔ ماہی منشیات کے

دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور ملک بھر میں
گھر بیٹھے
رسالے حاصل کیجیے
جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ
ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت
باقاعدگی سے ہر ماہ حاصل کریں اپنے دروازے پر
ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرِ سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)
پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 1200 روپے
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے 12,000 روپے
بقیہ ممالک کے لیے 11,000 روپے
آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد رسائل کے خریدار بن سکتے ہیں۔ رقم اسی حساب سے ارسال کریں۔ ہم فوراً آپ کے دیے ہوئے پتے پر رجسٹرڈ ڈاک سے رسائل بھیجنا شروع کر دیں گے۔
یہ آپ کی طرف سے اپنے پیاروں کے لیے بہترین تحفہ بھی ہو سکتا ہے
بیرونِ ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین یا منی گرام کے ذریعے رقم ارسال کریں۔ کسی اور ذریعے سے رقم بھیجنے پر بھاری بینک فیس عائد ہوتی ہے۔ اس سے گریز فرمائیں۔
رابطہ: مرزا اثر عباس فون نمبر: 0301-2454188
سرکولیشن مینیجر..... سید منیر حسین 0333-3285269
جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز
C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی
فون: 35804200-35804300

حصول کے لیے تمہاری حکم عدولی نہیں کرسکتی۔ تمہیں اور کیا چاہیے؟''

باچو کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے جیب میں سے سگار نکال کر سلگایا اور دھواں اگلتے ہوئے بولا۔ ''رقم تمہارے سامنے پڑی ہے۔ بارڈر کے پاس موجود ہمارے غیر ملکی ڈیلر کے ساتھ کاروبار کی لین دین میں مدد کرو اور اپنی بیوی کو دو کروڑ کی رقم کے ساتھ لے جاؤ۔''

عبداللہ نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔ ''اگر لین دین منشیات سے متعلق ہے تو اس بات کا دھیان رکھنا۔ اینٹی نارکوٹکس والے ریسٹورنٹ کی نگرانی کررہے ہیں۔''

''ان کی فکر نہ کرو۔ تمہیں بارڈر تک لے جانا اور واپس لانا میرے آدمیوں کے ذمّے ہے۔ تمہیں صرف رقم دے کر مال میرے آدمیوں کے حوالے کرنا ہے۔'' باچو نے کہا۔

یہ کاروباری لین دین تمہارے آدمی بہ آسانی کرسکتے ہیں۔ اتنے معمولی سے کام کے لیے دو کروڑ کی رقم ضائع کیوں کررہے ہو؟'' عبداللہ نے پوچھا۔

باچو نے دھواں اگلتے ہوئے جواب دیا۔ ''دو دن قبل ہونے والی اینٹی نارکوٹکس کارروائی کے بعد تمام دھنورا گاؤں کے رہائشیوں کی نقل و حمل پر نگاہ رکھی جارہی ہے۔ ان کے لیے کسی بھی غیر قانونی سرگرمی کے لیے گاؤں سے باہر نکلنا ممکن نہیں۔ تمہاری نگرانی ریسٹورنٹ کی حد تک محدود ہے۔ اگر ان کی نگاہوں سے چھپ کر باہر نکل جاؤ۔ تو بارڈر کی حدود پر تمہاری نقل و حمل انہیں متوجہ کرنے کا باعث نہیں بنے گی۔''

اس کی باتوں سے عبداللہ مطمئن نہیں ہوا۔ تاہم انکار کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس لیے خاموش ہوگیا اور شب خوابی کا لباس تبدیل کرنے کے بعد باچو کے ساتھ ریسٹورنٹ کی عمارت کے پچھلے حصے کی طرف آگیا۔ وہاں اس کے دو ساتھی منتظر تھے۔ وہ سیاہ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ باچو اور عبداللہ کے قریب پہنچنے کے بعد ان چاروں نے قریب دکھائی دینے والے پہاڑوں کا رخ کیا۔ رات کے ساڑھے بارہ بجنے والے تھے۔ ویرانے میں گھپ اندھیرا طاری تھا۔ پہاڑی سلسلے کے پاس کچے علاقے میں ڈبل ڈور ڈاٹسن کھڑی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ڈرائیور براجمان تھا۔ ان کے بیٹھتے ہی ڈاٹسن نے تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھنا شروع کردیا۔ یہ کچا علاقہ گھوم کر پہاڑوں کے اختتام سے ہوتا ہوا ریگستان میں جا ملتا تھا۔ عبداللہ کا دماغ مختلف سوچوں کے گھیرے میں تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ رقم کی منتقلی اور منشیات کی وصولی کے فوراً بعد اسے قتل کردیا جائے گا۔ وہ دھنورا گاؤں کے متعلق سب کچھ جان چکا تھا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ اتنی جانکاری کے بعد وہ اسے زندہ چھوڑ دیتے۔ اسے فرار کے لیے موقع تلاش کرنا چاہیے تھا۔ وہ باہر رہ کر ماہی کے لیے بہت کچھ کرسکتا تھا۔ ڈاٹسن کچے علاقے سے نکل کر پکے میں سفر کرنے لگی۔ اب اس کی رفتار بہت تیز تھی۔

☆☆☆

بارڈر سے بہت پہلے ڈاٹسن نے سڑک سے نیچے اتر کر ریتیلے علاقے میں سفر کا آغاز کیا۔ یہاں ٹیلوں کی بہتات تھی۔ ویرانے میں سناٹا طاری تھا۔ شاید اینٹی نارکوٹکس کا عملہ دھنورا گاؤں کی حد تک محدود تھا۔ باقی کا تمام علاقہ سنسان پڑا تھا۔ چند اونچے نیچے اور غیر ہموار راستوں پر آگے بڑھنے کے بعد ڈاٹسن گھپ اندھیرے کی چادر کے درمیان رک گئی۔ باچو نے اسے نیچے اترنے کے لیے کہا۔ اس کے ہمراہ دونوں آدمی بھی نیچے اترے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں رقم سے بھرا ہوا بیگ تھا۔ گاڑی سے اترنے کے بعد انہوں نے عبداللہ کو وسیع و عریض ریگستان میں آگے بڑھنے کے لیے کہا۔ دونوں آدمی مسلح تھے۔ ان کے ریوالوروں کا رخ عبداللہ کی طرف تھا۔ فرار کے راستے مسدود تھے۔ کچھ آگے جانے کے بعد ایک ٹیلے کے پاس پہنچنے پر عبداللہ نے دونوں کی طرف مڑتے ہوئے چھوٹی انگلی اٹھا کر رفع حاجت کی اجازت طلب کی۔ دونوں نے ناگوار انداز میں سر ہلاتے ہوئے اسے وہیں بیٹھ کر فارغ ہونے کے لیے کہا۔ عبداللہ نے مسکین شکل بناتے ہوئے ٹیلے کے پیچھے جانے کی درخواست کی۔ انہوں نے صاف انکار کردیا اور اسے وہیں بیٹھ کر فارغ ہونے کا حکم دیا۔ چاروناچار وہ وہیں بیٹھ گیا۔ اسے حاجت محسوس نہیں ہورہی تھی۔ وہ صرف موقع کی تلاش میں تھا۔ ٹیلے کے پیچھے جانے کی صورت میں وہ اندھیرے میں کہیں بھی چھپ سکتا تھا۔ اب وہ دونوں بھوتوں کی طرح اس کے سر پر مستعد کھڑے تھے۔ چند منٹوں کے بعد اس نے کھڑے ہوتے ہوئے ہاتھوں میں ریت بھری اور اپنا رخ ان کی طرف موڑتے ہوئے تمام ریت ان دونوں کی آنکھوں میں جھونک دی۔ یہ سب اتنی سرعت کے ساتھ ہوا کہ انہیں سنبھلنے کا موقع نہیں مل سکا اور وہ دونوں اپنے ہاتھوں سے آنکھیں ملنے لگے۔ عبداللہ نے ریتیلے ٹیلوں کے پیچھے سے ہوکر اندھا دھند سامنے کی طرف

www.paksociety.com

دوڑنا شروع کر دیا۔ گھپ اندھیرے کے باعث اسے سمت کا اندازہ نہیں تھا لیکن وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ یہ ڈاٹسن میں بیٹھے ہوئے باچو کی مخالف سمت تھی۔ اس کے کان اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ پر لگے ہوئے تھے۔ نرم ریت کی بدولت انہیں سننا ممکن نہیں تھا۔ تاہم دوڑتے ہوئے قدموں کی سرسراہٹ سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ پیچھے آ رہے ہیں یا پھر نہیں۔ وہاں گمبھیر خاموشی طاری تھی۔ نرم ریت پر اندھا دھند دوڑنا آسان نہیں تھا۔ ہر آگے اٹھنے والے قدم کے ساتھ ریت پیچھے ہٹ کر رفتار میں کمی کا باعث بنتی تھی۔ تاہم وہ جان کی بازی لگا کر ہر مشکل کو آسان بنانے کے لیے دوڑتا رہا۔ ٹیلوں کی تعداد میں کمی واقع ہونے لگی۔ اس نے پیچھے مڑ کر آنے والے راستے پر نگاہ دوڑائی۔ اندھیرے کے سوا وہاں کچھ نہیں تھا۔ وہ چند لمحے سانس درست کرنے کے لیے ٹیلے کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ اس کا دماغ نہایت تیزی کے ساتھ اگلے لائحہ عمل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اگر وہ سڑک تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا.. تو آگے کے سفر میں نہایت خطرہ لاحق تھا۔ یہ تمام علاقہ باچو کی ... سرپرستی میں تھا۔ اس سے بہت بڑی غلطی سرزد ہوئی تھی کہ رفع حاجت کے دوران رقم سے بھرا ہوا بیگ وہیں چھوڑ آیا تھا اگر وہ ساتھ لے آتا تو بارڈر پر رقم دینے کے بعد بہ آسانی اسے عبور کر کے دوسری طرف جا سکتا تھا۔ اب وہ نہ صرف نہتا تھا بلکہ باچو کے رحم و کرم پر بھی تھا۔ اس نے دوبارہ آگے کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ کچھ ہی دیر میں ٹیلوں کا سلسلہ اچانک ہی ختم ہو گیا۔ اب اس کے سامنے اندھیرے میں ڈوبا ہوا وسیع و عریض کھلا میدان تھا۔ پھر اچانک ہی تیز روشنیوں نے اسے وقتی طور پر اندھا کر دیا۔ وہ آنکھوں پر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں رکھ کر جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔ اسے کسی کے چلانے کی آواز سنائی دی۔ عبداللہ اس آواز کو پہچان گیا۔ وہ نارکوٹکس آفیسر کی آواز تھی جسے وہ ریسٹورنٹ میں سن چکا تھا۔ وہ اپنے آدمیوں کو فائر کرنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ عبداللہ نے چیخنے کے لیے منہ کھولا لیکن تڑتڑاہٹ کی آواز کے ساتھ اس کے جسم کو شدید جھٹکا لگا۔ چند گولیاں اس کے جسم میں پیوست ہوئیں۔ اسے شدید تکلیف کا احساس ہوا اور جسم اچھل کر پیچھے ریت پر جا گرا۔ پھر اس کا دماغ اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

☆☆☆

ریگستان کے اس وسیع و عریض میدان میں نارکوٹکس کے چند اہلکار اور آفیسر موجود تھے۔ ان کی دو گاڑیاں ایک دوسرے سے کچھ ہٹ کر آمنے سامنے کھڑی تھیں۔ ہیڈ لائٹ کی روشنی درمیان کے حصے کو روشن کر رہی تھیں۔ آفیسر کی نگاہیں ٹیلوں کے درمیان بل کھاتے ہوئے راستے پر مرتکز تھیں۔ کچھ دیر بعد ٹیلوں کے درمیان روشنی کا دھارا نکل کر میدان میں پھیل گیا۔ پھر ڈبل ڈور ڈاٹسن ٹیلوں کے درمیان سے نکل کر آفیسر کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ڈرائیور نے نیچے اتر کر پچھلا دروازہ کھولا اور باچو گاڑی سے اتر کر آفیسر کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کی نگاہوں میں سنجیدگی کے تاثرات تھے۔ آفیسر مسکراتے ہوئے بولا۔

”وہ ختم ہو گیا ہے۔ لاش گاڑی کے پچھلے حصے میں پڑی ہے۔ کل کے اخبارات میں اس کی تصویر اور منشیات کی تگڑی کھیپ کی تفصیل کے ساتھ خبر لگا دی جائے گی۔ تاہم اس دفعہ رقم ساری میری ہو گی۔“

باچو پریشان لہجے میں بولا۔ ”ہمیشہ سے جو معاہدہ چلتا آ رہا ہے اس سے مکرنے کی کوشش نہیں کرو۔ ہر کارروائی کے دوران اسمگل ہو کر آنے والی منشیات سے حاصل کردہ رقم کے دو حصے دھنورا گاؤں کے اور دو حصے نارکوٹکس والوں کے..... اس لحاظ سے پچیس کروڑ کی رقم میں سے ساڑھے بارہ کروڑ دھنورا گاؤں کے اور ساڑھے بارہ کروڑ تمہارے..... اس لیے بات سے پھرنے کی کوشش مت کرو۔“

آفیسر سرد لہجے میں بولا۔ ”یہ سب پہلے کی بات تھی۔ اس دفعہ معاملہ کچھ اور نوعیت کا ہے۔“ اس نے جیب میں سے چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر باہر نکالا اور بٹن دبا کر باچو کے ہاتھوں میں تھما دیا۔ اس نے حیرت بھرے چہرے کے ساتھ ٹیپ ریکارڈ تھاما اور انہماک کے ساتھ عبداللہ کی وہ بات چیت سننے لگا جس میں دھنورا گاؤں اور منشیات میں ملوث رہائشیوں کے متعلق تفصیل بتا رہا تھا۔ بیان میں باچو کی مجرمانہ سرگرمیوں کے متعلق تفصیل سے آگاہ کرنے کے بعد ماہی کی گمشدگی، جیپ اور اینٹی نارکوٹکس افراد کی روپوشی سے آگاہ کیا گیا تھا۔ کیسٹ ختم ہونے کے بعد باچو نے آفیسر کی طرف پریشان نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”یہ تمہیں کہاں سے ملا؟ اس کی نگرانی پر مامور آدمیوں کی رپورٹ کے مطابق رات کو ریسٹورنٹ جانے کے بعد وہ دوبارہ باہر نہیں نکلا تھا۔“

آفیسر نے بتایا۔ ”یہ رات کو نومی کے چلے جانے کے بعد فون پر ریکارڈ کروایا گیا۔ تمہاری بدقسمتی کہ اس وقت میں اس ڈرامے کی ریہرسل کے لیے یہاں ریگستان میں تھا۔ تاہم میرے آدمیوں نے ریکارڈ شدہ بیان مجھ تک پہنچا دیا۔“

"معاملہ کس حد تک اوپر جا چکا ہے؟" باچو نے پوچھا۔

"تمہاری گرفتاری کے احکامات جاری کر دیے گئے ہیں۔ صبح آپریشن کا آغاز ہو جائے گا لیکن میرے خیال میں اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ میں سب کچھ بہ آسانی سنبھال سکتا ہوں۔ تاہم پچیس کروڑ میں اب تمہارا حصہ نہیں ہوگا۔ یہ سب میرے خفیہ اکاؤنٹ میں منتقل ہو جائیں گے۔"

باچو بولا۔ "یہ ناانصافی ہے۔ آج سے پہلے متعدد معاملات میں تم نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا لیکن اتنی بڑی رقم کا مطالبہ کبھی نہیں کیا۔ حتیٰ کہ پچاس کروڑ کی منشیات کی خرید و فروخت کے بعد پچیس کروڑ کی وصولی اور منشیات پکڑے جانے کے ڈرامے میں بھی تم نے ہمارا ساتھ دیا۔ تمہیں آج بھی لحاظ کرنا ہوگا۔"

آفیسر بولا۔ "تمہیں دیکھتے ہی گولی مار دینے کے احکامات جاری کر دیے گئے ہیں۔ صبح پورا دھنورا گاؤں نارکوٹکس والوں کے گھیرے میں ہوگا۔ ایک لحاظ سے تمہارا کھیل ختم ہو کر رہ گیا ہے لیکن دیرینہ تعلقات کی بدولت میں تمہیں گرفتار نہیں ہونے دوں گا۔ ہاں پچیس کروڑ کے عوض کچھ عرصے کے لیے تمہیں اپنے سیٹ اپ کو سمیٹنا ہوگا۔"

اس دفعہ باچو سرد لہجے میں بولا۔ "ٹھیک ہے۔ مجھے منظور ہے لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ مجھے دھوکا دینے کی صورت میں تم بھی بچ نہیں پاؤ گے۔ میری پہنچ تمہاری سوچ سے بھی اوپر تک ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ مجھے کرنا کیا ہے۔"

آفیسر بولا۔ "کچھ بھی نہیں، جو کچھ کرنا ہے، وہ دھنورا گاؤں والوں نے کرنا ہے۔ میں نے گولی مار کر عبداللہ کے چہرے کو مسخ کر دیا ہے۔ اب اسے پہچاننا ممکن نہیں ہے۔ صبح میں لاش کو محکمے کے حوالے کر دوں گا اور رپورٹ یہ دوں گا کہ منشیات کی اسمگلنگ کے دوران مقابلے میں مارا گیا ہے۔ دھنورا گاؤں اس بات کی گواہی دے گا کہ یہ واقعی باچو پہلوان ہے۔ معاملے کو دبانے کے لیے ہو سکتا ہے کہ مجھے کچھ رقم بھی اعلیٰ حکام کی نذر کرنا ہو۔ وہ میں کر دوں گا۔ تاہم تمام معاملے کے دوران تمہیں منظر سے آؤٹ رہنا ہوگا۔"

باچو نے گاڑی کے پاس کھڑے ہوئے ڈرائیور کو اشارہ کیا اور اس نے پچھلے حصے میں پڑا ہوا رقم کا بیگ آفیسر کے حوالے کر دیا اور بات چیت کا اختتام ہو گیا۔

☆☆☆

دوسرے دن آپریشن سے قبل آفیسر نے عبداللہ کی لاش مع بھاری منشیات کے اعلیٰ حکام کے سامنے پیش کر دی۔ بعد ازاں قصبے پر چھاپا مار کر نہ صرف ماہی کو بازیاب کروا لیا گیا بلکہ کریک ڈاؤن کی صورت میں قصبے کے گھروں سے منشیات کی بڑی کھیپ بھی برآمد کی گئی۔ اتنی بڑی تعداد میں منشیات کی برآمدگی کے بعد حکومت کی مشینری حرکت میں آ گئی اور ارد گرد کے علاقوں میں آپریشن کا آغاز کر دیا گیا۔ باچو کا سرکٹ انتہائی متاثر ہوا۔ وہ بارڈر پار کر کے دوسری طرف فرار ہو گیا۔ تاہم اس کے آدمی اسے پل پل کی خبر سے آگاہ کر رہے تھے۔ ماہی کو بازیاب کروانے کے بعد اسپتال منتقل کر دیا گیا۔ وہ معاملے کی عینی گواہ تھی اور اس کا بیان صورت حال کو پلٹ سکتا تھا۔ آفیسر کی تمام تر توجہ اس پر مرکوز تھی۔ اسے ختم کر دینے کے لیے اس نے علاج پر متعین ڈاکٹر کو تگڑی رقم دی۔ تاہم عملی قدم اٹھانے کی نوبت نہیں آ سکی۔ بارڈر پر آپریشن کی صورت حال نے جب شدت اختیار کی۔ تو اس کا اثر بارڈر کے پار بھی ہوا اور وہاں اسمگلروں کی گرفتاری کے بعد باچو کا پردہ چاک ہو گیا۔ اس کے حلیے سے اینٹی نارکوٹکس محکمے کو تفصیل کے ساتھ آگاہ کر دیا گیا۔ اعلیٰ حکام کے چونکنے کے لیے یہ حلیہ کافی تھا۔ جس لاش کو باچو پہلوان ظاہر کیا گیا تھا۔ ہر چند کہ اس کا چہرہ مسخ تھا۔ تاہم وہ درمیانے قد کا تھا اور بارڈر پار سے پکڑے گئے شخص کا قد غیر معمولی طور پر لمبا بتایا گیا تھا۔ ایک دفعہ پھر دھنورا گاؤں کے لوگوں سے پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع ہوا۔ لیکن وہ حلیے کی تفصیل بتانے سے انکاری رہے۔ تب بات ماہی کے بیان کی طرف چلی گئی۔ نارکوٹکس محکمے والے ماہی کی مکمل نگرانی کر رہے تھے۔ ایسی صورت میں اسے قتل کرنا ممکن نہیں رہا۔ اس لیے نارکوٹکس آفیسر نے بیرونِ ملک فرار ہونے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ وہ اپنے خفیہ اکاؤنٹ باہر منتقل کر چکا تھا۔ ماہی نے دوسرے دن تفصیلی بیان دے دیا اور اسے فرار ہوتے ہوئے ائرپورٹ سے گرفتار کر لیا گیا۔ اس کی گرفتاری کے چند دنوں بعد آفیسر کی نشاندہی پر بارڈر پار سے باچو کو بھی پکڑ لیا گیا۔ ماہی تیزی کے ساتھ صحت یاب ہو رہی تھی۔ اسے عبداللہ کی موت کا صدمہ تھا۔ اس کی زندگی عبداللہ کے احسانوں کی مرہونِ منت تھی۔ اسے بازارِ حسن کی دلدل سے نکال کر فلم انڈسٹری میں لانے والا عبداللہ تھا۔ منشیات کی بری عادت سے بھی اس نے ہی ماہی کو نجات دلائی تھی اور اب اگر اپنی جان کا نذرانہ دے کر اسے باچو کے چنگل سے آزاد نہ کرواتا تو اسے تمام زندگی دھنورا گاؤں کی کوٹھی میں قید رہنا پڑتا۔ آنسوؤں کی قطار اس کے سرخ و سفید گالوں پر گرنے لگی اور اس نے آنکھیں مضبوطی کے ساتھ بند کر لیں۔ جیسے ان کے حصار میں عبداللہ کو ہمیشہ قید کر لینا چاہتی ہو۔

❖❖❖

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

خوشی کی جستجو

منظر امام

چوری... ڈکیتی کی وارداتیں آج کل کا معمول بن چکی ہیں خصوصاً راہ چلتے موبائل چوری کرنا ایک عام بات ہے... تقریباً ہر شخص موبائل چوری ہونے کے تجربے سے گزر چکا ہے... ایک ایسے ہی سرپھرے شخص کی روداد... جس کی شدید خواہش تھی کہ وہ موبائل چوری ہونے کی واردات سے گزرے...

شگفتگی کے پیراہن میں لپٹی ایک دلچسپ واردات کی کہانی.....

"ارے بھائی ان کم بختوں کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ کس کی کیا حیثیت ہے۔" چودھری مقیم لوگوں کو بتا رہا تھا۔

"لیکن اندازہ کیسے ہوتا ہے؟" کسی نے پوچھا۔

"بہت آسانی سے۔ اس کے چلنے کا انداز، اس کے کپڑے، اس کے ہاتھ کا بریف کیس، موبائل، یہ سب بتا دیتے ہیں کہ بندہ پیسے والا ہے۔ بس اسی کو گھیر لیتے ہیں۔"

"یہ چور لٹیرے تو سب ہی کو گھیرتے ہوں گے؟"

"نہیں بھائی، بہت پہچان ہوتی ہے ان کو۔" چودھری

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

مقیم نے کہا۔ ''میں تو تماشا دیکھتا رہتا ہوں۔ کتنے لوگوں کو دیکھا ہے میں نے۔ ان کے تھیلے میں لاکھوں روپے ہوتے ہیں۔ لیکن مجال ہے کہ کوئی ان کو روک بھی لے۔ اور ہم جیسوں کا گزرنا بھی محال ہو جاتا ہے۔''

''سنا ہے کہ یہ آپ کا آٹھواں موبائل تھا جو چلا گیا۔''

''ہاں بھائی آٹھواں۔'' چودھری مقیم نے فخریہ لہجے میں بتایا۔ ''یہ والا تھوڑا قیمتی تھا لیکن چلو کوئی بات نہیں۔ دوسرا لے لوں گا۔ پریشانی صرف ایک ہوتی ہے کہ اس میں ضروری نمبر لکھے ہوتے ہیں۔ وہ بھی چلے جاتے ہیں۔ بس اس کے علاوہ اور کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔''

اس محفل میں امجد بھی بیٹھا تھا۔ اس کے پاس بھی ایک موبائل تھا لیکن وہ آج تک اس کی جیب میں محفوظ تھا۔ کسی نے اسے چھیننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ جب گھر جا کر اپنی بیوی کو بتایا کرتا کہ فلاں کا موبائل سیٹ چھین لیا گیا ہے تو اس کی بیوی برا سا منہ بنا لیتی۔ ''ظاہر ہے ان کے پاس قیمتی موبائل ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں پتا ہوتا ہے کہ پیسے والی پارٹی ہے۔ اب تم سے کون موبائل چھینے گا؟''

''یہ کیا بات ہوئی؟ کیا میں اس قابل بھی نہیں ہوں کہ کوئی مجھ سے موبائل چھین لے۔'' امجد نے کہا۔

''ارے یہ نصیبوں کی بات ہوتی ہے۔'' اس کی بیوی نے ایک گہری سانس لی۔ ''مجھے تو حلیمہ پر رشک آنے لگا ہے۔''

''کون حلیمہ؟''

''ارے وہی پڑوس کے برابر والے مکان میں رہتی ہے۔''

''تو کیا کہتی ہے وہ؟''

''کہے گی کیا۔ بس اتراتی پھرتی ہے کہ اس کے میاں کا موبائل تو چار بار چھینا ہے۔ مزے لے لے کر بتاتی رہتی ہے۔ میں تو اس کی بکواس سُن سُن کر عاجز ہو گئی ہوں۔ دل چاہتا ہے کہ اس کی زبان ہی کھینچ لوں۔''

''ارے نہیں اب اتنا بھی غصہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔ میرے ساتھ بھی ایک دن ایسا ہو گا۔''

''کہاں سے ہو گا؟ ایک تو تمہارے پاس موبائل ہی سڑا ہوا ہے۔ اس پر سے تمہارا حلیہ ایسا ہے کہ سو فقیروں کے ایک فقیر معلوم ہوتے ہو۔''

امجد ایسی باتیں سُن سُن کر اندر سے کھولتا رہتا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے وہ اپنے آپ کو دولت مند ظاہر کر کے رہے گا۔

کئی پلاننگ اس کے ذہن میں تھیں لیکن ان سب کو ریجیکٹ کر کے اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ایک قیمتی موبائل خرید لے گا۔ اس کے بعد وہ اس موبائل کی ہر جگہ نمائش کرتا پھرے گا۔

کسی کی نگاہِ کرم تو اس کے موبائل پر پڑے گی۔ کوئی تو اس سے اس کا قیمتی موبائل چھین لے گا۔ اس نے پوری پلاننگ کر رکھی تھی۔ موبائل کے چھنتے ہی وہ ایک دو محلے والوں کو لے کر پولیس اسٹیشن پہنچ جائے گا۔ اس مبارک موقع کے لیے اس نے کلف لگا سوتی شلوار کرتہ بھی نکال کر ایک طرف رکھ دیا تھا۔ اس نے یہ دیکھا تھا کہ کلف لگے سوتی شلوار قمیص کی شان ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ لوگ وڈیرا یا بڑا جاگیردار سمجھ کر ادب سے ایک طرف ہٹ جاتے ہیں۔

اس نے اپنی بیوی کو بتایا کہ وہ پچیس ہزار کا موبائل خریدنے جا رہا ہے۔

''وہ کیوں؟''

''خدا کی بندی۔ لٹیرے قیمتی موبائل پر ہی آتے ہیں۔ جیسا موبائل اس وقت میرے پاس ہے اس کو تو کوئی فقیر بھی قبول نہیں کرے گا۔''

''ہاں۔ یہ تم نے زندگی میں پہلی بار عقل مندی کی بات کی ہے۔'' بیوی خوش ہو کر بولی۔ ''لیکن لٹیروں کو کیسے معلوم ہو گا کہ تم نے قیمتی موبائل خرید لیا ہے؟''

''اس کی فکر مت کرو۔ میں جس ہوٹل میں بیٹھتا ہوں۔ وہاں اپنی اس خریداری کا اتنا پروپیگنڈا کروں گا کہ کوئی نہ کوئی متوجہ ضرور ہو جائے گا۔ اس کے بعد تم بھی سر اٹھا کر محلے والیوں کو بتا سکتی ہو۔ ویسے تو میں پچیس ہزار کا موبائل خریدوں گا لیکن تم پچاس ہزار بتانا۔''

''واہ، واہ۔'' بیوی نے تعریف کی۔ ''خدا نظرِ بد سے بچائے۔ کتنی عقل مندی کی باتیں کرنے لگے ہو۔ اب تم دیکھ لینا میں اس موئی حلیمہ کا کیا حال کرتی ہوں۔ اس کو جتا جتا کر ہلکان کر دوں گی۔''

امجد کے بینک اکاؤنٹ میں کچھ روپے پڑے ہوئے تھے۔ اس نے تیس ہزار بینک سے نکلوا لیے اور سیدھے موبائل مارکیٹ پہنچ گیا۔ جہاں ایک سے ایک موبائل سیٹ موجود تھا۔

بہت چھان بین کے بعد اس نے چھبیس ہزار کا ایک سیٹ خرید لیا۔

پہلی دفعہ کوئی قیمتی چیز اس کے پاس آئی تھی۔ اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اس قیمتی موبائل کے چھن جانے کا رسک

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

لے لیکن برادری اور دوستوں میں اپنی ناک اونچی رکھنے کے لیے یہ قربانی ضروری تھی۔

اس نے گھر آ کر بیوی کو جب موبائل سیٹ دکھایا تو وہ بھی افسوس کرنے لگی۔ ''ہائے ہائے کتنا پیارا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ اس کو سنبھال کر رکھ لوں۔''

''نہیں۔ اس کو سنبھال کر گھر میں ہی رکھ لیا تو بات کیسے بنے گی۔''

''اچھا ایک کام کرتی ہوں۔ یہ موبائل میں لے جا کر اس چڑیل حلیمہ کو دکھاتی ہوں کہ یہ دیکھو۔ میرے میاں نے یہ نیا موبائل خریدا ہے۔''

''اس سے کیا ہوگا؟''

''یہ ہوگا کہ جب یہ موبائل تم سے چھین لیا جائے گا۔ اور میں سب کو بتاؤں گی تو وہ کمبخت بھی گواہی دے گی کہ ہاں اس نے بھی وہ موبائل دیکھا تھا۔ اس کا اثر زیادہ ہوگا۔''

''ہاں، یہ پلاننگ اچھی ہے۔ تم جاؤ، یہ موبائل لے جاؤ۔''

امجد کی بیوی حلیمہ کو جلانے کے لیے موبائل اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ لوٹی تو اس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ ''ایسی آگ لگا کر آئی ہوں کہ کچھ مت پوچھو۔ اس چڑیل کے سینے پر سانپ لوٹ گیا تھا۔ ایسی جلی ہے کہ کیا کہوں۔ بہت دیر تک الٹ پلٹ کر دیکھتی رہی تھی۔''

''چلو، تمہارا کلیجا تو ٹھنڈا ہوا نا۔''

''ہاں، وہ تو ہو گیا..... اور ہاں تم نے وہ پرانا والا موبائل کیا کیا؟''

''اس کو میں نے مارکیٹ میں بیچنے کی کوشش کی تھی لیکن کسی نے نہیں لیا۔ سب کہہ رہے تھے کہ اتنا تھرڈ کلاس موبائل اب کس کام کا رہا ہے۔''

''چلو اسے گھر پر ہی رہنے دو۔''

امجد اس شام ایک نئے تیور کے ساتھ ہوٹل پہنچا تھا۔ اس نے اپنا ایک اچھا سا سوٹ پہن لیا تھا۔ وہ جس وقت ہوٹل میں پہنچا تو اس کے احباب ہوٹل ہی میں تھے۔ چودھری مقیم بھی تھا۔ امجد نے موبائل سیٹ اپنے ہاتھ میں اس طرح رکھا تھا کہ ہر کسی کو دکھائی دیتا رہے۔

اس نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ بہت سے احباب اس کے اس ہاتھ کی طرف دیکھ رہے تھے جس میں موبائل موجود تھا۔ چودھری مقیم کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ امجد نے کرسی پر بیٹھنے سے پہلے اپنا موبائل بے پروائی کے ساتھ میز پر رکھ دیا تھا۔

''امجد بھائی، یہ کیا نیا موبائل ہے؟'' راشد نے پوچھا۔

''ہاں یار۔'' امجد نے بے پروائی سے کہا۔

''میں دیکھ سکتا ہوں؟''

''کیوں نہیں۔ دوست نہیں دیکھیں گے تو کون دیکھے گا؟''

راشد نے موبائل دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ تعریف بھی کرتا جا رہا تھا۔ ''واہ امجد بھائی موبائل ہو تو ایسا ہی ہو۔ درجنوں تو فنکشنز ہیں اس میں۔ وائی فائی وغیرہ کی سہولت بھی ہے۔''

''اس کا کیمرا بھی تو دیکھو۔'' امجد نے کہا۔ ''کیا تصویریں لیتا ہے اور کیا مووی بنتی ہے۔ جیسے اسکرین پر فلم دیکھ رہے ہوں۔''

''اور اس کی قیمت کیا ہوگی؟'' چودھری مقیم نے پوچھا۔

''ارے مقیم بھائی، شوق سلامت رہے تو قیمت کی پروا کون کرتا ہے؟'' امجد نے کہا۔ ''سستا ہی مل گیا ہے۔ صرف چالیس ہزار کا۔''

''امجد بھائی تم اس کو سستا کہہ رہے ہو؟''

''بھائی نثار، میں اپنے شوق کی بات کر رہا ہوں۔ وہ قیمتی ہے۔ پیسہ تو ہاتھ کا میل ہے۔''

امجد کی بے نیازی نے سب کو حیران کر دیا تھا۔ خاص طور پر چودھری مقیم کا چہرہ دیکھنے والا تھا۔ امجد نے حاتم بن کر سب کے لیے چائے کا آرڈر دے دیا تھا۔ سب چائے پینے کے دوران اس کا موبائل ایک دوسرے کو دکھاتے رہے تھے۔

جب وہ ہوٹل سے باہر جانے لگا تو ایک نے آواز دے کر کہا۔ ''امجد بھائی، موبائل کی حفاظت کرنا۔ نظر لگتے دیر نہیں لگتی۔''

''ہاں یار، میں احتیاط کروں گا۔''

امجد ہوٹل سے نکل کر گھر واپس آ گیا۔ آج کی رپورٹ بیوی کو بتانی تھی۔ اس نے مزے لے لے کر ساری کہانی سنا دی۔ یہ سب سن کر وہ خوشی سے کھل گئی تھی۔ ''یہ بات ہوئی نا۔ میرا خیال ہے کہ شاید پہلی بار تم نے مرد بن کر محلے والوں کا سامنا کیا ہے۔ ورنہ دبے دبے ہی رہتے ہو۔ ایک کونے میں دبکے ہوئے۔''

''تو کیا کرتا۔ میری حیثیت ہی ایسی نہیں تھی۔''

''اب تو ہو گئی ہے نا۔ کچھ دنوں تک اسی طرح شان سے رہو۔ اس کے بعد اپنا موبائل چھنوا لو۔ اس کے بعد تمہاری شان اور بڑھ جائے گی۔''

''لیکن کس سے کہوں کہ میرا موبائل چھین لو؟''

''تم بھی کمال کرتے ہو۔ موبائل گھر پر ہی رکھو۔ صرف

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

تھانے میں جا کر سب کو کہانی سنانی ہے کہ موبائل چھن گیا ہے۔ تھوڑی سی اداکاری کرنی ہوگی۔"

"وہ تو میں کر ہی لوں گا لیکن ایک پرابلم ہے۔"

"وہ کیا؟"

"میرا خیال تھا کہ میں محلے کے دو چار لوگوں کو ساتھ لے جا کر رپوٹ لکھواؤں گا۔ تاکہ سب کو یقین ہو جائے کہ واقعی میرا موبائل چھن گیا ہے۔ اب تو صرف زبانی بتانا ہوگا۔"

"زبانی کیوں؟ ابھی بھی تھانے جا کر رپورٹ لکھوا سکتے ہو۔ کوئی بھی جھوٹی سچی کہانی سنا دینا۔"

"ہاں، یہ ٹھیک رہے گا۔" امجد نے کہا۔ "میں کل ہی چلا جاؤں گا۔"

"پھر وہی بات۔ کل نہیں دو چار دنوں کے بعد جب تک سب اچھی طرح نہ دیکھ لیں۔ ورنہ کوئی بھی تمہارے دکھ میں دل سے شامل نہیں ہوگا۔"

"چلو، دو چار دن بعد سہی۔"

"اور ہاں، میں نے تمہارے موبائل کی خوشی میں چکن کڑاہی بنائی ہے۔ اور جس دن تم یہ خبر سناؤ گے کہ تم نے تھانے میں رپورٹ لکھوا دی ہے، اس دن قورمہ بھی کھلاؤں گی۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ تم میرا کتنا خیال رکھتی ہو۔ بیوی ہو تو تم جیسی ہو۔"

ہوٹل میں اس کا وہی معمول رہا۔ وہ ہوٹل میں سب کے سامنے کئی فون کرتا۔ اس چکر میں اس نے اپنے ان رشتے داروں کو بھی فون کر کے ان کی خیریت معلوم کر لی جن کی آوازیں تک بھول چکا تھا۔ وہ بھی ایک عرصے کے بعد اس کی آواز سن کر حیران ہوئے تھے۔

چودھری مقیم نے کئی دنوں سے اپنے کسی موبائل کے چھن جانے کی خبر نہیں سنائی تھی۔ اس کے ہوش ٹھکانے آ چکے تھے۔ امجد کی ترکیب کامیاب رہی تھی۔ اب اس کے احباب اس کی گفتگو بھی دھیان سے سننے لگے تھے۔

ایک دن اس کی بیوی نے ایک اور اہم بات کی طرف توجہ دلائی۔ "تم ایسا کرو۔ دو چار نئے کرتہ شلوار کے سوٹ خرید لو۔ ہوٹل میں جاتے ہو تو ایک سوٹ کئی دنوں تک پہنے رہتے ہو۔ اس سے امپریشن اچھا نہیں پڑتا۔"

"اوہو، تم تو انگلش بولنے لگی ہو۔" امجد ہنس پڑا۔ "لیکن میرے پاس سوٹ خریدنے کے پیسے کہاں ہیں؟"

"میرے پاس ہیں۔ میں نے جمع کر کے رکھے ہیں۔"

"کتنے ہیں؟"

"دس ہزار ہیں۔" بیوی نے بتایا۔ "اس میں تین چار اچھے سوٹ آ جائیں گے۔"

"کیوں نہیں آئیں گے، بلکہ میں ایسا کرتا ہوں کہ ایک سوٹ تمہارے لیے بھی لے لوں گا تاکہ تم اسے پہن کر اپنی پڑوسن کے گھر جاؤ اور اسے جلاؤ۔"

"ہاں، میں تو اب اس چڑیل کو جلا جلا کر راکھ کر دوں گی۔"

امجد شام ہونے سے پہلے سوٹ لے کر آ گیا تھا۔ پھر جب وہ نیا سوٹ پہن کر ہوٹل میں پہنچا تو ایک بار پھر سب حیران رہ گئے تھے۔

"کیا بات ہے امجد بھائی۔" کسی نے پوچھا۔ "کیا لاٹری نکل آئی ہے؟"

"نہیں یار۔ بس دل چاہا کہ یہ جو تین چار سوٹ رکھے ہوئے ہیں۔ ان کو استعمال ہی کر لوں۔ جیسے خریدے تھے ویسے ہی رکھے ہوئے تھے۔"

"امجد بھائی، اب تم سیٹھ معلوم ہونے لگے ہو۔" چودھری مقیم نے کہا۔

امجد کو اس کی بات سن کر خوشی ہوئی تھی۔ آخر اس کے سینے پر بھی سانپ لوٹنے لگے تھے۔

کئی دنوں کے بعد اس کی بیوی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب تم موبائل والا ڈراما کر ہی ڈالو۔ میں موبائل چھپا کر رکھ دیتی ہوں۔ اس کے بعد اس کی چھن جانے کی رپوٹ لکھوانے کسی کے ساتھ چلے جانا۔"

"ارے میں تو تین چار کو گھیر کے لے جاؤں گا تاکہ سند رہے اور بہ وقتِ گواہی کام آئے۔"

بیوی نے موبائل صندوق میں رکھ دیا۔ شام کے وقت امجد بوکھلایا ہوا ہوٹل میں داخل ہوا۔ سب نے اس کی پریشانی محسوس کر لی تھی۔ "ارے بھائی کیا ہوا؟" اس سے پوچھا گیا۔

"یار وہی ہوا جو ہر اچھے موبائل والے کے ساتھ ہوتا ہے۔" اس نے غمگین منہ بنا کر کہا۔ "اسنیچنگ ہو گئی۔ موبائل چھین کر لے گئے۔"

"ارے۔" چودھری مقیم نے افسوس کا اظہار کیا۔ "بہت پیارا سیٹ تھا۔ تم نے رپورٹ کروائی؟"

"ابھی نہیں اسی لیے یہاں آیا ہوں کہ تم میں سے دو تین کو لے چلوں اور رپورٹ کروا دوں۔"

"ہاں، ہاں امجد بھائی۔ ہم سب تمہارے ساتھ چلیں گے۔ کس تھانے میں چلنا ہے؟"

"ارے بھائی جو یہاں کا قریبی تھانہ ہو وہیں چلتے ہیں۔ اور سب کی ضرورت بھی نہیں ہے صرف دو بندے بہت

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

درحقیقت

کبیر عباسی

اپنے کام سے کام رکھنے والے ہمیشہ سکون و اطمینان میں رہتے ہیں... لیکن دوسروں کی زندگی کے بارے میں جاننے کا تجسس انسان کو بے قرار رکھتا ہے... ایک ایسے ہی نوجوان کا قصہ... جو خود کو دوسروں سے مختلف سمجھتا تھا...

ایک جلد باز..... نامردم شناس کا دردناک احوال

آپ نے وہ معروف مقولہ تو ضرور سن رکھا ہوگا کہ ''جو دکھتا ہے وہ ہوتا نہیں اور جو ہوتا ہے وہ دکھتا نہیں۔'' تو میں آج جو کہانی آپ کو سنانے بلکہ پڑھانے جا رہا ہوں، وہ اسی قول سے متعلق ہے۔ آپ پتا نہیں اس پر یقین رکھتے ہیں یا نہیں۔ میں دل سے اس پر ایمان رکھتا ہوں۔ آج کل تو مجھے یہ بار بار یاد آتا ہے۔ کوئی نیک نام مشہور ہو یا بدنام۔ کسی کو ایماندار مانا جا رہا ہو یا بے ایمان۔ کوئی ملزم قرار دیا جا رہا ہو یا مجرم۔ ہر دو صورتوں میں لوگ کسی نہ کسی وجہ سے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

عموماً ایک پختہ نظریہ قائم کر کے اس پر بحث شروع کر دیتے ہیں مگر میں یہ سوچتا رہ جاتا ہوں کہ خدا جانے حقیقت کیا ہے؟ آپ شاید سوچ رہے ہوں کہ میں کنفیوز قسم کی شخصیت کا مالک ہوں لیکن ایسا نہیں ہے۔ تو پھر عام لوگوں کی طرح میری سوچ کا پلڑا ایک طرف واضح طور پر کیوں نہیں جھکتا؟ اس سوال کا جواب آپ کو اس کہانی کے اختتام پر ہی ملے گا۔

یہ آج سے لگ بھگ تیس سال قبل کی بات ہے۔ ان دنوں میں لاہور کے ایک سرکاری کالج سے ایف اے کر رہا تھا۔ مجھ سے چھوٹی تین بہنیں تھیں۔ امی گھریلو خاتون تھیں جبکہ ابو ایک پرائیویٹ فرم میں ملازمت کرتے تھے۔ زندگی سکون سے گزر رہی تھی کہ ایک حادثے نے سب کچھ تہ و بالا کر دیا۔ ایک تیز رفتار گاڑی نے راہ چلتے میرے ابو کو ٹکر مار دی تھی۔ راہ گیر انہیں اٹھا کے اسپتال لے گئے۔ ان کا پورا جسم زخموں سے چور تھا۔ امی سیدھی سادی گھریلو خاتون تھیں۔ وہ حادثے کا سن کے بالکل ڈھے کے رہ گئیں۔ بہنیں بھی سہم گئیں۔ وہ دن میری زندگی کے مشکل ترین دن تھے۔ مجھے گھر والوں کو بھی سنبھالنا پڑ رہا تھا اور اسپتال کے چکر بھی کاٹنا پڑ رہے تھے۔ ہم نے اپنی ساری جمع پونجی ان کے علاج پر لگا دی لیکن وہ جانبر نہ ہو سکے۔

میں گھر کا اکلوتا مرد تھا۔ ابو کی موت نے یکدم ذمے داریوں کا سارا بوجھ میرے کندھوں پر ڈال دیا۔ میں پڑھنے لکھنے سے شغف رکھنے والا سیدھا سادا لڑکا تھا۔ حالات سے مجبور ہو کے کالج چھوڑ کے کام کی تلاش میں لگ گیا۔ چچا نے بہت کہا کہ میں تعلیم جاری رکھوں وہ کفالت کریں گے لیکن میری خودداری نے گوارا نہ کیا۔ ویسے بھی ان کی اپنی فیملی خاصی بڑی تھی اور بمشکل ہی وہ گھر کا گزارا چلا رہے تھے۔

میں نے اپنے چند جاننے والوں سے کام کا کہا ہوا تھا۔ انہی میں سے میرے دور پار کے چچا ٹھیکے دار تھے۔ وہ مکانات کی تعمیر کے ٹھیکے لیا کرتے تھے۔ انہوں نے مجھے مزدوری کی پیشکش کی۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ کام سخت تھا لیکن دیہاڑی مناسب تھی اور سب سے بڑی بات کہ پیسے روز کے روز مل جاتے۔ نوکری کی صورت میں ایک ماہ بعد تنخواہ ملتی اور یہ ایک ماہ ادھار لیے بغیر کاٹنا مشکل تھا۔ یہی سوچ کے میں نے ان کی پیشکش قبول کر لی۔ قلم اور کتابیں اٹھانے والے میرے ہاتھوں نے بیلچہ و کدال اٹھا لیا۔

کام سے تو میں نے سمجھوتا کر لیا لیکن میرے ساتھ کام کرنے والے دوسرے مزدوروں اور میرے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ کوئی مجھے دبا کے رکھنے کی کوشش کرتا تو کوئی فحش مذاق کرتا۔ میں خود کو نہ ان کے رنگ میں رنگ سکتا تھا نہ ان کے انداز میں انہیں جواب دے سکتا تھا۔ میں بس کڑھ سکتا تھا سو کڑھ رہا تھا۔

دن بھر سخت مشقت کے بعد میں گھر پہنچتے ہی لیٹ جاتا۔ دوستوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا خواب و خیال ہو گیا تھا۔ میرا جی چاہتا تھا کہ کوئی تو ہو جس کے ساتھ گھڑی بھر بیٹھ کے میں دل کی باتیں کر سکوں۔ اپنے دکھ سکھ بانٹ سکوں مگر دن بھر کام کے بعد اتنی ہمت ہی نہ بچتی کہ کسی سے مل پاتا۔ رہے ساتھی مزدور..... تو ان سے بات کرنے سے بہتر خاموشی تھی۔ میں دن بھر گونگا بنا کام میں لگا رہتا۔ اس معمول نے میرے ڈپریشن میں اضافہ کر دیا تھا۔ مجھے اپنی زندگی میں کسی دوست کی کمی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا مگر کوئی ہم مزاج ملتا تو بات کرتا۔

ہم جس علاقے میں کام کر رہے تھے ان دنوں وہاں تعمیرات کا کام زوروں پر تھا۔ ہر دوسرے تیسرے پلاٹ پر کوئی نہ کوئی مکان زیرِ تعمیر تھا۔ تعمیرات کی وجہ سے وہاں عارضی طور پر جگہ جگہ چھپر ہوٹل کھل گئے تھے۔ ہم دن کا کھانا ایسے ہی ایک ہوٹل میں کھایا کرتے تھے۔ میرے ساتھی بے ڈھنگے انداز میں کھانا کھاتے ہوئے بلند آواز میں ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرتے۔ وہ اکثر مجھے بھی اپنا نشانہ بنانے کی کوشش کرتے۔ میری کوشش ہوتی کہ ان سے الگ ہی بیٹھوں۔

اس دن بھی میں ایک تنہا گوشے میں بیٹھا خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا کہ ایک شخص میرے سامنے والی کرسی پر آ کے بیٹھ گیا۔ میری نظر اس کے چہرے پر پڑی، اور ٹک کے رہ گئی۔ اس کی عمر چوبیس پچیس سال رہی ہو گی۔ حلیے سے وہ میرا ہم پیشہ ہی لگ رہا تھا لیکن اس کے پُرکشش چہرے پر عجیب سی نرمی اور حلیمی چھائی ہوئی تھی۔

اس نے ویٹر کو آرڈر دیا۔ اس کی آواز میں بھی حلاوت گھلی ہوئی تھی۔ لہجے سے وہ پڑھا لکھا لگتا تھا۔ میں اسے دیکھتا رہا لیکن اس نے ایک نظر بھی میرے چہرے پر ڈالنا گوارا نہ کیا۔ بس خاموشی سے کھانا کھاتا رہا۔ اس کی رفتار خاصی تیز تھی، ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بہت جلدی میں ہو۔ عجلت کے باوجود وہ انتہائی سلیقے سے کھانا کھا رہا تھا۔ اتنے دنوں میں اس فیلڈ میں مجھے واحد کوئی ڈھنگ کا آدمی ملا تھا۔ میں اسے مخاطب کرنے کے لیے الفاظ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے اٹھتے دیکھ کے دوسری میز پر بیٹھے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

مزدوروں کے گروپ میں سے ایک شخص امجد نے اس سے پوچھا۔ ''کہاں جارہے ہو سبحان؟''

اس نے اچٹتی ہوئی نگاہ امجد کے چہرے پر ڈالی اور سپاٹ انداز میں بولا۔ ''نماز پڑھنے جارہا ہوں۔'' میں اس کی شخصیت سے متاثر تو پہلے ہی ہو چکا تھا۔ اس کے جواب نے میری نظروں میں اس کا قد مزید بلند کر دیا۔ مجھ سمیت کوئی بھی مزدور نماز نہیں پڑھتا تھا مگر اس کے باوجود اس کے مذہب کی طرف رجحان سے میں متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''جاؤ، مگر ٹائم پر پہنچ آنا۔'' امجد نے تنبیہی انداز میں کہا۔

سبحان کچھ کہے بغیر باہر نکل گیا۔ اس کے باہر نکلتے ہی امجد ناگواری سے بولا۔ ''خدا نے اچھی شکل کیا دے دی، یہ خود کو پھنے خان سمجھنے لگا ہے۔'' ساتھ والا شخص ہنسا۔

''اس کا پیچھا چھوڑ دے۔ یہ تیرے دام میں آنے والا نہیں۔''

''میں تو بس ساتھی ہونے کے ناتے اس سے بات کرتا ہوں مگر یہ تو ہمیں جیسے انسان ہی نہیں سمجھتا۔'' اس کا انداز جلا بھنا تھا۔ ایک اور شخص اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگا۔ وہ سبحان کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے اور میرے دل میں اس کے لیے ہمدردی بڑھتی جارہی تھی۔ وہ بھی میرے جیسے حالات کا شکار ہی لگ رہا تھا۔

جس دن ٹھیکے دار نہ ہوتا میرے ساتھی مزدور کھانا کھانے کے بعد بھی کافی دیر تک ادھر ہی بیٹھے سگریٹ پھونکتے ہوئے گپیں ہانکتے رہتے تھے۔ میں ان کے اٹھنے کا انتظار کرتا رہتا۔ اس دن بھی ایسا ہی ہوا۔

ہم کھانا کھا کے باہر نکلے ہی تھے کہ میری نظر سبحان پر پڑی۔ وہ ایک طرف سے تیزی سے چلتا ہوا آرہا تھا۔ وہ میرے قریب سے بے نیازی سے گزرا۔ میں بھی تیز تیز قدم اٹھاتا اس کے پیچھے چلنے لگا۔ چند قدم چلنے کے بعد ہی وہ ایک زیرِ تعمیر مکان کی طرف مڑ گیا۔

''تو یہ ادھر کام کرتا ہے۔'' میں نے زیرِ لب جیسے خود سے کہا۔ مجھے وہ پہلی ہی نظر میں اچھا لگا تھا اور میرا دل اس سے دوستی کے لیے مچل گیا تھا۔ گو کہ اس کی اور میری عمر میں چھ سات سال کا فرق تھا لیکن میرے لیے اس فرق سے زیادہ مزاج کی ہم آہنگی اہم تھی۔

اگلے دن کھانے کی میز پر بیٹھتے ہی میری نظر دروازے کی طرف بار بار اٹھنے لگی۔ مجھے سبحان کا انتظار تھا۔ میں نے کھانا شروع کیا ہی تھا کہ وہ مجھے آتا دکھائی دیا۔ اس کے ساتھی جب بیٹھ چکے تو وہ متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اور کوئی میز خالی نہ پا کر وہ سیدھا میری میز کی طرف ہی آیا۔ بیٹھتے ہی اس نے گردن گھما کے کاؤنٹر کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بے چینی چھائی ہوئی تھی۔ ویٹر پر نظر پڑتے ہی اس نے اشارے سے اسے اپنی طرف بلایا۔

''السلامُ علیکم۔'' میں دھیرے سے بولا۔ اس نے چونک کے میری طرف دیکھا اور زیرِ لب ''وعلیکم السلام'' کہا۔

''آپ نے کل بھی اسی میز پر بیٹھ کے کھانا کھایا تھا۔'' میں نے رسمی انداز میں بات کا آغاز کیا۔ اس نے ناگوار سی نظر مجھ پر ڈالی اور جواب دیئے بغیر ویٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ میں شرم سے جیسے زمین میں گڑھ گیا۔ اس کے بعد مجھے اس سے بات کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔

'یہ تو واقعی انتہائی مغرور لگتا ہے۔' میں نے سوچا۔

وہ گزشتہ روز کی طرح جلدی جلدی کھانا کھا کے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے جانے کے بعد اس کے ساتھی حسبِ معمول اسے لعن طعن کرنے لگے۔ اس کا رویہ میرے ساتھ بھی اچھا نہیں تھا مگر اس کے باوجود جانے کیوں مجھے اس سے نفرت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ اگر دیگر مزدوروں سے بات چیت نہیں کرتا تھا تو وہ لوگ اس قابل تھے ہی نہیں۔ ان کا رویہ کونسا اس کے ساتھ اچھا تھا۔ وہ مجھے بھی شاید انہی کے قبیل کا سمجھا تھا، اسی وجہ سے اس نے مجھ سے بات نہیں کی تھی۔ یہی سوچ کے میں نے خود کو مطمئن کر لیا تھا۔

اگلے روز جب وہ میرے سامنے بیٹھا کھانا کھا رہا تھا تبھی میں نے فیصلہ کیا کہ میں بھی آج اس کے ساتھ نماز پڑھنے جاؤں گا۔ شاید میرے اسی عمل سے اس کے دل میں میرے لیے گنجائش بن جاتی۔

اس کے باہر نکلتے ہی میں بھی اس کے پیچھے نکل آیا تھا۔ لوگوں کی بھیڑ میں وہ تیزی سے راستہ بناتا جارہا تھا۔ مجھے اس کا پیچھا کرنے میں مشکل پیش آرہی تھی لیکن کسی نہ کسی طرح میں اس پر نظر رکھنے میں کامیاب رہا تھا۔ مسجد کا گیٹ قریب آیا تو میں نے اپنی رفتار سست کر لی۔ میرا خیال تھا وہ گیٹ سے اندر ہی جائے گا مگر اس وقت میں حیران ہوا جب میں نے اسے مسجد کے اندر جانے کے بجائے سیدھا آگے جاتے دیکھا۔

'یہ کہاں جارہا ہے؟' بے اختیار میرے ذہن میں سوال

www.paksociety.com

ابھرا۔ تجسّس کے باعث میں بھی مسجد کے اندر جانے کے بجائے اس کے پیچھے ہی چلتا رہا۔ وہ ایک ریستوران میں داخل ہوگیا۔ یہ نسبتاً مہنگا ریستوران تھا۔ میں باہر ہی کھڑا اس کے نکلنے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ جلد ہی مجھے دکھائی دیا۔ اس کے ہاتھ میں کھانے کا پارسل تھا۔ میں ایک بار پھر اس کے عقب میں ہولیا۔ اس کا رخ شاہی محلے کی طرف تھا۔

وہ میرے سامنے ہی ایک مکان کی سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر گیا۔ اس نے دستک دی مگر کسی کے دروازہ کھولنے کا انتظار کیے بنا دروازہ دھکیل کے اندر داخل ہوگیا۔ میں ہکا بکا نیچے کھڑا اس مکان کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

اس کا کردار یکدم ہی میری نظر میں مشکوک ہوگیا تھا۔ وہ اس طرف آخر کیا کرنے آیا تھا؟ اس طرف تو کوئی شریف آدمی آنا گوارا نہیں کرتا تھا اور وہ ''دن دِہاڑے'' بے تکلفی سے اندر داخل ہوگیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ یہاں روز ہی آتا تھا۔ تو کیا نماز پڑھنے جانا محض بہانہ ہی تھا؟ اس سوال کا جواب جو میرے سامنے آیا تھا میں نہ چاہتے ہوئے بھی اس پر یقین کرنے پر مجبور تھا کہ کانوں سنی جھٹلائی جاسکتی تھی مگر آنکھوں دیکھی حقیقت سے نظر چرانا ممکن نہیں تھا۔

میں مرے ہوئے قدموں سے واپس آگیا۔ اس کی شخصیت کا جو بُت میں نے تراشہ تھا وہ ایک ہی جھٹکے سے مسمار ہوگیا تھا۔ کسی طوائف کے کوٹھے پر جاکے اپنی خواہش پوری کرنا شاید میری نظر میں اتنا بڑا گناہ نہ ہوتا اگر وہ اس کام کے لیے نماز کا بہانہ نہ کرتا۔ وہ تو بہت بڑا بہروپیا نکلا تھا۔ جس نے اپنے چہرے پر معصومیت و شرافت کا نقاب چڑھا رکھا تھا۔

اگلے روز جب وہ مجھے ہوٹل میں نظر آیا تو میں نے اسے بغور دیکھا۔ آج مجھے اس کے چہرے پر معصومیت کے بجائے عیاری و مکاری نظر آرہی تھی۔ میرے دل میں بے اختیار اس کے لیے شدید نفرت کا جذبہ پیدا ہوا۔ اس سے بہتر تو وہ مزدور تھے جو جیسے اندر سے تھے ویسا ہی ان کا ظاہر تھا۔

اس کے جانے کے بعد اس کے ساتھیوں نے حسبِ معمول اس کی ذات کو موضوعِ گفتگو بنا لیا۔ وہ اس کے روزانہ نماز کے بعد دیر سے کام پر لوٹنے کے حوالے سے خفگی کا اظہار کررہے تھے۔ کچھ دیر تو میں ان کی گفتگو سنتا رہا، آخر مجھ سے رہا نہیں گیا۔ میں نے ان کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

''وہ نماز پڑھنے نہیں جاتا۔'' سب کی حیران نظریں مجھ پر مرکوز ہوگئیں۔ میں نے ایک لمحے کا توقف کیا اور یکدم جیسے دھماکا کیا۔ ''وہ طوائف کے کوٹھے پر جاتا ہے۔''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' ایک شخص نے پوچھا۔ اس کے لہجے سے بے یقینی جھلک رہی تھی۔ میں انہیں گزشتہ روز کی رُوداد سنانے لگا۔

''اب آیا ناں اونٹ پہاڑ کے نیچے۔'' امجد جوش سے بولا۔ ''آج وہ آئے تو اس سے حساب لیتے ہیں۔''

میرے ساتھی اٹھے تو میں بھی ان کے ساتھ ہولیا۔ سبحان کے ساتھی جوش و خروش سے اس کے خلاف منصوبے بنا رہے تھے۔

کام کرتے ہوئے بھی میرا ذہن سبحان کی طرف ہی لگا رہا۔ جانے اس کے ساتھیوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ شام کو چھٹی ہوئی تو بے اختیار میرے قدم اس سمت اٹھنے لگے جہاں سبحان کام کرتا تھا۔ میں اس مکان کے قریب پہنچا ہی تھا کہ مزدوروں کا ایک گروپ مجھے باہر نکلتا دکھائی دیا۔ ان کے چہرے جوش سے سرخ تھے۔ وہ بلند آواز میں قہقہے لگا رہے تھے۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی امجد میری طرف آیا۔

''آ..... باؤ، تجھے چائے پلاتا ہوں۔'' اس نے بے تکلفی سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''تیری وجہ سے آج مجھے اس پھنے خان کی ساری پھنے خانی ناک سے نکالنے کا موقع ملا۔''

''آپ سبحان کے بارے میں بات کر رہے ہیں؟'' میں نے بے چینی سے استفسار کیا۔

''ہاں، ٹھیکیدار نے آج اسے کام سے بھی نکال دیا اور اس کی دیہاڑی بھی دبالی۔'' اس نے آنکھ میچتے ہوئے کہا۔

''مگر کیوں؟'' مجھے جانے کیوں اس اطلاع سے شاک لگا تھا۔

''اس نے ٹھیکیدار کے ساتھ بدتمیزی کی تھی۔''

میرے پوچھنے پر وہ تفصیل بتانے لگا۔ ٹھیکیدار سبحان کے روز دیر سے لوٹنے پر اعتراض کیا کرتا تھا مگر نماز کی وجہ سے وہ اسے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ آج امجد نے ٹھیکیدار کو بتا دیا تھا کہ وہ نماز کا بہانہ کرکے طوائف کے کوٹھے پر جاتا ہے۔ اس نے جب سبحان سے اس بابت بات کی تو وہ حیران رہ گیا۔ پہلے تو وہ انکار کرتا رہا مگر پھر وہ غصے سے مزدوروں کو بُرا بھلا کہنے لگا کہ تم لوگ میری جاسوسی کرتے ہو۔ میری شکایتیں کرتے ہو۔ امجد کو تو ایسے ہی کسی بہانے کا انتظار تھا۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

وہ اس سے جھگڑنے لگا۔ پہلے تو بات تُو تکار تک محدود رہی مگر اس کی زبان درازی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ نتیجے میں مزدوروں نے اس کے ساتھ مار پیٹ شروع کر دی۔ ٹھیکدار بھی ان کے ساتھ تھا۔

''آج اُسے پٹتے دیکھ کر میرے کلیجے میں ٹھنڈ پڑ گئی۔'' امجد کہہ رہا تھا اور مجھے جانے کیوں افسوس ہو رہا تھا۔ میں بجھے دل کے ساتھ گھر آ گیا۔ میرے پردۂ تصور پر اس کا زخمی چہرہ چپک کے رہ گیا تھا۔ مجھے پچھتاوا ہو رہا تھا کہ میں نے اس کا رازِ طشت از بام کیوں کیا۔ نہ میں ایسا کرتا نہ اس کے ساتھ اتنا بُرا سلوک ہوتا۔

اس کے ساتھ اچھا ہوا۔ میرے اندر سے مخالف آواز ابھری۔ وہ اگر پکڑا نہ جاتا تو جانے کتنے عرصے تک اپنے چہرے .... پر اچھائی اور نیکی کا بہروپ چڑھائے رکھتا۔ اب اسے احساس ہو گا کہ لوگ اندھے نہیں۔ وہ نظریں رکھتے ہیں، اندر گہرائی تک اترنے والی کھوجی نظریں۔ تم نے اسے پکڑوا کے نیکی کا کام کیا ہے۔ خواہ مخواہ خود کو موردِ الزام مت ٹھہراؤ۔ یہ آواز مجھے اطمینان دلا رہی تھی۔ میرا پچھتاوا خاصی حد تک کم ہو گیا۔

اگلے روز کھانے پر سبحان تو نہیں تھا مگر ہر زبان پر اسی کا ذکر تھا۔ اس کی نماز کے بہانے طوائف کے کوٹھے پر جانے کی بات ہر طرف مشہور ہو چکی تھی۔ باقی لوگ بھی چسکے لے لے کر اس کے بارے میں بات کر رہے تھے اور لاحول پڑھ رہے تھے۔ وہ بدتو تھا ہی، بدنام بھی ہو گیا تھا۔

☆☆☆

چند دن تک سبحان لوگوں کے لیے موضوعِ گفتگو بنا رہا پھر آہستہ آہستہ اس کا ذکر لوگوں کی زبانوں سے معدوم ہوتا چلا گیا۔ سننے میں آیا تھا کہ وہ اسی علاقے میں کہیں کام کرتا ہے اور اب بھی دن کو طوائف کے کوٹھے پر جاتا ہے مگر اب لوگوں کی اس موضوع میں دلچسپی نہیں رہی تھی۔ میرا کئی بار جی چاہا تھا کہ اسے تلاش کروں۔ اس سے ملوں اور اس سے پوچھوں کہ آخر اس طوائف میں ایسی کیا خاص بات ہے کہ اپنے خون پسینے کی کمائی روز اس کے در پر لُٹا آتا ہے۔ خود سستا کھانا کھاتا ہے اور اس کے لیے اچھا کھانا لے کے جاتا ہے۔ اس سے چند گھڑی کی ملاقات کے لیے لوگوں سے اُلجھتا ہے لیکن یہ خواہش دل میں ہی دبی رہی۔ کبھی اس پر عمل کی مجھے ہمت ہی نہیں پڑی۔

میں جانے کتنے عرصے تک اپنے ذہن میں مچلتے ان سوالوں کو دبائے رکھتا کہ ایک دن اچانک مجھے ان سوالوں کا جواب مل گیا۔ یہ ایسا انوکھا جواب تھا کہ جس نے سنا انگشت بدنداں رہ گیا۔

اس دن میں کھانا کھا کے باہر نکلا ہی تھا کہ میری نظر سبحان پر پڑی۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں تیزی سے چلتا ہوا جا رہا تھا۔ بے اختیار میرے قدم اس کے پیچھے اٹھنے لگے۔ اس کا رخ شاہی محلے کی طرف ہی تھا۔ پچھلی بار کی طرح اس نے اسی ہوٹل سے کھانا پیک کرایا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وقت اپنے آپ کو دوہرا رہا ہو۔ وہ جب طوائف کے کوٹھے میں داخل ہوا تو میں پُرسوچ انداز میں دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ اچانک میرا دل اس طوائف کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے مچلنے لگا جس پر وہ مر مٹا تھا۔ بے اختیار میرے قدم سیڑھیوں کی جانب بڑھے۔ تجسّس کی ایک لہر تھی جو مجھے اپنے ساتھ بہائے لے جا رہی تھی۔ ہر طرح کا خوف میں فراموش کر چکا تھا۔

دروازے پر پہنچ کے میں نے جھری سے اندر جھانکا۔ اندر کا منظر دیکھ کے میں سکتہ زدہ رہ گیا۔ وہ ایک ضعیف خاتون تھی جس کی پائنتی کے پاس سبحان بیٹھا اسے نرمی و محبت سے دیکھ رہا تھا۔ خاتون کی آنکھیں بند تھیں۔

وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کے نرمی سے بولا۔ ''ماں جی، کھانا کھا لیں۔'' خاتون نے آنکھیں نیم وا کیں۔ سبحان اپنے ہاتھوں سے لقمے بنا کے اسے کھلانے لگا۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ سارا جہاں جسے گناہ کی یکجیز میں تھپڑا سمجھ رہا تھا وہ تو عظمت کے اعلیٰ مینار پر فائز تھا۔ وہ یہاں اپنی خواہش کی تسکین کے لیے نہیں اپنی ماں کی بھوک مٹانے آتا تھا۔

مجھے کچھ یاد نہیں کہ میں وہاں سے کیسے لوٹا تھا۔ میرے سائیں سائیں کرتے ذہن میں ایک ہی جملہ بار بار گردش کر رہا تھا۔ ''ماں جی کھانا کھا لیں۔'' میرا جی چاہ رہا تھا کہ میں اپنے بال نوچوں۔ اپنے ہی چہرے پر تھپڑ مار مار کے لال کر دوں۔ یہ میں نے کیا کر دیا تھا؟ طوائف کے کوٹھے پر اسے جاتے دیکھ کے خود ہی اس کے متعلق اندازہ لگا لیا تھا۔ میں جسے آنکھوں دیکھی حقیقت سمجھا تھا وہ تو حقیقت تھی ہی نہیں۔

یہ میں ہی تھا جس کی وجہ سے وہ بدنام ہوا تھا اور اب یہ میری ہی ذمے داری بنتی تھی کہ اس کے دامن پر لگا داغ مٹاؤں۔ میں سیدھا اسی جگہ گیا جہاں سبحان پہلے کام کیا کرتا تھا۔ جہاں سے وہ میری وجہ سے زدوکوب کر کے نکالا گیا تھا۔ امجد پر نظر پڑتے ہی میں چلّایا۔

''سبحان کوٹھے پر گناہ کرنے نہیں جاتا۔''

''کیا مطلب؟'' اس کی آنکھوں میں اُلجھن تھی۔

میری آواز سن کے باقی مزدور بھی اکٹھے ہو گئے۔

''وہاں اس کی ماں رہتی ہے۔ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلا رہا تھا۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کے آ رہا ہوں۔'' میرا جی چاہ رہا تھا کہ میں چلّا چلّا کے سارا شہر اکٹھا کرلوں۔ سب کو بتاؤں کہ ہم جسے گناہ گار سمجھ رہے تھے، وہ تو پارساؤں سے بھی پارسا ہے۔

''او باؤ، تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ اس کی ماں نہیں ہوگی۔ اس کے پورے خاندان کو میں جانتا ہوں۔''

''اس کی ماں کو بھی جانتے ہو؟''

''ہاں۔'' وہ بیزاری سے بولا۔ ''اس کی ماں کو بھی جانتا ہوں۔ وہ سیدھی سادی گھریلو خاتون ہے۔''

''پتا نہیں۔ وہ اُسے ماں جی ہی کہہ رہا تھا۔'' میں ناسمجھی کی کیفیت میں بولا۔

''ہوسکتا ہے، وہ طوائف ہی کی اولاد ہو۔ اس کا باپ اسے اپنے پاس لے گیا ہو۔'' ایک مزدور نے اندازہ لگایا۔

''یہ ہوسکتا ہے۔'' امجد کے چہرے پر جوش نظر آنے لگا۔ ''بلکہ ایسا ہی ہوگا۔ ورنہ اسے کیا پڑی تھی کہ پرائی عورت کو روز جا کے کھانا کھلاتا، اس کے لیے بدنامی مول لیتا۔''

اس کا نظریہ ٹھیک لگ رہا تھا۔ میں انہیں سبحان سے متعلق باتیں کرتا چھوڑ کے کام پر آ گیا۔ میں نے اپنے ساتھی مزدوروں کو بھی سبحان کی حقیقت بتادی۔ وہ بھی ساری رُوداد سن کے ششدر رہ گئے تھے۔

☆☆☆

یہ دو دن بعد کی بات ہے۔ ہم لوگ کھانا کھانے ہوٹل جا رہے تھے کہ میری نظر سبحان پر پڑی۔ وہ حسبِ معمول تیزی سے چلتا جا رہا تھا۔

میں تو اس سے بات کرنے کا بہانہ ڈھونڈ رہا تھا، اسے دیکھتے ہی لپکا۔ ''سبحان بھائی، بات سنیں۔''

وہ میری طرف مڑا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھوں میں تنفّر جاگا۔ وہ قدم آگے بڑھانے ہی لگا تھا کہ میں تیزی سے بولا۔ ''مم..... میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔ میں نے آپ کو غلط سمجھا۔''

وہ منہ سے کچھ نہ بولا۔ بس سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا۔ ''میں جان گیا ہوں کہ آپ وہاں گناہ کرنے نہیں جاتے۔ اپنی ماں سے ملنے جاتے ہیں۔''

اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے حیرت جاگی۔ اگلے ہی لمحے وہ لب بھینچ کے بولا۔ ''وہ میری ماں نہیں ہے۔''

''تو پھر کون ہے؟'' میں نے حیرانی سے پوچھا۔ اس نے ناگواری سے میری طرف دیکھا اور بغیر کچھ کہے آگے بڑھا۔ میں اس کے پیچھے لپکا۔

''پلیز سبحان بھائی، مجھے بتائیں۔ وہ آپ کی ماں نہیں ہے تو پھر کون ہے؟ آپ کیوں اس کے پاس جاتے ہیں۔''

''تمہیں اس سے کیا مطلب؟ جاؤ اپنا کام کرو۔''

اس نے مجھے جھڑکا لیکن آج میں ہر صورت حقیقت جاننا چاہتا تھا۔ اس کا رویہ نظر انداز کرتے ہوئے اس کے ساتھ چلنے لگا۔

''میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔ آپ میری وجہ سے ہی بدنام ہوئے تھے۔ میں چاہتا ہوں کہ اب لوگوں کو حقیقت بتاؤں۔'' میرے لہجے میں حقیقی ندامت تھی۔

''مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ لوگ میرے متعلق کیا سوچتے ہیں۔''

''آپ کو فرق پڑنا چاہیے۔ آپ نیک ہیں تو کیوں بدنام رہنا چاہتے ہیں۔'' میں چلّایا۔ اس نے مجھے چونک کے دیکھا اور بولا۔

''میں بس اُس کی نظروں میں سرخرو رہنا چاہتا ہوں۔'' اس نے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔ ''رہی بات لوگوں کی تو انہیں کبھی کوئی مطمئن کرسکا ہے؟''

''آپ لوگوں کو چھوڑیں۔ مجھے تو مطمئن کرسکتے ہیں ناں؟''

''پتا نہیں تم کون ہو اور کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔'' اس نے بیزاری سے کہا۔ میں نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

''بس آج میری تشفّی کردیں۔ اس کے بعد کبھی آپ کے راستے میں نہیں آؤں گا۔'' میں نے التجا کی۔ اس کے چہرے پر جھنجلاہٹ نمودار ہوئی۔ مجھے لگا کہ وہ پھر سے مجھے جھڑکنے لگا ہے لیکن اس نے ایک گہری سانس لی اور بولا۔

''وہ ایک غریب اور تنہا عورت ہے۔ اس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں۔ میں بس ہمدردی میں اس کا تھوڑا سا خیال رکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

میرے ذہن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا واقعہ آیا۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ایسے تو وہ ایک ضعیف خاتون کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔ میں اسے کیا سمجھا تھا اور وہ کیا نکلا تھا۔ میرے دل پر ندامت کا بوجھ اور بڑھ گیا۔

''بس یا اور کچھ؟'' اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔ میں نے اسے عقیدت بھری نظروں سے دیکھا اور بولا۔

''آپ بہت بڑا کام کر رہے ہیں۔ اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا۔''

اس کے چہرے پر شرمندگی کے تاثرات نمودار ہوئے۔ ''میں کیا اور میری اوقات کیا۔'' اس نے دھیرے سے کہا۔

''وہ آپ کو ملی کہاں؟'' میں اپنی ساری اُلجھنیں آج ہی سلجھا لینا چاہتا تھا۔

''تم نے سنا ہوگا کہ جس کا کوئی نہیں ہوتا اس کا خدا ہوتا ہے۔ تو خدا خود اتر کے کسی کا سہارا نہیں بنتا۔ وہ اپنے بندوں میں سے ہی کسی بندے کو اس کام کے لیے چن لیتا ہے۔'' اس نے رک کے ایک لمحے کے لیے میری جانب دیکھا۔ میرے چہرے پر سوالیہ تاثرات تھے۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

''وہ مجھے راستے میں ہی ملی تھی۔ وہ روڈ کراس کرنا چاہ رہی تھی لیکن گاڑیوں کا شور سن کے بدک کے پیچھے ہٹ جاتی۔ اس کی بے بسی دیکھ کے میرا دل پسیج گیا۔ میں نے اسے روڈ کراس کرایا۔ میں جانے لگا تو وہ بولی۔''

''بیٹا، تمہاری مہربانی ہوگی اگر مجھے میرے گھر پہنچا دو۔ مجھے صاف نظر نہیں آتا۔''

''اس کے لہجے میں شرمندگی تھی۔ میں اسے گھر تک چھوڑ آیا۔ اس کے گھر کی حالتِ زار دیکھ کر صاف لگ رہا تھا کہ ایک عرصے سے اس کی صفائی نہیں ہوئی۔ اس سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ یہاں تنہا رہتی ہے۔ کسی پڑوسی سے کہہ کے دن میں ایک آدھ بار کھانا منگوا لیتی ہے۔ اس کے پاس پیسے ختم ہو گئے تھے۔ بس ایک انگوٹھی بچی تھی، وہ اس دن وہی بیچنے نکلی تھی۔ اس کے حالات دیکھ کر میں نے اس کی مدد کی ٹھان لی۔ میں اسے ساتھ گھر لے جانا چاہتا تھا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ سو مجھے اب جب بھی موقع ملتا ہے۔ اس کے پاس سے ہو آتا ہوں۔'' اس نے مختصراً ساری تفصیل سنا دی۔

میں اسے بے یقینی سے دیکھ رہا تھا۔ اس لمحے مجھے وہ آسمان سے اترا کوئی فرشتہ لگا جو ایسے بے غرض کسی مجبور کی مدد کر رہا تھا۔

''تو آپ نے یہ سب باقی لوگوں کو کیوں نہیں بتایا؟''

''بتا تا تو کون یقین کرتا؟ سب جانے میرے متعلق کیا سوچنے لگتے۔ جیسے ابھی سوچ رہے ہیں۔'' اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

میں شرمندہ ہو گیا۔ اس کی بات ٹھیک تھی۔ ''میری وجہ سے ہی آپ کے دامن پر داغ لگا تھا۔ اب میں ہی اسے دھوؤں گا۔ وہی لوگ جو آپ کو طنزیہ نظروں سے دیکھتے تھے اب عزت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔''

وہ میری طرف دیکھ کے مسکرایا۔ ''اس کی ضرورت نہیں۔ جو لوگ ہاتھوں میں نشتر لیے کھڑے ہوں ان کے دل میں کسی کے لیے عزت پیدا نہیں ہوتی۔'' وہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ میں کھڑا اسے عقیدت بھری نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

میرا خیال تھا کہ میں اس سارے معاملے کی حقیقت جان گیا ہوں مگر ایسا نہیں تھا۔ اس کہانی نے قریباً دو ہفتوں بعد ایک اور انکشاف انگیز موڑ لیا۔ اس دن میں صبح صبح کام پر پہنچا تو مزدوروں کے چہرے پر سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی بشیر طنزیہ انداز میں بولا۔

ایک عورت

ایک عورت اپنے دو بچوں کو ساتھ لے کر ایک سہیلی سے ملنے گئی۔ چھوٹے بچے کو دیکھ کر سہیلی نے کہا۔ ''اس کی آنکھیں بالکل ماں کی طرح ہیں۔''

ماں بولی۔ ''اور ماتھا باپ کا ہے۔''

''اور پاجامہ بڑے بھائی کا ہے۔'' اس کے بڑے بچے نے کہا۔

مبشر حسن ہیڈ بکائی

تراش خراش

ایک سپاہی دوسرے سے۔ ''تم پولیس میں بھرتی کیوں ہوئے؟''

دوسرا سپاہی بولا۔ ''میری بیوی نہیں ہے اور میں مرنا چاہتا تھا اور تم؟''

پہلا سپاہی۔ ''میری بیوی تھی اور مجھے سکون کی موت چاہیے تھی۔''

ساہیوال سے احمد علی کا جواب

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

''تو اس جانے کے بڑے گُن گاتا تھا۔ پتا ہے اس لے لیا کیا؟''

''کیا کیا؟'' میں نے حیرانی سے استفسار کیا۔

''وہ اس بوڑھی عورت کو قتل کر کے بھاگ گیا ہے۔''

اس نے یکدم دھماکا کیا۔ میں ششدر رہ گیا۔

''کیا؟'' میرے لبوں سے بمشکل سرسراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔ میرا دماغ اس جملے کو جذب نہیں کر سکا تھا۔

''میں کہتا تھا ناں یہ دیکھنے میں بڑا معصوم لگتا ہے لیکن ہے کوئی بڑی پہنچی ہوئی چیز۔ تو میرا اندازہ درست نکلا۔'' وہ جوش سے بولا۔

''آخر ہوا کیا ہے؟'' میں پھٹی پھٹی آواز میں چلّایا۔

وہ تفصیل بتانے لگا۔ میں ہکا بکا اسے دیکھتا رہ گیا۔ میں جسے فرشتہ سیرت سمجھا تھا وہ تو شیطان صفت نکلا تھا۔ بلکہ اس نے تو شیطان کو بھی مات دے دی تھی۔

بشیر کے مطابق گزشتہ روز ایک عورت نے سبحان کو تیزی سے اس بڑھیا کے گھر سے نکلتے دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف تھا۔ وہ اس کا انداز دیکھ کے چونک گئی۔ وہ بڑھیا کے گھر گئی تو سارا گھر الٹا پلٹا پڑا تھا۔ وہ اپنے ہی لہو میں لت پت پڑی تھی۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھنسا تھا۔ عورت نے چلّا چلّا کے سارا محلہ اکٹھا کر لیا۔

بڑھیا مر چکی تھی۔ کسی نے پولیس کو اطلاع دے دی۔ پولیس کو سبحان کا علم ہوا تو وہ اسے تلاش کرتے ہوئے اس کے گھر پہنچی مگر وہ اپنے گھر والوں سمیت غائب ہو چکا تھا۔ وہ کرائے کے گھر میں رہتا تھا۔ وہ کہاں گیا کوئی کچھ نہیں جانتا تھا۔ پولیس اسے تلاش کر رہی تھی۔ بشیر، سبحان کے پڑوس میں ہی رہتا تھا۔ وہیں سے اسے یہ سب پتا چلا تھا۔

مزدور جوش و خروش سے اس واقعے کے متعلق اظہارِ خیال کر رہے تھے اور میں سکتہ زدہ کھڑا تھا۔ آخر وہ کیا چیز تھا؟ اس نے اپنے چہرے پر کتنے نقاب ڈال رکھے تھے۔ ہر نقاب سے نکلنے والا چہرہ نقلی ہی نکلتا تھا۔ یا میں ہی اتنا معصوم تھا کہ ہر بار اس سے دھوکا کھا جاتا تھا۔

اس واقعے کو دن گزر گئے تھے، پولیس سبحان کی تلاش میں تھی لیکن اسے جانے زمین کھا گئی تھی یا آسمان۔ اس کا کہیں پتا نہیں تھا۔

اس دوران مجھے چند نئی باتیں معلوم ہوئی تھیں۔ اس بڑھیا کے پاس کچھ زیورات محفوظ تھے۔ پولیس کا خیال تھا کہ سبحان کو کسی طرح ان زیورات ہی کی بھنک مل گئی تھی۔ وہ اسی وجہ سے روز اس کے پاس جاتا تھا۔ جب وہ سیدھے طریقے سے زیورات حاصل نہ کر سکا تو اس نے بڑھیا کا منہ بند کر کے اس پر تشدد کیا۔ وہ چاقو سے اس کے جسم پر چرکے لگاتا رہا۔ بڑھیا یہ تشدد برداشت نہیں کر سکی اور جان سے گزر گئی۔ اس نے مرنے سے قبل شاید اسے زیورات کا پتا بتا دیا تھا۔ یا وہ خود ہی زیورات تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ پولیس کو الماری میں ایک خفیہ خانہ ملا تھا جو کھلا ہوا تھا۔

عملی زندگی میں قدم رکھتے ہی میرا پہلا پالا مزدوروں سے پڑا تھا۔ وہ جاہل تھے، بدتمیز تھے مگر جیسے بھی تھے ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا۔ ان لوگوں میں مجھے سبحان ہی ایک مہذب انسان لگا تھا، کچھ عرصہ میں اس کے متعلق بدگمانی کا شکار رہا تھا لیکن اس کی حقیقت جان کے میں اس کی بہت عزت کرنے لگا تھا۔ اور اب مجھے معلوم ہوا تھا کہ وہ اس کا اصلی روپ نہیں محض دکھاوا تھا۔ اس نے خود کو پرت در پرت تہوں میں لپیٹ رکھا تھا۔ اس واقعے نے مجھ پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ میرا لوگوں پر سے اعتبار ہی اٹھ گیا۔ میں ہر شخص، ہر واقعے کو شک کی نظر سے دیکھنے لگا۔

انہی دنوں کویت میں نوکریوں کے ویزے آئے تو میں نے وہاں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنے ملک سے میرا جی بالکل اُچاٹ ہو چکا تھا۔ امی کے زیورات بیچ کر میں کویت چلا گیا۔ یہاں ماحول کسی حد تک مختلف تھا۔ لوگ اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔ میں پوری طرح کمائی میں جُت گیا۔ نہ اب مجھے کسی دوست کی کمی محسوس ہوتی تھی اور نہ کسی کے ساتھ پر اعتبار کرنے کا جی چاہتا تھا۔ میں دن بھر کام میں مشغول رہتا اور رات کو گھر پہنچتے ہی کھانا کھا کے سو جاتا۔ میرے روم میٹ ایک دوسرے سے ہنستے بولتے۔ وہ مجھے بھی گفتگو میں شریک کرنے کی کوشش کرتے لیکن میں لیے دیئے ہی رہتا۔ نہ سبحان میرے ذہن سے محو ہوا تھا نہ میں اس کا دیا گیا سبق بھولا تھا۔

مجھے وہاں کام کرتے چھ سات سال بیت گئے۔ میں اب بطور سپروائزر کام کر رہا تھا۔ زندگی سکون سے گزر رہی تھی کہ سبحان کی صورت میں ایک بار پھر میری زندگی میں ہلچل ہوئی۔

ہماری کمپنی نے چند نئے مزدور ہائر کیے تھے۔ سبحان انہی میں سے ایک تھا۔ میں تو اسے دیکھ کر چونکا ہی تھا وہ بھی مجھے پہچان گیا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے نمودار ہوئے۔

''تم میرے ساتھ آؤ۔'' میں اُسے کہتے ہوئے اپنے دفتر کی طرف بڑھا۔ میرے ذہن میں بگولے اٹھ رہے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

تھے۔ اس جیسے فراڈیئے کو میں ہرگز یہاں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

میں اپنی کرسی پر بیٹھا ہی تھا کہ سبحان کمرے میں داخل ہوا۔ وہ دروازے میں ہی کھڑے ہو کے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر ہراس چھایا ہوا تھا۔

''اندر آجاؤ۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔

وہ دھیرے سے چلتا ہوا چند قدم آگے آیا اور پرسوچ انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔

''ہاں تو ..... یہاں کیا چکر چلانے کا ارادہ ہے؟'' میں نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''کک..... کیا مطلب؟'' وہ ہکلایا۔

''جو شخص ایک بوڑھی عورت کی خدمت کے بہانے اسے قتل کر کے اس کے زیورات لے اُڑے، وہ موقع ملنے پر کس کام سے چوک سکتا ہے؟''

اس کی رنگت متغیر ہوئی۔ ''میں نے اسے قتل نہیں کیا تھا۔'' اس نے احتجاجی انداز میں کہا۔ میں اسے طنزیہ نظروں سے دیکھتا رہا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ آپ نے بھی دوسرے لوگوں کی طرح مجھے غلط سمجھا۔ حالانکہ آپ تو مجھے جانتے تھے۔ کیا میں اس طرح کا کام کر سکتا تھا؟'' اس کے لہجے میں شکوہ زیادہ تھا یا دکھ۔ میں اندازہ نہیں لگا سکا۔

''میں اب اٹھارہ سال کا لڑکا نہیں ہوں جو تمہاری باتوں میں آجاؤں گا۔'' میں نے سختی سے کہا۔

''آپ مانیں یا نہ مانیں۔ میں نے اسے قتل نہیں کیا تھا۔ جب میں حسبِ معمول کھانا لے کے وہاں پہنچا تو اس کا گھر الٹ پلٹ کیا ہوا تھا۔ وہ اپنے ہی لہو میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں.....''

اسی لمحے دروازہ کھلا اور تنویر اندر داخل ہوا۔ کمپنی میں لوگوں کو ہائر کرنے کی ذمے داری اسی کی تھی۔ وہ پاکستانی ہے اور میری اس کے ساتھ اچھی علیک سلیک تھی۔ اس پر نظر پڑتے ہی سبحان کے چہرے پر چھایا خوف بڑھ گیا۔

''اِسے کیوں بلایا ہے؟'' وہ بے تکلفی سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

میں اسے سبحان کے متعلق بتانے لگا۔ ساری بات سنتے ہی وہ سبحان کی طرف مڑا اور دہاڑا۔ ''دفع ہو جاؤ، یہاں سے۔'' سبحان کے چہرے پر طیش کے تاثرات نمودار ہوئے۔ مجھے لگا کہ وہ تنویر پر جھپٹ پڑے گا۔ وہ ایک قدم تنویر کی طرف بڑھا بھی مگر پھر جھٹکے سے دروازہ کھول کے باہر چلا گیا۔

''تم یہ ساری رپورٹ لکھ کے دو۔ میں ابھی اسے فارغ کرتا ہوں۔'' وہ سخت غصے میں لگ رہا تھا۔

''اس کی بات تو سننے دیتے۔'' میں نے دھیرے سے کہا۔

اس نے غصیلے سے انداز میں میری طرف دیکھا۔ ''کیا اب بھی کچھ جاننے کے لیے باقی ہے؟'' میں کہنا چاہتا تھا کہ آنکھوں دیکھی حقیقت میرے سامنے غلط ثابت ہو چکی تھی۔ یہ سب تو سنی سنائی تھی لیکن اس کا موڈ دیکھ میں کچھ نہ کہہ سکا۔

میں نے سبحان کے متعلق رپورٹ لکھ دی۔ تنویر رپورٹ لے کے چلا گیا۔ میں سبحان سے ملنا چاہتا تھا لیکن اچانک ایسی مصروفیت درپیش آگئی کہ میں اس سے ملنے کے لیے وقت ہی نہیں نکال سکا۔ شام کو میں فارغ ہو کے دفتر پہنچا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

وہ سبحان تھا۔ اس کے چہرے پر کرب چھایا تھا۔ اس نے ایک لفافہ میری طرف بڑھایا۔

''مجھے یہاں سے بھی آپ کی وجہ سے نوکری سے نکال دیا گیا ہے۔'' اس نے عجیب سے انداز میں میری طرف دیکھا۔ ''میں جا رہا ہوں۔ میرے جانے کے بعد یہ پڑھ لینا۔''

وہ لفافہ میری ٹیبل پر رکھ کے چلا گیا۔ جانے کیوں مجھے اس کا انداز دیکھ کے دکھ ہو رہا تھا۔ میں نے گم صم سے انداز میں لفافہ کھولا۔ اس میں دو الگ الگ ورق رکھے تھے۔

میں نے ایک ورق کھولا۔ ''فیروز صاحب، میں جیسا بھی ہوں، خدا بہتر جانتا ہے۔ بندوں کی میں نے کبھی پروا نہیں کی۔ ایک آپ نے میرے اندر اترنے کی کوشش کی تھی مگر افسوس آپ نے اس بار بھی نتائج اخذ کرنے میں غلطی کی۔ آپ بھی عام انسان ہی نکلے۔ یا میں ہی غلط تھا کہ آپ کو مختلف سمجھا تھا۔ پہلے تو آپ نے مجھ سے حقیقت جاننے کے لیے ضد کی تھی۔ اس بار میں خود آپ کو حقیقت بتاتا ہوں۔ گو کہ اس کا اب کوئی فائدہ نہیں۔ آپ نے مجھے جو نقصان پہنچانا تھا پہنچا چکے مگر آپ کو بھی علم تو ہونا چاہیے کہ جو دکھتا ہے وہ ہوتا نہیں اور جو ہوتا ہے وہ دکھتا نہیں۔

اس دن جب میں کھانا لے کے اس بوڑھی خاتون کے پاس پہنچا تھا تو وہ خون میں لت پت الماری کے پاس پڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ دبا ہوا تھا۔ وہ کاغذ

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

بھی میں آپ کو دے رہا ہوں، پڑھ کے حقیقت جان لیں۔ میں نے وہ زیورات مجبوری میں رکھے تھے۔ وہ میری ضرورت بھی تھے اور اس کی آخری خواہش بھی۔''

میں نے دوسرا ورق کھولا۔ میرے ہاتھ لرز رہے تھے۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ ایک بار پھر مجھ سے بہت بڑی غلطی سرزد ہو چکی ہے۔ اس پر انتہائی شکستہ تحریر میں لکھا تھا۔

''سبحان، پتا نہیں تمہارے پہنچنے تک میں زندہ بھی رہتی ہوں یا نہیں۔ تم میرے لیے اتنی قربانی دیتے رہے ہو۔ آج میں نے بھی تمہاری خاطر قربانی دے کے تمہارے احسانات کا بدلہ چکانے کی کوشش کی ہے۔ وہ مجھے چرکے لگاتے رہے اور مجھ سے میرے زیورات کا پوچھتے رہے، مگر میں نے انہیں کچھ نہیں بتایا۔ یہ میرے لیے محض زیورات نہیں میرے محبوب کی نشانی تھے۔ ان پر صرف تمہارا حق ہے۔ تمہارے لیے ہی میں اتنی مزاحمت کر سکی۔ میں تکلیف سے بے ہوش ہو گئی۔ مجھے ہوش آیا تو وہ جا چکے تھے۔ میں بمشکل زیورات کے خفیہ خانے تک پہنچی۔ زیورات دیکھ کے میں نے سکون کا سانس لیا۔ یہ تمہارے لیے ہیں، لے جاؤ۔ پولیس کے چکر میں نہ پڑنا اور.....''

میں سکتہ زدہ یہ تحریر پڑھ رہا تھا۔ میرے کندھے ندامت کے بوجھ سے جھکے چلے جا رہے تھے۔ میں ایک بار پھر دھوکا کھا گیا تھا۔ میں کتنی ہی دیر گم صم بیٹھا اس تحریر کو تکتا رہا۔

کمرے کا دروازہ کھلا تو میں چونکا۔ وہ تنویر تھا۔ ''کیا ہوا۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' اس نے فکرمندی سے پوچھا۔

میں نے خاموشی سے سبحان کا خط اس کی طرف بڑھا دیا۔ ''یہ کیا ہے؟'' تنویر بولا۔

''پڑھ کے دیکھ لو۔'' میرے گلے سے بمشکل پھنسی پھنسی آواز برآمد ہوئی تھی۔ اس نے چونک کے مجھے دیکھا اور خط میرے ہاتھ سے لے کے پڑھنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ وہ یہ تحریر پڑھ کے شرمندہ ہو گا مگر اس کے ردِعمل نے مجھے حیران کر دیا۔

''یہ بندہ تو بہت بڑی فلم ہے یار۔ کیا کہانی بنائی ہے اس نے۔''

''کک..... کیا مطلب؟'' میں نے اُلجھن آمیز انداز میں پوچھا۔

''تم اس پر یقین تو نہیں کر بیٹھے؟''

''کیا اب بھی کوئی گنجائش ہے۔'' میں نے اسی کا فقرہ لوٹایا۔

''گنجائش ہی گنجائش ہے۔'' وہ طنزیہ انداز میں ہنسا۔ ''یہ دیکھو۔ کیا یہ سات آٹھ سال پرانی تحریر لگ رہی ہے؟ وہ عورت شدید زخمی تھی۔ اس پر خون کا کوئی داغ ہے؟''

میں نے اسے افسوس بھری نظروں سے دیکھا۔ ''تم یہ نہیں مانو گے کہ ہم سے غلطی ہوئی ہے؟''

''ہم سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ وہ تمہیں بیوقوف بنا گیا ہے۔'' اس نے ناگواری سے کہا۔ ''تم نے بتایا تھا کہ اس عورت کی نظر کمزور تھی۔ وہ ضعیف تھی۔ اب تم ہی بتاؤ، یہ ممکن ہے کہ وہ مرتے ہوئے اپنی مدد کے لیے کسی کو بلانے کے بجائے خط لکھنے بیٹھ جائے؟''

''ہم اس عورت کو جانتے نہیں تھے۔'' اس کی باتیں میرے دل کو لگ رہی تھیں لیکن پھر بھی میں نے کمزور سے انداز میں دفاع کی کوشش کی۔

''ٹھیک ہے، ہم اسے نہیں جانتے مگر یہ کاغذ دیکھو۔ یہ اتنا پرانا لگ رہا؟ یہ ممکن ہے کہ اس پر خون کا معمولی دھبا تک نہ ہو۔'' اس کا انداز چیلنج کرنے والا تھا۔ میں نے کاغذ لے کے بغور دیکھا۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ اتنا پرانا ہے یا نہیں۔ وہ میرے چہرے پر اُلجھن دیکھ کے بولا۔

''اس کے پاس اگر اتنا واضح ثبوت تھا تو اس نے تمہیں پہلے کیوں نہیں بتایا۔ یہ تو اسے صبح ہی تمہارے سامنے رکھ دینا چاہیے تھا۔''

''اس نے اب کیوں بتایا؟'' میں نے عجیب سے انداز میں استفسار کیا۔

''اسے یہ آئیڈیا ہی بعد میں آیا ہو گا۔'' وہ ہنسا۔ ''اس نے سوچا ہو گا کہ اس کی نوکری تو جا ہی چکی۔ جاتے ہوئے وہ تمہیں بھی اُلجھن میں ڈال جائے۔ اب ساری زندگی تم ندامت کے بوجھ سے دبے رہو۔ واہ..... کیا انتقام لیا ہے اس نے تم سے۔'' ہنستے ہنستے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

شاید وہ ٹھیک کہہ رہا تھا یا محض اپنی غلطی چھپانے کو تاویلیں گھڑ رہا تھا۔ وہ ایک عام شخص تھا، اسے ایسا ہی کرنا تھا، مگر میرے اندر احساس باقی تھا، میں چاہ کے بھی خود کو بے قصور نہیں مان سکتا تھا۔ اس داغِ ندامت نے ہمیشہ میرے ساتھ ہی رہنا تھا۔ رہی حقیقت..... تو ہم اس پر بحث تو کر سکتے تھے مگر درحقیقت ہوا کیا تھا یہ کبھی نہیں جان سکتے تھے۔

❖❖❖

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

سب کچھ اتفاق پر مبنی تھا۔ اتفاق سے بارڈر سے اسمگل شدہ جیپ ریگ ماہی ریسٹورنٹ کے قریب خراب ہوئی۔ اتفاق سے اردگرد کوئی کاریگر نہ ہونے کی وجہ سے نوجوان ڈرائیور نے ریسٹورنٹ کا رخ کیا اور اتفاق سے عبداللہ کو خطیر رقم کے متعلق معلومات حاصل ہوئیں۔ جسے وہ چاروں ریگستان سے باہر شہر منتقل کرنا چاہتے تھے۔ جیپ دیکھنے کے بعد اسے بہ خوبی اندازہ ہوگیا کہ وہ چاروں اسمگلر ہیں۔ اس نے خرابی دور کرنے کے بعد جیپ کے بریک

رگ و پے میں اتر جانے والے زہر کی آتش فشانی.....

امیدوں کے دیے جلتے رہیں تو تاریک راتوں میں بھی راستے نظر آنے لگتے ہیں... کچھ بدفطرت اور بدخصلت لوگ شمعیں بجھانے کا کام بڑی سرعت سے کرتے ہیں... ریگ زاروں میں کھوئے ہوئے کردار... وہ ایک دوسرے کے ساتھی تھے... مگر راہ میں ایسی رکاوٹیں کھڑی تھیں جو انہیں جدا کر رہی تھیں...

ریگ ماہی

عمران قریشی

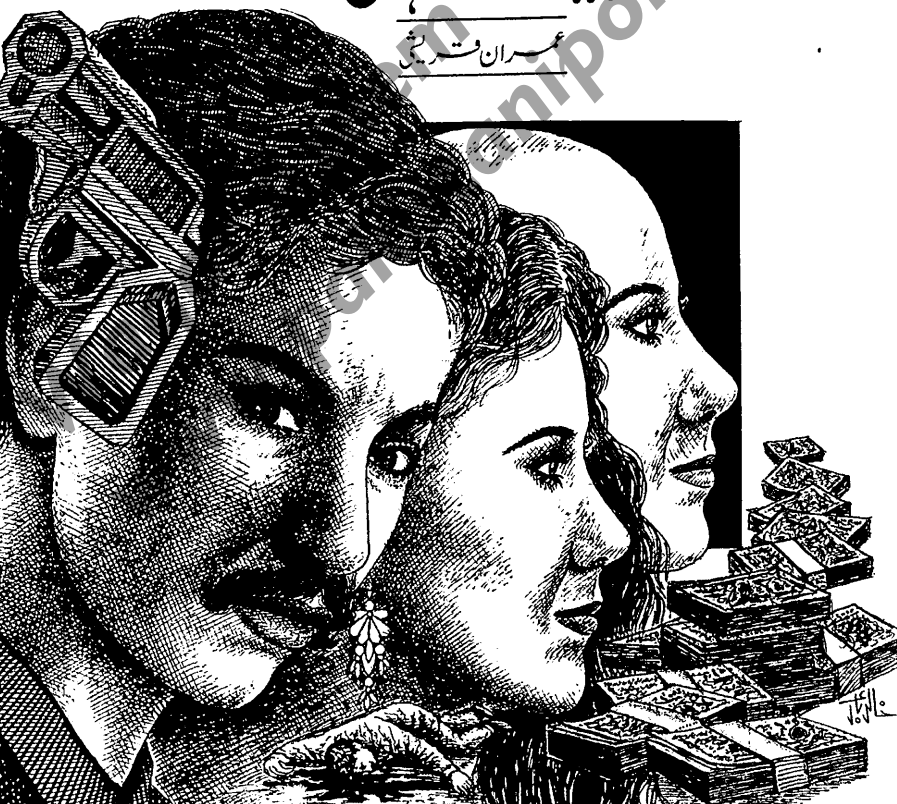

urdunetpoint.com

ڈھیلے کر دیے اور ریسٹورنٹ واپس آ گیا۔ جیپ ریسٹورنٹ کے سامنے واقع درختوں کے جھنڈ میں گھس کر ایک درخت کے ساتھ ٹکرا کر تباہ ہوئی۔ وہ درختوں کے جھنڈ میں آ گیا۔ جیپ کے نچلے حصے میں آگ لگی ہوئی تھی۔ تاہم پیٹرول کی ٹینکی سے دور تھی۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا ہوا نوجوان خون میں لت پت تھا۔ پچھلے حصے میں دو آدمی گتھم گتھا اپنے ہاتھوں سے سر تھامے ہلکے ہلکے کراہ رہے تھے۔ نوجوان ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا ادھیڑ عمر شخص حادثے کی تباہ کاریوں سے قدرے محفوظ تھا۔ عبداللہ نے قریب ہی پڑی اینٹ کو اٹھایا اور تینوں کے سروں پر رسید کر کے عالم خرد کی دنیا سے بیگانہ کر دیا۔ پھر یکے بعد دیگرے ان چاروں کو جیپ سے نکال کر جھنڈ کے قریب گھاس کے قطعہ پر لٹا دیا۔ اس اثنا میں جیپ کے نیچے لگی آگ بجھ گئی لیکن گھاس پر سیاہ نشان چھوڑ گئی۔ درخت کے تنے پر کاری ضرب سے گہرا نشان پڑ گیا تھا۔ جیپ کے پچھلے حصے میں لوہے کی پٹی رکھی ہوئی تھی۔ اس نے کھینچ تان کر اسے بھی گھاس والے قطعہ کے پاس پہنچا دیا۔ ادھیڑ عمر شخص کے سر پر گہرا گھاؤ تھا جس سے خون نکل کر چہرے پر پھیل گیا تھا۔ اس کی کمر پر بندھے ہوئے ہولسٹر سے ریوالور کی نال جھانک رہی تھی۔ عبداللہ نے ریوالور نکال کر دیکھا، چیمبر کے اندر گولیاں موجود تھیں۔ نال پر سائیلنسر بھی لگا ہوا تھا۔ اس نے لوہے کی پٹی پر لگے ہوئے تالے کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ ہلکی سی آواز کے ساتھ تالے کے پرخچے اڑ گئے۔ اس نے ریوالور کو دوبارہ ہولسٹر میں رکھ لیا۔ رات کے ساڑھے آٹھ بجنے والے تھے۔ نو بجے نومی ریسٹورنٹ آتا تھا۔ اس کی آمد سے قبل عبداللہ کو وہ سب کچھ کر لینا چاہیے تھا جو اس کی آمد کے بعد نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے پٹی کا ڈھکن جھٹکے کے ساتھ کھول دیا۔ اندر بڑے نوٹوں کی گڈیاں بھری ہوئی تھیں۔ اسے سینے میں دھڑکتا ہوا دل رکتا محسوس ہوا۔ رقم کو جلد از جلد مناسب مقام پر منتقل کر دینا چاہیے تھا۔ اس نے پٹی کو بند کیا اور ریسٹورنٹ کے تہ خانے میں لے آیا۔ تہ خانے کا راستہ ہال کمرے کی سیڑھیوں کے نیچے سے جاتا تھا۔ پٹی کو اندر منتقل کرنے کے بعد اس نے دروازے کو تالا لگا دیا پھر دوبارہ جھنڈ میں آ گیا۔

پونے نو بجنے والے تھے۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔ رات کے اس پہر ٹرک ڈرائیوروں یا پھر بھولے بھٹکے مسافروں میں سے شاذ و نادر ہی کوئی ریسٹورنٹ کا رخ کرتا تھا۔ اس نے ان چاروں کو قریبی پہاڑی علاقے میں بنے غار میں پہنچا دیا۔ یہ جھنڈ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اس کے دہانے پر گھنی جھاڑیوں کی بہتات تھی۔ دہانہ ان کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ ان کو زمین پر لٹانے کے بعد اس نے بیلٹوں سے ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر منہ کے اندر رومال ٹھونس دیے اور جھنڈ کی طرف آ گیا۔ پندرہ سالہ نومی عمارت کی طرف جا رہا تھا۔ اس کا رخ مخالف جانب تھا۔ اس لیے وہ اسے دیکھ نہیں سکا۔

عبداللہ جھنڈ میں داخل ہو گیا۔ اس نے تنقیدی نگاہوں سے اطراف کا جائزہ لیا۔ وہ اندھیرے میں کچھ زیادہ نہیں دیکھ پایا۔ تاہم جیپ گھنے درختوں کے پیچھے محفوظ تھی۔ اب اسے نومی کے ریسٹورنٹ سے باہر جانے کا انتظار کرنا تھا اور ایسا صبح سے پہلے ممکن نہیں تھا۔ وہ عمارت کی طرف چلا آیا۔ نومی نہایت تحمل اور خاموش طبع لڑکا تھا۔ ہر چند کے وہ اس پر اندھا اعتماد کرتا تھا۔ تاہم اس معاملے میں راز دار نہیں بنانا چاہتا تھا۔ اسے ہال کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر نومی کے چہرے پر روایتی مسکراہٹ نمودار ہوئی جو یک دم حیرت کے ملے جلے تاثرات میں تبدیل ہو گئی اور اس نے سلام کرنے کے بجائے متفکر لہجے میں پوچھا۔

''جناب خیریت تو ہے؟ کیا کوئی حادثہ پیش آ گیا؟''

عبداللہ نے چونکتے ہوئے اپنے سراپا پر نگاہ دوڑائی۔ جھاڑیوں کے تنکے اور گرد و غبار کی پتلی تہ اس کے جسم کا محاصرہ کیے ہوئے تھی۔ چند خون کے دھبے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے بہانہ گھڑتے ہوئے کہا۔

''کھانے کے بعد واک کے دوران اندھیرے کی وجہ سے سڑک کے کنارے واقع کھائی کا اندازہ نہیں لگا سکا۔ خوش قسمتی سے نیچے گرنے کے دوران ایک چھوٹے سے درخت کی بدولت بچت ہو گئی۔ ورنہ زندہ بچنا ممکن نہیں تھا۔''

نومی اور بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن عبداللہ نے اسے موقع نہیں دیا اور سیڑھیاں چڑھ کر دوسری منزل پر واقع خواب گاہ میں آ گیا۔ خواب گاہ کی لائٹ آف تھی۔ اندھیرا اس کی حالت زار کی پوشیدگی کے لیے ضروری تھا۔ اس نے بہ آہستگی ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور کمرے میں قدم رکھ دیا۔ حسب عادت ماہی مطالعے میں مصروف تھی۔ ٹیبل لیمپ کی روشنی اس کے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی کتاب کی حد تک محدود تھی۔ دروازہ کھلنے کی پھر بند ہونے کی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ گیلری میں لگے ہوئے بلب کی روشنی کمرے کے اندر آ رہی تھی۔ ماہی نے چند لمحے خالی خالی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد دوبارہ مطالعہ شروع کر دیا۔ وہ پینتیس سے چالیس کے درمیان کی بھرپور جسم کی عورت تھی۔

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

بڑی بڑی سیاہ خواب آلود آنکھیں، منہ کا دہانہ تنگ اور بال غیر معمولی طور پر لمبے تھے۔ اس کے مقابلے میں عبداللہ قبول صورت، معمولی شخصیت اور درمیانے قد کا تھا۔ اس کے باوجود ان کی ازدواجی زندگی خوشگوار تھی۔ وہ خواب گاہ سے ملحقہ باتھ روم میں آگیا۔

دو سال قبل جب عبداللہ نے ریگ ماہی ریسٹورنٹ کی عمارت کو خریدا تھا، تب وہ نہایت قابلِ رحم اور خستہ حالت پر میں تھی۔ اس نے اپنی تمام جمع پونجی اس کی حالت بہتر کرنے پر لگا دی۔ سروس اسٹیشن کا آغاز حال ہی میں کیا تھا۔ وہ گاڑیوں کا کام بخوبی کر لیتا تھا۔ ماہی کو کھانا پکانے کا شوق تھا۔ ریگستان کے آخر میں واقع بارڈر پر ٹرکوں اور بسوں کی آمدورفت کا سلسلہ کم وبیش جاری رہتا تھا۔ یہ لوگ زیادہ تر چائے اور سگریٹ نوشی کے لیے ریسٹورنٹ کا رخ کرتے تھے۔ دونوں نے باہمی مشورے سے رات کی ڈیوٹی کے لیے مقامی لڑکے کو ملازم رکھ لیا تھا۔ ہر چند کے وہ گاڑیوں کی سروس ٹائروں میں ہوا بھرنے کے کام سے ناآشنا تھا۔ تاہم رات کے وقت اس کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ ماہی نے اسے چائے بنانا سکھا دیا تھا۔ اس لیے وہ چائے اور کیک بسکٹ پر مشتمل آرڈر کی تکمیل بہ آسانی کر لیا کرتا تھا۔ باتھ روم میں عبداللہ نے شرٹ کو اچھی طرح دھویا۔ پھر غسل کے بعد شب خوابی کا لباس زیب تن کر کے باہر آگیا۔ ماہی دودھ کا گلاس ہاتھ میں تھامے اس کی منتظر تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے گلاس اس کے ہاتھوں سے لیا اور چند گھونٹوں میں ختم کرنے کے بعد ٹیبل لیمپ کو آف کر کے ماہی کے پہلو میں لیٹ گیا۔

☆☆☆

صبح اس کی آنکھ کچھ تاخیر سے کھلی۔ ساڑھے نو بجنے والے تھے۔ نومی کام ختم کر کے چلا گیا تھا۔ عبداللہ کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ نومی کے جانے سے قبل وہ ریسٹورنٹ کا کام سنبھال لے۔ گزشتہ ماہ تک وہ ایسا بخوبی کر لیتا تھا لیکن اس ماہ غیر معمولی نیند کی وجہ سے اس کی آنکھ معمول کے مطابق نہیں کھلتی تھی۔ ماہی کچن میں ناشتا تیار کر رہی تھی۔ اس نے عجلت کے عالم میں منہ ہاتھ دھویا اور ناشتے کی میز پر آگیا۔ اس کی کھوجتی ہوئی نگاہیں ماہی کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ بظاہر اس کے چہرے پر کوئی تاثرات نہیں تھے لیکن وہ جانتا تھا کہ اس کی طرح ماہی کے دل و دماغ میں بھی ایک طوفان برپا تھا جو اسے سرکشی پر مجبور کر رہا تھا۔ اس کا ثبوت اس کے سیاہ ہونٹ اور انگلیوں پر سگریٹ کے نشان تھے۔ چند دنوں سے کرولا کی حالت بھی اس بات کی نشاندہی کر رہی تھی کہ اس کے ذریعے ریگستان کا طویل سفر کیا جاتا تھا۔ یعنی وہ جس کے پاس جاتی تھی، وہ ریگستان میں واقع مختصر آبادیوں میں کہیں رہائش پذیر تھا۔ نومی اس کا شریکِ راز تھا۔ وہ تمام رات ریسٹورنٹ میں جاگتے ہوئے گزارتا تھا اور اس کی موجودگی میں ماہی ریسٹورنٹ سے باہر جاتی اور واپس آتی تھی۔ عبداللہ نے جب بھی اسے کریدنے کی کوشش کی اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

ناشتا کرنے کے بعد وہ ریسٹورنٹ سے باہر آگیا۔ جیپ کو کرولا کے ساتھ ٹوچین کرنے کے بعد وہ اسے ریسٹورنٹ کے پچھلے حصے میں واقع چاردیواری کی طرف لے آیا۔ اس چاردیواری میں کاٹھ کباڑ رکھا ہوا تھا۔ اس نے گیٹ کھول کر جیپ کو اندر دھکیل کر اس کے اوپر ترپال ڈال دی اور مطمئن ہونے کے بعد پہاڑی غار کی طرف چل دیا۔ اسے جلد ایک ڈرامے کو ترتیب دینا تھا۔ تینوں زخمیوں اور ہلاک ہو جانے والے نوجوان کو جیپ میں منتقل کر کے پہاڑی کھائی سے نیچے دھکیلنے کے بعد رقم کو محفوظ مقام پر منتقل کرنا تھا لیکن غار کے پاس پہنچتے ہی اسے احساس ہو گیا کہ چند افراد غار تک رسائی حاصل کر چکے تھے۔ غار کے دہانے پر اگی ہوئی جھاڑیاں مسلی ہوئی تھیں۔ سگریٹ کے چند ٹکڑے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ وہ جھاڑیوں کو ہٹا کر اندر داخل ہو گیا۔ کچی زمین پر جابجا قدموں کے نشان تھے۔ چاروں زخمیوں کا وہاں نام ونشان نہیں تھا۔ اسے فوراً ہی رقم کا خیال آیا۔ وہ عجلت کے عالم میں ریسٹورنٹ کی طرف دوڑا۔ ماہی رہائشی کمروں میں کہیں تھی۔ اس نے تہ خانے کا رخ کیا۔ اردگرد تنقیدی نگاہوں سے جائزہ لینے کے بعد اس نے تالا کھولا اور سیڑھیاں اتر کر نیچے آگیا۔ رقم سے بھری ہوئی پیٹی تہ خانے میں موجود تھی۔ وہ پیٹی کے پاس بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ عمارت کے باہر کسی گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ اس نے پیٹی کے اوپر کاٹھ کباڑ ڈال کر اسے اچھی طرح چھپایا اور تہ خانے کے دروازے کو تالا لگا کر ہال کمرے سے ہوتا ہوا باہر آگیا۔ ایک منی ٹرک اور اسٹیشن ویگن کے کچھ افراد اس کے منتظر تھے۔ ٹرک ڈرائیور نے ناشتے کے متعلق دریافت کیا۔ اسٹیشن ویگن میں تحقیقاتی ٹیم کے افراد براجمان تھے جن کی تعداد آٹھ تھی۔ وہ کولڈ رنکس اور چپس وغیرہ سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے۔ چند کو صرف چائے درکار تھی۔ عبداللہ انہیں ہال کمرے میں لے آیا اور خود ماہی کا ہاتھ بٹانے کی نیت سے کچن میں

www.paksociety.com

آ گیا۔ ناشتے اور دوسرے لوازمات کی منتقلی کے دوران اسے منی ٹرک ڈرائیور کی آواز نے اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ تحقیقاتی ٹیم کے افراد کو بتا رہا تھا۔

شہر کے پاس پولیس اہلکار ناکا بندی کر کے کسی جیپ کی تلاش میں مصروف تھے۔ یہ جیپ گزشتہ روز ریگستان کے قریب بارڈر کے پاس سے اینٹی نارکوٹکس والوں نے آپریشن کے دوران اچھی خاصی رقم کے ساتھ اسمگلروں سے ہتھیائی تھی۔ تاہم شہر کی طرف روانہ ہونے کے بعد اس کا کچھ پتا نہیں چلا۔ پولیس اہلکاروں میں سے دو میرے جان پہچان والے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ریگستانی سڑک سے لے کر پہاڑی علاقے کے اختتام تک ریگ ماہی ریسٹورنٹ کے علاوہ جیپ کو چھپانے کے لیے مناسب جگہ نہیں ہے۔ وہ جلد ریسٹورنٹ کا رخ کرنے والے ہیں۔

عبداللہ کو اپنے ہاتھوں کے طوطے اڑتے ہوئے محسوس ہوئے۔ وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ حادثے کا شکار ہونے والی جیپ میں اینٹی نارکوٹکس کے افراد سفر کر رہے تھے۔ وہ بے خبری میں جرم کا ارتکاب کر بیٹھا تھا۔ درختوں کے جھنڈ میں بہت سے ثبوت بکھرے پڑے تھے۔ اس نے ماہی کو کاؤنٹر سنبھالنے کے لیے کہا اور ہال کمرے سے نکل کر سروس اسٹیشن کی طرف آ گیا۔ یہاں ایک گیلن میں کچھ پیٹرول رکھا ہوا تھا۔ ماچس اس کی جیب میں تھی۔ اس نے گیلن کو اٹھایا اور درختوں کے جھنڈ کی طرف چل دیا۔ جھنڈ کے درمیان ... جیپ اور کرولا کے ٹائروں کے واضح نشان تھے۔ اس نے پیٹرول چھڑک کر گھاس کو آگ لگا دی۔ پھر جھاڑو سے جیپ اور کرولا کے ٹائروں کے نشان صاف کر دیے۔ بل کھاتی ہوئی سڑک پر چند گاڑیاں ریسٹورنٹ کی طرف آتی نظر آئیں۔ وہ ان کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا۔ تاہم جھاڑو کو اس نے سڑک سے کچھ ہٹ کر جھاڑیوں کے درمیان چھپا دیا۔ گاڑیاں اس کے قریب آ کر رک گئیں۔ ایک آفیسر نے اس کے سراپا کا تنقیدی نگاہوں سے جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''درختوں کو آگ کس نے لگائی؟''

عبداللہ نے مسکراتے ہوئے بتایا۔ ''درختوں کو نہیں، میں نے گھاس کو لگائی ہے۔ خشک اور بنجر زمین کو شاداب کرنے کا آزمودہ نسخہ ہے۔''

آفیسر گاڑی سے اتر کر جھنڈ کی طرف آ گیا۔ باقی کے اہلکار مختلف جگہوں پر کھڑے ہو کر ماحول کا جائزہ لینے لگے۔ آفیسر نے جلتی ہوئی گھاس کا جائزہ لینے کے بعد اس درخت پر نگاہیں مرکوز کر دیں جس سے ٹکرا کر جیپ کو حادثہ پیش آیا تھا۔ درخت کا تنا وہاں سے مجروح ہو گیا تھا۔ وہ اس کے پاس بیٹھ گیا اور تنے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ ''کافی گہرا گھاؤ ہے۔ کسی گاڑی کی ٹکر کا معلوم ہوتا ہے۔ جیپ بھی ہو سکتی ہے۔''

عبداللہ نے جواب دیا۔ ''میں درختوں کے فضول حصے کو تلف کر کے یہاں گھاس پر چند میزیں اور کرسیاں نصب کرنے کے بعد اوپن کافی ہاؤس بنانا چاہتا ہوں۔ اس مقصد کے لیے کلہاڑی کی مدد سے درختوں کو کاٹ رہا تھا۔ گھاس کو آگ بھی اسی وجہ سے لگائی ہے۔''

چند لمحے زمین کا جائزہ لینے کے بعد آفیسر جھنڈ سے باہر آ گیا۔ اس سے کچھ ہٹ کر کھلی جگہ پر گھاس کا ایک اور ٹکڑا تھا۔ اس کے قریب سے گزرتے ہوئے وہ زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ خون کے چند دھبے تھے جو جم کر سیاہی مائل ہو گئے تھے۔ وہ ہاتھ لگاتے ہوئے بولا۔ ''انسانی خون لگتا ہے۔ یقیناً زخمیوں کو گھاس کے اس حصے پر منتقل کیا گیا ہو گا۔ درختوں کے جھنڈ سے یہ نزدیک ہے۔''

عبداللہ پریشان لہجے میں بولا۔ ''جناب آپ کون سے زخمیوں اور خون کی بات کر رہے ہیں۔ مجھے ان کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ یہ ایک پہاڑی علاقہ ہے اور رات کے اندھیرے میں یہاں بھیڑیے دندناتے پھرتے ہیں۔ کل رات بھی ان میں گھمسان کی جنگ ہوئی تھی۔ یہ اسی کا شاخسانہ ہے۔''

''آفیسر بولا۔ ''گھاس بھی مسلی ہوئی ہے۔ جیسے کسی انسان کو گھسیٹا گیا ہو۔ بھیڑیوں کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں۔'' وہ جواب سنے بغیر اٹھ کر گاڑیوں کی طرف آ گیا۔ جھاڑیوں کے پاس کھڑے پولیس اہلکاروں میں سے ایک نے جھاڑو اس کے ہاتھوں میں تھماتے ہوئے بتایا۔ ''یہ قریبی جھاڑیوں میں سے ملی ہے۔ زمین کو اس سے صاف کیا گیا ہے۔''

آفیسر نے کچی زمین کا جائزہ لیا۔ جھاڑو کے نشان سڑک سے درختوں کے جھنڈ تک تھے۔ وہ چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ ''میں ریسٹورنٹ کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ جیپ اور نارکوٹکس کے افراد اندر پوشیدہ ہیں۔ اس تمام علاقے میں تمہارے ریسٹورنٹ کے سوا اور کوئی ایسی عمارت نہیں ہے جہاں انہیں چھپایا جا سکے۔''

عبداللہ غصیلے لہجے میں بولا۔ ''لیکن میرے

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

ریسٹورنٹ کی ساکھ متاثر ہو جائے گی۔ ہال کے اندر تحقیقاتی ٹیم کے بہت سے افراد موجود ہیں۔ جن میں اکثریت عورتوں پر مشتمل ہے اور عورتیں افواہیں پھیلانے میں کمال کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس لیے میں بغیر سرچ وارنٹ کے تلاشی کی اجازت نہیں دوں گا۔''

آفیسر نے اثبات میں سر ہلایا اور عمارت کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''میرے خیال میں چائے پینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ وارنٹ کی بحث پر بعد میں بات چیت کی جاسکتی ہے۔''

عبداللہ نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ بات سنے بغیر ہال کمرے میں آگیا۔ تحقیقاتی ٹیم فارغ ہونے کے بعد واپس جانے کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ ٹرک ڈرائیور سگریٹ سلگانے کے بعد ٹانگیں لمبی کر کے دو کرسیوں پر تقریباً لیٹا ہوا تھا۔ آفیسر کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ کاؤنٹر پر ماہی تحقیقاتی ٹیم سے بل وصول کر رہی تھی۔ اس کا چہرہ سیاہ نقاب کے پیچھے پوشیدہ تھا۔

عبداللہ تعارف کرواتے ہوئے بولا۔ ''یہ میری بیوی ماہین ہے۔ میری عدم موجودگی میں کاؤنٹر کو سنبھالتی ہے۔''

آفیسر نے چونکتے ہوئے ماہی کے چہرے پر نگاہ دوڑائی۔ نقاب کے پیچھے دھندلے نقوش غیر واضح تھے۔ تاہم گزشتہ شہرت پوشیدگی کا پردہ چاک کر رہی تھی۔ آفیسر زیرِلب بڑبڑایا۔ ''ماہین۔'' پھر گویا ہوا۔ ''اگر میں اندازے میں غلطی نہیں کر رہا تو اس نام کی شہرت کا ڈنکا چند سال قبل فلمی دنیا میں بجتا رہا ہے۔''

عبداللہ کی بے چینی بڑھنے لگی۔ آفیسر اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا تھا۔ وہ اسے شک میں مبتلا کر کے واپس نہیں بھیجنا چاہتا تھا۔ اس لیے مسکراتے ہوئے بولا۔ ''آپ نے ٹھیک پہچانا۔ چند سال قبل ماہی کا شمار صف اول کی ہیروئنوں میں کیا جاتا تھا لیکن ہر عروج کے بعد زوال کی طرح اس کا دور بھی اچانک ختم ہو گیا۔ حالات ناگزیر ہونے کے بعد ہم دونوں یہاں آگئے۔''

''میں ان ناگزیر حالات کی وجہ جان سکتا ہوں۔'' آفیسر نے پوچھا۔

عبداللہ نے بتایا۔ ''ایک میگا پروجیکٹ کے بعد پروڈیوسر نے فلم فلاپ ہونے کا ذمّے دار ماہی کو ٹھہراتے ہوئے معاوضہ دینے سے انکار کر دیا۔ بات تو تو..... میں میں سے شروع ہو کر ہاتھا پائی تک جا پہنچی۔ پروڈیوسر دل کا مریض تھا۔ جھگڑے کے دوران اس پر دل کا دورہ پڑا اور وہ جاں بحق ہو گیا۔ اس کی بیوی نے ماہی پر قتل کا مقدمہ دائر کر دیا۔ کافی عرصہ مقدمہ چلتا رہا اور باضابطہ طور پر معاملے میں ملوث نہ ہونے کی وجہ سے اس کی تمام جائداد ضبط کرنے کے بعد اسے بری کر دیا گیا۔''

آفیسر بولا۔ ''اس مقدمے کی تفصیل سے میں آگاہ ہوں۔ بعد از مقدمہ کافی عرصے تک یہ افواہیں گردش کرتی رہی تھیں کہ ماہی اور پروڈیوسر کی شادی موت سے چند دن قبل ہوئی تھی اور ناکام ہونے کی وجہ سے لڑائی جھگڑے کا باعث بن رہی تھی۔''

عبداللہ نے جواب دیا۔ ''میڈیا کو ایسی افواہیں چینل چلانے کے لیے درکار ہوتی ہیں۔ وہ انہیں اچھال کر عوام کو متوجہ کر کے چینل کو فروغ دیتے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔''

تحقیقاتی ٹیم بل کی ادائیگی کے بعد ہال کمرے سے باہر چلی گئی۔ منی ٹرک ڈرائیور بھی روانگی کے لیے پر تول رہا تھا۔ آفیسر نے ہال کمرے کا بھرپور جائزہ لینے کے بعد عمارت کے متعلق چند سوالات پوچھے اور دوسرے دن سرچ وارنٹ کے ساتھ آنے کا کہہ کر وہاں سے رخصت ہو گیا۔ اس کی غیر متوقع آمد نے عبداللہ کو پریشان کر دیا تھا۔ اسے سب سے پہلے رقم اور جیپ سے پیچھا چھڑانا تھا پھر اس بات کا پتا لگانا تھا کہ ڈرائیور کی لاش اور باقی کے افراد کو غار سے نکال کر کون لے گیا تھا۔ ماہی نے اس سے حالات کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے گول مول جواب دے کر اسے مطمئن کر دیا اور کاؤنٹر سنبھالنے کا کہہ کر تہ خانے میں آگیا۔ پیٹی میں رقم محفوظ تھی۔ عبداللہ نے چمڑے کے ایک بیگ میں رقم کو منتقل کرنے کے بعد بیگ کو مضبوط رسی کے ساتھ باندھا اور ریسٹورنٹ کی چھت پر آگیا۔ وہاں متروک شدہ چمنی کا سوراخ تھا۔ چند ماہ قبل عبداللہ نے آتش دان کو بند کر دیا تھا۔ تاہم چھت کی طرف نکلنے والا راستہ اب بھی موجود تھا۔ اس نے رسی کے ذریعے بیگ کو چمنی کے اندر لٹکایا اور رسی کو سوراخ میں لگی ہوئی سلاخ کے ذریعے باندھ دیا۔ پھر سوراخ پر گتے کے ڈبے رکھنے کے بعد اسے بند کر دیا۔ اب رقم چمنی کے اندر محفوظ تھی۔ عمارت کی پچھلی طرف کھڑی ہوئی جیپ کو دن کی روشنی میں ٹھکانے لگانا ممکن نہیں تھا۔ اس کے لیے اندھیرے کا ہونا ضروری تھا۔ وہ چھت سے نیچے آگیا۔ ہال کمرے میں چند کسٹمر خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

☆☆☆

تمام دن مصروفیت میں گزرا۔ دوپہر کے بعد ٹرکوں کی

آمد کا جو سلسلہ شروع ہوا۔ وہ دوپہر تک چلتا رہا۔ یہ ٹرک بارڈر کی طرف سفر کرتے تھے اور ریگستان میں داخل ہونے سے قبل ریسٹورنٹ میں کھانا پینا اور فریش ہونا ان کے معمولات میں شامل تھا۔ عبداللہ کو چند منٹوں کی فراغت نصیب نہیں ہوئی۔ مغرب کے بعد ہال کمرا خالی ہوگیا۔ ماہی کچن میں تھی۔ وہ ریسٹورنٹ کے پچھلے حصے میں واقع چاردیواری کی طرف چلا آیا۔ گیٹ پر تالا لگا ہوا تھا۔ اس نے تالا کھولا اور اندر قدم رکھ دیا۔ نومی کے آنے سے قبل اسے جیپ سے چھٹکارا حاصل کر لینا چاہیے تھا۔ وہ اسے کرولا کے ساتھ باندھ کر کسی گہری کھائی میں دھکیل سکتا تھا۔ اس کی سوچ درمیان میں رہ گئی اور وہ ٹھٹک کر جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔ جیپ چاردیواری کے اندر نہیں تھی۔ اس کے ٹائروں کے نشانات کو جھاڑو کے ذریعے صاف کر دیا گیا تھا۔ گیٹ کے تالے کو نہایت مشاقی سے کھولنے کے بعد واپس بند کر دیا گیا تھا۔ یقینی بات تھی کہ ریسٹورنٹ کی عمارت میں موجود دو افراد میں سے کوئی ایک ان حرکات میں ملوث تھا۔ ماہی کا رویہ چند دنوں سے مشکوک سا تھا۔ وہ نہ جانے کن خیالات میں گم رہتی تھی۔

جیپ کے غیر متوقع طور پر غائب ہو جانے کے بعد اسے احساس ہوا کہ چمنی کے اندر سے رقم کو باہر نکالنا ماہی یا پھر نومی کے لیے مشکل نہیں تھا۔ رقم اب تک اگر محفوظ تھی تو تہ خانے کے دروازے پر لگے ہوئے تالے کی وجہ سے تھی۔ وہ بدحواس ریسٹورنٹ کی طرف دوڑا۔ ہال کمرے میں اس نے نومی کو کاؤنٹر صاف کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ آج وقت سے کچھ پہلے آگیا تھا۔ اس کی طرف توجہ دیے بغیر وہ سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر آگیا۔ چمنی کے سوراخ پر رکھے ہوئے گتوں کو اس نے عجلت کے عالم میں ہٹایا اور رسی سے بندھے ہوئے بیگ کو باہر نکال کر رقم کا معائنہ کرنے لگا۔ وہ اندر محفوظ تھی۔ اسے رات کے وقت چمنی میں رکھنا حماقت تھی۔ صبح دوبارہ چمنی کے اندر منتقل کیا جا سکتا تھا۔ اس نے بیگ کو سیڑھیوں کے پاس رکھا اور ہال کمرے میں آکر نومی کو سروس اسٹیشن میں اوزاروں کی ترتیب تبدیل کر دینے کے بہانے باہر بھیج دیا۔ ماہی کچن میں رات کا کھانا بنا رہی تھی۔ نومی کے باہر جانے کے بعد عبداللہ نے پھرتی کے ساتھ سیڑھیوں پر رکھے ہوئے بیگ کو اٹھایا اور تہ خانے میں منتقل کر کے دروازے کو تالا لگا دیا۔ ہال کمرے میں چند ٹرک ڈرائیور اس کے منتظر تھے۔ انہیں چائے اور بسکٹ چاہیے تھے۔ عبداللہ نے ماہی کو چائے بنانے کے لیے کہا اور خود ٹرکوں کے ٹائروں میں ہوا بھرنے کے لیے ہال کمرے سے باہر نکل گیا۔ اسے رات کافی دیر تک کام کرنا پڑا۔ کھانے پینے کا سامان تقریباً ختم ہوگیا۔ ساڑھے بارہ بجے کے قریب وہ کمرے میں چلا آیا۔ ماہی حسبِ معمول کتاب کے مطالعے میں مصروف تھی۔ ٹیبل لیمپ کی روشنی میں اسے اس کے چہرے پر دو آنسو چمکتے ہوئے دکھائی دیے۔ وہ تڑپ کر رہ گیا اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے آنسو پونچھتے ہوئے بولا۔

''تم رو رہی ہو، ضرور کسی کسٹمر نے کچھ کہا ہوگا۔ سچ پوچھو تو مجھے تمہارا کاؤنٹر پر کھڑے ہونا ایک آنکھ نہیں بھاتا۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

عبداللہ نے پریشان لہجے میں کہا۔ ''مجھے معلوم ہے کہ یہ کام تمہاری مرضی کا نہیں ہے لیکن میرا تم سے وعدہ ہے کہ جلد تمہیں تمہاری حیثیت کے مطابق زندگی دینے کی کوشش کروں گا۔ تمہیں صرف چند دن انتظار کرنا ہوگا۔'' ماہی نے اپنا چہرہ دوسری طرف کرتے ہوئے ٹیبل لیمپ کو آف کر دیا۔

عبداللہ نے طویل سانس لیا اور لباس تبدیل کر کے سونے کے لیے لیٹ گیا۔ تمام دن کے تھکے ہونے کی وجہ سے اسے جلد نیند آگئی اور وہ خراٹے لینے لگا۔ اس کے سونے کے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد ماہی نے کمبل کو ہٹایا اور باتھ روم میں آگئی۔ شب خوابی کا لباس تبدیل کرنے کے بعد اس نے ہلکا پھلکا لباس زیب تن کیا اور خواب گاہ سے ہوتی ہوئی ہال کمرے میں چلی آئی۔ نومی کاؤنٹر کے پیچھے زمین پر لیٹا ہوا خراٹے لے رہا تھا۔ اس نے دروازہ کھولا اور رات کے اندھیرے میں مدغم ہو کر سیاہی کا ایک حصہ بن گئی۔

☆☆☆

صبح عبداللہ کی آنکھ نومی کے جھنجوڑنے سے کھلی۔ اس کے چہرے پر بے چینی کے تاثرات تھے۔ عبداللہ کے آنکھیں کھولنے پر وہ مضطرب لہجے میں بولا۔

''جناب ساڑھے نو بجنے والے ہیں۔ مجھے گھر جانے کے لیے دیر ہو رہی ہے اور نیچے ہال کمرے میں گاہکوں کا رش لگا ہوا ہے۔'' عبداللہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''ماہی کہاں ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''وہ عمارت میں کہیں نہیں ہیں، میں تلاش کر چکا ہوں۔''

عبداللہ نے اسے ہال کمرے کی طرف جانے کے لیے کہا اور خود لباس تبدیل کرنے کے لیے باتھ روم میں گھس گیا۔ اس کا دماغ مختلف سوچوں کے گھیرے میں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ماہی رات کو اس کی مدہوشی کے دوران باہر جاتی تھی۔ شاید منشیات کے حصول کے لیے۔ تاہم اس کے لیے

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

فرار ہونا ضروری نہیں تھا۔ یقیناً اسے کوئی بہتر سہارا مل گیا تھا۔ اس کی پرورش اور تربیت میں بازارِ حسن کا عمل دخل زیادہ تھا۔ وہ متوجہ ہونے والے وجود کو پیسوں میں تول کر اس کی حیثیت کا اندازہ لگاتی تھی اور عبداللہ کے پاس یہی نہیں تھا۔ چہرے پر چھینٹے مارنے اور عجلت میں کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وہ ہال کمرے میں آگیا۔ وہاں گاہکوں کی ریل پیل تھی۔ گزشتہ رات کچن کا سامان ختم ہوگیا تھا۔ چند گاہک چائے کے لیے اصرار کررہے تھے۔ ان کے علاوہ باقی سب کے ساتھ معذرت کرتے ہوئے عبداللہ نے انہیں رخصت کردیا اور نومی کو کاؤنٹر سنبھالنے کا کہہ کر کچن میں آگیا۔

چائے بنانے کے دوران بھی اس کا دماغ ماہی کی غیر موجودگی کا سبب تلاش کرتا رہا۔ تہ خانے کے دروازے پر لگا ہوا تالا اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ وہ رقم لے کر فرار نہیں ہوئی تھی۔ یعنی اسے رقم سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ کسی کی محبت میں گرفتار تھی۔ عبداللہ نے دل میں مصمم ارادہ کیا کہ وہ اسے اتنی آسانی سے قطع تعلق کی اجازت نہیں دے گا۔ اسے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ نومی تھا۔ عبداللہ نے اسے جانے کے لیے کہا اور چائے کی پیالیوں کو ٹرے میں رکھ کر ہال کمرے میں آگیا۔ تہ خانے کے پاس سے گزرتے ہوئے اسے اینٹی نارکوٹکس والوں کی کارروائی یاد آئی۔ وہ سرچ وارنٹ لے کر کسی بھی وقت ریسٹورنٹ کا رخ کرسکتے تھے۔ ان کے آنے سے قبل رقم بھرے تھیلے کو چمنی کے اندر چھپانا ضروری تھا۔ اس کام سے فارغ ہوکر اس نے چھت کے کنارے سے سڑک کی طرف نگاہ دوڑائی۔ پہاڑوں کے پاس بل کھاتی ہوئی سڑک پر دو جیپیں ریسٹورنٹ کی طرف آرہی تھیں۔ وہ ٹکٹکی باندھ کر انہیں دیکھنے لگا۔ وہ چند منٹوں میں ریسٹورنٹ کے قریب آگئیں۔ عبداللہ نے اطمینان کا طویل سانس لیا۔ اگر وہ بروقت بیگ کو چمنی کے اندر منتقل نہ کرتا تو رقم کو اینٹی نارکوٹکس والوں کی نگاہوں سے بچانا ممکن نہیں ہوتا۔ وہ ان کے استقبال کے لیے ہال کمرے میں آگیا۔ جیپوں میں سے اینٹی نارکوٹکس اہلکار اتر کر سڑک پر پھیل گئے اور ان کا آفیسر عبداللہ کے پاس کھڑا ہوا۔ عبداللہ نے سلام کرتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا۔ آفیسر کے ہاتھ میں سرچ وارنٹ تھا۔ اس نے اہلکاروں کو تلاشی کے لیے عمارت کے اندر بھیج دیا اور عبداللہ کا ہاتھ تھام کر قریبی میز کی طرف آگیا۔ کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہو؟ ماہی بھی کاؤنٹر پر نہیں ہے۔ تم دونوں کے درمیان کچھ اَن بَن تو نہیں ہوئی؟''

عبداللہ بولا۔ ''صف اول کی ہیروئن کو ریسٹورنٹ میں باندھ کر رکھنا کچھ آسان کام نہیں۔ ہر چند کے اسے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ تاہم کام نہایت صبر آزما اور محنت طلب ہے۔ میں چند دنوں سے کسی اچھے اور معیاری کلک کی تلاش میں تھا۔ لیکن آج وہ ناراض ہوکر شہر چلی گئی۔''

آفیسر چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد بولا۔ ''مجھے اس کے متعلق کچھ باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ فلموں میں کام کرنے سے پہلے اس کا تعلق بازارِ حسن سے تھا۔ وہ دوران اداکاری منشیات کی عادی رہی تھی۔ تم نے نہ صرف اس کا علاج کرایا بلکہ اچھے اور نامی پروڈیوسروں کے ذریعے اسے کام بھی دلوایا۔''

بات کھلنے پر عبداللہ گویا ہوا۔ ''آپ کو تحقیقات کروانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں کچھ بھی چھپانے کا قائل نہیں ہوں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے جب میں نے اسے پہلی دفعہ دیکھا تھا تب اس کی عمر سولہ سال تھی۔ یہ اس کے کوٹھے پر آغاز کے دن تھے۔ وہ الھڑ جوانی کے سرکش اور منہ زور گھوڑے پر سوار تھی۔ مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے جاگیردار اور نواب اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے ہزاروں روپے خرچ کرنے کے لیے آمادہ رہتے تھے۔ وہ انہیں گھاس نہیں ڈالتی تھی۔ میری عمر اس وقت پچیس سال تھی اور جس پروڈکشن کے لیے کام کررہا تھا۔ اس کو اپنی نئی فلم کے لیے نئے اور تروتازہ چہرے کی تلاش تھی۔ میں نے تمام شہر چھان مارا۔ مجھے وہ چہرہ نہیں ملا۔ بازارِ حسن میں ماہی کا چرچا تھا۔ میں نے کوٹھے پر آنا جانا شروع کردیا۔ کوٹھے کی کرتا دھرتا کشمیری بائی نے چند دنوں کی مستقل آمد اور بڑی رقم خرچ کرنے پر ماہی کو میرے سامنے پیش کردیا۔ کچھ ملاقاتوں کے دوران معلوم ہوا کہ وہ کوٹھے کے ماحول سے دلبرداشتہ تھی۔ میٹرک اچھے نمبروں سے پاس کرچکی تھی اور مطالعے کا شوق رکھتی تھی۔ میں نے جلد ہی اسے کام کے لیے آمادہ کرلیا۔ کشمیری بائی نے مخالفت کی۔ تاہم تگڑے معاوضے کے عوض راضی ہوگئی اور ماہی نے فلم انڈسٹری میں نہایت دھڑلے کے ساتھ قدم رکھ دیا۔ اس کی پہلی فلم نے ہی کامیابی کے تمام ریکارڈ توڑ دیے۔ فلم بینوں نے اس کی اداکاری کو سراہا۔ اور دو سال کے مختصر عرصے میں اس کی

قدر و منزلت کا ہر پروڈیوسر معترف ہو گیا۔ میں تو پہلی نگاہ میں گھائل ہو کر رہ گیا تھا۔ تاہم وہ مجھے کافی عرصے تک نظر انداز کرتی رہی۔ بعد میں بہ حالتِ مجبوری اسے مجھے اپنا منیجر رکھنا پڑا اور ہم دونوں نے کامیاب فلموں کی نہ ختم ہونے والی گنتی کا آغاز کر دیا۔''

نارکوٹکس آفیسر جو نہایت توجہ سے اس کی آپ بیتی سُن رہا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر بولا۔ ''اس کے لیے تمہاری سنجیدگی قابلِ تعریف ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس نے تمہاری قدر نہیں کی۔ اگر کر لیتی تو اس کی زندگی بن جاتی۔''

ایک اہلکار میز کی طرف آیا اور آفیسر سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ ''عمارت کی تلاشی مکمل ہو گئی ہے۔ سیڑھیوں کے نیچے بنا ہوا تہ خانہ باقی رہ گیا ہے۔ ہمیں اس کی چابی درکار ہے۔ آفیسر نے تفہیمی نگاہوں سے عبداللہ کی طرف دیکھا۔ اس نے جیب میں سے چابی نکالی اور اسے تھما دی۔ وہ سیڑھیوں کی طرف چلا گیا۔ اتنے میں ہال کمرے کا دروازہ کھول کر دو اہلکار اندر آ گئے۔ میز کے قریب آنے کے بعد ایک نے آفیسر کو بتایا۔ ''جناب درختوں کے جھنڈ سے کچھ ہٹ کر گھاس والے قطعے میں سے گولی کا خول دریافت ہوا ہے۔''

عبداللہ نے بمشکل تمام اپنے چہرے کے تاثرات پر قابو پایا۔

آفیسر نے خول کو ہاتھ پر رکھا اور بہ غور جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ ''اچھے اور طاقتور ریوالور کی گولی ہے۔ گھاس کے قطعے میں اس کا کیا کام؟'' پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ''یہ وہی گھاس کا قطعہ تو نہیں جہاں گزشتہ روز خون کے دھبے دکھائی دیے تھے؟''

اہلکار نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بتایا۔ ''بالکل وہی..... گولی زمین کے اندر دھنسی ہوئی تھی۔ سوراخ نے ہمیں اپنی طرف متوجہ کیا۔''

اس کی بات درمیان میں رہ گئی۔ قدموں کی چاپ سنائی دی اور تہ خانے کی تلاشی لینے والے دونوں اہلکار لوہے کی پیٹی کو ہاتھوں میں پکڑے باہر آ گئے۔ انہوں نے اسے آفیسر کے سامنے رکھتے ہوئے بتایا۔ ''جناب اس کے تالے کو گولی مار کر توڑا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مسروقہ رقم جو اسمگلروں سے دستیاب ہوئی تھی۔ وہ ایسی ہی پیٹی میں ڈال کر شہر لائی جا رہی تھی۔''

آفیسر بولا۔ ''وہ پیٹی نارکوٹکس والوں کی تھی۔ اگر یہ وہی ہے تو پھر آفس سے اس کے متعلق سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔'' اس نے چند لمحے پیٹی کے کنڈے کا معائنہ کیا اور سر اثبات میں ہلاتے ہوئے بولا۔ ''یہاں بھی ریوالور کے نشانات ہیں۔ پیٹی کو زمین پر رکھ کر تالے پر فائر کیا گیا ہو گا اسی وجہ سے گولی زمین کے اندر دھنس گئی۔''

''عبدل.....'' اس نے ایک اہلکار کو مخاطب کیا۔ گھاس کے قطعے پر جو خون کے دھبے ہیں۔ انہیں کھرچ کر بوتل میں محفوظ کر لو۔ لیبارٹری ٹیسٹ کے بعد اس حقیقت سے پردہ اٹھ جائے گا کہ خون جانور کا ہے یا انسان کا.....''

عبدل کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد آفیسر نے استفہامیہ نگاہوں سے عبداللہ کی طرف دیکھا۔

وہ ہراساں لہجے میں بولا۔ ''ٹھیک ہے۔ اب چھپانے کا کچھ فائدہ نہیں۔ میں سب کچھ سچ بتانے کے لیے تیار ہوں۔ گزشتہ شام دھماکے کی آواز نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔ میں بھاگ کر ریسٹورنٹ سے باہر آ گیا۔ درختوں کے جھنڈ میں ایک جیپ کھڑی تھی۔ اس کا اگلا حصہ درخت کے ساتھ ٹکرایا تھا اور نچلے حصے کو آگ لگی ہوئی تھی۔ جیپ کے بالکل پیچھے سفید رنگ کی ایک گاڑی کھڑی تھی اور اس میں سے چار افراد ہاتھوں میں ریوالور لیے نیچے اتر رہے تھے۔ ان میں سے دو نے ریوالور مجھ پر تان لیے۔ باقی دو جیپ کی طرف چلے گئے۔ وہ سب اپنے چہروں کو سیاہ کپڑوں سے ڈھانپے ہوئے تھے۔ دونوں نقاب پوشوں نے مجھے درخت کے پاس کھڑے رہنے کا حکم دیا اور خود جیپ کے اندر سے لوہے کی پیٹی کو اٹھا کر باہر لے آئے۔ ان میں سے ایک نے فائر کر کے تالے کو توڑ دیا اور اندر موجود رقم کو اپنے ساتھ لائے ہوئے تھیلوں میں منتقل کرنے لگے۔ میں نے جیپ کے پچھلے حصے میں جھانک کر دیکھا۔ اندر زخمیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ ڈرائیور کا آدھا جسم سیٹ سے باہر لٹک رہا تھا اور اس میں حرکت کے آثار نہیں تھے۔ چاروں نقاب پوشوں نے رقم کی منتقلی کے بعد پیٹی کو درختوں کے درمیان پھینک دیا اور جیپ کو سفید گاڑی کے ساتھ ٹوچین کرنے کے بعد ریگستان کی طرف چلے گئے۔''

آفیسر نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ ''بعد ازاں ان کی گاڑی کے ٹائروں کے نشانات کو نہ صرف تم نے جھاڑو کی مدد سے صاف کیا بلکہ جیپ کے نیچے لگ جانے والی آگ کے نشان کو چھپانے کے لیے گھاس کو آگ لگا کر سیاہ کر ڈالا اور پیٹی کو تہ خانے میں بند کر کے دروازے کو تالا لگا دیا۔''

عبداللہ نے برجستہ جواب دیا۔ ''انہوں نے فرار

www.Azeem.pk
www.pakistanipoint.com

سے پہلے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے پولیس کو کچھ بتانے کی کوشش کی تو وہ ماہی کو گولیوں سے بھون دیں گے۔ کل صبح آپ کے جانے کے بعد ان میں سے ایک ریسٹورنٹ میں آیا۔ اس نے مجھ سے آپ کی آمد کے متعلق دریافت کیا۔ میں نے تمام بات چیت نہایت تفصیل کے ساتھ دہرادی۔ اس نے ماہی پر پستول تانا اور اسے اپنے ہمراہ لے گیا۔ جناب قانون اور اسمگلروں کے درمیان پس کر میں ماہی کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکا۔ تاہم باہر نکلنے سے پہلے اس نے مجھے تسلی دی کہ اگر میں اپنے گزشتہ رویے پر قائم رہا تو ماہی کو کچھ نہیں کہا جائے گا اور معاملہ دب جانے کے بعد اسے واپس ریسٹورنٹ کے پاس چھوڑ دیا جائے گا۔''

آفیسر نے پوچھا۔ ''گاڑی کا رنگ اور ماڈل تفصیل کے ساتھ بتاؤ۔''

عبداللہ نے فرضی نمبر اور تفصیل بتادی۔

آفیسر کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ''ہر چند کے مجھے تمہارے بیان پر یقین نہیں۔ تاہم اس کے باوجود بھی اپنے دو اہلکاروں کو سادہ لباس میں متعین کیے جارہا ہوں۔ تمہاری حفاظت کے لیے یہ ضروری ہے۔''

عبداللہ نے بہت کہا کہ اس کارروائی کی بدولت ماہی کی زندگی کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے لیکن آفیسر نے اس کی ایک نہ سنی اور چند لمحے کی رسمی پوچھ گچھ کے بعد رخصت ہوگیا۔ آفیسر کی پوچھ گچھ کے دوران اسے دانتوں پسینہ آگیا تھا۔ اس نے وقتی طور پر اسے ٹال تو دیا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ مطمئن نہیں ہوا تھا۔ اہلکاروں کی تعیناتی اس بات کا ثبوت تھا۔ تاہم وہ مختصر وقت کو استعمال میں لاکر بہت کچھ کرسکتا تھا۔ اگر ماہی کی گمشدگی کا معاملہ نہ ہوتا تب وہ رقم کو استعمال کرکے بہ آسانی ریگستان میں واقع بارڈر کے ذریعے قریبی ملک کی طرف فرار ہوسکتا تھا لیکن ماہی کی غیر موجودگی میں وہ ایسا نہیں کرسکتا تھا۔ اسے چند گاڑیاں ریگستان سے نکل کر اپنی طرف آتی ہوئی دکھائی دیں۔ ان کی تعداد تین تھی اور انہیں کولڈ رنکس اور چپس درکار تھے۔ عبداللہ بے دلی کے ساتھ آرڈر کی تکمیل میں مصروف ہوگیا۔

☆☆☆

صبح بارہ بجے کے قریب غیر متوقع طور پر نومی کمرے میں داخل ہوا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا اور چہرے پر جوش کے تاثرات تھے۔ وہ سانس کو درست کرتے ہوئے بے چین لہجے میں بولا۔ ''میرے پاس آپ کے لیے نہایت اہم خبر ہے۔ مجھے اس کے لیے کچھ رقم درکار ہے۔''

عبداللہ بولا۔ ''اگر خبر کا تعلق ماہی سے ہے تو جتنی کہو گے میں دینے کے لیے تیار ہوں۔''

نومی نے بتایا۔ ''وہ باچو پہلوان کی کوٹھی میں ہے۔ میں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ وہ اسے اندر لے جارہا تھا۔''

عبداللہ نے بے چین لہجے میں پوچھا۔ ''باچو کون ہے؟''

''وہ اسمگلروں کا باپ ہے۔ شراب کی اسمگلنگ، منشیات کی ہیرا پھیری اور لوگوں کو بارڈر کے پار غیر قانونی طور پر منتقل کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ دھنورا گاؤں میں اس کی بہت بڑی کوٹھی ہے۔''

''کیا تم مجھے دھنورا گاؤں لے جاسکتے ہو؟'' عبداللہ نے سو کا نوٹ اس کے ہاتھوں میں تھماتے ہوئے پوچھا۔

نومی کے چہرے پر خوشی کے تاثرات پیدا ہوئے اور وہ سرشاری کے عالم میں بولا۔ ''یہاں آیا ہی اسی لیے ہوں۔ تاہم صرف کوٹھی تک لے جاؤں گا۔ باچو کی ناراضی مول لینا میرے اختیار میں نہیں ہے۔''

عبداللہ نے اسے یقین دلایا کہ وہ اسے معاملے میں ملوث کرنے کی قطعی کوشش نہیں کرے گا۔

نومی مطمئن ہوگیا اور دونوں ریسٹورنٹ سے باہر آگئے۔ عبداللہ نے کرولا باہر نکالی اور اسے سڑک پر لے آیا۔ وہاں متعین گارڈ دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ تاہم اسے یقین تھا کہ وہ جہاں بھی تھے، ریسٹورنٹ کی عمارت پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ہارن پر ہاتھ رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں پہاڑی سے اتر کر نیچے آگئے۔ ان کے قریب آنے پر عبداللہ نے نومی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ میری بیوی کے متعلق کچھ جانتا ہے اور اس کے کہنے کے مطابق وہ بارڈر کے قریب دھنورا گاؤں میں ہے۔ میں وہاں بات چیت کے لیے جارہا ہوں۔ تم اپنے آفیسر کو اس کے متعلق بتادو۔ ایک اہلکار نے قمیص کے نیچے بندھا ہوا وائرلیس سیٹ نکالا اور ہیڈ کوارٹر سے رابطہ کرنے لگا۔ چند منٹوں کے بعد آفیسر کی آواز سنائی دی۔ اہلکار نے اسے حالات سے مطلع کیا۔ آفیسر نے اسے عبداللہ کے ساتھ دھنورا گاؤں کی طرف جانے کی ہدایت دے کر سیٹ کو آف کردیا۔ عبداللہ دانت پیس کر رہ گیا۔ نارکوٹکس اہلکار کو اپنے ساتھ لے جانے کا مطلب یہ تھا کہ اپنی آمد کا باقاعدہ اعلان کرتے ہوئے دھنورا گاؤں کی طرف جاتا۔ تاہم وہ انکار

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا اس لیے خاموش ہو گیا۔ ایک اہلکار واپس پہاڑی کی طرف چلا گیا اور دوسرا گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ عبداللہ نے گاڑی کو ریگستان کی طرف جانے والی سڑک پر ڈال دیا۔

ریگستان میں داخل ہونے کے بعد عبداللہ نے گاڑی کی رفتار میں اضافہ کر دیا۔ یہ سفر دو گھنٹوں پر محیط رہا۔ چھوٹی موٹی آبادیوں اور اونچے نیچے پُر پیچ راستوں سے گزرنے کے بعد کرولا مختصر قصبے میں داخل ہو گئی۔ یہاں مکان پکے اور کشادہ تھے۔ چند پکی گلیوں سے گزرنے کے بعد گاڑی ایک ٹیلے کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔

نومی نیچے اُترتے ہوئے بولا۔ ''ٹیلے کے سامنے سے گھوم کر جب آپ آگے جائیں گے تو باچو کی رہائش گاہ کے سامنے پہنچ جائیں گے۔ میں گاؤں کے باہر چائے کے ہوٹل میں آپ کا انتظار کروں گا۔ واپس جاتے ہوئے مجھے وہاں سے لے لیجیے گا۔''

عبداللہ اہلکار کے ہمراہ سامنے دکھائی دینے والے ٹیلے کی سائڈ سے ہو کر آگے بڑھنے لگا۔ ٹیلا زیادہ بڑا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ مختصر پگڈنڈی آگے جا رہی تھی۔ دوسری طرف وسیع و عریض میدان تھا جس کے سامنے محل نما کوٹھی دکھائی دے رہی تھی۔ گیٹ پر دو مسلح افراد کھڑے تھے۔ ان کے قریب پہنچنے کے بعد عبداللہ نے تعارف کرواتے ہوئے باچو سے ملاقات کے لیے کہا۔ ایک گن بردار گیٹ کھول کر اندر چلا گیا۔ اس کی واپسی پانچ منٹ کے بعد ہوئی۔ اس نے دونوں کو اندر جانے کے لیے کہا۔ دونوں گیٹ عبور کر کے اندر آ گئے۔ کار پورچ کے سامنے سرسبز لان تھا۔ رہائشی علاقہ سامنے کی طرف واقع تھا۔ شیشے کے دروازے پر دو دربان ان کے منتظر تھے۔ انہوں نے دروازہ کھولتے ہوئے اندر جانے کے لیے کہا۔ یہ وسیع و عریض سٹنگ روم تھا۔ زمین پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ دیواروں کے ساتھ صوفوں کی قطاریں تھیں اور سائڈ ٹیبل پر کسی عورت کی تصویر فریم میں لگی ہوئی تھی۔ وہ دونوں صوفوں پر بیٹھ گئے۔ عبداللہ نے اچٹتی ہوئی نگاہ تصویر پر ڈالی۔ عورت کے سر پر بال نہیں تھے۔ وہ یکسر گنجی تھی۔ چہرے کے نقوش حیرت انگیز طور پر ماہی سے مشابہت رکھتے تھے۔ اس نے تصویر کو اٹھا کر جائزہ لیا۔ وہ ماہی تھی۔ اہلکار تفہیمی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

عبداللہ نے بتایا۔ ''تصویر میری بیوی کی ہے۔ تاہم اس میں اس کے بال نہیں ہیں۔''

اہلکار مسکراتے ہوئے بولا۔ ''یہ ملک کی مایۂ ناز ہیروئن رہ چکی ہے۔ اس کے کام سے محبت کرنے والا کوئی بھی شخص اس کی تصویر اپنے سٹنگ روم میں لگا سکتا ہے۔ یہ کوئی حیرت کی بات نہیں۔''

سٹنگ روم کا اندرونی دروازہ کھلا اور جو شخص اندر داخل ہوا اُس کا قد غیر معمولی طور پر لمبا تھا۔ چہرے کے نقوش کرخت، ہونٹ بھنچے ہوئے اور ہاتھوں میں قیمتی سگار پکڑا ہوا تھا۔ وہ شلوار قمیص میں ملبوس تھا۔ اس نے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے آنے کی وجہ دریافت کی۔

عبداللہ نے سائڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے اس کی تلاش ہے۔ عروج کے دور میں، میں اس کے مداحوں میں سے ایک تھا اور محبت کے اظہار کے طور پر میں نے زوال کے دنوں میں بھی اس کی تمام فلمیں سینما گھر جا کر دیکھیں۔''

باچو کے چہرے پر ایسے تاثرات پیدا ہوئے جیسے نادانستگی میں اس نے کونین کی گولی نگل لی ہو۔ وہ تلخ لہجے میں بولا۔ ''یہ کسی فلم کی ہیروئن نہیں ہے بلکہ میری بیوی بانو ہے اور اس کا فلم انڈسٹری سے کسی بھی قسم کا تعلق نہیں ہے۔''

عبداللہ اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے بولا۔ ''آخری دنوں میں وہ منشیات کا استعمال کرنے لگی جس کی بدولت اس کی مقبولیت میں تیزی سے کمی واقع ہوئی۔ ان دنوں میں نے اسے سہارا دیا اور چند ایسی فلمیں دلوانے کے لیے پروڈیوسروں کی خوشامدیں کیں جن کی وجہ سے وہ دوبارہ مداحوں کے دلوں میں جگہ بنانے میں کامیاب ہوئی۔ ہر چند کے یہ فلمیں عوام میں مقبولیت حاصل نہیں کر سکیں۔ تاہم اتنی رقم ضرور حاصل ہو گئی جس کی بدولت ہم نے ریسٹورنٹ کی اس عمارت کو خرید لیا اور وہاں منتقل ہو گئے۔''

باچو نے سگار کا لمبا کش لے کر دھواں باہر اگلتے ہوئے پوچھا۔ ''تو ریگستان کے اختتام پر واقع ریسٹورنٹ تمہارا ہے۔ مجھے ٹرک ڈرائیورز تمہارے حسنِ اخلاق، مناسب دام اور خوب صورت بیوی کے متعلق بتاتے رہتے ہیں۔''

عبداللہ بولا۔ ''ماہی واقعی بہت خوب صورت اور جاندار عورت ہے۔ میرا اور اس کا ساتھ چند سالوں کا نہیں ہے۔ وہ جب سولہویں سال میں تھی، تب میں نے اسے فلم انڈسٹری سے متعارف کروایا تھا۔ اس کی ہر بات اور ہر عادت کے متعلق مجھے سب معلوم ہے۔ اس کا شوق کیا ہے اور کس طرح کا لباس پسند کرتی ہے، مجھے سب معلوم ہے۔

waqarazeem pakistanipoint.com

اگر میری آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے کمرے کے کسی بھی کونے میں کھڑا کر دیا جائے تو میں اس کے جسم کی خوشبو سے اس جگہ کا اندازہ لگا سکتا ہوں۔''

نارکوٹکس اہلکار خاموش اور لاتعلق بیٹھا تھا۔ چونکہ سادہ لباس میں ملبوس تھا اس لیے باچو اس کی حیثیت سے بے خبر تھا۔

عبداللہ روانی میں بولے جا رہا تھا۔ ''مجھے تمہاری رہائش گاہ میں سے اس کے جسم کی خوشبو آ رہی ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ گزشتہ ماہ سے وہ روزانہ رات کو دودھ میں غنودگی کی دوا ملا کر مجھے سُلا دینے کے بعد دھنورا گاؤں آتی تھی۔ شاید منشیات کے حصول کے لیے..... یہ سب یہاں عام ہے۔''

باچو کے چہرے پر شدید غصے کے تاثرات پیدا ہوئے۔ تاہم اس کے کچھ کہنے سے قبل سٹنگ روم کا دروازہ کھول کر ماہی اندر داخل ہوئی۔ وہ سفید کرتے شلوار میں ملبوس تھی۔ سر پر دوپٹے کا ہالہ تھا۔ ہالے سے دکھائی دینے والی چندیا نہایت مضحکہ خیز دکھائی دے رہی تھی۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد وہ باچو کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ اس کی نگاہیں قالین پر مرتکز تھیں اور چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہیں تھے۔ باچو معنی خیز لہجے میں بولا۔ ''بانو تمہارے سامنے ہے۔ تم اپنا اطمینان کر سکتے ہو۔''

عبداللہ نے پوچھا۔ ''تم مجھے بتائے بغیر یہاں کیوں آئیں۔ جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں وہ سب کچھ جانتا ہوں جو تم مجھ سے چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔ تمہیں دوبارہ منشیات کی عادت لگ چکی ہے لیکن فکر نہ کرو میں پہلے کی طرح تمہیں اس سے نجات دلوا دوں گا۔''

ماہی بولی۔ ''تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتی۔ میرا نام بانو ہے۔ میں باچو کی دوسری بیوی ہوں۔ دھنورا گاؤں میں پیدا ہوئی ہوں اور یہیں پلی بڑھی ہوں۔'' بات کے اختتام پر وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ پھر صوفے سے اٹھ کر باہر نکل گئی۔

عبداللہ غصیلے لہجے میں بولا۔ ''اس کا یوں رونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ماہی ہے۔ اگر بانو ہوتی تو پھر اسے رونے کی کیا ضرورت تھی؟''

باچو صوفے سے کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ ''وہ تمہاری ماہی ہے یا پھر میری بانو، مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اس نے جو کچھ کہا وہ تمہارے سامنے ہے۔ اگر اسے منا سکتے ہو تو بہ خوشی ریسٹورنٹ لے جاؤ۔ بصورتِ دیگر اپنا اور میرا وقت ضائع مت کرو۔'' وہ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

☆☆☆

دونوں کوٹھی سے باہر نکلنے کے بعد پولیس اسٹیشن چلے آئے۔ عمارت دو کمروں پر مشتمل تھی۔ حوالدار عبدالرحیم پینتالیس سے چالیس کے درمیان کا نہایت جہاندیدہ اور خودغرض انسان دکھائی دیتا تھا۔ اس نے پہلی نظر میں ہی نارکوٹکس اہلکار کو پہچان لیا اور نرم لہجے میں بولا۔ ''اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو آپ کا تعلق سرکاری ادارے سے ہے۔ اس لحاظ سے آپ میرے بھائی بند ہیں۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔''

نارکوٹکس اہلکار منہ بنا کر کمرے کے کونے میں کھڑا ہو گیا۔ عبداللہ بولا۔ ''گزشتہ رات میری بیوی ماہی اپنی خواب گاہ سے لاپتا ہو گئی۔ میرے ریسٹورنٹ میں کام کرنے والے مقامی لڑکے نے مجھے بتایا کہ اس نے دھنورا گاؤں میں اسے باچو کی حویلی میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔ میں اس کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔ باچو سے ملاقات کے دوران وہ کمرے میں آئی۔ ہر چند کہ وہ مجھے پہچاننے سے انکاری رہی۔ تاہم میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ میری بیوی ماہی ہی ہے۔''

حوالدار مسکراتے ہوئے بولا۔ ''یقیناً آپ کی ملاقات بانو سے ہوئی ہو گی۔ اس کی صورت ماضی کی ہیروئن سے ملتی ہے۔ چند عرصہ قبل ایک بیماری کی وجہ سے اس کے بال گر گئے۔ تب میں کوٹھی میں ہی تھا۔ آپ کو یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے۔ ان دونوں کی شادی کے دوران تمام کام میں نے ہی سنبھالے تھے۔ اگر آپ کو یقین نہیں تو ان کی شادی کی تصاویر دیکھ سکتے ہیں۔ البم کوٹھی میں موجود ہے۔''

عبداللہ نے بتایا۔ ''وہ بات چیت کے دوران زاروقطار رونے لگی تھی۔ یہ اس بات کا اظہار ہے کہ وہ کوٹھی میں خوش نہیں ہے۔''

حوالدار ہنستے ہوئے بولا۔ ''چھوٹی موٹی باتوں پر رو دینا بانو کی عادت ہے۔ اگر آپ کو شک ہے تو میں آپ کے ساتھ کوٹھی چل سکتا ہوں۔ باچو کے پاس نکاح نامہ موجود ہے۔ آپ دیکھ سکتے ہیں۔''

عبداللہ نے پریشان نگاہوں سے نارکوٹکس اہلکار کی طرف دیکھا۔ وہ لاتعلق کھڑا تھا۔

''ٹھیک ہے آپ ہمارے ساتھ کوٹھی چلیں۔ اگر

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

نکاح نامہ اصل ہوا تو میں واپس چلا جاؤں گا۔"

حوالدار کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ تھانے کی عمارت کوٹھی سے زیادہ دور نہیں تھی۔ وہ پیدل چلتے ہوئے کوٹھی پہنچ گئے۔ سٹنگ روم میں باچو کے ساتھ دوبارہ ملاقات ہوئی اور چند لمحے کی گفتگو کے بعد وہ اپنی اور بانو کی شادی کا البم لے آیا۔ البم میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھے بانو پر اپنا حق ثابت کرنے کے لیے غیر آدمیوں کے سامنے البم کی نمائش کرنا ہوگی۔ البم تمہارے سامنے ہے۔ تم اپنا اطمینان کر سکتے ہو۔"

عبداللہ نے البم کھولا اور اندر لگی ہوئی تصویروں کا معائنہ کرنے لگا۔ یہ تمام تصاویر دوران نکاح یا پھر رخصتی کے وقت کھینچی گئی تھیں۔ دلہن کا چہرہ گھونگھٹ کے پیچھے پوشیدہ تھا۔ قد وغیرہ ماہی جیسا تھا۔ باچو نے جیب میں سے چند اور تصاویر نکالیں اور عبداللہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "یہ چند تصاویر اور ہیں جن میں بانو کا چہرہ واضح ہے اور میں نے نوکر کو جامع مسجد کی طرف روانہ کر دیا ہے۔ وہ جلد ہی مولوی صاحب کو لے کر آ جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ ان کے بیان سے تمہاری تسلی ہو جائے گی۔"

عبداللہ نے تصاویر پر نگاہ دوڑائی۔ پہلی تصویر میں بانو، باچو کے ساتھ صوفے پر بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ دوسری تصویر طلوع ہوتے ہوئے سورج کے دوران ریگستانی ٹیلے کے اوپر کھڑے ہو کر کھینچی گئی تھی جبکہ تیسری کوٹھی کے کچن میں کھانا بنانے کے وقت میں لی گئی تھی۔ ان تینوں تصاویر میں بانو کے سر پر بال نہیں تھے۔"

عبداللہ نے پوچھا۔ "بانو کو یہ بیماری کب لاحق ہوئی؟"

"دو ماہ قبل....." باچو نے بتایا۔

"مجھے اس کی وہ تصاویر درکار ہیں جن میں اس کے بال موجود ہوں۔"

باچو نے ناگوار لہجے میں جواب دیا۔ "ہمارے گاؤں کی روایات میں عورتوں کی تصاویر اتارنے کو معیوب سمجھا جاتا ہے، تاآنکہ غیر مردوں کے سامنے انہیں نمائش کے لیے بھی پیش کیا جائے۔ میں نے تمہاری پریشانی کو مدنظر رکھتے ہوئے نہ صرف البم سامنے رکھ دیا بلکہ چند تصاویر اور بھی دکھا دیں۔ میرے خیال میں تمہارے اطمینان کے لیے یہ کافی ہے۔ بصورتِ دیگر میں تم دونوں کو زبردستی کوٹھی سے باہر بھجوا سکتا ہوں۔"

عبداللہ کے چہرے پر غصے کے تاثرات پیدا ہوئے اور وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "میرے ساتھ بیٹھے ہوئے اس نوجوان کو جانتے ہو۔ اس کا تعلق اینٹی نارکوٹکس سے ہے۔ چند دن قبل ہونے والی کارروائی میں نارکوٹکس والوں نے منشیات کے علاوہ خطیر رقم اسمگلروں سے ہتھیائی تھی۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو اسمگل کی جانے والی منشیات میں تمہارا ہاتھ بھی تھا اور مقصد میں ناکامی کے بعد چھاپے کا نزلہ مجھ پر آ گرا۔ تم نے نارکوٹکس والوں کی کارروائی کا غلط مطلب اخذ کرتے ہوئے میری بیوی کو اغوا کر لیا۔"

باچو اور اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے حوالدار کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ نارکوٹکس اہلکار بھی اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ باچو چہرے کے تاثرات پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ "مجھے یاد ہے بارڈر کے پاس بہت بڑے پیمانے پر آپریشن ہوا تھا۔ چند گرفتاریاں بھی ہوئی تھیں۔ اگر ان میں سے کوئی اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ میں معاملے میں ملوث تھا تب میں خود کو گرفتاری کے لیے بہ خوشی پیش کر دوں گا۔ بصورتِ دیگر بہتان مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔ اس لیے آئندہ سوچ سمجھ کر بات کرنا۔"

کمرے کا دروازہ کھول کر سفید کپڑوں میں ملبوس مولوی اندر داخل ہوا۔ وہ کاندھے پر سرخ رومال اور سر پر سفید پگڑی باندھے ہوئے تھا۔ اس کے ہاتھوں میں فائل تھی۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد اس نے سلام دعا کرتے ہوئے تفہیمی نگاہوں سے باچو اور حوالدار کی طرف دیکھا۔

باچو بولا۔ "مولوی صاحب ان دونوں کو آپ کی گواہی درکار ہے۔ آپ انہیں بتا دیجیے کہ میری اور بانو کی شادی گزشتہ سال کس ماہ اور کس دن کو ہوئی تھی۔"

مولوی صاحب بولے۔ "اس بات کا ثبوت میرے پاس نکاح نامے کی صورت میں موجود ہے۔" اس نے فائل کھولی اور نکاح نامہ نکال کر میز پر رکھ دیا۔ "کوٹھی سے آنے والے نوکر نے جب مجھے حالات سے باخبر کیا تو میں اسے ساتھ لیتا آیا۔"

عبداللہ نے نکاح نامہ اٹھایا اور اس کا جائزہ لینے لگا۔ نکاح نامے پر رجسٹرار کی مہر اور دستخط موجود تھے۔ گواہوں والے خانے میں حوالدار عبدالرحیم کے دستخط تھے۔ باقی کے دونوں گواہوں کو وہ نہیں جانتا تھا۔ حق مہر پانچ لاکھ تھا۔ تاہم رجسٹرار کی مہر اور دستخط کی نقل کرنا مشکل نہیں تھا۔

مولوی صاحب بولے۔ "چند دن قبل نکاح نامہ باچو

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

نے میرے حوالے کیا کہ اس پر پلاسٹک کور چڑھوالاؤں۔ ابھی تک شہر جانا نہیں ہوا۔ جب بھی گیا پہلا کام یہی کروں گا۔''

کمرے کا دروازہ کھول کر ایک نوکر اندر داخل ہوا۔ اس نے باچو کے کان میں سرگوشی کی اور جس خاموشی کے ساتھ آیا تھا اسی خاموشی سے واپس چلا گیا۔

باچو، عبداللہ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ ''دھنورا گاؤں والے اس بات سے باخبر ہو گئے ہیں کہ تم بانو پر ملکیت کے دعوے دار بن کر حویلی میں آئے ہو، وہ نہایت مشتعل اور غصے میں ہیں۔ تم دونوں کی بہتری اسی میں ہے کہ خاموشی کے ساتھ گاؤں سے باہر چلے جاؤ۔ میرے آدمی تمہیں سرحد تک چھوڑ آئیں گے۔'' وہ صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ کوٹھی کے دروازے پر لوگوں کا ہجوم نہایت مشتعل دکھائی دیتا تھا۔ ان کی تعداد سو کے لگ بھگ تھی۔ وہ کوٹھی کے سامنے والے ٹیلے کے اوپر تک چڑھے ہوئے تھے۔ بہت سوں کے ہاتھوں میں ڈنڈے اور زنجیریں بھی دکھائی دے رہی تھیں۔

باچو نے مختصر تقریر کرتے ہوئے انہیں بتایا۔ ''یہ ایک اتفاق ہے کہ بانو اور ماہی کی شکلوں میں مشابہت پائی جاتی ہے۔ میں نے انہیں مطمئن کر دیا ہے۔ یہ دوبارہ گاؤں کا رخ نہیں کریں گے۔ اس لیے تلخ کلامی یا ہاتھا پائی کی ضرورت نہیں ہے۔ ان دونوں کو گاؤں سے باہر جانے دیا جائے۔''

مجمع نے باچو اور بانو کے حق میں نعرے بازی کی اور چند جوان ہاتھوں میں رائفلیں تھامے کوٹھی کے دروازے سے باہر نکل آئے۔ انہوں نے عبداللہ اور نارکوٹکس اہلکار کو اپنے حلقے میں لے لیا اور مجمع کے درمیان راستہ بناتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ ٹیلے کو عبور کرنے کے بعد لوگوں کی تعداد میں کمی واقع ہوئی اور وہ بہ احسن وخوبی پہنچ گئے۔ نومی اس کا منتظر تھا۔ اس نے اسے گاڑی میں بٹھایا اور ریسٹورنٹ کی طرف گاڑی کو دوڑانے لگا۔

دورانِ سفر خاموشی رہی۔ ریسٹورنٹ کے پاس اہلکار گاڑی سے اتر کر پہاڑی کی طرف چلا گیا۔ وہ ہیڈ کوارٹر کو معاملے کی تفصیل سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ محکمے کا براہِ راست معاملے میں ملوث ہونا عبداللہ کے حق میں بہتر تھا۔ وہ اکیلا باچو سے مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ تمام دھنورا گاؤں اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ اینٹی نارکوٹکس والوں کے ملوث ہونے کے بعد وہ ماہی کو باچو کے چنگل سے بہ آسانی آزاد کروا سکتا تھا۔

ریسٹورنٹ کے سامنے کھڑی ہوئی اپنی سائیکل کو اٹھاتے ہوئے نومی نے واپس جانے کی اجازت طلب کی۔ عبداللہ نے اسے بازو کے پاس سے تھاما اور گھسیٹتے ہوئے کچن میں لے آیا۔ نومی حیرت بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عبداللہ سرد لہجے میں بولا۔

''اتنے لمبے سفر کے بعد یقیناً تمہیں کافی کی ضرورت ہوگی۔ تم کافی پی کر چلے جانا۔'' اس نے پانی برتن میں ڈالا اور چولھے پر رکھ دیا۔

نومی ہراساں لہجے میں بولا۔ ''مجھے کافی کی ضرورت نہیں ہے۔ ریسٹورنٹ تمام دن بند رہا ہے۔ میں اس کے لیے پریشان ہوں۔''

''تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تھوڑے سے کام کا تگڑا معاوضہ تمہاری جیب میں ہے۔ ریسٹورنٹ کی فکر کیا معنی رکھتی ہے؟''

نومی نے ہڑبڑا کر عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کون سا معاوضہ، معاف کیجیے گا۔ میں آپ کی بات نہیں سمجھ سکا۔''

میں سمجھائے دیتا ہوں۔ بالکل سامنے کی بات ہے۔ تم نے صبح دس بجے گھر کا رخ کیا اور بارہ بجے ریسٹورنٹ آ کر ماہی کی موجودگی سے مجھے باخبر کیا۔ ریسٹورنٹ سے دھنورا گاؤں کا فاصلہ دو گھنٹوں کا ہے۔ یعنی جانے اور آنے میں چار گھنٹے لگتے ہیں۔'' اس نے کھولتے ہوئے پانی کے برتن کو ہینڈل کے پاس سے تھاما اور برتن کو نومی کے چہرے کے قریب کرتے ہوئے بولا۔ ''یہ بات میری سوچ سے بالاتر ہے کہ تم نے سائیکل پر دو گھنٹوں کے درمیان یہ فاصلہ کیسے طے کیا۔ صرف دو باتیں ہو سکتی ہیں یا تو تمہارے اندر سپرمین کی روح حلول کر گئی ہے اور تم میلوں کا فاصلہ منٹوں میں طے کرنے کی طاقت رکھتے ہو یا پھر باچو پہلوان کے ساتھ تمہارے گہرے روابط وتعلقات ہیں۔ صرف دو منٹوں کے دوران سچ اگل دو۔ بصورتِ دیگر کھولتا ہوا پانی تمہارے چہرے کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دے گا۔''

نومی بولا۔ ''ٹھیک ہے، مجھے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے درست اندازہ لگایا۔ مجھے اس کام کے لیے پانچ ہزار روپے دیے گئے ہیں۔ وہ باچو کا آدمی تھا۔ آپ کے متعلق بہت کچھ جانتا تھا۔ اس نے مجھ سے چند سوالات کیے جو کسی لوہے کے ٹرنک اور جیپ سے متعلق تھے۔''

عبداللہ نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ ''تم نے سوالوں

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

کے کیا جواب دیے؟ تفصیل کے ساتھ بتاؤ۔"

"تفصیل کچھ زیادہ نہیں۔ مجھے ٹرنک اور پولیس جیپ کے متعلق کچھ معلوم نہیں تھا۔ اس لیے میں نے لاعلمی کا اظہار کر دیا۔ تب اس نے مجھے ریسٹورنٹ کی طرف جانے کے لیے کہا۔ تاکہ میں آپ کو دھنورا گاؤں کا راستہ دکھا سکوں۔"

ٹرنک کی بات سے عبداللہ کو چمنی میں موجود رقم یاد آئی۔ وہ وہاں غیر محفوظ تھی۔ اس نے نومی سے کہا۔ "ریسٹورنٹ میں کھانے کا سامان ختم ہو گیا ہے۔ ماہی کی غیر موجودگی کے باعث شہر جا کر بندوبست نہیں کر سکا۔ اس لیے تم آج چھٹی کرو۔ کل تمہارے متعلق کچھ فیصلہ کرنے کے بعد تمہیں مطلع کر دوں گا۔"

نومی نے کوئی جواب نہیں دیا اور کچن سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد عبداللہ نے چھت کا رخ کیا۔ رقم کو چمنی کے اندر سے باہر نکالا اور تہ خانے کے اندر منتقل کرنے کے بعد دروازے کو تالا لگا دیا پھر کافی اور سینڈوچ بنانے کے بعد کمرے میں آ گیا۔ دورانِ کھانا اس کا دماغ سوچوں کے گھیرے میں تھا۔ نومی کے بیان کے مطابق باچو نارکوٹکس والوں سے ہتھیائی ہوئی رقم سے آگاہی رکھتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ نارکوٹکس والوں کی جیپ اور ڈرائیور کی لاش باچو کی حویلی میں تھی۔ تاہم ماہی کا رویہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ وہ ٹرانس کی کیفیت میں نہیں تھی۔ ایسی حالت میں انسان جذباتی کیفیت سے مبرا ہوتا ہے۔ وہ وہی کچھ کرتا ہے جس کے لیے اسے کہا جاتا ہے۔ ماہی کا رویہ اس بات کی دلیل تھی کہ وہ ہوش و حواس میں بات کر رہی تھی۔ تاہم منشیات کے ذریعے اسے بلیک میل کرنا مشکل نہیں تھا۔

کھانے کے بعد اس نے ہال کمرے کا رخ کیا۔ کاؤنٹر کی دراز میں فون ڈائریکٹری پڑی تھی۔ اس نے ایجنٹی نارکوٹکس ہیڈ کوارٹر کا نمبر تلاش کیا اور ڈائل کرنے کے بعد رابطہ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد اس کا رابطہ ایکسچینج سے ہوا۔ وہ آفیسر کے نام سے واقف نہیں تھا۔ اس لیے اس نے کسی ذمے دار آفیسر سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اتفاق سے کوئی بھی مطلوبہ عہدے دار موجود نہیں تھا۔ آپریٹر نے اسے پیغام ریکارڈ کروانے کے لیے کہا اور عبداللہ نے نہایت تفصیل کے ساتھ دھنورا گاؤں اور باچو کی مجرمانہ سرگرمیوں سے پردہ اٹھاتے ہوئے اس حقیقت کا بھی انکشاف کیا کہ مطلوبہ جیپ اور نارکوٹکس سے متعلقہ افراد باچو کی کوٹھی میں قید ہیں اور رقم کو انہوں نے بارڈر پار منتقل کر دیا ہے۔ پیغام ریکارڈ کروانے کے بعد اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور خواب گاہ میں آ گیا۔ بیڈ پر لیٹ کر اگلے لائحہ عمل پر غور کرنے لگا۔ اگر نارکوٹکس والوں کو باچو کی کوٹھی سے ڈرائیور کی لاش اور جیپ دستیاب ہو جاتی تو معاملے میں براہِ راست ملوث ہونے کے بعد اس کے لیے فرار کے تمام راستے مسدود ہو کر رہ جاتے اور اس کی گرفتاری کے بعد ماہی کو کوٹھی سے آزاد کرانا مشکل نہیں ہوتا۔ تاہم رقم کی ریسٹورنٹ میں موجودگی خطرناک تھی۔ اسے کہیں اور منتقل کرنا نہایت ضروری تھا۔ بینک کا لاکر اس کے لیے موزوں تھا۔ شہر جانے سے قبل اہلکاروں سے اجازت لینا مشکل مرحلہ تھا۔ تاہم وہ کوئی بہانہ بنا کر انہیں مطمئن کر سکتا تھا۔ ابھی تمام رات باقی تھی۔ وہ مناسب بہانے کے متعلق سوچ سکتا تھا لیکن تمام دن کے تھکے ہونے کی وجہ سے جلد ہی اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ گہری نیند سو گیا۔

☆☆☆

کسی کے بُری طرح جھنجوڑنے سے اس کی آنکھ کھلی۔ کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ بیڈ کے پاس ہاتھوں میں ریوالور تھامے ایک ہیولا کھڑا تھا۔ وہ زیادہ سوچنے نہیں پایا۔ اسے باچو کی آواز سنائی دی۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ چند معاملات پر بات چیت کرنے کے بعد میں واپس چلا جاؤں گا۔" اس نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کر دی۔ پھر قریبی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "تمہاری بیوی تمہیں جلد واپس مل جائے گی۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ ہاں پچیس کروڑ کا اچانک گم ہو جانا میرے لیے ضرور غیر معمولی دھچکا تھا۔ مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں نے اپنے آدمیوں کو نارکوٹکس والوں کی جیپ کا پیچھا کرنے کی ہدایت نہیں دی۔ جیپ کی گمشدگی کے بعد تمام ملنے والے شواہد نے تمہارے ریسٹورنٹ کو مشکوک قرار دے دیا۔ میں نے اپنے آدمیوں کو تمہاری نقل و حمل کی نگرانی پر مامور کر دیا۔ انہوں نے رات کے وقت درختوں کے درمیان ملنے والے چند نشانات کی روشنی میں پہاڑی غار کو دریافت کیا اور نارکوٹکس والوں کو دھنورا گاؤں منتقل کر دیا۔ جیپ کی تلاشی کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ رقم سے بھری ہوئی پیٹی کو اس کے اندر سے نکال لیا گیا ہے۔ میں نے اپنے آدمیوں کو دوبارہ ریسٹورنٹ کی طرف بھیجا لیکن اس دوران نارکوٹکس والے وہاں پہنچ چکے تھے۔ اس لیے کارروائی دوسرے دن تک کے لیے ملتوی کر دی گئی۔ دوسرے دن میرے آدمیوں نے مجھے اطلاع دی کہ نارکوٹکس کے دو اہلکاروں کو ریسٹورنٹ کی نگرانی پر مامور کر

دیا گیا ہے، ہمیں ایک دفعہ پھر پیچھے ہٹنا پڑا۔"

عبداللہ نے پوچھا۔ "وہ اب بھی پہاڑی کے اوپر پہرا دے رہے ہیں۔ تم ریسٹورنٹ کے اندر کیسے آ گئے؟"

اس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔ "ان دونوں کی نگرانی عمارت کے سامنے کی حد تک محدود ہے۔ پچھلا حصہ ان کی نگرانی سے محفوظ ہے۔ میں پچھلی دیوار کو پھلانگ کر اندر آیا ہوں۔ بہرحال مجھے تمہاری طرف سے خطرہ لاحق نہیں تھا۔ تمہاری بیوی کافی دنوں سے دھنورا گاؤں منشیات کے حصول کے لیے آ رہی تھی۔ ریگستان میں واقع تمام چھوٹی موٹی آبادیوں کے علاوہ دھنورا گاؤں کے تمام رہائشی منشیات کی لت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے لیے منشیات کا استعمال ایسے ہے جیسے نوزائدہ بچے کے لیے دودھ کا حصول..... اور یہ تمام منشیات انہیں میری کوٹھی سے دستیاب ہوتی ہے۔ شروع کے چند دن تمہاری بیوی نے قریبی گاؤں سے رابطہ کرنے کے بعد منشیات کے حصول کے لیے نومی کو استعمال کیا۔ بعدازاں اس نے مستقل طور پر دھنورا گاؤں آنا شروع کر دیا۔ میں اس کو استعمال کر کے تم سے بہ آسانی رقم واپس لے سکتا تھا۔ میرا ارادہ بھی یہی تھا۔ تاہم چند گھنٹوں کی سوچ بچار کے بعد میں نے اس میں ردوبدل کر دی۔"

عبداللہ کافی حد تک اپنی حالت پر قابو پا چکا تھا۔ وہ بات کاٹتے ہوئے تلخ لہجے میں بولا۔ "رقم میرے پاس نہیں ہے۔ جیپ اور اس میں موجود افراد نے اسے بھی چرا لیا ہے۔ تم ریسٹورنٹ کی تلاشی لے سکتے ہو۔"

باچو نے سرد نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا پھر کرسی سے اٹھ کر پلنگ کے دوسری طرف چلا آیا۔ وہاں قالین پر رقم سے بھرا ہوا بیگ رکھا تھا۔ اس نے بیگ اٹھا کر عبداللہ کے سامنے رکھ دیا اور طنزیہ لہجے میں بولا۔ "تہ خانے کا دروازہ توڑنا میرے لیے مشکل نہیں تھا اور رقم کے متعلق مجھے نومی نے تفصیل کے ساتھ بتا دیا تھا۔ وہ تمہیں چمنی کے اندر سے رات کو بیگ نکالتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ تمہیں چھت پر جانے سے پہلے ریسٹورنٹ کے دروازے کو بند کر دینا چاہیے تھا۔"

عبداللہ کے چہرے پر اندھیرا چھاتا چلا گیا۔ رقم بھی ہاتھ سے گئی اور بیوی بھی۔ اینٹی نارکوٹکس والوں کی تلوار الگ سر پر لٹک رہی تھی۔ وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح پلنگ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ پچیس کروڑ کی رقم تمہارے پاس ہے۔ جیپ اور اہلکاروں کو تم پہلے ہی دھنورا گاؤں منتقل کر چکے ہو۔ ماہی منشیات کے

دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور ملک بھر میں
گھر بیٹھے
رسالے حاصل کیجیے
جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ
ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت
باقاعدگی سے ہر ماہ حاصل کریں اپنے دروازے پر
ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرِ سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)
پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 1200 روپے
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے 12,000 روپے
بقیہ ممالک کے لیے 11,000 روپے
آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد رسائل کے خریدار بن سکتے ہیں۔ رقم اسی حساب سے ارسال کریں۔ ہم فوراً آپ کے دیے ہوئے پتے پر رجسٹرڈ ڈاک سے رسائل بھیجنا شروع کر دیں گے۔
یہ آپ کی طرف سے اپنے پیاروں کے لیے بہترین تحفہ بھی ہو سکتا ہے
بیرونِ ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین یا منی گرام کے ذریعے رقم ارسال کریں۔ کسی اور ذریعے سے رقم بھیجنے پر بھاری بینک فیس عائد ہوتی ہے۔ اس سے گریز فرمائیں۔
رابطہ: مرزا اثر عباس فون نمبر: 0301-2454188
سرکولیشن مینیجر..... سید منیر حسین 0333-3285269
جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز
C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی
فون: 35804200-35804300

حصول کے لیے تمہاری حکم عدولی نہیں کرسکتی۔ تمہیں اور کیا چاہیے؟''

باچو کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے جیب میں سے سگار نکال کر سلگایا اور دھواں اگلتے ہوئے بولا۔ ''رقم تمہارے سامنے پڑی ہے۔ بارڈر کے پاس موجود ہمارے غیر ملکی ڈیلر کے ساتھ کاروبار کی لین دین میں مدد کرو اور اپنی بیوی کو دو کروڑ کی رقم کے ساتھ لے جاؤ۔''

عبداللہ نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔ ''اگر لین دین منشیات سے متعلق ہے تو اس بات کا دھیان رکھنا۔ اینٹی نارکوٹکس والے ریسٹورنٹ کی نگرانی کررہے ہیں۔''

''ان کی فکر نہ کرو۔ تمہیں بارڈر تک لے جانا اور واپس لانا میرے آدمیوں کے ذمّے ہے۔ تمہیں صرف رقم دے کر مال میرے آدمیوں کے حوالے کرنا ہے۔'' باچو نے کہا۔

یہ کاروباری لین دین تمہارے آدمی بہ آسانی کرسکتے ہیں۔ اتنے معمولی سے کام کے لیے دو کروڑ کی رقم ضائع کیوں کررہے ہو؟'' عبداللہ نے پوچھا۔

باچو نے دھواں اگلتے ہوئے جواب دیا۔ ''دو دن قبل ہونے والی اینٹی نارکوٹکس کارروائی کے بعد تمام دھنورا گاؤں کے رہائشیوں کی نقل و حمل پر نگاہ رکھی جارہی ہے۔ ان کے لیے کسی بھی غیر قانونی سرگرمی کے لیے گاؤں سے باہر نکلنا ممکن نہیں۔ تمہاری نگرانی ریسٹورنٹ کی حد تک محدود ہے۔ اگر ان کی نگاہوں سے چھپ کر باہر نکل جاؤ۔ تو بارڈر کی حدود پر تمہاری نقل و حمل انہیں متوجہ کرنے کا باعث نہیں بنے گی۔''

اس کی باتوں سے عبداللہ مطمئن نہیں ہوا۔ تاہم انکار کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس لیے خاموش ہوگیا اور شب خوابی کا لباس تبدیل کرنے کے بعد باچو کے ساتھ ریسٹورنٹ کی عمارت کے پچھلے حصے کی طرف آگیا۔ وہاں اس کے دو ساتھی منتظر تھے۔ وہ سیاہ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ باچو اور عبداللہ کے قریب پہنچنے کے بعد ان چاروں نے قریب دکھائی دینے والے پہاڑوں کا رخ کیا۔ رات کے ساڑھے بارہ بجنے والے تھے۔ ویرانے میں گھپ اندھیرا طاری تھا۔ پہاڑی سلسلے کے پاس کچے علاقے میں ڈبل ڈور ڈاٹسن کھڑی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ڈرائیور براجمان تھا۔ ان کے بیٹھتے ہی ڈاٹسن نے تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھنا شروع کردیا۔ یہ کچا علاقہ گھوم کر پہاڑوں کے اختتام سے ہوتا ہوا ریگستان میں جا ملتا تھا۔ عبداللہ کا دماغ مختلف سوچوں کے گھیرے میں تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ رقم کی منتقلی اور منشیات کی وصولی کے فوراً بعد اسے قتل کردیا جائے گا۔ وہ دھنورا گاؤں کے متعلق سب کچھ جان چکا تھا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ اتنی جانکاری کے بعد وہ اسے زندہ چھوڑ دیتے۔ اسے فرار کے لیے موقع تلاش کرنا چاہیے تھا۔ وہ باہر رہ کر ماہی کے لیے بہت کچھ کرسکتا تھا۔ ڈاٹسن کچے علاقے سے نکل کر پکے میں سفر کرنے لگی۔ اب اس کی رفتار بہت تیز تھی۔

☆☆☆

بارڈر سے بہت پہلے ڈاٹسن نے سڑک سے نیچے اتر کر ریتیلے علاقے میں سفر کا آغاز کیا۔ یہاں ٹیلوں کی بہتات تھی۔ ویرانے میں سناٹا طاری تھا۔ شاید اینٹی نارکوٹکس کا عملہ دھنورا گاؤں کی حد تک محدود تھا۔ باقی کا تمام علاقہ سنسان پڑا تھا۔ چند اونچے نیچے اور غیر ہموار راستوں پر آگے بڑھنے کے بعد ڈاٹسن گھپ اندھیرے کی چادر کے درمیان رک گئی۔ باچو نے اسے نیچے اترنے کے لیے کہا۔ اس کے ہمراہ دونوں آدمی بھی نیچے اترے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں رقم سے بھرا ہوا بیگ تھا۔ گاڑی سے اترنے کے بعد انہوں نے عبداللہ کو وسیع و عریض ریگستان میں آگے بڑھنے کے لیے کہا۔ دونوں آدمی مسلح تھے۔ ان کے ریوالوروں کا رخ عبداللہ کی طرف تھا۔ فرار کے راستے مسدود تھے۔ کچھ آگے جانے کے بعد ایک ٹیلے کے پاس پہنچنے پر عبداللہ نے دونوں کی طرف مڑتے ہوئے چھوٹی انگلی اٹھا کر رفع حاجت کی اجازت طلب کی۔ دونوں نے ناگوار انداز میں سر ہلاتے ہوئے اسے وہیں بیٹھ کر فارغ ہونے کے لیے کہا۔ عبداللہ نے مسکین شکل بناتے ہوئے ٹیلے کے پیچھے جانے کی درخواست کی۔ انہوں نے صاف انکار کردیا اور اسے وہیں بیٹھ کر فارغ ہونے کا حکم دیا۔ چاروناچار وہ وہیں بیٹھ گیا۔ اسے حاجت محسوس نہیں ہورہی تھی۔ وہ صرف موقع کی تلاش میں تھا۔ ٹیلے کے پیچھے جانے کی صورت میں وہ اندھیرے میں کہیں بھی چھپ سکتا تھا۔ اب وہ دونوں بھوتوں کی طرح اس کے سر پر مستعد کھڑے تھے۔ چند منٹوں کے بعد اس نے کھڑے ہوتے ہوئے ہاتھوں میں ریت بھری اور اپنا رخ ان کی طرف موڑتے ہوئے تمام ریت ان دونوں کی آنکھوں میں جھونک دی۔ یہ سب اتنی سرعت کے ساتھ ہوا کہ انہیں سنبھلنے کا موقع نہیں مل سکا اور وہ دونوں اپنے ہاتھوں سے آنکھیں ملنے لگے۔ عبداللہ نے ریتیلے ٹیلوں کے پیچھے سے ہوکر اندھا دھند سامنے کی طرف

www.paksociety.com

دوڑنا شروع کر دیا۔ گھپ اندھیرے کے باعث اسے سمت کا اندازہ نہیں تھا لیکن وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ یہ ڈاٹسن میں بیٹھے ہوئے باچو کی مخالف سمت تھی۔ اس کے کان اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ پر لگے ہوئے تھے۔ نرم ریت کی بدولت انہیں سننا ممکن نہیں تھا۔ تاہم دوڑتے ہوئے قدموں کی سرسراہٹ سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ پیچھے آ رہے ہیں یا پھر نہیں۔ وہاں گمبھیر خاموشی طاری تھی۔ نرم ریت پر اندھا دھند دوڑنا آسان نہیں تھا۔ ہر آگے اٹھنے والے قدم کے ساتھ ریت پیچھے ہٹ کر رفتار میں کمی کا باعث بنتی تھی۔ تاہم وہ جان کی بازی لگا کر ہر مشکل کو آسان بنانے کے لیے دوڑتا رہا۔ ٹیلوں کی تعداد میں کمی واقع ہونے لگی۔ اس نے پیچھے مڑ کر آنے والے راستے پر نگاہ دوڑائی۔ اندھیرے کے سوا وہاں کچھ نہیں تھا۔ وہ چند لمحے سانس درست کرنے کے لیے ٹیلے کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ اس کا دماغ نہایت تیزی کے ساتھ اگلے لائحہ عمل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اگر وہ سڑک تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا.. تو آگے کے سفر میں نہایت خطرہ لاحق تھا۔ یہ تمام علاقہ باچو کی ... سرپرستی میں تھا۔ اس سے بہت بڑی غلطی سرزد ہوئی تھی کہ رفع حاجت کے دوران رقم سے بھرا ہوا بیگ وہیں چھوڑ آیا تھا اگر وہ ساتھ لے آتا تو بارڈر پر رقم دینے کے بعد بہ آسانی اسے عبور کر کے دوسری طرف جا سکتا تھا۔ اب وہ نہ صرف نہتا تھا بلکہ باچو کے رحم و کرم پر بھی تھا۔ اس نے دوبارہ آگے کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ کچھ ہی دیر میں ٹیلوں کا سلسلہ اچانک ہی ختم ہو گیا۔ اب اس کے سامنے اندھیرے میں ڈوبا ہوا وسیع و عریض کھلا میدان تھا۔ پھر اچانک ہی تیز روشنیوں نے اسے وقتی طور پر اندھا کر دیا۔ وہ آنکھوں پر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں رکھ کر جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔ اسے کسی کے چلانے کی آواز سنائی دی۔ عبداللہ اس آواز کو پہچان گیا۔ وہ نارکوٹکس آفیسر کی آواز تھی جسے وہ ریسٹورنٹ میں سن چکا تھا۔ وہ اپنے آدمیوں کو فائر کرنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ عبداللہ نے چیخنے کے لیے منہ کھولا لیکن تڑتڑاہٹ کی آواز کے ساتھ اس کے جسم کو شدید جھٹکا لگا۔ چند گولیاں اس کے جسم میں پیوست ہوئیں۔ اسے شدید تکلیف کا احساس ہوا اور جسم اچھل کر پیچھے ریت پر جا گرا۔ پھر اس کا دماغ اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

☆☆☆

ریگستان کے اس وسیع و عریض میدان میں نارکوٹکس کے چند اہلکار اور آفیسر موجود تھے۔ ان کی دو گاڑیاں ایک دوسرے سے کچھ ہٹ کر آمنے سامنے کھڑی تھیں۔ ہیڈ لائٹ کی روشنی درمیان کے حصے کو روشن کر رہی تھیں۔ آفیسر کی نگاہیں ٹیلوں کے درمیان بل کھاتے ہوئے راستے پر مرتکز تھیں۔ کچھ دیر بعد ٹیلوں کے درمیان روشنی کا دھارا نکل کر میدان میں پھیل گیا۔ پھر ڈبل ڈور ڈاٹسن ٹیلوں کے درمیان سے نکل کر آفیسر کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ڈرائیور نے نیچے اتر کر پچھلا دروازہ کھولا اور باچو گاڑی سے اتر کر آفیسر کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کی نگاہوں میں سنجیدگی کے تاثرات تھے۔ آفیسر مسکراتے ہوئے بولا۔

”وہ ختم ہو گیا ہے۔ لاش گاڑی کے پچھلے حصے میں پڑی ہے۔ کل کے اخبارات میں اس کی تصویر اور منشیات کی تگڑی کھیپ کی تفصیل کے ساتھ خبر لگا دی جائے گی۔ تاہم اس دفعہ رقم ساری میری ہو گی۔“

باچو پریشان لہجے میں بولا۔ ”ہمیشہ سے جو معاہدہ چلتا آ رہا ہے اس سے مکرنے کی کوشش نہیں کرو۔ ہر کارروائی کے دوران اسمگل ہو کر آنے والی منشیات سے حاصل کردہ رقم کے دو حصے دھنورا گاؤں کے اور دو حصے نارکوٹکس والوں کے..... اس لحاظ سے پچیس کروڑ کی رقم میں سے ساڑھے بارہ کروڑ دھنورا گاؤں کے اور ساڑھے بارہ کروڑ تمہارے..... اس لیے بات سے پھرنے کی کوشش مت کرو۔“

آفیسر سرد لہجے میں بولا۔ ”یہ سب پہلے کی بات تھی۔ اس دفعہ معاملہ کچھ اور نوعیت کا ہے۔“ اس نے جیب میں سے چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر باہر نکالا اور بٹن دبا کر باچو کے ہاتھوں میں تھما دیا۔ اس نے حیرت بھرے چہرے کے ساتھ ٹیپ ریکارڈ تھاما اور انہماک کے ساتھ عبداللہ کی وہ بات چیت سننے لگا جس میں دھنورا گاؤں اور منشیات میں ملوث رہائشیوں کے متعلق تفصیل بتا رہا تھا۔ بیان میں باچو کی مجرمانہ سرگرمیوں کے متعلق تفصیل سے آگاہ کرنے کے بعد ماہی کی گمشدگی، جیپ اور اینٹی نارکوٹکس افراد کی روپوشی سے آگاہ کیا گیا تھا۔ کیسٹ ختم ہونے کے بعد باچو نے آفیسر کی طرف پریشان نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”یہ تمہیں کہاں سے ملا؟ اس کی نگرانی پر مامور آدمیوں کی رپورٹ کے مطابق رات کو ریسٹورنٹ جانے کے بعد وہ دوبارہ باہر نہیں نکلا تھا۔“

آفیسر نے بتایا۔ ”یہ رات کو نومی کے چلے جانے کے بعد فون پر ریکارڈ کروایا گیا۔ تمہاری بدقسمتی کہ اس وقت میں اس ڈرامے کی ریہرسل کے لیے یہاں ریگستان میں تھا۔ تاہم میرے آدمیوں نے ریکارڈ شدہ بیان مجھ تک پہنچا دیا۔“

"معاملہ کس حد تک اوپر جا چکا ہے؟" باچو نے پوچھا۔

"تمہاری گرفتاری کے احکامات جاری کر دیے گئے ہیں۔ صبح آپریشن کا آغاز ہو جائے گا لیکن میرے خیال میں اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ میں سب کچھ بہ آسانی سنبھال سکتا ہوں۔ تاہم پچیس کروڑ میں اب تمہارا حصہ نہیں ہوگا۔ یہ سب میرے خفیہ اکاؤنٹ میں منتقل ہو جائیں گے۔"

باچو بولا۔ "یہ ناانصافی ہے۔ آج سے پہلے متعدد معاملات میں تم نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا لیکن اتنی بڑی رقم کا مطالبہ کبھی نہیں کیا۔ حتیٰ کہ پچاس کروڑ کی منشیات کی خرید و فروخت کے بعد پچیس کروڑ کی وصولی اور منشیات پکڑے جانے کے ڈرامے میں بھی تم نے ہمارا ساتھ دیا۔ تمہیں آج بھی لحاظ کرنا ہوگا۔"

آفیسر بولا۔ "تمہیں دیکھتے ہی گولی مار دینے کے احکامات جاری کر دیے گئے ہیں۔ صبح پورا دھنورا گاؤں نارکوٹکس والوں کے گھیرے میں ہوگا۔ ایک لحاظ سے تمہارا کھیل ختم ہو کر رہ گیا ہے لیکن دیرینہ تعلقات کی بدولت میں تمہیں گرفتار نہیں ہونے دوں گا۔ ہاں پچیس کروڑ کے عوض کچھ عرصے کے لیے تمہیں اپنے سیٹ اپ کو سمیٹنا ہوگا۔"

اس دفعہ باچو سرد لہجے میں بولا۔ "ٹھیک ہے۔ مجھے منظور ہے لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ مجھے دھوکا دینے کی صورت میں تم بھی بچ نہیں پاؤ گے۔ میری پہنچ تمہاری سوچ سے بھی اوپر تک ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ مجھے کرنا کیا ہے۔"

آفیسر بولا۔ "کچھ بھی نہیں، جو کچھ کرنا ہے، وہ دھنورا گاؤں والوں نے کرنا ہے۔ میں نے گولی مار کر عبداللہ کے چہرے کو مسخ کر دیا ہے۔ اب اسے پہچاننا ممکن نہیں ہے۔ صبح میں لاش کو محکمے کے حوالے کر دوں گا اور رپورٹ یہ دوں گا کہ منشیات کی اسمگلنگ کے دوران مقابلے میں مارا گیا ہے۔ دھنورا گاؤں اس بات کی گواہی دے گا کہ یہ واقعی باچو پہلوان ہے۔ معاملے کو دبانے کے لیے ہو سکتا ہے کہ مجھے کچھ رقم بھی اعلیٰ حکام کی نذر کرنا ہو۔ وہ میں کر دوں گا۔ تاہم تمام معاملے کے دوران تمہیں منظر سے آؤٹ رہنا ہوگا۔"

باچو نے گاڑی کے پاس کھڑے ہوئے ڈرائیور کو اشارہ کیا اور اس نے پچھلے حصے میں پڑا ہوا رقم کا بیگ آفیسر کے حوالے کر دیا اور بات چیت کا اختتام ہو گیا۔

☆☆☆

دوسرے دن آپریشن سے قبل آفیسر نے عبداللہ کی لاش مع بھاری منشیات کے اعلیٰ حکام کے سامنے پیش کر دی۔ بعد ازاں قصبے پر چھاپا مار کر نہ صرف ماہی کو بازیاب کروا لیا گیا بلکہ کریک ڈاؤن کی صورت میں قصبے کے گھروں سے منشیات کی بڑی کھیپ بھی برآمد کی گئی۔ اتنی بڑی تعداد میں منشیات کی برآمدگی کے بعد حکومت کی مشینری حرکت میں آ گئی اور ارد گرد کے علاقوں میں آپریشن کا آغاز کر دیا گیا۔ باچو کا سرکٹ انتہائی متاثر ہوا۔ وہ بارڈر پار کر کے دوسری طرف فرار ہو گیا۔ تاہم اس کے آدمی اسے پل پل کی خبر سے آگاہ کر رہے تھے۔ ماہی کو بازیاب کروانے کے بعد اسپتال منتقل کر دیا گیا۔ وہ معاملے کی عینی گواہ تھی اور اس کا بیان صورت حال کو پلٹ سکتا تھا۔ آفیسر کی تمام تر توجہ اس پر مرکوز تھی۔ اسے ختم کر دینے کے لیے اس نے علاج پر متعین ڈاکٹر کو تگڑی رقم دی۔ تاہم عملی قدم اٹھانے کی نوبت نہیں آ سکی۔ بارڈر پر آپریشن کی صورت حال نے جب شدت اختیار کی۔ تو اس کا اثر بارڈر کے پار بھی ہوا اور وہاں اسمگلروں کی گرفتاری کے بعد باچو کا پردہ چاک ہو گیا۔ اس کے حلیے سے اینٹی نارکوٹکس محکمے کو تفصیل کے ساتھ آگاہ کر دیا گیا۔ اعلیٰ حکام کے چونکنے کے لیے یہ حلیہ کافی تھا۔ جس لاش کو باچو پہلوان ظاہر کیا گیا تھا۔ ہر چند کہ اس کا چہرہ مسخ تھا۔ تاہم وہ درمیانے قد کا تھا اور بارڈر پار سے پکڑے گئے شخص کا قد غیر معمولی طور پر لمبا بتایا گیا تھا۔ ایک دفعہ پھر دھنورا گاؤں کے لوگوں سے پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع ہوا۔ لیکن وہ حلیے کی تفصیل بتانے سے انکاری رہے۔ تب بات ماہی کے بیان کی طرف چلی گئی۔ نارکوٹکس محکمے والے ماہی کی مکمل نگرانی کر رہے تھے۔ ایسی صورت میں اسے قتل کرنا ممکن نہیں رہا۔ اس لیے نارکوٹکس آفیسر نے بیرونِ ملک فرار ہونے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ وہ اپنے خفیہ اکاؤنٹ باہر منتقل کر چکا تھا۔ ماہی نے دوسرے دن تفصیلی بیان دے دیا اور اسے فرار ہوتے ہوئے ائرپورٹ سے گرفتار کر لیا گیا۔ اس کی گرفتاری کے چند دنوں بعد آفیسر کی نشاندہی پر بارڈر پار سے باچو کو بھی پکڑ لیا گیا۔ ماہی تیزی کے ساتھ صحت یاب ہو رہی تھی۔ اسے عبداللہ کی موت کا صدمہ تھا۔ اس کی زندگی عبداللہ کے احسانوں کی مرہونِ منت تھی۔ اسے بازارِ حسن کی دلدل سے نکال کر فلم انڈسٹری میں لانے والا عبداللہ تھا۔ منشیات کی بری عادت سے بھی اس نے ہی ماہی کو نجات دلائی تھی اور اب اگر اپنی جان کا نذرانہ دے کر اسے باچو کے چنگل سے آزاد نہ کرواتا تو اسے تمام زندگی دھنورا گاؤں کی کوٹھی میں قید رہنا پڑتا۔ آنسوؤں کی قطار اس کے سرخ و سفید گالوں پر گرنے لگی اور اس نے آنکھیں مضبوطی کے ساتھ بند کر لیں۔ جیسے ان کے حصار میں عبداللہ کو ہمیشہ قید کر لینا چاہتی ہو۔

❖❖❖

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

خوشی کی جستجو

منظر امام

چوری... ڈکیتی کی وارداتیں آج کل کا معمول بن چکی ہیں خصوصاً راہ چلتے موبائل چوری کرنا ایک عام بات ہے... تقریباً ہر شخص موبائل چوری ہونے کے تجربے سے گزر چکا ہے... ایک ایسے ہی سرپھرے شخص کی روداد... جس کی شدید خواہش تھی کہ وہ موبائل چوری ہونے کی واردات سے گزرے...

شگفتگی کے پیراہن میں لپٹی ایک دلچسپ واردات کی کہانی.....

"ارے بھائی ان کم بختوں کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ کس کی کیا حیثیت ہے۔" چودھری مقیم لوگوں کو بتا رہا تھا۔

"لیکن اندازہ کیسے ہوتا ہے؟" کسی نے پوچھا۔

"بہت آسانی سے۔ اس کے چلنے کا انداز، اس کے کپڑے، اس کے ہاتھ کا بریف کیس، موبائل، یہ سب بتا دیتے ہیں کہ بندہ پیسے والا ہے۔ بس اسی کو گھیر لیتے ہیں۔"

"یہ چور لٹیرے تو سب ہی کو گھیرتے ہوں گے؟"

"نہیں بھائی، بہت پہچان ہوتی ہے ان کو۔" چودھری

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

مقیم نے کہا۔ ''میں تو تماشا دیکھتا رہتا ہوں۔ کتنے لوگوں کو دیکھا ہے میں نے۔ ان کے تھیلے میں لاکھوں روپے ہوتے ہیں۔ لیکن مجال ہے کہ کوئی ان کو روک بھی لے۔ اور ہم جیسوں کا گزرنا بھی محال ہو جاتا ہے۔''

''سنا ہے کہ یہ آپ کا آٹھواں موبائل تھا جو چلا گیا۔''

''ہاں بھائی آٹھواں۔'' چودھری مقیم نے فخریہ لہجے میں بتایا۔ ''یہ والا تھوڑا قیمتی تھا لیکن چلو کوئی بات نہیں۔ دوسرا لے لوں گا۔ پریشانی صرف ایک ہوتی ہے کہ اس میں ضروری نمبر لکھے ہوتے ہیں۔ وہ بھی چلے جاتے ہیں۔ بس اس کے علاوہ اور کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔''

اس محفل میں امجد بھی بیٹھا تھا۔ اس کے پاس بھی ایک موبائل تھا لیکن وہ آج تک اس کی جیب میں محفوظ تھا۔ کسی نے اسے چھیننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ جب گھر جا کر اپنی بیوی کو بتایا کرتا کہ فلاں کا موبائل سیٹ چھین لیا گیا ہے تو اس کی بیوی برا سا منہ بنا لیتی۔ ''ظاہر ہے ان کے پاس قیمتی موبائل ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں پتا ہوتا ہے کہ پیسے والی پارٹی ہے۔ اب تم سے کون موبائل چھینے گا؟''

''یہ کیا بات ہوئی؟ کیا میں اس قابل بھی نہیں ہوں کہ کوئی مجھ سے موبائل چھین لے۔'' امجد نے کہا۔

''ارے یہ نصیبوں کی بات ہوتی ہے۔'' اس کی بیوی نے ایک گہری سانس لی۔ ''مجھے تو حلیمہ پر رشک آنے لگا ہے۔''

''کون حلیمہ؟''

''ارے وہی پڑوس کے برابر والے مکان میں رہتی ہے۔''

''تو کیا کہتی ہے وہ؟''

''کہے گی کیا۔ بس اتراتی پھرتی ہے کہ اس کے میاں کا موبائل تو چار بار چھینا ہے۔ مزے لے لے کر بتاتی رہتی ہے۔ میں تو اس کی بکواس سُن سُن کر عاجز ہو گئی ہوں۔ دل چاہتا ہے کہ اس کی زبان ہی کھینچ لوں۔''

''ارے نہیں اب اتنا بھی غصہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔ میرے ساتھ بھی ایک دن ایسا ہو گا۔''

''کہاں سے ہو گا؟ ایک تو تمہارے پاس موبائل ہی سڑا ہوا ہے۔ اس پر سے تمہارا حلیہ ایسا ہے کہ سو فقیروں کے ایک فقیر معلوم ہوتے ہو۔''

امجد ایسی باتیں سُن سُن کر اندر سے کھولتا رہتا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے وہ اپنے آپ کو دولت مند ظاہر کر کے رہے گا۔

کئی پلاننگ اس کے ذہن میں تھیں لیکن ان سب کو ریجیکٹ کر کے اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ایک قیمتی موبائل خرید لے گا۔ اس کے بعد وہ اس موبائل کی ہر جگہ نمائش کرتا پھرے گا۔

کسی کی نگاہِ کرم تو اس کے موبائل پر پڑے گی۔ کوئی تو اس سے اس کا قیمتی موبائل چھین لے گا۔ اس نے پوری پلاننگ کر رکھی تھی۔ موبائل کے چھنتے ہی وہ ایک دو محلے والوں کو لے کر پولیس اسٹیشن پہنچ جائے گا۔ اس مبارک موقع کے لیے اس نے کلف لگا سوتی شلوار کرتہ بھی نکال کر ایک طرف رکھ دیا تھا۔ اس نے یہ دیکھا تھا کہ کلف لگے سوتی شلوار قمیص کی شان ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ لوگ وڈیرا یا بڑا جاگیردار سمجھ کر ادب سے ایک طرف ہٹ جاتے ہیں۔

اس نے اپنی بیوی کو بتایا کہ وہ پچیس ہزار کا موبائل خریدنے جا رہا ہے۔

''وہ کیوں؟''

''خدا کی بندی۔ لٹیرے قیمتی موبائل پر ہی آتے ہیں۔ جیسا موبائل اس وقت میرے پاس ہے اس کو تو کوئی فقیر بھی قبول نہیں کرے گا۔''

''ہاں۔ یہ تم نے زندگی میں پہلی بار عقل مندی کی بات کی ہے۔'' بیوی خوش ہو کر بولی۔ ''لیکن لٹیروں کو کیسے معلوم ہو گا کہ تم نے قیمتی موبائل خرید لیا ہے؟''

''اس کی فکر مت کرو۔ میں جس ہوٹل میں بیٹھتا ہوں۔ وہاں اپنی اس خریداری کا اتنا پروپیگنڈا کروں گا کہ کوئی نہ کوئی متوجہ ضرور ہو جائے گا۔ اس کے بعد تم بھی سر اٹھا کر محلے والیوں کو بتا سکتی ہو۔ ویسے تو میں پچیس ہزار کا موبائل خریدوں گا لیکن تم پچاس ہزار بتانا۔''

''واہ، واہ۔'' بیوی نے تعریف کی۔ ''خدا نظرِ بد سے بچائے۔ کتنی عقل مندی کی باتیں کرنے لگے ہو۔ اب تم دیکھ لینا میں اس موئی حلیمہ کا کیا حال کرتی ہوں۔ اس کو جتا جتا کر ہلکان کر دوں گی۔''

امجد کے بینک اکاؤنٹ میں کچھ روپے پڑے ہوئے تھے۔ اس نے تیس ہزار بینک سے نکلوا لیے اور سیدھے موبائل مارکیٹ پہنچ گیا۔ جہاں ایک سے ایک موبائل سیٹ موجود تھا۔

بہت چھان بین کے بعد اس نے چھبیس ہزار کا ایک سیٹ خرید لیا۔

پہلی دفعہ کوئی قیمتی چیز اس کے پاس آئی تھی۔ اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اس قیمتی موبائل کے چھن جانے کا رسک

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

لے لیکن برادری اور دوستوں میں اپنی ناک اونچی رکھنے کے لیے یہ قربانی ضروری تھی۔

اس نے گھر آ کر بیوی کو جب موبائل سیٹ دکھایا تو وہ بھی افسوس کرنے لگی۔ ''ہائے ہائے کتنا پیارا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ اس کو سنبھال کر رکھ لوں۔''

''نہیں۔ اس کو سنبھال کر گھر میں ہی رکھ لیا تو بات کیسے بنے گی۔''

''اچھا ایک کام کرتی ہوں۔ یہ موبائل میں لے جا کر اس چڑیل حلیمہ کو دکھاتی ہوں کہ یہ دیکھو۔ میرے میاں نے یہ نیا موبائل خریدا ہے۔''

''اس سے کیا ہوگا؟''

''یہ ہوگا کہ جب یہ موبائل تم سے چھین لیا جائے گا۔ اور میں سب کو بتاؤں گی تو وہ کمبخت بھی گواہی دے گی کہ ہاں اس نے بھی وہ موبائل دیکھا تھا۔ اس کا اثر زیادہ ہوگا۔''

''ہاں، یہ پلاننگ اچھی ہے۔ تم جاؤ، یہ موبائل لے جاؤ۔''

امجد کی بیوی حلیمہ کو جلانے کے لیے موبائل اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ لوٹی تو اس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ ''ایسی آگ لگا کر آئی ہوں کہ کچھ مت پوچھو۔ اس چڑیل کے سینے پر سانپ لوٹ گیا تھا۔ ایسی جلی ہے کہ کیا کہوں۔ بہت دیر تک الٹ پلٹ کر دیکھتی رہی تھی۔''

''چلو، تمہارا کلیجا تو ٹھنڈا ہوا نا۔''

''ہاں، وہ تو ہو گیا..... اور ہاں تم نے وہ پرانا والا موبائل کیا کیا؟''

''اس کو میں نے مارکیٹ میں بیچنے کی کوشش کی تھی لیکن کسی نے نہیں لیا۔ سب کہہ رہے تھے کہ اتنا تھرڈ کلاس موبائل اب کس کام کا رہا ہے۔''

''چلو اسے گھر پر ہی رہنے دو۔''

امجد اس شام ایک نئے تیور کے ساتھ ہوٹل پہنچا تھا۔ اس نے اپنا ایک اچھا سا سوٹ پہن لیا تھا۔ وہ جس وقت ہوٹل میں پہنچا تو اس کے احباب ہوٹل ہی میں تھے۔ چودھری مقیم بھی تھا۔ امجد نے موبائل سیٹ اپنے ہاتھ میں اس طرح رکھا تھا کہ ہر کسی کو دکھائی دیتا رہے۔

اس نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ بہت سے احباب اس کے اس ہاتھ کی طرف دیکھ رہے تھے جس میں موبائل موجود تھا۔ چودھری مقیم کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ امجد نے کرسی پر بیٹھنے سے پہلے اپنا موبائل بے پروائی کے ساتھ میز پر رکھ دیا تھا۔

''امجد بھائی، یہ کیا نیا موبائل ہے؟'' راشد نے پوچھا۔

''ہاں یار۔'' امجد نے بے پروائی سے کہا۔

''میں دیکھ سکتا ہوں؟''

''کیوں نہیں۔ دوست نہیں دیکھیں گے تو کون دیکھے گا؟''

راشد نے موبائل دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ تعریف بھی کرتا جا رہا تھا۔ ''واہ امجد بھائی موبائل ہو تو ایسا ہی ہو۔ درجنوں تو فنکشنز ہیں اس میں۔ وائی فائی وغیرہ کی سہولت بھی ہے۔''

''اس کا کیمرا بھی تو دیکھو۔'' امجد نے کہا۔ ''کیا تصویریں لیتا ہے اور کیا مووی بنتی ہے۔ جیسے اسکرین پر فلم دیکھ رہے ہوں۔''

''اور اس کی قیمت کیا ہوگی؟'' چودھری مقیم نے پوچھا۔

''ارے مقیم بھائی، شوق سلامت رہے تو قیمت کی پروا کون کرتا ہے؟'' امجد نے کہا۔ ''سستا ہی مل گیا ہے۔ صرف چالیس ہزار کا۔''

''امجد بھائی تم اس کو سستا کہہ رہے ہو؟''

''بھائی نثار، میں اپنے شوق کی بات کر رہا ہوں۔ وہ قیمتی ہے۔ پیسہ تو ہاتھ کا میل ہے۔''

امجد کی بے نیازی نے سب کو حیران کر دیا تھا۔ خاص طور پر چودھری مقیم کا چہرہ دیکھنے والا تھا۔ امجد نے حاتم بن کر سب کے لیے چائے کا آرڈر دے دیا تھا۔ سب چائے پینے کے دوران اس کا موبائل ایک دوسرے کو دکھاتے رہے تھے۔

جب وہ ہوٹل سے باہر جانے لگا تو ایک نے آواز دے کر کہا۔ ''امجد بھائی، موبائل کی حفاظت کرنا۔ نظر لگتے دیر نہیں لگتی۔''

''ہاں یار، میں احتیاط کروں گا۔''

امجد ہوٹل سے نکل کر گھر واپس آ گیا۔ آج کی رپورٹ بیوی کو بتانی تھی۔ اس نے مزے لے لے کر ساری کہانی سنا دی۔ یہ سب سن کر وہ خوشی سے کھل گئی تھی۔ ''یہ بات ہوئی نا۔ میرا خیال ہے کہ شاید پہلی بار تم نے مرد بن کر محلے والوں کا سامنا کیا ہے۔ ورنہ دبے دبے ہی رہتے ہو۔ ایک کونے میں دبکے ہوئے۔''

''تو کیا کرتا۔ میری حیثیت ہی ایسی نہیں تھی۔''

''اب تو ہو گئی ہے نا۔ کچھ دنوں تک اسی طرح شان سے رہو۔ اس کے بعد اپنا موبائل چھنوا لو۔ اس کے بعد تمہاری شان اور بڑھ جائے گی۔''

''لیکن کس سے کہوں کہ میرا موبائل چھین لو؟''

''تم بھی کمال کرتے ہو۔ موبائل گھر پر ہی رکھو۔ صرف

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

تھانے میں جا کر سب کو کہانی سنانی ہے کہ موبائل چھن گیا ہے۔ تھوڑی سی اداکاری کرنی ہوگی۔"

"وہ تو میں کر ہی لوں گا لیکن ایک پرابلم ہے۔"

"وہ کیا؟"

"میرا خیال تھا کہ میں محلے کے دو چار لوگوں کو ساتھ لے جا کر رپوٹ لکھواؤں گا۔ تاکہ سب کو یقین ہو جائے کہ واقعی میرا موبائل چھن گیا ہے۔ اب تو صرف زبانی بتانا ہوگا۔"

"زبانی کیوں؟ ابھی بھی تھانے جا کر رپورٹ لکھوا سکتے ہو۔ کوئی بھی جھوٹی سچی کہانی سنا دینا۔"

"ہاں، یہ ٹھیک رہے گا۔" امجد نے کہا۔ "میں کل ہی چلا جاؤں گا۔"

"پھر وہی بات۔ کل نہیں دو چار دنوں کے بعد جب تک سب اچھی طرح نہ دیکھ لیں۔ ورنہ کوئی بھی تمہارے دکھ میں دل سے شامل نہیں ہوگا۔"

"چلو، دو چار دن بعد سہی۔"

"اور ہاں، میں نے تمہارے موبائل کی خوشی میں چکن کڑاہی بنائی ہے۔ اور جس دن تم یہ خبر سناؤ گے کہ تم نے تھانے میں رپورٹ لکھوا دی ہے، اس دن قورمہ بھی کھلاؤں گی۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ تم میرا کتنا خیال رکھتی ہو۔ بیوی ہو تو تم جیسی ہو۔"

ہوٹل میں اس کا وہی معمول رہا۔ وہ ہوٹل میں سب کے سامنے کئی فون کرتا۔ اس چکر میں اس نے اپنے ان رشتے داروں کو بھی فون کر کے ان کی خیریت معلوم کر لی جن کی آوازیں تک بھول چکا تھا۔ وہ بھی ایک عرصے کے بعد اس کی آواز سن کر حیران ہوئے تھے۔

چودھری مقیم نے کئی دنوں سے اپنے کسی موبائل کے چھن جانے کی خبر نہیں سنائی تھی۔ اس کے ہوش ٹھکانے آ چکے تھے۔ امجد کی ترکیب کامیاب رہی تھی۔ اب اس کے احباب اس کی گفتگو بھی دھیان سے سننے لگے تھے۔

ایک دن اس کی بیوی نے ایک اور اہم بات کی طرف توجہ دلائی۔ "تم ایسا کرو۔ دو چار نئے کرتہ شلوار کے سوٹ خرید لو۔ ہوٹل میں جاتے ہو تو ایک سوٹ کئی دنوں تک پہنے رہتے ہو۔ اس سے امپریشن اچھا نہیں پڑتا۔"

"اوہو، تم تو انگلش بولنے لگی ہو۔" امجد ہنس پڑا۔ "لیکن میرے پاس سوٹ خریدنے کے پیسے کہاں ہیں؟"

"میرے پاس ہیں۔ میں نے جمع کر کے رکھے ہیں۔"

"کتنے ہیں؟"

"دس ہزار ہیں۔" بیوی نے بتایا۔ "اس میں تین چار اچھے سوٹ آ جائیں گے۔"

"کیوں نہیں آئیں گے، بلکہ میں ایسا کرتا ہوں کہ ایک سوٹ تمہارے لیے بھی لے لوں گا تاکہ تم اسے پہن کر اپنی پڑوسن کے گھر جاؤ اور اسے جلاؤ۔"

"ہاں، میں تو اب اس چڑیل کو جلا جلا کر راکھ کر دوں گی۔"

امجد شام ہونے سے پہلے سوٹ لے کر آ گیا تھا۔ پھر جب وہ نیا سوٹ پہن کر ہوٹل میں پہنچا تو ایک بار پھر سب حیران رہ گئے تھے۔

"کیا بات ہے امجد بھائی۔" کسی نے پوچھا۔ "کیا لاٹری نکل آئی ہے؟"

"نہیں یار۔ بس دل چاہا کہ یہ جو تین چار سوٹ رکھے ہوئے ہیں۔ ان کو استعمال ہی کر لوں۔ جیسے خریدے تھے ویسے ہی رکھے ہوئے تھے۔"

"امجد بھائی، اب تم سیٹھ معلوم ہونے لگے ہو۔" چودھری مقیم نے کہا۔

امجد کو اس کی بات سن کر خوشی ہوئی تھی۔ آخر اس کے سینے پر بھی سانپ لوٹنے لگے تھے۔

کئی دنوں کے بعد اس کی بیوی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب تم موبائل والا ڈراما کر ہی ڈالو۔ میں موبائل چھپا کر رکھ دیتی ہوں۔ اس کے بعد اس کی چھن جانے کی رپوٹ لکھوانے کسی کے ساتھ چلے جانا۔"

"ارے میں تو تین چار کو گھیر کے لے جاؤں گا تاکہ سند رہے اور بہ وقتِ گواہی کام آئے۔"

بیوی نے موبائل صندوق میں رکھ دیا۔ شام کے وقت امجد بوکھلایا ہوا ہوٹل میں داخل ہوا۔ سب نے اس کی پریشانی محسوس کر لی تھی۔ "ارے بھائی کیا ہوا؟" اس سے پوچھا گیا۔

"یار وہی ہوا جو ہر اچھے موبائل والے کے ساتھ ہوتا ہے۔" اس نے غمگین منہ بنا کر کہا۔ "اسنیچنگ ہو گئی۔ موبائل چھین کر لے گئے۔"

"ارے۔" چودھری مقیم نے افسوس کا اظہار کیا۔ "بہت پیارا سیٹ تھا۔ تم نے رپورٹ کروائی؟"

"ابھی نہیں اسی لیے یہاں آیا ہوں کہ تم میں سے دو تین کو لے چلوں اور رپورٹ کروا دوں۔"

"ہاں، ہاں امجد بھائی۔ ہم سب تمہارے ساتھ چلیں گے۔ کس تھانے میں چلنا ہے؟"

"ارے بھائی جو یہاں کا قریبی تھانہ ہو وہیں چلتے ہیں۔ اور سب کی ضرورت بھی نہیں ہے صرف دو بندے بہت

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

تمہیں جا کر سب کو کہانی سنانی ہے کہ موبائل چھن گیا ہے۔ تھوڑی سی اداکاری کرنی ہوگی۔"

"وہ تو میں کر ہی لوں گا لیکن ایک پرابلم ہے۔"

"وہ کیا؟"

"میرا خیال تھا کہ میں محلے کے دو چار لوگوں کو ساتھ لے جا کر رپوٹ لکھواؤں گا۔ تاکہ سب کو یقین ہو جائے کہ واقعی میرا موبائل چھن گیا ہے۔ اب تو صرف زبانی بتانا ہوگا۔"

"زبانی کیوں؟ ابھی بھی تھانے جا کر رپورٹ لکھوا سکتے ہو۔ کوئی بھی جھوٹی سچی کہانی سنا دینا۔"

"ہاں، یہ ٹھیک رہے گا۔" امجد نے کہا۔ "میں کل ہی چلا جاؤں گا۔"

"پھر وہی بات۔ کل نہیں دو چار دنوں کے بعد جب تک سب اچھی طرح نہ دیکھ لیں۔ ورنہ کوئی بھی تمہارے دکھ میں دل سے شامل نہیں ہوگا۔"

"چلو، دو چار دن بعد سہی۔"

"اور ہاں، میں نے تمہارے موبائل کی خوشی میں چکن کڑاہی بنائی ہے۔ اور جس دن تم یہ خبر سناؤ گے کہ تم نے تھانے میں رپورٹ لکھوا دی ہے، اس دن قورمہ بھی کھلاؤں گی۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ تم میرا کتنا خیال رکھتی ہو۔ بیوی ہو تو تم جیسی ہو۔"

ہوٹل میں اس کا وہی معمول رہا۔ وہ ہوٹل میں سب کے سامنے کئی فون کرتا۔ اس چکر میں اس نے اپنے ان رشتے داروں کو بھی فون کر کے ان کی خیریت معلوم کر لی جن کی آوازیں تک بھول چکا تھا۔ وہ بھی ایک عرصے کے بعد اس کی آواز سن کر حیران ہوئے تھے۔

چودھری مقیم نے کئی دنوں سے اپنے کسی موبائل کے چھن جانے کی خبر نہیں سنائی تھی۔ اس کے ہوش ٹھکانے آ چکے تھے۔ امجد کی ترکیب کامیاب رہی تھی۔ اب اس کے احباب اس کی گفتگو بھی دھیان سے سننے لگے تھے۔

ایک دن اس کی بیوی نے ایک اور اہم بات کی طرف توجہ دلائی۔ "تم ایسا کرو۔ دو چار نئے کرتہ شلوار کے سوٹ خرید لو۔ ہوٹل میں جاتے ہو تو ایک سوٹ کئی دنوں تک پہنے رہتے ہو۔ اس سے امپریشن اچھا نہیں پڑتا۔"

"اوہو، تم تو انگلش بولنے لگی ہو۔" امجد ہنس پڑا۔ "لیکن میرے پاس سوٹ خریدنے کے پیسے کہاں ہیں؟"

"میرے پاس ہیں۔ میں نے جمع کر کے رکھے ہیں۔"

"کتنے ہیں؟"

"دس ہزار ہیں۔" بیوی نے بتایا۔ "اس میں تین چار اچھے سوٹ آ جائیں گے۔"

"کیوں نہیں آئیں گے، بلکہ میں ایسا کرتا ہوں کہ ایک سوٹ تمہارے لیے بھی لے لوں گا تاکہ تم اسے پہن کر اپنی پڑوسن کے گھر جاؤ اور اسے جلاؤ۔"

"ہاں، میں تو اب اس چڑیل کو جلا جلا کر راکھ کر دوں گی۔"

امجد شام ہونے سے پہلے سوٹ لے کر آ گیا تھا۔ پھر جب وہ نیا سوٹ پہن کر ہوٹل میں پہنچا تو ایک بار پھر سب حیران رہ گئے تھے۔

"کیا بات ہے امجد بھائی۔" کسی نے پوچھا۔ "کیا لاٹری نکل آئی ہے؟"

"نہیں یار۔ بس دل چاہا کہ یہ جو تین چار سوٹ رکھے ہوئے ہیں۔ ان کو استعمال ہی کر لوں۔ جیسے خریدے تھے ویسے ہی رکھے ہوئے تھے۔"

"امجد بھائی، اب تم سیٹھ معلوم ہونے لگے ہو۔" چودھری مقیم نے کہا۔

امجد کو اس کی بات سن کر خوشی ہوئی تھی۔ آخر اس کے سینے پر بھی سانپ لوٹنے لگے تھے۔

کئی دنوں کے بعد اس کی بیوی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب تم موبائل والا ڈراما کر ہی ڈالو۔ میں موبائل چھپا کر رکھ دیتی ہوں۔ اس کے بعد اس کی چھن جانے کی رپوٹ لکھوانے کسی کے ساتھ چلے جانا۔"

"ارے میں تو تین چار کو گھیر کے لے جاؤں گا تاکہ سند رہے اور بہ وقتِ گواہی کام آئے۔"

بیوی نے موبائل صندوق میں رکھ دیا۔ شام کے وقت امجد بوکھلایا ہوا ہوٹل میں داخل ہوا۔ سب نے اس کی پریشانی محسوس کر لی تھی۔ "ارے بھائی کیا ہوا؟" اس سے پوچھا گیا۔

"یار وہی ہوا جو ہر اچھے موبائل والے کے ساتھ ہوتا ہے۔" اس نے غمگین منہ بنا کر کہا۔ "اسنیچنگ ہو گئی۔ موبائل چھین کر لے گئے۔"

"ارے۔" چودھری مقیم نے افسوس کا اظہار کیا۔ "بہت پیارا سیٹ تھا۔ تم نے رپورٹ کروائی؟"

"ابھی نہیں اسی لیے یہاں آیا ہوں کہ تم میں سے دو تین کو لے چلوں اور رپورٹ کروا دوں۔"

"ہاں، ہاں امجد بھائی۔ ہم سب تمہارے ساتھ چلیں گے۔ کس تھانے میں چلنا ہے؟"

"ارے بھائی جو یہاں کا قریبی تھانہ ہو وہیں چلتے ہیں۔ اور سب کی ضرورت بھی نہیں ہے صرف دو بندے بہت

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

''پاکستان زندہ باد۔'' بچے کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ اس بار آواز سہمی ہوئی تھی۔ اسے یقین تھا یہ الفاظ کہنے کے بعد اسے مزید مار پڑے گی مگر وہ جس دھرتی کی مٹی کا وجود تھا، وہاں مار برداشت کرنا عام بات تھی۔ میں اس بچے کو چھڑانا چاہتا تھا مگر میں بے بس تھا۔

''تیری ماں..... سالا کتا، سؤر کی اولاد۔'' وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ سامنے بیٹھے بلونت نے گالیوں کے ساتھ اس پر تھپڑوں کی بارش کردی۔ ''تیرے پاکستان نے کیا دیا

جبرِ مسلسل

اعتزاز سلیم وصلی

بعض کام ہوتے بہت چھوٹے ہیں مگر اس کی جزا بہت بڑی ہوتی ہے... ایسے میں انسان کے اعمال ہوتے ہیں... جنہیں وہ ہمیشہ درست سمجھتا ہے... مگر قانونِ قدرت ہے کہ ہر نیک کام کی جزا ہے... اور بداعمالی کی سزا ہے... بات سمجھنے کی ہے... ایک ایسے ہی نیک سیرت استاد کی کہانی... جس نے اپنا معاملہ قدرت کے سپرد کردیا تھا...

ظالم و مظلوم کی سنگلی جنگ میں جلنے اور زندہ رہنے والوں کا پردرد ماجرا

Waqar Azeem Pakistanipoint www.pakistanipoint.com

ہے تجھے؟ بول.....'' اب مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔ میں نے آگے بڑھ کر بچے کو تھام لیا۔ وہ رو رہا تھا۔ اس کی عمر بمشکل دس گیارہ سال تھی۔ چہرے پر خوف کے تاثرات تھے اور جسم تشدد کے بعد اب تھر تھر کانپنے لگا۔ بلونت اسے مجھ سے چھیننے کی کوشش کرنے لگا مگر میرے پورے وجود نے اس کے ننھے جسم کو ڈھانپ لیا۔ بچے نے مضبوطی سے مجھے پکڑ لیا۔

''نہیں بلونت، اب بس۔''

''سر آپ پیچھے ہٹ جائیں، میں آپ کی عزت کرتا ہوں۔'' اس کے لہجے میں سختی تھی۔

''میں منع کر رہا ہوں تو رک جاؤ۔''

''سر، پیچھے ہٹ جائیں۔'' پیچھے سے میرے کندھے پر کسی نے ہاتھ رکھا۔ یہ بلونت کا کوئی ساتھی تھا۔

''میں نہیں ہٹوں گا، اب بس کر دو، اس بچے سے کیا دشمنی؟'' میں نے بلونت کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا۔ اس نے مجھے دھکا دیا۔

''اب آپ ہمیں مجبور کر رہے ہیں روہت سر۔''

''تم جو مرضی سمجھو مگر میرے اسکول میں..... میرے سامنے اب اس بچے پر مزید تشدد نہیں ہو گا۔'' میں نے دوٹوک الفاظ میں جواب دیا۔ یہ ان کی برداشت کی آخری حد تھی۔ بلونت نے مجھے دھکا دیا۔ میں نیچے گر گیا مگر بچہ میرے ساتھ چمٹا رہا۔

''سر..... اب بس کر دیں۔'' بلونت کے ساتھی نے مجھے ہاکی دکھائی۔ یہی ہاکی تھی جس سے چند گھنٹے پہلے دو مسلمان طالب علموں کا سر پھاڑا گیا تھا۔ اس پر خون کے قطرے ابھی بھی دکھائی دیے۔ مجھے خوف محسوس ہوا۔ وہ سب غصے سے پاگل ہو رہے تھے۔ میں اس قوم سے واقف تھا۔ ہجوم میں ان کی نفسیات درندوں سے بدتر ہو جاتی ہے۔ یہ کچھ بھی کر گزرنے کو تیار تھے۔ میں نے اپنے وجود کے ساتھ چمٹے اس بچے کے بالوں میں نرمی سے ہاتھ پھیرا۔

''بیٹا، جو یہ کہتے ہیں..... بول دو۔''

''یہ بب بعد میں بھی..... مم ماریں گے۔'' اس نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔

''نہیں ماریں گے۔ میں ہوں ناں، تم بول دو۔'' میں نے اسے سمجھایا۔

''ہاں کتے..... بول، پاکستانی کُتّے ہیں..... بول۔'' بچہ الجھن کا شکار دکھائی دیا۔ چند لمحوں کے لیے محسوس ہوا کہ وہ بول دے گا۔ کچھ دیر بعد اس نے گہری سانس لی اور بولا۔

''پاکستان زندہ باد۔''

''تیری تو.....'' کئی چیخیں ایک ساتھ گونجیں۔ کسی کی ہاکی کا وار میرے سر پر پڑا۔ ہوش کھونے سے پہلے میں نے کئی گالیاں سنیں۔

''کتا..... پاکستانی.....'' الفاظ میرے سامنے معنی کھونے لگے۔ آنکھیں بند کرنے سے پہلے میں بس چیخ رہا تھا۔

''نہ مارو..... بچہ ہے، مر جائے گا..... نہ مارو۔'' اس کے بعد مجھے ہوش نہ رہا۔

''سر مجھے بچا لیں۔''

☆☆☆

''روہت، روہت.....'' کسی نے مجھے جھنجوڑا۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ میرے سامنے میری بیوی سمی کا چہرہ تھا۔ اس نے پریشان نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''آج پھر وہی سپنا؟'' اس نے بڑبڑاتے ہوئے بیڈ کے ساتھ رکھے جگ سے گلاس میں پانی ڈالا۔ ''یہ لو.....'' میں نے چپ چاپ گلاس تھاما اور ایک سانس میں پانی ختم کر دیا۔

''سوری۔'' یہ معمول تھا۔ ہر ہفتے میں کم از کم تین چار بار ایسے ہوتا تھا۔ میں نے گھڑی کی طرف دیکھا جہاں صبح کے چھ بجنے میں کچھ وقت باقی تھا۔ میں نے گہری سانس لی اور خود کو پُرسکون کرنے کی کوشش کی۔ سمی اس دوران میرے ہاتھ پکڑ کر سہلاتی رہی۔ میں پُرسکون ہوا تو اس نے کسی چھوٹے بچے کی طرح مجھے آغوش میں لے لیا۔

''سوری کی کیا ضرورت ہے.....'' اس کے نرم لبوں نے میرے ماتھے کو چھوا۔

''تم بہت اچھی ہو سمی، تمہاری جگہ کوئی بھی ہوتی.....'' میں مزید کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس نے تیزی سے میری بات کاٹی۔

''تو میرے جیسے پاگل سے بالکل شادی نہ کرتی، کرتی بھی تو اب تک بھاگ چکی ہوتی..... یہی کہنا ہے ناں؟ سُن لیا میں نے۔'' اس نے میری نقل اتاری اور آخری الفاظ کہتے ہوئے منہ بنا لیا۔ میں مسکرا دیا۔

''سو جاؤں اب؟'' میں نے اجازت مانگی۔

''جی، سو جائیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کل ویسے بھی اتوار ہے، چھٹی ہے۔'' نیند بڑی مشکل سے آئی تھی۔ دوبارہ جب میری آنکھ کھلی تو دس بج رہے تھے۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

دھوپ کھڑکی سے اندر آرہی تھی۔ سستی پورے وجود پر چھائی محسوس ہوئی۔ میں نے بیڈ سے اٹھ کر بھاگنے کے انداز میں پیروں کو حرکت دی۔ کچھ دیر اچھل کود کے بعد جسم کچھ بہتر ہوا۔ باتھ روم جا کر ہاتھ منہ دھوئے۔ تولیا لے کر میں باہر آیا تو سمی دکھائی دی۔

''اٹھ گئے؟ ناشتا تیار ہے۔'' اس نے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ ناشتے کے دوران میں نے رونی کا پوچھا۔ رونی ہمارا اکلوتا بیٹا تھا۔ ''اتوار ہے تو صبح صبح جناب کا میچ ہوتا ہے کرکٹ کا۔'' اس نے بتایا۔ ناشتے کے بعد وہ میرے سامنے آبیٹھی۔ میں نے اخبار پڑھتے ہوئے اس کے چہرے پر نظر دوڑائی جہاں سنجیدگی دکھائی دی۔

''روہت، میں کچھ سوچ رہی ہوں۔''

''میں نے منع کیا ہے؟ سوچو۔''

''میں سنجیدہ ہوں۔'' اس نے میرے ہاتھ سے اخبار لے کر میز پر رکھا۔

''جی فرمائیں۔'' میں اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''ہمیں حل نکالنا چاہیے اس مسئلے کا۔''

''کس مسئلے کا؟'' میں نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

''یہی جو تمہارے ساتھ ہو رہا ہے۔'' اس کی بات سن کر میں نے گہری سانس لی۔

''کیا حل ہو سکتا ہے؟''

''ماہرِ نفسیات کو دکھائیں؟'' اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''کیا فائدہ..... وہ ڈھیر ساری گولیاں دے گا، دماغ سُن رہے گا نیند زیادہ آئے گی اب جو اچھی نیند آتی ہے، یہ گولیوں کی عادی ہو جائے گی، اچھی چلتی زندگی الٹ جائے گی۔'' میں نے جواب دیا۔

''سب ماہرِ نفسیات ایک جیسے نہیں ہوتے، ہم کسی اچھے ڈاکٹر سے رابطہ کریں گے پھر گولیاں کھانا یا نہ کھانا تو ہماری مرضی ہے۔'' اس نے کندھے اچکائے۔ میں نے کچھ سوچتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہاں میرے لیے پریشانی دکھائی دے رہی تھی۔ رات گزر جانے کے بعد ہم نے بھی اس بارے میں بات نہیں کی تھی۔ شاید اسے اب یہ چیز پریشان کر رہی تھی۔ میں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ٹھیک ہے۔ جیسے تم چاہو۔'' میرا جواب سن کر وہ خوش ہو گئی۔

☆☆☆

ایک ہفتے بعد اتوار کو اس نے میرے سامنے نام رکھا۔ ''ڈاکٹر ودیش شرما.....''

''میں اسے جانتا ہوں؟'' میں نے پوچھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ایک دو بار مل چکے ہیں ہم اس سے..... یہ گوپی کا دوست ہے۔'' گوپی میرا اور سمی کا مشترکہ دوست تھا۔ نام اس کا گوپال تھا مگر اسے گوپی پسند تھا اس لیے سب اسے گوپی کہہ کر پکارتے تھے۔ امیر آدمی تھا اس لیے اکثر اس کے گھر پارٹی وغیرہ میں ہم جاتے رہتے تھے۔

''گوپی نے اسی کا نام تجویز کیا ہے۔ میں نے پورا مسئلہ نہیں بتایا اسے، ہاں میں یہ ضرور چاہوں گی تم ڈاکٹر ودیش کے سامنے کچھ بھی مت چھپانا.....'' میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ڈاکٹر ودیش نے اتوار کی رات آٹھ بجے کا وقت دیا تھا۔ میں نے اپنی پرانے ماڈل کی سوزوکی باہر نکالی۔ اس گاڑی کا چلنا معجزہ تھا۔ میں اسے اب بدلنے کا سوچ رہا تھا مگر سمی کو ہر پرانی چیز کی طرح اس سے بھی پیار تھا۔ سمی فرنٹ سیٹ پر آکر بیٹھی اور میں نے بمشکل گاڑی اسٹارٹ کی۔ کسی تیز رفتار گاڑی میں ڈاکٹر ودیش کے کلینک کا سفر تیس پینتیس منٹ سے زیادہ کا نہ تھا مگر ہماری گاڑی نے یہ راستہ ایک گھنٹے میں طے کیا۔ سمی سکون سے بیٹھی گانے سنتی رہی۔ مجھے اس کی اس عادت سے بڑی چڑ تھی۔ اس کے ساتھ سفر کرنا کسی روبوٹ کے ساتھ سفر کرنے کے مترادف تھا۔ وہ بالکل خاموش رہتی تھی۔ شروع میں ہم اکثر اس بات پر لڑ پڑتے تھے مگر آہستہ آہستہ مجھے اس کی اس عادت کو سمجھنا پڑا۔ ڈاکٹر ودیش کے کلینک کے ویٹنگ روم میں ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ دس منٹ بعد ہی ایک نرم مسکراہٹ والی لڑکی نے میرا نام پکارا۔

''مسٹر روہت۔'' میں نے سر اٹھایا۔ ''اندر آ جائیں۔'' سمی نے میرا ہاتھ تھام لیا اور ہم اندر بڑھ گئے۔ ڈاکٹر ودیش چالیس کی عمر کا خوش مزاج شخص تھا۔ اس کے لہجے میں نرمی تھی۔

''خوش آمدید سر روہت۔'' کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی پُرجوش آواز سنائی دی۔ ''کیسے ہیں؟'' مجھ سے ہاتھ ملا کر اس نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ہم اس کے سامنے بیٹھ گئے۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' سمی سے حال پوچھ کر اس نے ہمارے لیے کافی منگوائی۔

''گوپی آپ لوگوں کی بہت تعریف کرتے ہیں۔''

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

اس نے بات شروع کی۔ ''جب انہوں نے مجھ سے آپ کے حوالے سے بات کی تو میں کافی حیران ہوا..... آخر ایک ٹیچر کو ایسا کیا ہو گیا کہ ایک ماہرِ نفسیات کی ضرورت پڑ گئی؟''

''بس کچھ مسئلہ ہے۔'' میں نے مسئلے کی تفصیل بتائی۔ اتنے میں کافی آ گئی۔ ہماری گفتگو کے درمیان سمی بھی میری حالت کے بارے میں بتاتی رہی۔ پوری بات سن کر ودیش نے ہونٹوں کو سیٹی بجانے کے انداز میں سکیڑا۔

''میں ایک بات کہنا چاہوں گا روہت صاحب۔'' اس نے کچھ سوچتے ہوئے بات شروع کی۔ ''یہ مسئلہ صرف ایک خواب تک محدود نہیں ہے۔ میں پوری بات جاننا چاہوں گا، شروع سے۔''

''جب میں کشمیر گیا تھا تب سے؟''

''نہیں..... جب سے آپ نے ہوش سنبھالا ہے تب سے بتائیں مجھے، پھر ہی اس بیماری کی جڑ تک پہنچا جا سکتا ہے۔'' میں نے سمی کی طرف دیکھا۔ ماضی کھنگالنا میرے لیے تکلیف دہ تھا۔ سمی یہ بات جانتی تھی مگر وہ میری حالت سے بھی باخبر تھی اس لیے اس نے نظروں ہی نظروں میں التجا کی۔ اس کے ہونٹوں کی سرگوشی بمشکل مجھ تک پہنچی تھی.....

''روہت پلیز۔'' میں نے دماغ پر آئے دباؤ کو گہری سانس لے کر کم کرنے کی کوشش کی۔

''سر روہت..... یہ پوری صورتِ حال سمجھنے کے لیے آپ کا ماضی جاننا ضروری ہے۔'' میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میں بتاتا ہوں۔'' اس کے ساتھ ہی مجھے کئی سال پہلے کی تلخ یادوں کو دہرانا پڑا تھا..... جہاں میرے لیے خوشیاں کم اور اذیتیں بہت زیادہ تھیں.....

☆☆☆

میں نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے اردگرد بہت سخت ماحول دیکھا۔ میرے پتا جی فوج میں تھے۔ وہ میجر تھے اور خالص ہندوستانی سوچ رکھنے والے شدت پسند انسان تھے۔ میں ان کا اکلوتا بیٹا تھا اس لیے وہ مجھے بھی فوجی بنانا چاہتے تھے۔ مجھے آج بھی یاد ہیں گرمیوں کی وہ گرم دوپہریں جب میں دس بارہ سال کا تھا اور وہ مجھے اپنے ساتھ دوڑاتے تھے۔ میں اکثر تھک جاتا تو پکارتے۔

''روہت، خود کو اتنا سخت بنا لے کہ تیرے کندھے ہندوستان کی سرحدوں کی حفاظت کی ذمے داری اٹھا سکیں۔'' یہ بچپن سے لڑکپن اور لڑکپن سے جوانی کی یادیں تھیں۔ تب مجھے بھی شوق تھا فوج میں جانے کا مگر ایک واقعے نے میری زندگی بدل دی۔

میں کالج میں پڑھتا تھا۔ ہمارے دوستوں کا ایک گروپ تھا۔ ہم سب الٹی سیدھی حرکتیں کر کے خوش ہوتے تھے۔ ہم ہر وقت کسی ایڈونچر کی تلاش میں رہتے تھے۔ ایک شام کو ہمارے گروپ کے ایک لڑکے نے کار چوری کا منصوبہ بنایا۔ ہمارے پاس روپے پیسے کی کمی نہ تھی۔ یہ چوری صرف مالک کو پریشان کرنے کے لیے تھی۔ ہم نے ایک ہوٹل کے باہر سے کار اٹھائی اور اسے شہر سے باہر لے کر چلے گئے۔ لاک کھولنے اور چابی کے بغیر کار اسٹارٹ کرنا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ ہم سب بیئر کی بوتلیں ہاتھ میں لیے دریا کے کنارے کھڑے موج مستی کر رہے تھے۔ گاڑی ہمارے پاس کھڑی تھی کہ ایک پولیس گاڑی ہمارے پاس آ رکی۔ میرے کانوں میں آج بھی اس سپاہی کی آواز گونجتی ہے جو گاڑی سے اُترتے ہی چلایا تھا۔

''پکڑ لو ان کمینوں کو۔'' ہم نے بھاگنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ پولیس چاروں طرف سے ہمیں گھیر چکی تھی۔ ہمیں پکڑ کر پولیس اسٹیشن لایا گیا۔ بعد میں علم ہوا کہ وہ گاڑی پولیس انسپکٹر کی تھی۔ ہماری بدقسمتی کہ ہم نے ایڈونچر کے لیے غلط وقت پر غلط گاڑی کا انتخاب کیا۔ ہمیں حوالات میں بند کر دیا گیا۔ وہ رات میرے دوستوں کے لیے قیامت تھی۔ میں اپنا تعارف کروا چکا تھا اور انہیں سب سچ بتا چکا تھا۔ میرے پتا جی فوج میں میجر تھے اس لیے مجھے کچھ نہ کہا گیا مگر میرے دوستوں کو بُری طرح تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ ان کی چیخیں ساری رات حوالات میں گونجتی رہیں..... اور اگلی صبح میرے ایک دوست نے دم توڑ دیا۔ اس کا دل بند ہو چکا تھا۔

مجھ پر کوئی مقدمہ درج نہ کیا گیا۔ پتا جی مجھے چھڑا کر لے گئے۔ گھر میں جو عزت ہوئی سو ہوئی مگر میرے دماغ پر بُرا اثر پڑا۔ میں کئی راتوں تک سو نہ سکا۔ نیند کی گولیاں بھی بے اثر تھیں۔ دوستوں کا خون..... چیخیں..... اور ایک لاش کے ساتھ گزارا گیا وقت.....

مجھے نہیں علم بعد میں کسی پولیس والے پر کیس بنا یا میرے دوستوں کا کیا بنا..... میں نے کالج بدل لیا اور دماغ بھی۔ پتا جی کے بار بار کہنے کے باوجود میں نے فوج میں جانے سے انکار کر دیا۔ میں انسانی خون دیکھ کر تھر تھر کانپنے والا انسان، فوج میں جا کر لوگوں کا خون کیسے بہا سکتا تھا۔ میں نے ماسٹرز مکمل کیا اور ایک اسکول میں استاد بھرتی ہو گیا۔ پتا جی مجھ سے اس بات کو لے کر ہمیشہ ناراض رہے مگر

kaqar azeem www.pakistanipoint.com

میں مجبور تھا۔ انہی دنوں ان کی پوسٹنگ کشمیر میں ہو گئی۔ کشمیر..... اونچے برف سے ڈھکے پہاڑ، سرسبز درخت۔ وہ اس زمین پر موجود آباد خطوں میں سب سے الگ ہے۔ وہاں رہنے والے اسے جنت کہتے ہیں اور مجھے نہیں معلوم جنت کا تصور کیسا ہے مگر اس خطے کے لیے یہ لفظ بہت مناسب ہے۔ ہاں مگر وہاں ہر وقت ہتھیاروں سے لیس فوجی گھومتے ہیں۔ کہیں نہ کہیں گولیاں چلتی ہیں۔ میں جب وہاں تھا تو اکثر سنتا تھا کہ وہاں کئی دہشت گرد ہیں لیکن میں کبھی دیکھ نہ سکا انہیں۔

پتا جی کے ساتھ میں بھی کشمیر چلا آیا۔ یہاں مجھے ایک پرائمری اسکول کا پرنسپل بنا دیا گیا۔ سرینگر کا یہ علاقہ باقی کشمیر کی نسبت امن کے لحاظ سے کچھ بہتر تھا۔ مجھے یہاں نوکری کر کے اچھا لگ رہا تھا۔ سارا دن بچوں کے ساتھ گزار کر میں ماضی کے اس تلخ واقعے کو آہستہ آہستہ بھول رہا تھا کہ اچانک.....

☆☆☆

یہاں تک کہہ کر میں رک گیا۔ ڈاکٹر ودیش نے پہلو بدلا۔ ایسے میری کہانی کسی عام مریض سے زیادہ دلچسپ لگ رہی تھی۔ اس نے ایک نرس کو اشارہ کیا۔ نرس نے جگ سے میرے لیے پانی کا گلاس بھرا اور میرے سامنے رکھا۔ میں نے ایک ہی سانس میں پورا گلاس خالی کر دیا۔ سمی اس دوران ہولے سے میری کمر پر ہاتھ پھیرتی رہی۔ یہ دوسرا موقع تھا جب میں یہ کہانی کسی کو سنا رہا تھا۔ اس سے پہلے جب سمی کو سنائی تھی تو میری حالت کافی بگڑ گئی تھی۔ اس لیے سمی جانتی تھی اور وہ مجھے تسلی دے رہی تھی۔

''آپ میری کہانی سے بور تو نہیں ہو رہے؟'' میں نے مسکراتے ہوئے ڈاکٹر ودیش کی طرف دیکھا۔ یہ سوال میں نے دماغ کو پُرسکون کرنے کے لیے کیا تھا۔ کچھ وقت درکار تھا ابھی..... کہانی کا دوسرا حصہ شروع کرنے سے پہلے۔

''نہیں، بالکل نہیں..... مجھے دوسرے حصے کا بے چینی سے انتظار ہے۔''

''سناتا ہوں۔'' میں نے گہری سانس لی۔ چند لمحے کمرے میں خاموشی رہی۔ سمی کی مدھم آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''ریلیکس روہت..... آرام سے سنا دو۔'' میں نے خود کو نارمل کیا اور کہانی کا دوسرا حصہ سنانا شروع کر دیا۔

☆☆☆

ان دنوں پلواما میں فوج پر حملہ ہوا تھا۔ کافی سارے فوجی شہید ہو گئے۔ پتا جی اب ریٹائر ہو چکے تھے اس لیے وہ چاہتے تھے کہ حالات بگڑنے سے پہلے ہم واپس آ جائیں مگر میرا دل کشمیر میں لگ گیا۔ پلواما حملے کے بعد حالات نے اچانک پلٹا کھایا۔ فوجی جو پہلے بھی کشمیر میں چھپے دہشت گردوں کے خلاف جنگ میں مصروف تھے، اب گھروں میں گھس کر انہیں پکڑنے لگے۔ سرینگر سب سے زیادہ ان حالات سے متاثر ہوا۔ نظامِ زندگی بگڑ گیا۔ اسکول بند ہو گئے۔ کچھ دن ایسے چلتا رہا۔ پلواما حملے میں شامل مجرموں کے خلاف تفتیش کی گئی۔ یہ کس حد تک سچائی پر مشتمل تھی، کوئی نہیں جانتا..... ہاں مگر اس کے نتیجے میں ایک کشمیری نوجوان کا نام منسلک لیا جانے لگا۔ اس کے ساتھیوں کی لسٹ میں ایک شخص کو رکھا گیا تھا جسے مارنے کا کہا گیا..... اس دہشت گرد کا نام سعد اللہ یا اسی طرح کا کچھ تھا۔ خیر..... حالات کچھ بہتر ہوئے تو اسکول کھل گئے..... اور پھر.....

اس دن میں بچوں کو پڑھا رہا تھا۔ دوسرے دن ان کی چھٹی تھی۔ اسی وقت میرا ساتھی دوست میری طرف بھاگتا ہوا آیا۔

''سر روہت..... جے ہند والے آ رہے ہیں۔'' جے ہند ایک شدت پسند تنظیم تھی جو کالج کے طالب علموں نے مل کر بنائی تھی۔ میں انہیں جانتا تھا۔ یہ سب ہندو تھے اور اس تنظیم میں زیادہ تعداد نوجیوں کے بیٹوں کی تھی۔ میری چھٹی حس نے خطرے کی گھنٹی بجائی۔ ان کی یہاں آمد بے مقصد نہیں ہو سکتی۔ میں پریشان تو ہوا مگر میں نے اسے تسلی دی۔

''ہمیں کچھ نہیں کہیں گے یہ، میں سنبھال لوں گا۔''

مگر جو کچھ ہوا، وہ میری توقع کے خلاف تھا۔ جے ہند کے لڑکوں کے ہاتھ میں ہاکیاں اور ڈنڈے تھے۔ وہ سیدھا پانچویں جماعت کے کمرے میں داخل ہوئے۔ بلونت بلند آواز میں چیخا۔

''مسلمان لائن بنا لیں ادھر۔'' بلونت سے میری پہلے بھی دو تین بار ملاقات ہو چکی تھی۔ اس کا باپ کیپٹن تھا جو شہید ہو چکا تھا۔ میں شہید کا بیٹا ہونے کی وجہ سے اس کی عزت کرتا تھا مگر اس کے اور میرے خیالات بالکل مختلف تھے۔

''کیا مسئلہ ہے بلونت؟'' میں نے نرمی سے پوچھا۔

''سر، آپ یہاں کسی معاملے میں دخل نہیں دیں گے، ہمیں علم ہوا ہے یہاں اس دہشت گرد سعد اللہ کا بھتیجا پڑھتا ہے۔''

www.paksociety.com
www.bookstube.net

''تو کیا سعد اللہ کا بھتیجا بھی دہشت گرد ہے؟'' میں نے سوال کیا۔ اس نے براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھا..... مجھے اس کی آنکھوں میں دکھائی دینے والی جنونیت سے خوف محسوس ہوا تھا۔

''میں نے کہا ناں، آپ کسی معاملے میں نہیں بولیں گے۔'' میں خاموش ہو گیا۔ میرا ساتھی ٹیچر بھی خاموش رہا۔ اتنے میں بلونت کے ساتھی مسلمان طالب علموں کی لائن بنا چکے تھے۔ ''تم میں سے سعد اللہ کے بھائی عبد اللہ کا بیٹا کون ہے؟'' بلونت چیخا۔ خاموشی چھا گئی۔ بچوں کے چہرے پر خوف تھا۔

''میرا نہیں خیال کوئی اس طرح بتائے گا۔'' میں بول پڑا۔ بلونت نے دوبارہ مجھ پر ایک غلط نگاہ ڈالی مگر زبان سے کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے ساتھیوں نے تین بچوں کو الگ کر لیا۔ انہیں انہی تین پر شک تھا۔ بلونت نے دو تین بار ان سے پوچھا مگر وہ خاموش رہے۔ اچانک اس نے میری توقع کے خلاف کام کیا۔ اس نے ہاکی پکڑ کر دو بچوں کا سر پھاڑ دیا۔ کمرا چیخوں سے گونج اٹھا۔

''بلونت.....'' میں اس کی طرف بڑھا مگر ہمارے درمیان اس کا ساتھی آ گیا۔

''سر، رک جائیں۔'' اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر مجھے پیچھے ہٹایا۔

''میرے ابو کا نام عبد اللہ ہے۔'' تیسرا بچہ بول پڑا۔ بلونت کا ہاتھ گھوما اور وہ بچہ نیچے گر گیا۔ اس کے بعد ان سب کی توجہ اسی بچے کی طرف ہو گئی۔ وہ سب اسے گھیرا ڈال کر کھڑے تھے۔ بچے کی نفسیاتی حالت عجیب ہو چکی تھی۔ شاید وہ جانتا تھا کہ اب اس کا بچنا مشکل ہے اس لیے اس نے سب سوالوں کا جواب دے دیا۔ بلونت اسے مارتا رہا..... وہ کبھی چیخ پڑتا تو کبھی خاموش ہو جاتا۔ جب وہ مار کھا کھا کر تھک گیا تو اس نے عجیب حرکت کی۔ وہ بلونت کے نیچے سے نکل گیا اور بلند آواز میں بولا۔ ''پاکستان زندہ باد۔'' سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی..... اور اس کے بعد.....

بلونت مسلسل پاکستانیوں کو کتا کہنے پر مجبور کرتا رہا مگر وہ نہ مانا۔ وہ اپنا انجام جان چکا تھا۔ میری مداخلت پر مجھے بھی ہاکی کے وار سے بے ہوش کر دیا گیا۔

جب ہوش آیا تو میں اسپتال تھا۔ اس بچے کو مار دیا گیا..... اس کے بعد میرا تبادلہ واپس اپنے شہر کر دیا گیا اور ہمارا پورا خاندان ادھر آ بسا۔

☆☆☆

میں نے شادی کر لی، میرا اپنا بھی ایک بیٹا ہے مگر اس بچے کی موت اور وہ تشدد کبھی میرا دماغ بھول نہ سکا۔ میں نہیں جانتا یہ میرے ساتھ کیوں ہو رہا ہے مگر وہ بے ہوش ہونے سے پہلے والے واقعات روز خواب میں آتے ہیں۔ آنکھ کھلنے کے بعد بہت بُری حالت ہوتی ہے۔'' کہانی کے اختتام پر میں رو رہا تھا۔ مجھے عجیب بے بسی محسوس ہو رہی تھی۔ دماغ پر میرا بالکل قابو نہیں تھا۔ جب میرے دل سے بوجھ کم ہوا تو ڈاکٹر ودیش نے مجھے پانی پلایا اور نرس کو اشارہ کیا۔

''انہیں باہر لے جاؤ۔''

''آئیں سر۔'' وہ مجھے باہر لے کر آ گئی۔ میں کرسی پر بیٹھ کر کسی کا انتظار کرنے لگا۔ تقریباً بیس منٹ بعد جب وہ ڈاکٹر کے کمرے سے باہر آئی تو وہ مطمئن دکھائی دی۔

''چلیں؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں۔'' اس نے جواب دیا۔ اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ واپسی پر ہم دونوں خاموش رہے۔ ڈاکٹر نے سمی سے کیا کہا یا مجھے کونسی دوائی تجویز کی..... میں نے پوچھا نہ ہی سمی نے بتایا۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد جب ہم اپنے کمرے میں آئے تو سمی نے مجھے ایک ڈائری لا کر دی۔

''یہ کیا؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''ڈاکٹر ودیش نے کہا ہے کہ یہ واقعات تمہارے لاشعور میں بیٹھ چکے ہیں۔ انہیں بھولنا مشکل نہیں، ناممکن ہے اس لیے تمہیں اب ان کا سامنا کرنا ہو گا۔ اس ڈائری پر تم اپنی زندگی کا ہر دکھ لکھو گے۔ ڈاکٹر کہتا ہے انسان جو بول کر نہیں بتا سکتا، وہ لکھ کر زیادہ بہتر بیان کر سکتا ہے۔''

''مگر میں نے بول کر بتایا تو ہے سب۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے خاموش کیا۔

''ضرور بتایا ہے مگر ہر مرتبہ نہ تو تم کہانی دہرا سکتے ہو نہ میں یا ڈاکٹر سُن سکتے ہیں..... اس لیے تم کہانی کی شکل میں لکھو گے یہ سب۔'' اس نے مجھے سمجھایا۔

''مگر میں کوئی لکھاری نہیں ہوں۔ میں نے کبھی کچھ نہیں لکھا۔'' میں نے احتجاج کیا۔ ڈاکٹر ودیش نے میری مشکل کو مزید بڑھا دیا تھا۔ میں تو الجھن سلجھانے گیا تھا یہاں مزید الجھن میں پڑ گیا۔

''میں تمہیں کچھ مشکل لکھنے کا نہیں کہہ رہی، اپنی زندگی کے واقعات لکھنے ہیں بس، جب وقت ملے تب یا پھر جب دماغ میں سکون نہ ہو تب..... میں چاہوں گی تمہیں کافی

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

لوگ پڑھیں۔"

"کیسے؟" میں حیران ہوا۔

"ہم انٹرنیٹ پر لکھ کر ڈال سکتے یہ کہانی یا پھر کسی رسالے وغیرہ میں شائع کروائیں گے۔" اس نے مستقبل کا منصوبہ بنایا۔ مجھے محسوس ہو گیا..... ڈاکٹر اور سمی مجھے اس مشکل کا سامنا کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار کر رہے تھے۔ سمی کے کہنے پر میں ڈائری لکھنے پر راضی ہو گیا۔

اگلے دن سے میں نے یہ شروع کر دیا۔ شروع میں مجھے کافی الجھن ہوئی مگر رفتہ رفتہ میرے قلم میں روانی آتی چلی گئی۔ مجھے مزہ آنے لگا اس کام میں۔ حیران کن طور پر وہ خواب جو میں پہلے ہفتے میں تین چار دیکھتا تھا..... وہ بس ایک بار دکھائی دیا۔ میری مشکل حل ہو چکی تھی۔ اب مجھے بھی یہ واقعات شائع کروانے کا شوق ہو گیا اس لیے میں نے کچھ واقعات بار بار لکھے اور ان میں مزید بہتری آ گئی۔ ڈائری مکمل ہوئی تو سمی نے مجھے سب واقعات کو ترتیب دینے کا کہا۔ میں نے انہیں اس انداز میں ترتیب دیا کہ ان میں سسپنس تھا۔ اس طرح پڑھنے والے کی دلچسپی بڑھ جاتی۔ سمی نے مکمل پڑھنے کے بعد تعریف کی۔

"بہت اچھا لکھا ہے....." مجھے دو ماہ لگے تھے مکمل لکھنے میں۔ روز تھوڑا تھوڑا کر کے لکھتا رہا۔ سمی ساتھ ساتھ لیپ ٹاپ پر ٹائپ کرتی رہی۔ پوری فائل بنانے کے بعد اس نے ایک پبلشر سے رابطہ کیا۔ ملاقات طے کی اور ملنے چلی گئی۔ مجھے اس کی واپسی کا شدت سے انتظار تھا۔ شام کو جیسے ہی وہ گھر لوٹی، میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"کیا بنا؟" اس کے چہرے پر مایوسی دکھائی دی۔

"وہ شائع نہیں کرنا چاہتا۔"

"کیوں؟"

"کہتا ہے کشمیر کے حالات کا یہ غلط رخ ہے، ہم لوگوں کو گمراہ نہیں کر سکتے۔"

"مگر اسے بتانا تھا کہ یہ سچے واقعات ہیں۔" میں جھنجلایا۔

"اسے بھی علم تھا اور میں نے بھی بتایا تھا۔" جواب سن کر میں نے گہری سانس لی۔ "تم پریشان نہ ہو، شہر میں صرف ایک پبلشر تو ہے نہیں، کوئی اور کر لے گا۔" اس نے تسلی دی لیکن اس کا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ شہر کے تمام پبلشروں نے انکار کر دیا۔ اخبارات والوں نے ای میل کا جواب ہی نہ دیا۔ اس نے فیس بک پر پیج بنا کر اقتباسات لگائے..... دوسرے دن ہی ہمیں انتہا پسند تنظیموں کی فون

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ،
ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

پاکستان

میں کچھ عرصے سے

مختلف مقامات سے یہ شکایت موصول ہو رہی ہیں کہ ذرا بھی تاخیر کی صورت میں قارئین کو اسٹال پہ پرچا نہیں ملتا اس سلسلے میں ادارے کے پاس دو تجاویز ہیں۔

آپ اپنے قریبی دکان دار کو ایڈوانس 100 روپے ادا کر کے اپنا پرچا بک کروا لیں۔

یا

ادارے کو 1200 روپے بھیج کر سالانہ خریدار اور 600 روپے ادا کر کے 6 ماہ کے لیے بھی خریدار بن سکتے ہیں اور گھر بیٹھے پورے سال اپنے پسندیدہ ڈائجسٹ وصول کر سکتے ہیں

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ،
ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کال اور دھمکی بھرے ملبوط آنے لگے۔ میں نے اسے پیج ڈیلیٹ کرنے کا کہہ دیا۔

☆☆☆

''بچہ ہے..... چھوڑ دو..... مر جائے گا۔'' میں چیخ رہا تھا مگر بلونت اسے نہیں چھوڑ رہا تھا۔ اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ جسم پسینے سے شرابور تھا۔ جب سے میں نے لکھنا چھوڑا تھا، یہ خواب بھی معمول پر آ گیا۔ سمی نے مجھے پانی پلایا۔ ہم دونوں خاموش تھے۔ جب سے یہ خواب دوبارہ آنا شروع ہوا تھا..... ہمارے کمرے میں ایسے ہی رات کا پہر آ جاتا جب ہم دونوں جاگ رہے ہوتے مگر خاموشی چھائی رہتی۔ سمی نے تسلی دینا چھوڑ دی تھی۔ وہ مجھ سے ناراض تھی، وہ چاہتی تھی میں سب دوبارہ لکھوں مگر میں مایوس ہو گیا۔

''سمی۔'' میں نے اسے پکارا۔

''ہوں۔''

''مجھے بچا لو، میں پاگل ہو رہا ہوں۔'' ناکامی کے بعد میری دماغی حالت خراب ہو چکی تھی۔ سمی کو نہیں معلوم تھا کہ میں کس تکلیف سے گزر رہا ہوں۔ ''میں مر جاؤں گا سمی۔'' وہ بے چین ہو گئی۔ اس نے میرا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔

''خود کو سنبھالو روہت..... اپنے لیے نہیں، میرے لیے۔'' میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ نرمی سے پوچھتی رہی۔ ''بس..... روہت..... چپ کریں۔'' اس کے ہونٹوں نے میرے لبوں کو چھوا۔ ''چپ، بس۔'' وہ تسلی دیتی رہی۔ وہ ساری رات ہم نے جاگ کر گزار دی۔ نیند آنکھوں سے دور تھی۔ دوسری صبح میں جب اسکول جانے کے لیے تیاری کر رہا تھا تب سمی میرے پاس آئی۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات نمایاں تھے۔

''کیا بات ہے؟'' اس کی پریشانی کی وجہ کا مجھے علم تھا۔ اس لیے میرا یہ سوال فضول تھا۔

''ایسا کب تک چلے گا؟'' اس نے کئی دن پہلے کیا گیا سوال دہرایا۔

''جب تک خواب صاحب میری جان نہیں چھوڑ دیتے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ اس نے منہ بنا لیا۔

''جناب کی حالت رات کو کچھ اور ہوتی ہے اور صبح.....''

''مجھے میری حالت کا کوئی مسئلہ ہے نہ پریشانی، میری پیاری پتنی جب تک میرے پاس ہے۔'' میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''مکھن کم لگایا کریں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر کچھ دیر بعد بولی۔ ''ودیش سے وقت لیا ہے میں نے، آج شام کا۔'' اس کی بات سن کر میں نے ناگواری سے کہا۔

''پہلے میری بیماری میں شدت اسی کے علاج سے آئی ہے۔''

''نہیں، اس کے علاج سے تم ٹھیک تھے۔'' اس نے انکار میں سر ہلایا۔ ''شدت ناکامی کے بعد آئی ہے۔''

''مجھے ناکامی کا دکھ نہیں مگر ایک سچے واقعے کو جھوٹی کہانی کہنا اور پھر اس وجہ سے مسترد کرنا، پھر دھمکیاں، فون کالیں پھر گالیاں..... زیادتی ہے یار، یہ سب نہیں ہونا چاہیے تھا۔''

''بس یہی ہوتا ہے..... سچ کڑوا ہوتا ہے۔'' اس نے افسوس سے کہا۔ ''خیر..... ہم شام کو چلیں گے ودیش کے پاس۔'' سمی سے اجازت لے کر میں اسکول چلا آیا۔ شام کو اس کی خواہش کے مطابق ہم ڈاکٹر ودیش کے پاس چلے آئے۔ اس نے گرمجوشی سے میرا استقبال کیا۔ پوری بات سننے کے بعد اس نے کوئی تبصرہ کرنے سے گریز کیا۔ اس کے بجائے اس نے عام ماہرِ نفسیات کی طرح مجھے چند دوائیں تجویز کیں اور نیند کے حوالے سے مشورے دیے۔ میں نے دواؤں کے فارمولے دیکھے۔ یہ نیند کی گولیاں تھیں اور کچھ دماغ سن کرنے والی۔ واپسی پر سمی اور میں دونوں مایوس تھے۔

''تمہیں نہیں لگتا، ڈاکٹر ودیش نے ہم سے جان چھڑائی ہے اس بار۔'' ہم ایک ہوٹل میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے جب میں نے اپنے خیال کا اظہار کیا۔

''ہاں۔'' اس نے کہا۔ ''مجھے بھی احساس ہوا ہے اس لیے میں تمہیں کوئی تسلی نہیں دے رہی۔'' اس نے واضح کیا۔

''اب تمہاری جنگ ہے لڑو دماغ سے۔''

''تم ساتھ نہیں دو گی؟''

''میں تو ساری زندگی تمہارے ساتھ رہوں گی۔'' اس نے ہاتھ تھام لیا۔ ٹھیک اسی وقت مجھے اس کے پیچھے ایک شخص کی جھلک دکھائی دی۔ میرے پورے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ میں اسے جانتا تھا..... میں اسے بھول ہی نہیں سکتا تھا۔ سمی نے میری نظروں کا تعاقب کیا۔ وہ پہچاننے میں ناکام رہی۔ ''کیا دیکھ رہے ہو اتنے غور سے؟''

''وہ بلونت ہے۔'' میں نے انکشاف کیا۔ بلونت پہلے کی نسبت بہت بدل گیا تھا۔ اب اس کا جسم مضبوط تھا۔ اس

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کے بالوں کی مخصوص کٹنگ اور چال ڈھال دیکھ کر مجھے کچھ محسوس ہوا۔

''چلیں؟'' سمی نے پوچھا۔

''مجھے بلونت سے ملنا ہے۔'' میں نے عجیب لہجے میں کہا۔

''نہیں روہت۔'' اس نے انکار میں سر ہلایا۔ ''بالکل نہیں۔''

''میری جنگ ہے سمی..... لڑنے دو۔'' اس کا جواب سنے بغیر میں بلونت کی طرف بڑھ گیا۔ بلونت کو مجھے پہچاننے میں مشکل ہوئی۔ ''ہیلو مسٹر بلونت۔'' میں نے اس کے پاس جا کر کہا۔ اس نے اجنبی نظروں سے مجھے دیکھا تھا۔ ''آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں؟''

''جی..... کون ہیں آپ؟''

''روہت..... سر روہت۔'' اس کے چہرے پر پہلے حیرت کے تاثرات دکھائی دیے پھر اس نے گرمجوشی سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔

''ارے، اتنے سالوں بعد..... بہت بدل گئے ہیں آپ۔''

''بس، وقت بہت کچھ بدل دیتا ہے، تم سناؤ، کدھر ہو آج کل؟''

''وہیں کشمیر، آرمی میں۔'' اس نے فخر سے بتایا۔ ''ایک ماہ کی چھٹیاں پر آیا ہوں۔ بیوی بچوں سے ملنے..... حالات خراب ہیں وہاں، اس لیے فیملی اس شہر میں شفٹ ہو گئی ہے۔'' اس نے مزید تفصیل بتائی۔ میں نے اسے سمی سے ملوایا۔ ہم وہاں کافی دیر بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ موقع پا کر روہت نے مجھ سے اس واقعے پر معافی مانگی۔ ''آپ کے ساتھ ہمارا سلوک غلط تھا۔''

''اور بچے کے ساتھ؟'' میں نے عجیب لہجے میں کہا۔

''وہ تو اس سلوک کے مستحق تھے۔'' اس نے نفرت بھری آواز میں کہا۔ ''میرے پتا جی وہیں شہید ہوئے تھے ان کمینوں کے ہاتھوں، ابھی بہت سے بدلے باقی ہیں۔'' میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ ہم کافی دیر بیٹھے رہے۔ اس نے مجھے ایڈریس دے کر گھر آنے کی دعوت دی اور اس کے بعد کھانا پیک کروا کر چلا گیا..... واپسی پر ہم دونوں خاموش رہے۔ گھر پہنچ کر میں نے سمی سے کہا۔

''سمی..... میں یہ جنگ جیتنا چاہتا ہوں۔'' اس نے حیرت بھری نظروں سے مجھے دیکھا تھا.....

☆☆☆

کیا آپ

لبوب مقوّی اعصاب

کے فوائد سے واقف ہیں؟

کھوئی ہوئی توانائی بحال کرنے۔ اعصابی کمزوری دور کرنے۔ ندامت سے نجات، مردانہ طاقت حاصل کرنے کیلئے۔ کستوری، عنبر، زعفران جیسے قیمتی اجزاء سے تیار ہونے والی بے پناہ اعصابی قوت دینے والی لبوب مقوّی اعصاب۔ یعنی ایک انتہائی خاص مرکب خدارا۔۔۔ ایک بار آزما کر تو دیکھیں۔ اگر آپ کی ابھی شادی نہیں ہوئی تو فوری طور پر لبوب مقوّی اعصاب استعمال کریں۔ اور اگر آپ شادی شدہ ہیں تو اپنی زندگی کا لطف دوبالا کرنے یعنی ازدواجی تعلقات میں کامیابی حاصل کرنے اور خاص لمحات کو خوشگوار بنانے کیلئے۔ اعصابی قوت دینے والی لبوب مقوّی اعصاب۔ آج ہی صرف ٹیلیفون کر کے بذریعہ ڈاک VP وی پی منگوالیں۔

المسلم دارالحکمت (رجسٹرڈ)

(دیسی طبّی یونانی دواخانہ)

ضلع وشہر حافظ آباد پاکستان

0300-6526061

0301-6690383

فون صبح 10 بجے سے رات 8 بجے تک کریں

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

اس بڑے سے گیٹ پر اطلاعی گھنٹی بجانے کے بعد مجھے دو تین منٹ انتظار کرنا پڑا۔ دروازہ ایک بیس بائیس سال کے نوجوان نے کھولا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''جی؟''

''بلونت صاحب گھر پر ہیں؟''

''جی ہاں، پر آپ کون؟''

''میں روہت۔''

''میں انہیں بلا لاتا ہوں۔'' وہ واپس مڑا۔ میرے ہاتھ میں بیگ تھا۔ کچھ دیر بعد بلونت آیا۔ مجھے دیکھ کر اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا.....

''روہت..... کیسے آنا ہوا؟'' وہ مجھے اندر لے آیا۔ اس کا گھر کافی خوبصورت تھا۔ ایک طرف قطار میں پودے لگے ہوئے تھے۔ درمیان میں گول صحن تھا۔ ڈرائنگ روم میں مجھے بٹھا کر اس نے نوکر کو چائے لانے کا کہا۔

''بس ادھر سے گزر رہا تھا..... دوسرے شہر جانا ہے سوچا ملتا جاؤں، رات کسی ہوٹل میں رکوں گا۔'' میں نے سرسری انداز میں بتایا۔

''اب کہاں ہوٹل میں رکیں گے۔ میرے گھر رک جائیں۔'' ہم کافی دیر باتیں کرتے رہے۔ باتوں کے درمیان اس نے بتایا کہ اس کی بیوی بچوں کو لے کر میکے گئی ہے۔ ''رات تک واپس آئیں گے۔'' کشمیر کے موضوع پر بات کرتے ہوئے ہمیں وقت کا علم نہ ہوا۔ سورج ڈوب گیا۔ رات کا اندھیرا چھانے لگا۔ اس نے میرے لیے ایک کمرا تیار کروا دیا۔ میں اجازت لے کر کمرے میں چلا آیا۔ اندر سے لاک لگا کر میں نے بیگ کھولا۔ میرے دل کی دھڑکن تیز تھی۔ خواب سے نجات حاصل کرنے کے لیے میرے پاس آخری موقع تھا۔ بیگ سے پستول نکال کر میں نے جیب میں ڈال لیا۔ یہ پستول مجھے بڑی مشکلوں سے ملا تھا۔ یہ بالکل تیار حالت میں تھا۔ بس ایک موقع کا انتظار تھا..... رات کے کھانے پر میری اس کی پتنی سے ملاقات ہوئی۔ وہ تیس کے لگ بھگ ایک اچھی خوش اخلاق عورت تھی۔ کھانے کے بعد وہ بیڈروم میں چلی گئی۔ ہم ڈرائنگ روم میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ بلونت کچھ دیر بعد واش روم چلا گیا۔ میرے پاس موقع تھا۔ میں نے پھرتی سے پستول جیب سے نکال کر نیچے چھپا لیا۔ جیسے ہی بلونت باہر آیا۔ میں نے ہاتھ ڈال کر پستول پر گرفت مضبوط کی۔ اس وقت میرے دل کی دھڑکن مجھے سنائی دے رہی تھی۔ ماتھے پر پسینہ چمک رہا تھا۔ میں پستول باہر نکالنے ہی والا تھا کہ اچانک ایک بچہ بھاگتا ہوا بلونت سے لپٹ گیا۔

''پپ پا.....'' اس کے منہ سے الفاظ نکل رہے تھے۔ میں حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''یہ آپ کا.....'' میرے کچھ کہنے سے پہلے بلونت نے جواب دیا۔ اس کی آواز میں دکھ تھا۔

''جی یہ میرا بیٹا ہے۔'' بچہ چھ سات سال کا تھا۔ اس کے سر پر کوئی بال نہ تھا اور یہ عجیب طرح کا سر تھا۔ سر کا سائز بہت بڑا تھا جبکہ اس بچے کی آنکھوں میں دیوانگی تھی۔ منہ سے رال بہہ رہی تھی اور ہاتھ پیر مڑے ہوئے تھے۔ وہ ایک نارمل بچہ نہیں تھا۔ مجھے اسے دیکھ کر خوف محسوس ہو۔ اب مجھے کھانے کی میز پر بچوں کی غیر موجودگی کی وجہ کا علم ہوا۔

''یہ.....'' اس بار بھی بلونت نے مجھے بات مکمل نہ کرنے دی۔

''یہ پیدائشی ایسا ہے.....''

''اور باقی بچے؟''

''ایک بیٹی ہے۔''

''وہ؟''

''وہ بھی.....'' اور مجھے بیٹی بھی دکھائی دی۔ وہ بھی اس کے پیچھے تھی۔ وہ گونگی اور بہری تھی۔ منہ سے رال بہتی رہتی تھی ہر وقت۔ ''ڈاکٹر کہتے ہیں وجہ کا علم نہیں، والدین نارمل ہیں پھر بھی بچے ایسے کیوں ہیں..... ان کے پاس کوئی جواب نہیں، ہم ہیں بھی الگ خاندانوں سے اور ہم دونوں میں کسی کے خاندان میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں۔'' وہ بے بسی سے بتا رہا تھا..... پستول پر میری گرفت کمزور پڑنے لگی۔

☆☆☆

''لے آئے بدلہ؟ مل گئی خواب سے نجات؟'' سمی مجھ سے ناراض تھی۔ میں اسے سب بتا کر گیا تھا۔ اس نے میری مخالفت کی اور ہمارا شدید جھگڑا ہوا۔ آج میں اسے دو دن بعد اپنا چہرہ دکھا رہا تھا۔

''ہاں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''تم ٹھیک تھیں سمی.....'' میں نے اسے سب بتا دیا..... اس کے بعد کبھی مجھے وہ خواب دکھائی نہ دیا۔ بلونت کے لیے قدرت نے سزا منتخب کی تھی۔ موت اس کے لیے بہت چھوٹی سزا تھی.....

❖❖❖

www.pdfbooksfree.pk
www.pakistanipoint.com

میں ایک طرف کھڑی اس ریلٹی شو کے ڈائریکٹر پال کرولر کو دیکھ رہی تھی۔ وہ میری طرف مڑا اور کہنے لگا۔
''مس ڈولی! کیا تم نے ڈومینی کے لباس میں تبدیلی مکمل کر لی؟''

''ابھی اس پر کام ہو رہا ہے۔'' میں نے کہا۔
اس نے منہ بنایا اور دوبارہ گروپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ''میں یہ واضح کر دوں.....'' اس نے بھاری آواز میں کہا۔ ''ہمیں اس طرح ریہرسل کرنی ہے کہ آج رات کو

ہم حراج و ہم نشینوں کے تعلقات میں ہوا اچانک ہی خطرات کی زد میں آ گئے تھے

ہر کہانی کار کی خواہش ہوتی ہے... اس کی کہانی جاندار ہو... اس کا تحریر کردہ ڈراما ہوش و خرد اور قلب و نظر کو شکار کرے... ایک ایسے ہی ٹی وی پروگرام کی تیاری کا ماجرا... اداکار... کیمرامین سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے کہ اچانک ہی سیٹ پر بھونچال آگیا... جس نے لمحوں میں ڈرامائی کہانی میں خونی رنگ بھر دیا...

بے قصور

عکس فاطمہ

Waqar Azeem
www.pakpoint.com

ایک ہی دفعہ میں اسے شوٹ کرلیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اگلے ہفتے جب یہ شو دکھایا جائے تو گھر بیٹھے ناظرین یہی سمجھیں کہ یہ لائیو ریکارڈنگ ہے۔''

''مجھے ریہرسل کرنے میں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔''

خاتون پہلوان مارشا کیمی نے کہا۔ ''لیکن میں انتظار کرتے کرتے تھک جاتی ہوں جب اپنے آپ کو شو کی شہزادی سمجھنے والی ہر دس منٹ کے بعد اپنا میک اپ ٹھیک کرنے چلی جاتی ہے۔''

اس کا اشارہ ماضی کی چائلڈ اسٹار ڈومینی سینڈرز کی طرف تھا جو جوان ہونے کے بعد سٹ کام شوز اور فیشن ماڈل کے طور پر نام بنا رہی تھی۔ وہ اتنی اچھی اداکارہ نہیں تھی لیکن اپنے خوب صورت جسم، نیلی آنکھوں اور سیاہ بالوں کی وجہ سے وہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گئی تھی۔

''ہے، میں یہاں ہوں۔'' اس نے کیمی کو آنکھ ماری۔ ''ہم ہمیشہ کی طرح ٹی کے، کا انتظار کر رہے ہیں۔''

وہ سب ماضی میں ہونے والے ایک ٹی وی شو میں اکٹھے کام کر چکے تھے۔ اس میں ڈومینی اور ٹی کے، نے ایسے بہن بھائی کا رول پلے کیا تھا جنہیں ان کے والدین نے گود لیا تھا جبکہ کیمی، ان کی پڑوسن بنی تھی اور رابرٹ بروک نے ان کے باپ کا کردار ادا کیا تھا۔ اس کی بیوی کا رول پلے کرنے والی اداکارہ تیسرے سیزن کے اختتام پر مر گئی اور اس کے بعد وہ شو ختم کر دیا گیا۔

''کسی نے میرا نام لیا؟ یہ ٹرینٹ نائٹ تھا جسے ٹی کے بھی کہا جاتا تھا۔ وہ ماضی میں ایک بینڈ گروپ کا ممبر رہ چکا تھا اور اب سٹ کام ٹی وی اسٹار کے طور پر پہچانا جاتا تھا۔ تاہم اس کی شہرت بیڈ بوائے کی تھی اور وہ ذرا سی بات پر غصے میں آجاتا تھا۔

''بالآخر تم آہی گئے۔'' کیمی نے کہا۔

''پُرسکون ہو جاؤ لڑکی۔'' ٹی کے نے مسکراتے ہوئے کہا۔

مجھے اعتراف ہے کہ وہ اب بھی دیکھنے میں اچھا لگتا تھا لیکن گزشتہ دو ہفتوں کے دوران میں نے دیکھا کہ وہ کچھ سنکی ہے۔ وہ ایک دن مجھ پر بھی پھٹ پڑا جب میں نے اس کے لیے ایک رنگین قمیص کا انتخاب کیا جو اسے پسند نہیں آئی۔ اس دن کے بعد میں اپنے ہینڈ بیگ میں ٹیسر رکھنے لگی۔ یہ پستول بے ہوش کرنے کے کام آتا ہے۔

''میری بات سنو۔'' کرولر نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''ہمارے پاس پانچ گھنٹے ہیں۔ اس کے بعد ہم اگلے سیگمنٹ کی شوٹنگ شروع کر دیں گے۔ اگر یہ حقیقی نظر نہ آیا تو لوگ ہم پر ہنسیں گے، جب یہ براڈ کاسٹ ہو گا۔''

پورا گروپ کسی کلاس روم کے بدتمیز بچوں کی طرح خاموش تھا جیسے انہیں ٹیچر ڈانٹ رہا ہو۔ وہ جانتے تھے کہ یہ ان کے لیے آخری موقع ہے۔ ان میں سے کوئی بھی بہت مشہور نہیں تھا۔ اس سیگمنٹ کے ذریعے انہیں شہرت مل سکتی تھی اور کوئی بھی اس موقع کو گنوانا نہیں چاہتا تھا۔

بالآخر بروک بولنے کے لیے آگے بڑھا۔ ''دیکھو پال، ہم سب جانتے ہیں کہ اس شو کی کامیابی ہمارے لیے کتنی اہم ہے۔ ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ گول کے قریب آکر ہاتھ سے گیند گر جائے۔''

یہ بالکل ایسی تقریر تھی جو بیس سال پہلے بروک ٹی وی شو کے اختتام پر کیا کرتا تھا۔ اس کے چہرے پر وہی مخصوص پسندیدہ مسکراہٹ تھی جو ہمیشہ شو کے دوران اپنا جادو جگاتی تھی۔ اچانک ہی وہ مسکراہٹ غائب ہو گئی اور اس کے چہرے کا رنگ چاک کی طرح سفید ہو گیا۔

کرولر نے کہا۔ ''بروک! تم ٹھیک تو ہو؟''

میں نے مڑ کر دیکھا، بروک کی نظریں ایک دبلے پتلے آدمی پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ گنجے سر والا دروازے میں کھڑا ہوا تھا۔ اس نے ایک پرانا سیاہ دھاری دار سوٹ پہن رکھا تھا اور اس کے چہرے پر ایک عجیب مسکراہٹ تھی۔

''اے'' کرولر نے کہا۔ ''یہ ممنوعہ جگہ ہے۔ تمہیں یہاں سے جانا ہوگا۔''

وہ شخص اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ ''ٹھیک ہے۔'' کرولر نے اپنا سیل فون نکالتے ہوئے کہا۔ ''میں سیکیورٹی کو بلا رہا ہوں۔''

ہم نے سیکیورٹی کے نام پر باوردی پولیس والے کرائے پر لیے تھے جو اس زیر تعمیر ہوٹل کے گرد گشت کرتے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ سیکیورٹی گارڈ کرولر کے بلانے پر دوڑے چلے آئیں گے یا پھر ہو سکتا ہے کہ کافی ختم کرنے کے بعد آجائیں۔

کرولر نے فون اپنے کان سے لگایا اور اس آدمی کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے بولا۔ ''میں تمہیں وارننگ دے رہا ہوں۔''

اس شخص کے چہرے پر ایک بناوٹی مسکراہٹ آئی۔ اس نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا اور مٹھی کو دوبارہ کھول کر بند کیا پھر لابی کی طرف اشارہ کیا اور چلا گیا۔ میں سوچنے لگی کہ وہ

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

کسے اشارہ کر رہا تھا؟

''بروک۔'' کرولر نے کہا۔ ''تمہیں کیا ہوا؟''

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ بروک کرسی کا سہارا لیے ہانپ رہا تھا جیسے اسے دل کا دورہ پڑ گیا ہو۔ ''کیا میں ڈاکٹر کو بلاؤں؟'' میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

بروک نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''نہیں، میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے گہرے سانس لینے کی کوشش کی۔ ''میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔''

کرولر نے آنکھیں گھماتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے ہم آدھ گھنٹے کا وقفہ لیتے ہیں۔''

ڈومینی مڑی اور کچھ کہے بغیر چلی گئی۔ ٹی کے، نے کرولر کی طرف انگوٹھے سے اشارہ کیا جیسے وہ پستول سے نشانہ لے رہا ہو۔

کرولر کا اسسٹنٹ برونو چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا آیا اور اپنے باس کے پاس آ کر رک گیا۔ وہ چھوٹے قد کا تھا اور بمشکل کرولر کی کمر تک پہنچ رہا تھا۔

''لگتا ہے کہ ہم کسی مشکل میں ہیں باس۔'' برونو نے کہا۔ ''تم جانتے ہو کہ وہ کون تھا؟''

''نہیں۔'' کرولر نے کہا۔ ''مجھے اس کی پروا نہیں اور تم بھی اپنی زبان بند رکھو۔ ایسی منحوس باتیں مت کرو۔''

برونو کا منہ بن گیا۔ کرولر ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے بولا۔ ''میں کچھ پینا چاہتا ہوں میرے کمرے میں ووڈکا کی بوتل رکھی ہوئی ہے۔'' اس نے جانے کے لیے قدم بڑھایا پھر رک کر مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''آدھ گھنٹے بعد تم اپنے ملبوسات کے ساتھ یہاں آ جانا۔''

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی پھر مجھے اس اجنبی شخص کا خیال آیا۔ وہ کون تھا جسے دیکھ کر بروک کی طبیعت بگڑ گئی۔ بیس منٹ بعد میں راہداری کے کونے میں رکھے ہوئے ریک کی طرف جا رہی تھی۔ اس میں اگلے سگمنٹ کے لیے تیار شدہ ملبوسات رکھے ہوئے تھے۔ میں نے جیسے ہی اس کے دروازے کھولے تو اس کا ایک پہیا جام ہو گیا شاید اس میں کوئی کپڑا پھنس گیا تھا۔ وہاں بہت کم روشنی تھی اور جب میں نے پہیے کو چیک کرنے کے لیے کپڑوں کو ایک طرف کیا تو مجھے ملبوسات کے نیچے ایک مردانہ جوتا نظر آیا۔

میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنا آئی فون نکالا اور اس کی ٹارچ روشن کی، جوتے کے علاوہ مجھے سیاہ پتلون میں ملبوس دو ٹانگیں بھی نظر آئیں۔ میں نے ٹارچ کی روشنی اوپر کی۔ وہ ایک گنجے سفید فام آدمی کا چہرہ تھا۔ کیا یہ نشے میں ہے؟ نہیں، اس کی آنکھیں ساکت تھیں۔ میرا سانس رک گیا۔ میں نے دوبارہ اس کے چہرے کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں آدھی کھلی ہوئی تھیں۔ چہرہ مسخ ہو گیا تھا لیکن وہ یقینی طور پر وہی شخص تھا۔ صرف یہ فرق پڑا کہ اب اس کی قمیص کے درمیان دو سرخ دائرے نظر آ رہے تھے۔

''تم یہاں ہو۔'' کرولر نے میرے پیچھے سے آواز لگائی۔ ''میں نے تم سے کہا تھا کہ ملبوسات لے کر.....'' اس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ ''اوہ میرے خدا۔''

اس کا پستہ قد معاون برونو اپنی پلکیں جھپکاتے ہوئے بولا۔ ''کیا یہ مر گیا ہے؟''

''لگتا تو یہی ہے۔'' میں نے کہا اور اپنے آئی فون پر نو گیارہ ڈائل کرنے لگی۔

''تم کیا کر رہی ہو؟'' کرولر نے پوچھا۔

''پولیس کو فون کر رہی ہوں۔''

''نہیں، تم ایسا نہیں کر سکتیں۔'' اس نے اپنے ہاتھ اس طرح اوپر اٹھائے جیسے مجھے دھکا دینے والا ہو۔

میں پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ ''مجھے مت چھونا۔''

''میرا مطلب تھا۔'' وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ ''ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ اس سے ہمارے شو پر کیا اثر پڑے گا۔'' اس نے لاش پر نظر ڈالی اور کہا۔ ''ہم پہلے اسے کسی دوسری جگہ منتقل کر دیں پھر اس کے بعد فون کرتے ہیں۔''

میں نے اس بارے میں سوچا۔ مجھے بھی جائے وقوعہ پر موجود رہنے اور سراغ رسانوں کے آنے تک اسکواڈ کار کے سامنے گواہ کے طور پر پیش ہونے کی ضرورت نہیں تھی لیکن مجھے معلوم تھا کہ کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کرنی چاہیے۔ میں نے کہا۔ ''مائیک کو فون کرتی ہوں۔''

''مائیک؟'' کرولر نے کہا۔ ''یہ کون ہے؟''

''میرا دوست ہے۔ پولیس سراغ رساں۔''

اس کا منہ بن گیا۔ میں نے کہا۔ ''ہمیں کسی کو تو فون کرنا ہوگا؟''

میں نے وہاں سے چند قدم ہٹ کر مائیک کا نمبر ملایا۔

''کیا تم مصروف ہو؟''

''میں ہمیشہ ہی مصروف رہتا ہوں، کیا ہوا؟''

''مجھے ایک مسئلہ درپیش ہے۔''

''اچھا۔'' اس نے قہقہہ لگایا۔ ''کیا تم نے کسی کو ٹکر مار دی یا کوئی اور بات ہے؟''

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''اس سے بھی زیادہ خراب..... میں ایک لاش سے ٹکرا گئی ہوں۔''

''تم مذاق کر رہی ہو؟''

''نہیں، یہ حقیقت ہے۔''

اس نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''تم اس وقت کہاں ہو؟''

''نیو لکی سیون ہوٹل پر۔''

''میں نہیں سمجھتا کہ وہ کھل گیا ہے۔''

''ہاں، اسے دوبارہ بنایا جا رہا ہے اسی لیے ہم یہاں اس ٹی وی شو کی ریکارڈنگ کر رہے ہیں۔''

''اوہ ہاں، میں نے اس بارے میں سنا تھا۔''

''تم اس لاش کے بارے میں جاننا چاہتے ہو؟''

''یقیناً۔''

''میں یہاں وارڈ روب کا کام کر رہی ہوں تبھی میں راہداری کے کونے میں اس لاش سے ٹکرا گئی۔''

''اس ہوٹل میں کوئی سیکیورٹی ہے؟''

''ہاں، صرف دو کرائے کے پولیس والے ہیں جو اس جگہ کی نگرانی کرتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتی کہ وہ اس وقت یہاں قریب میں موجود ہوں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ تم وہیں ٹھہرو اور کسی کو اس لاش کے قریب نہ آنے دو۔''

''سنو، میں پولیس آفیسر نہیں ہوں اس لیے تمہاری خاطر جائے وقوعہ پر پہرا نہیں دے سکتی۔'' لیکن مجھے دیر ہو گئی، اس سے پہلے ہی وہ فون بند کر چکا تھا۔

میں نے اپنے عقب میں کسی کے کراہنے کی آواز سنی۔ ''ہم کیا کرنے والے ہیں؟'' یہ کرولر تھا۔ وہ میرے پاس سے گزر کر لاش پر جھک گیا۔ ''اس کی وجہ سے سب کچھ تباہ ہو سکتا ہے۔''

''تم کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگاؤ گے۔'' میں نے کہا۔

اس نے میری بات کو نظر انداز کر دیا اور لاش کو ہلاتے ہوئے بولا۔ ''شاید یہ نہ مرا ہو۔''

مرنے والے کی چھاتی سے خون بہنے لگا۔ کرولر پیچھے ہٹا تو میں نے فرش پر گولیوں کے خول دیکھے۔ وہ دیکھنے میں اعشاریہ تین آٹھ کے لگ رہے تھے۔

''مجھے جانا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''پولیس راستے میں ہوگی۔ بہتر ہے کہ میں ان سے مل لوں۔''

''نہیں، رک جاؤ۔'' کرولر نے کہا۔

میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہاں کیمی کھڑی ہوئی تھی۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' پھر اس کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ ''اس آدمی کو کیا ہوا؟''

''یہ مر چکا ہے۔'' میں نے کہا۔

اس نے ایک بار پھر اسے دیکھا اور بولی۔ ''اوہ، میں نے اسے پہلے بھی دیکھا تھا۔''

''کون مر گیا؟'' رابرٹ بروک ہمارے درمیان آتے ہوئے بولا پھر اس نے ایک نظر لاش پر ڈالی اور اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ ''اوہ، میرے خدا۔''

اسی وقت خوشبو کا ایک جھونکا آپا اور ڈومینی قریب آ کر بولی۔ ''کرولر، مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' پھر اس کی نظر لاش پر گئی۔ اس کی زبان سے بھی بے ساختہ نکلا۔ ''اوہ میرے خدا۔''

میں کمرے سے نکل کر راہداری کی دوسری جانب جانے لگی کہ ٹی کے، آ گیا۔ ''یہاں کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے پوچھا۔ ''میرا خیال تھا کہ ہمیں ریہرسل کرنی ہے۔''

''میں سمجھتی ہوں کہ اسے ملتوی کرنا ہوگا۔''

''اوہ۔'' اس کا منہ بن گیا۔ ''کرولر کہاں ہے؟''

''سب لوگ یہاں موجود ہیں۔'' میں نے کیمی کی پشت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ بروک ابھی تک صدمے کی کیفیت میں تھا جیسے بے ہوش ہونے والا ہو پھر اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ اچانک جھکا اور اپنا پیٹ پکڑ لیا اور چند سیکنڈ بعد اسے قے ہو گئی۔

''اوہ، یہ جگہ تو بدبودار ہو گئی ہے۔'' ٹی کے، نے کہا۔

بروک پیچھے کی جانب گر گیا۔ ڈومینی آگے بڑھی۔ اس نے ایک بار پھر لاش کو دیکھا اور بروک کے کندھے کے گرد اپنا بازو ڈالتے ہوئے بولی۔ ''میں اسے اس کے کمرے میں لے جا رہی ہوں۔''

میں نے کہا۔ ''پولیس آنے والی ہے۔ لہٰذا ہم سب کو یہاں رک کر اس کا انتظار کرنا چاہیے۔''

''تمہیں کس نے یہاں کا انچارج بنایا ہے؟'' ٹی کے نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''میں باہر جا رہا ہوں۔''

''تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مس ڈولی تم سے مخاطب ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اور دوسری بات یہ کہ اگر میں تمہاری جگہ ہوتی تو بھی باہر نہ جاتی۔''

اس نے مجھے ہٹایا اور باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد کرولر نے میرا بازو پکڑا اور سرگوشی میں بولا۔ ''جاؤ اور کمروں سے ان کے ملبوسات لے لو۔ وہ کرائے پر لیے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

گئے ہیں اور اگر وہ لباس سمیت غائب ہو گئے تو میں یہ نقصان برداشت نہیں کر سکتا۔''

میں نے وہاں سے جاتے ہوئے ڈیسک منیجر کو فون کر کے بتایا کہ لاش کہاں پڑی ہوئی ہے اور کہا کہ جب پولیس آجائے تو مجھے فون کر کے بتا دے۔

سب سے آخر میں کیمی وہاں سے نکلی۔ میں بھی اس کے پیچھے چل دی لیکن اس کی رفتار اتنی زیادہ تھی کہ میرے اور اس کے درمیان فاصلہ بڑھتا جا رہا تھا۔ بالآخر وہ اس راہداری پر مڑ گئی جو کاسٹ اور کریو کے کمروں کی طرف جا رہی تھی۔ اس نے تالا کھولا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میں نے دروازے پر دستک دی لیکن کوئی جواب نہیں آیا۔ دوسری دستک پر اس نے پوچھا۔ ''کون ہے؟''

''ڈولی۔'' میں نے کہا۔ ''دروازہ کھولو، مجھے تم سے بات کرنی ہے۔''

اس نے دروازہ کھولا اور بولی۔ ''کیا چاہتی ہو؟''

''مسٹر کرولر نے مجھے تمہاری وارڈروب چیک کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ کوئی بھی ان کپڑوں کو لے کر چلا جائے۔''

''بس اتنی سی بات؟'' اس نے قہقہہ لگایا اور سگریٹ کا دھواں چھوڑتے ہوئے بولی۔ ''مجھے ان کپڑوں کی پروا نہیں۔ البتہ میں نہیں چاہتی کہ پولیس والے میرے کمرے کی تلاشی لیں اور انہیں وہ چیزیں مل جائیں جو میں نے چھپائی ہوئی ہیں۔'' اس نے ٹوائلٹ کی طرف اشارہ کیا اور بستر پر بیٹھ گئی۔

''تمہیں معلوم ہے کہ کمرے میں سگریٹ پینے پر دو سو ڈالر جرمانہ ہے۔'' میں نے کہا۔

اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ ''تو ٹھیک ہے۔ مجھ پر دعویٰ کر دو۔ میرے پاس نہ تو پیسے ہیں اور نہ ہی جانے کے لیے کوئی جگہ۔ یہ شو میری آخری امید ہے۔'' اس نے سگریٹ کا دھواں چھوڑتے ہوئے کہا۔ ''ایسا لگتا ہے کہ میں کہیں نہیں جا رہی لہٰذا تمہیں یہ پریشانی نہیں ہونی چاہیے کہ میں کرولر کے کپڑے لے کر چلی جاؤں گی۔'' اس نے بستر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ''بیٹھ جاؤ۔''

''نہیں شکریہ۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے اس دھوئیں سے الجھن ہو رہی ہے اور مجھے دوسرے لوگوں کو بھی چیک کرنا ہے۔''

اس کے بعد میں ڈومنی کے کمرے میں گئی۔ وہ اپنا سامان باندھنے کے بجائے بناؤ سنگھار میں مصروف تھی۔

''مجھے یقین ہے کہ تھوڑی دیر میں ٹی وی والے یہاں آجائیں گے۔'' اس نے کہا۔ ''میں چاہتی ہوں کہ خوب صورت نظر آؤں۔''

''تم جانتی ہو کہ ہم سب نے اس شخص کو مرنے سے پہلے بھی دیکھا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''کچھ اندازہ ہے کہ وہ کون تھا؟''

اس نے اپنی بھویں اوپر اٹھائیں اور مزید آئی شیڈو لگاتے ہوئے بولی۔ ''میں اسے نہیں جانتی۔''

''ٹھیک ہے۔ تم ٹی وی کیمروں کا انتظار کرو۔ میں تمہیں بعد میں چیک کروں گی۔''

میرے سیل فون کی گھنٹی بجی اور ڈیسک منیجر نے مجھے بتایا کہ پولیس والے آگئے ہیں۔ ''کسی سے کہو کہ وہ انہیں عقبی راہداری میں لے جائے۔'' میں نے کہا۔ ''لاش وہیں پر ہے۔ میں تھوڑی دیر میں آرہی ہوں۔''

ٹی کے نے میری دستک کا جواب نہیں دیا چنانچہ میں رابرٹ بروک کے دروازے پر چلی گئی۔ اس کا چہرہ ابھی تک زرد تھا۔ وہ دروازہ کھولنے کے بعد ایک کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے برابر والی میز پر برانڈی کی بوتل رکھی ہوئی تھی اور ہاتھ میں آدھا بھرا ہوا گلاس تھا۔

''تم ٹھیک تو ہو مسٹر بروک؟'' میں نے پوچھا۔

''مسٹر کرولر نے مجھے تمہیں دیکھنے کے لیے بھیجا ہے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا اور اپنے زانو پر رکھے ہوئے اخبار کے تراشے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ ''میرا وقت ختم ہو گیا۔ اب ہر بات ظاہر ہو جائے گی اور میں قتل کے الزام میں گرفتار ہو جاؤں گا۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا تم نے اسے قتل کیا ہے؟''

اس نے آہستہ سے اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''نہیں، لیکن سب سے پہلے مجھ پر ہی شبہ کیا جائے گا۔''

''میں کچھ سمجھی نہیں۔''

اس نے گلاس منہ سے لگایا اور اسے خالی کر دیا اور پھر بوتل اٹھا کر ایک اور گلاس بھرا۔ ''یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ مجھے بلیک میل کر رہا تھا۔''

''بلیک میل؟ کس بارے میں؟''

''میرا ماضی۔'' اس نے اخبار کے تراشے پر ہاتھ مارا۔ ''یہ پڑھو۔''

وہ تراشہ اس کی ران سے پھسل کر زمین پر گر پڑا۔ اس آرٹیکل کی سرخی تھی۔ ''ایک شخص کو چاقو مار کر ہلاک کر دیا

PakistaniPoint www.pakistanipoint.com

گیا۔"

"تم نے پہلے کسی شخص کو قتل کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

اس نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلایا۔ "شاید میں ایسا کر دیتا۔ انہیں اس کی قمیص پر خون نظر آیا لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ میرا خون ہے۔ صرف ڈی این اے ٹیسٹ سے ہی معلوم ہو سکتا تھا کہ ریکارڈو کی قمیص پر میرا خون ہے۔"

"ریکارڈو؟"

"وہ شخص جس کا قتل ہوا۔"

"تم وہاں موجود تھے؟" میں نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ اگر وہ واقعی قاتل تھا تو میں اسے باتوں میں لگائے رکھنا چاہتی تھی جب تک کمرے سے باہر نہیں چلی جاتی۔

"یہ واقعہ کیسے پیش آیا؟"

"ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔"

"تم اور ریکارڈو؟" میں نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہم نے اس تعلق کو خفیہ رکھا ہوا تھا ورنہ میں تباہ ہو جاتا۔ میں ٹی وی پر باب کا کردار ادا کرتا تھا اور اس حوالے سے میری شہرت تھی۔ اگر لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ میں ہم جنس پرست ہوں تو وہ تباہ کن ہوتا۔"

"وہ کون تھا؟"

"وہ بھی ایک اداکار تھا۔ میں نے اسے اپنے ٹی وی شو میں اپنے بیٹے کا رول دلانے کی کوشش کی لیکن اسٹوڈیو والے تیار نہیں ہوئے اور اس کی جگہ ٹی کے، کو کاسٹ کر لیا گیا۔ اس کا ڈومینی کے ساتھ رومانس چل رہا تھا اس لیے انہوں نے سوچا کہ اس سے شو کی ریٹنگ بہتر ہوگی۔ ریکارڈو نے اس کا الزام مجھے دیا۔" اس نے اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا۔ "میں نے اسے بتایا کہ میں نے پوری کوشش کی تھی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔"

مجھے اچانک ہی اس سے ہمدردی محسوس ہونے لگی۔ شاید وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ اس زمانے میں حالات مختلف تھے لیکن ابھی تک وہ قتل کا جواز پیش نہیں کر سکا تھا۔

"ریکارڈو تمہارا محبوب تھا۔" میں نے کہا۔ "کیا اس کا قتل ایک حادثہ تھا؟"

"نہیں، میں اسے کبھی تکلیف نہیں دے سکتا تھا۔ وہ اتنا ناراض تھا کہ اس نے مجھ سے تعلق ختم کرنے کی دھمکی دے دی۔ وہ مجھے بلیک میل کرنا چاہ رہا تھا اسی لیے اس نے رقم کا مطالبہ کیا۔"

"تم سے؟"

اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "صرف مجھ سے ہی نہیں بلکہ ڈومینی اور ٹی کے، سے بھی۔"

"وہ انہیں بلیک میل کر رہا تھا؟ کس لیے؟"

"اس نے کسی طرح ڈومینی کے برتھ سرٹیفکیٹ کی نقل حاصل کر لی ورنہ کسی کو بھی اس کے بارے میں حقیقت کا علم نہیں تھا۔"

"اور ٹی کے، اسے کس لیے بلیک میل کرتا؟"

"وہ نوعمری میں ایک ہیجڑے پر حملہ کرنے کے الزام میں جیل جا چکا تھا۔"

میں نے ان سب باتوں کو ذہن نشین کر لیا۔ مجھے یوں لگا کہ کچھ اور لوگوں کے پاس بھی ریکارڈو کو قتل کرنے کا محرک تھا۔

"پھر کس نے اسے قتل کیا؟"

"میں نہیں جانتا۔" بروک نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ "جب ہماری ملاقات ہوئی اور میں نے اس سے اس بلیک میلنگ پر بات کرنے کی کوشش کی تو ہمارا جھگڑا ہو گیا۔ اس نے مجھ پر حملہ کیا اور میری ناک سے خون بہنے لگا۔ یہی خون اس کی قمیص پر لگا ہوا تھا۔"

"تم یہ بات پولیس کو بتا سکتے تھے؟"

"میں کیسے بتا سکتا تھا۔ اس طرح دنیا کو معلوم ہو جاتا کہ میں ہم جنس پرست ہوں۔" اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ "اس کے کچھ عرصے بعد جارج شا، سامنے آ گیا۔"

"کون؟"

"یہی شخص جس کی لاش یہاں پڑی ہوئی ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ جانتا ہے ریکارڈو کی قمیص پر میرا خون تھا۔ اور وہ یہ بات پولیس کو بتا دے گا۔ اگر میں نے اسے منہ بند رکھنے کے لیے پیسے نہیں دیے۔ میں نے کہا کہ ریکارڈو کا قتل میں نے نہیں کیا۔ اس پر اس نے قہقہہ لگایا اور کہا کہ وہ یہ بات جانتا ہے لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پولیس لامحالہ مجھ پر ہی شک کرے گی۔ میں گھبرا گیا اور اسے رقم دینا شروع کر دی۔ یہ سلسلہ چلتا رہا پھر وہ ٹی وی شو ختم ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی میرا ٹی وی کیریئر بھی۔ میں مالی پریشانیوں میں گھر گیا پھر شا، نے بھی آنا چھوڑ دیا۔ وہ جانتا تھا کہ میں اسے کچھ نہیں دے سکتا لیکن آج وہ پھر آ گیا۔ اسے معلوم ہو گیا ہوگا کہ میں نے دوبارہ کام شروع کر دیا ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ جیل میں تھا لیکن اب رہا ہو گیا ہے اور چاہتا ہے کہ ہمارا پرانا تعلق بحال ہو جائے۔"

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''وہ کس الزام میں جیل گیا تھا؟''

''یہ اس نے نہیں بتایا بس اتنا کہا کہ میں وقت ضائع کیے بغیر اسے ادائیگی شروع کردوں۔ اس نے یہ دھمکی بھی دی کہ اگر اسے کچھ ہوگیا تو اس نے پولیس کے نام ایک خط چھوڑ دیا ہے جس میں درخواست کی گئی ہے کہ ریکارڈو کی قمیص پر خون کے دھبوں کا ٹیسٹ کرایا جائے۔ وہ خون میرا ہے۔''

یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ کیا پولیس نے پہلے یہ ٹیسٹ نہیں کرایا ہوگا لیکن بروک گرفتار نہیں ہوا۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کا ڈی این اے ریکارڈ سسٹم میں موجود نہیں تھا۔

''کیا وہ جانتا تھا کہ ریکارڈو کو کس نے قتل کیا؟''

بروک نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ ''اس نے مجھے نہیں بتایا۔ اگر وہ قاتل کو جانتا ہے تو اسے بھی بلیک میل کررہا ہوگا۔''

میں اسے شراب پیتا چھوڑ کر کمرے سے باہر آگئی اور سوچنے لگی کہ اگر شا، صرف بروک کو بلیک میل کرنے آیا تھا تو وہ ابھی تک یہاں کیوں گھوم رہا تھا۔ شاید اس نے بروک کے علاوہ بھی کسی کو اشارہ کیا تھا پھر میں نے اپنے عقب سے کرولر کی آواز سنی۔ ''تم کہاں تھیں؟''

میں نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا۔ ''وارڈروب چیک کررہی تھی۔ تم نے ہی تو کہا تھا۔''

''اس کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میرے ذہن میں ایک نیا آئیڈیا آیا ہے۔ ویڈیو کیمرا لے کر آؤ۔ ہم اسے ریکارڈ کریں گے۔''

''کیا؟''

''تم دیکھ نہیں رہیں۔'' اس نے کہا۔ ''یہ ہمارے لیے باعثِ نجات ہوگا کہ ہم نے ایک قتل کا انکشاف کیا۔'' پھر وہ منہ بناتے ہوئے بولا۔ ''کاش میں نے ان کیمرا مینوں کو گھر نہ بھیجا ہوتا۔''

''کیمرا مین؟''

''اس لاش کے ملنے کے بعد میں نے انہیں گھر بھیج دیا کیونکہ فی الحال ان کی ضرورت نہیں تھی۔ میں انہیں صرف یہاں کھڑے ہونے کا معاوضہ نہیں دے سکتا تھا۔''

وہ شخص ہمیشہ پیسے بچانے کے چکر میں رہتا تھا۔ ''کوئی بات نہیں۔'' وہ بولا۔ ''میں نے انہیں واپس آنے کے لیے فون کردیا ہے۔ اس دوران تم اور برونو شوٹنگ کرسکتے ہو۔''

''میں ان ریکارڈز کے استعمال کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔'' اسی وقت میری جیب میں رکھے ہوئے سیل فون کی گھنٹی بجی۔ وہ مائیک کا فون تھا۔ شاید وہ سوچ رہا ہوگا کہ میں کہاں ہوں۔ میں نے اسے وائس میل پر جانے دیا۔

''یہ بہت آسان ہے۔'' کرولر نے کہا۔ ''میں تمہیں بتادوں گا۔ میں نے برونو کو پہلے ہی ویڈیو ریکارڈر لانے کے لیے بھیج دیا ہے۔ تم جاکر اس کی مدد کرو۔''

میں نے مایوسی سے سر ہلایا اور اس کمرے کی طرف جانے لگی جہاں کیمرے رکھے ہوئے تھے پھر رک کر بولی۔ ''میرے پاس تو ماسٹر کی بھی نہیں ہے۔''

کرولر نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک کی کارڈ نکالا۔ ''میں پہلے ہی برونو کو ایک کارڈ دے چکا ہوں۔ یہ دوسرا تم رکھ لو اور دیکھو کہ اسے اتنی دیر کیوں ہوگئی۔''

میں وہاں پہنچی تو برونو کمرے کے باہر کھڑا مسکرا رہا تھا۔ ''مجھے خوشی ہے کہ باس نے تمہیں میری مدد کے لیے بھیجا۔'' اس نے کہا۔ ''یہ چابی کام نہیں کررہی۔''

میں نے اپنی چابی سے دروازہ کھولا اور برونو اندر جاکر مطلوبہ کیمرا تلاش کرنے لگا۔ اس نے میز پر سے ایک سیاہ بیگ اٹھایا اور اس کی زپ کھولتے ہوئے بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ یہی وہ کیمرا ہے۔''

''ہاں۔'' میں نے کہا۔ ''کیا تم یقین کروگے کہ وہ اس واقعے کو ریکارڈ کرنا چاہتا ہے جبکہ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ اس شخص کو کس نے قتل کیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کا قاتل اب بھی یہاں موجود ہو۔''

برونو چہرے پر بناوٹی مسکراہٹ لاتے ہوئے بولا۔ ''یہ اسی قابل ہے، شا، ایک پیدائشی بدفطرت اور کمینہ شخص تھا۔''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیا تم اسے جانتے تھے؟''

''ہاں، یہ چائلڈ اسٹار منیجر تھا۔ اس نے ٹی کے اور ڈومینی کے ساتھ بھی ٹی وی شو میں کام کیا پھر وہ گرفتار ہوگیا۔''

''وہ کس جرم میں جیل گیا تھا؟''

''وہ آرٹ فل چارم، کے نام سے ایک پروگرام کررہا تھا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ اس نے اس پروگرام کی آڑ میں بے سہارا بچوں میں غیر ضروری دلچسپی لینا شروع کردی تھی۔ اسے بچوں کے ساتھ زیادتی کے الزام میں جیل بھیج دیا گیا۔ وہ حال ہی میں رہا ہوا تھا۔

برونو کے اس انکشاف کے بعد بہت سی باتیں میری سمجھ میں آنے لگیں۔ مجھے شا، کے چہرے کی بناوٹی مسکراہٹ یاد آئی جب اس نے گروپ کی طرف دیکھ کر ہاتھ

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

ہلایا تھا، وہ کسے اشارے کر رہا تھا؟ کیا ڈومینی کو؟ ممکن ہے کہ ماضی میں اس سے کوئی تعلق رہا ہو۔

میرے فون کی گھنٹی ایک بار پھر بجی۔ میں نے کوٹ کی جیب سے فون نکال کر دیکھا۔ وہ مائیک کی کال تھی۔ ''تم کہاں ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''لکی سیون پر۔ یا تم بھول گئے؟''

''اوہ ہاں، اچھا سنو، میں راستے میں ہوں اور پولیس والے جائے وقوعہ پر پہنچ گئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے تمہیں نہیں دیکھا جبکہ میں نے تمہیں لاش کے پاس رکنے کے لیے کہا تھا۔''

''ہاں، لیکن میرے باس کے ذہن میں کچھ اور ہے۔''

''کون باس؟''

''وہی جو مجھے تنخواہ دیتا ہے۔'' میں نے کہا۔

وہ ناراض ہوتے ہوئے بولا۔ ''یہ قتل کا معاملہ ہے۔ میں نے اسی لیے تمہیں لاش کے پاس موجود رہنے کے لیے کہا تھا۔ کسی کو تو پولیس والوں کے سوالات کا جواب دینے کے لیے وہاں ہونا چاہیے۔ اب ان کے پاس جاؤ اور جو کچھ تم نے دیکھا، وہ بتا دو۔''

میں مائیک کو کچھ مزید معلومات دینا چاہ رہی تھی۔ اس لیے میں نے ایک بار پھر بروک سے ملنے کا فیصلہ کیا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اس نے مجھے پوری بات نہیں بتائی۔

''برونو، مجھے کیمی کا کمرا چیک کرنا ہے۔ تم کرولر کو بتا دینا کہ میں تمہارے پیچھے آ رہی ہوں۔'' میں نے اسے وہیں چھوڑا... اور گیسٹ رومز کی طرف چل دی۔ جیسے ہی میں ڈومینی کے کمرے کے پاس سے گزری، اس کا دروازہ کھلا اور وہ باہر آ گئی۔

''کیا تم نے وہ آواز سنی؟'' اس نے پوچھا۔

''کیسی آواز؟''

''ایسا لگا جیسے بروک کے کمرے سے فائر کی آواز آئی ہے۔''

''کیا تم نے اسے چیک کیا؟''

وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ''میں نے اس کے دروازے پر دستک دی تھی لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔''

''میرے پاس ماسٹر کی ہے۔''

''میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔''

میں نے چابی سے دروازہ کھولا اور آواز لگائی۔ ''مسٹر بروک؟'' لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ البتہ بارود کی بُو کے ساتھ پرفیوم کی خوشبو میرے نتھنوں سے ٹکرائی۔ میں نے رابرٹ بروک کو اسی کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ برانڈی کی بوتل اس کی ٹانگوں کے درمیان پڑی ہوئی تھی اور اس کے دائیں ہاتھ میں ایک چھوٹا پستول تھا۔ اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا تھا اور اس کی ناک اور منہ سے خون ٹپک رہا تھا۔

''کیا یہ مر گیا ہے؟'' ڈومینی نے پوچھا۔

میں نے آگے بڑھ کر بروک کی نبض دیکھی۔ وہ بے جان ہو چکا تھا۔ اس کی ٹھوڑی کے نیچے گولی کا زخم تھا۔

''اس نے خود کو گولی مار لی۔'' ڈومینی نے کہا۔ ''میں شرطیہ کہتی ہوں کہ پولیس والے اس پستول کا موازنہ اس دوسرے شخص کو لگنے والی گولی سے ضرور کریں گے۔''

''اس کا نام شا، ہے۔'' میں نے کہا۔ ''کیا وہ پہلے تمہارا ایجنٹ نہیں تھا؟''

وہ ناک چڑھاتے ہوئے بولی۔ ''میرا ایجنٹ؟ یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟''

''کیا تم اسے نہیں جانتی تھیں؟''

اس نے مجھے گھورا اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ''نہیں۔''

''میں نے سنا ہے کہ اس نے ماضی میں کئی چائلڈ ایکٹرز کو متعارف کروایا۔''

''یہ تم نے کہاں سے سنا؟''

میں نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے یاد نہیں۔''

میں وہ اخبار کا تراشہ تلاش کر رہی تھی تاکہ مائیک کو دے سکوں لیکن وہ مجھے نظر نہیں آیا۔ ''تم نے یہاں کسی پرانے اخبار کا تراشہ تو نہیں دیکھا؟''

ڈومینی کچھ حیران نظر آنے لگی۔ ''کیا؟''

اسی وقت میرے فون کی گھنٹی بجی۔ وہ مائیک کی کال تھی۔ میں اس کی کال کا جواب دینے لگی۔ تبھی میں نے ڈومینی کو دروازے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔

''مائیک۔'' میں نے کہا۔ ''کمرا نمبر ایک سو چوبیس میں ایک اور لاش ہے۔''

''کیا؟ تم مذاق کر رہی ہو؟''

''کاش یہ مذاق ہی ہوتا۔'' میں نے کہا۔ ''تم آ گئے ہو؟''

''ہاں۔''

''ٹھیک ہے۔ تم مجھے استقبالیہ پر ملو۔''

میں نے دروازہ بند کیا اور ڈومینی کی طرف مڑی۔ وہ کسی

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

سے فون پر بات کر رہی تھی لیکن اس کی نظریں مجھ پر تھیں۔

''میرا خیال ہے کہ تم بھی میرے ساتھ چلو۔'' میں نے کہا۔ ''پولیس والے آگئے ہیں۔''

اس نے سر ہلایا اور فون پر بات کرنے لگی۔ ''ٹھیک ہے۔ ہم لوگ استقبالیہ پر جا رہے ہیں۔ تم اس وقت کہاں ہو؟''

مجھے یوں لگا جیسے وہ کسی مرد سے بات کر رہی تھی۔

''ٹھیک ہے۔ جلدی سے یہاں آجاؤ۔''

میں اب تک پیش آنے والے واقعات کے بارے میں سوچنے لگی۔ شا، جیل سے آنے کے بعد دوبارہ بروک کو بلیک میل کر رہا تھا لیکن میں نہیں سمجھتی تھی کہ بروک کسی کو قتل کر سکتا ہے، وہ تو شا، کی لاش دیکھ کر ہی بیمار نظر آنے لگا تھا۔ اسے کسی اور نے قتل کیا ہوگا۔ میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا اور مجھے بروک کی ایک بات یاد آگئی۔ ''اس نے کسی طرح ڈومینی کے برتھ سرٹیفکیٹ کی ایک نقل حاصل کر لی۔ اس وقت تک کوئی بھی اس کے بارے میں سچ نہیں جانتا تھا۔'' یعنی کسی اور کے پاس ریکارڈو کو قتل کرنے کا جواز تھا۔

''ٹی کے آرہا ہے۔'' ڈومینی راہداری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

مجھے اچانک خیال آیا کہ بروک کا کمرا مقفل تھا لیکن ہمارے اندر داخل ہونے سے پہلے ہی ڈومینی کے پرفیوم کی خوشبو وہاں پھیلی ہوئی تھی۔ اس سے پہلے جب میں بروک سے باتیں کر رہی تھی تو مجھے وہ خوشبو محسوس نہیں ہوئی تھی۔ میرے کمرے سے نکلنے کے بعد دروازہ خودکار طریقے سے مقفل ہو گیا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ بعد میں کوئی کمرے میں آیا تھا جس کے پرفیوم کی خوشبو اس کے جانے کے بعد بھی کمرے کی فضا میں رہی۔

میں نے ڈومینی کی طرف دیکھا۔ وہ عجیب سے انداز میں مسکرا دی۔ ٹی کے، بڑی تیزی سے ہماری طرف آرہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں ایک ایک سیاہ کینوس کا بیگ تھا۔ میں اس موقع پر کوئی ایسی بات نہیں کرنا چاہتی تھی جس سے ٹی کے، کو غصہ آجائے۔ اس وقت مجھے کچھ مہلت درکار تھی۔ اس لیے میں ماحول کو ٹھنڈا رکھنا چاہ رہی تھی۔ میں نے ڈومینی سے کہا۔ ''کیا اب بھی تم اور ٹی کے، ایک ہو؟''

''میں اور ٹی کے؟'' اس نے قہقہہ لگایا۔ ''تمہیں یہ خیال کیسے آیا؟''

''ایک زمانے میں یہ افواہ بڑے زوروں پر تھی۔'' میں نے اپنی رفتار آہستہ کرتے ہوئے کہا۔ ''کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟''

''ایسی خبریں اسٹوڈیو والے اپنے شو کی پبلسٹی کے لیے پھیلاتے ہیں۔'' اس نے کہا پھر میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''آؤ، وہاں چلتے ہیں۔''

میں اس کے ساتھ نہیں جانا چاہتی تھی۔ اچانک ہی اس کہانی کی کڑیاں مجھے ملنے لگیں۔ ریکارڈو نے ڈومینی کو بلیک میل کیا جس کا تعلق شا، اور ٹی کے سے تھا۔ وہ بروک سے بھی ناراض تھا۔ اس لیے جب دونوں کا آمنا سامنا ہوا تو اس نے گھونسا مار کر اس کی ناک زخمی کر دی۔ اس کے بعد کسی نے ریکارڈو کو قتل کر دیا لیکن شا، جانتا تھا کہ ریکارڈو کی قمیص پر کس کا خون ہے۔ وہ جیل جانے تک بروک کو بلیک میل کرتا رہا۔ بیس سال بعد اس نے ایک بار پھر بروک کو بلیک میل کرنا شروع کر دیا لیکن اس نے اپنے نقصان کا ازالہ کرنے کے لیے کسی اور کی گردن پر بھی ہاتھ رکھ دیا۔ وہی جو ریکارڈو کا قاتل تھا اور جس کے پاس اسے قتل کرنے کا محرک بھی تھا کیونکہ ریکارڈو کے پاس اس کے راز تھے۔

ٹی کے اب مجھ سے پندرہ فٹ کے فاصلے پر تھا اور اس کے چہرے کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ وہ یہاں اپنی موجودگی سے خوش نہیں ہے۔ میں نے ان دونوں سے دور ہٹنا شروع کر دیا۔ ڈومینی نے میرا بازو پکڑ لیا اور بولی۔ ''تم کہاں جا رہی ہو؟''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول پر اپنی گرفت مضبوط کر لی اچانک ہی وہ میرے بالکل قریب آگئی اور میں نے اپنی کمر میں کسی چیز کا دباؤ محسوس کیا۔ ''کوئی حرکت کرنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ میں تمہارے پرخچے اڑا دوں گی۔'' اس نے کہا۔

میں رک گئی اور اسی وقت ٹی کے میرے سامنے آگیا۔ ''میں نے ان کا کام کر دیا۔'' اس نے ڈومینی سے کہا۔ ''جیسا کہ تم نے بتایا تھا۔'' پھر وہ میری طرف دیکھ کر بولا۔ ''اس کا کیا مسئلہ ہے؟''

''یہ سب جانتی ہے۔'' ڈومینی نے کہا۔

''اسے کیسے معلوم ہوا؟''

''کوئی بات نہیں۔'' ڈومینی نے کہا۔ ''یہ یہاں پولیس کی مدد کر رہی ہے۔''

ٹی کے، کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا۔ ''اب ہم کیا کریں؟''

''ہمیں یہاں سے فوراً نکلنا ہے اور اسے بھی اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔'' ڈومینی نے کہا۔

''عقبی راستے کی طرف چلو۔''

www.pakistanipoint.com
Waqar Azeem

اس نے مجھے اپنی طرف کھینچا اور ہم طویل راہداری سے گزرتے ہوئے اس دروازے کی طرف جانے لگے جو ملازمین کے لیے مخصوص تھا۔ میں اپنا پستول نکالنا چاہ رہی تھی لیکن اگر وہ مجھے باہر لے جاتے تو میں ان کا تیسرا نشانہ بن جاتی۔

ہمارے عقب سے ایک تیز آواز آئی۔ ''اے، تم تینوں کہاں جا رہے ہو۔ یہیں رک جاؤ۔''

کرولر دوڑتا ہوا آیا اور ایک جھٹکے سے ہمارے سامنے آگیا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے ٹی کے، کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''تم نے بے چارے برونو کو کیوں زخمی کیا؟''

ٹی کے، نے اپنے دائیں پیر سے کرولر کی دونوں ٹانگوں کے درمیان ضرب لگائی۔ وہ زمین پر گر پڑا لیکن ٹی کے نے اسی پر بس نہیں کیا اور وہ اسے ٹھوکریں مارتا رہا۔

''رک جاؤ۔'' میں چلائی۔ ''تم اسے مار دو گے۔''

''یہ پہلی بار نہیں ہوگا۔'' ٹی کے نے کہا۔

''جیسے تم نے ریکارڈو کو مارا تھا؟''

وہ مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ ''تم کیسے جانتی ہو؟''

''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ یہ بہت کچھ جانتی ہے۔'' ڈومینی نے کہا اور دوبارہ میری کمر میں پستول لگاتے ہوئے بولی۔ ''اب آگے بڑھو اس سے پہلے کہ پولیس آجائے۔''

''تم دونوں یہ کیمرا اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔ میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔'' میں نے کہا۔ ''میرے جانے کی ضرورت نہیں۔''

ڈومینی مجھے زور سے دھکا دیتے ہوئے بولی۔ ''چپ ہو جاؤ۔ تم اس پولیس والے سے فون پر بڑی دوستانہ گفتگو کر رہی تھیں۔''

اسی وقت میرے کانوں میں آواز آئی جیسے واشنگ مشین میں کپڑے سکھاتے وقت آتی ہے۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ایک سامان لے جانے والی گاڑی ہماری طرف آرہی تھی اور برونو ایک جھاڑو ہاتھ میں لیے اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ اس نے وہ جھاڑو ٹی کے، کے سر پر ماری پھر مجھے کیمی کی جھلک دکھائی دی جو اس گاڑی کو دھکیل رہی تھی۔

ٹی کے لڑکھڑایا اور ایک جانب گر گیا۔ کیمی نے گاڑی کو جانے دیا اور ڈومینی کا راستہ روک کر کھڑی ہوگئی۔ میں تیزی سے گھومی اور ڈومینی نے گولی چلا دی جو میرے بائیں جانب دیوار پر لگی۔ ڈومینی منہ کے بل نیچے گری اور میں نے پستول نکال کر اس کا ٹریگر دبا دیا۔ وہ بجلی کے جھٹکوں سے وقتی طور پر بے ہوش کرنے والا پستول تھا۔ ڈومینی کا جسم اکڑ گیا۔

میں اس کے ہاتھ سے پستول لینے کے لیے جھکی لیکن ٹی کے، جھکائی دے کر اٹھا اور مجھے دھکیل دیا پھر وہ ڈومینی کا پستول اٹھانے کے لیے آگے بڑھا۔ وہ پستول کے قریب پہنچ چکا تھا کہ کیمی نے اپنی کہنی سے اس کے چہرے پر ضرب لگائی۔ وہ اپنی دائیں جانب گرا اور دیوار سے ٹکرا گیا۔ کیمی نے اس کی قمیص کا کالر پکڑا اور اس کا سر دوسری دیوار سے ٹکرا دیا۔ وہ کپڑوں کے ڈھیر کی طرح بے سدھ ہو گیا۔ کیمی اس کی ٹانگوں پر چڑھ گئی اور اس کی ایک ٹانگ کو اپنی دونوں ٹانگوں کے درمیان رکھ کر مروڑنے لگی۔

''تم نے جو کچھ برونو کے ساتھ کیا، یہ اس کی سزا ہے۔'' اس نے مزید دباؤ بڑھاتے ہوئے کہا۔

میں نے ڈومینی سے پستول چھین لیا اور کیمی سے پوچھا۔ ''تم نے مجھے کیسے تلاش کیا؟''

''اس بدمعاش نے برونو کو زخمی کرنے کے بعد الماری میں بند کر دیا تھا۔'' کیمی نے کہا۔

''میں وہاں سے گزری تو وہ مدد کے لیے چلا رہا تھا۔ اس کے بعد ہم ٹی کے، کو ڈھونڈنے لگے۔ میں کسی پر ظلم ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔''

''مجھے خوشی ہے کہ تم اچھی انسان ہو۔''

''تم مجھے اچھی لڑکی کہہ سکتی ہو۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے اپنا سیل فون نکال کر مائیک کا نمبر ملایا۔ میری آواز سنتے ہی وہ بولا۔ ''تم کہاں ہو؟''

''تم فوراً اس راہداری میں آجاؤ جو عقبی دروازے کی طرف جاتی ہے اور ایمبولینس کو بھی فون کر دو۔ یہاں ایک زخمی شخص موجود ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''وہ ابھی زندہ ہے۔ تم جلدی سے آجاؤ۔ میں دو قاتل تمہارے حوالے کروں گی۔''

''کیا؟ تم نے انہیں خود پکڑا؟''

''نہیں۔'' میں نے اپنے بہادر ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم اسے کشتی کا مقابلہ کہہ سکتے ہو جس میں پہلوانوں کی ٹیمیں حصہ لیتی ہیں۔''

میں نے غلط نہیں کہا۔ کیمی حقیقی زندگی میں پہلوان تھی اور اس مقابلے میں اس نے اپنے فن کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ ٹی کے نے کبھی سوچا بھی نہ ہوگا کہ اس کا واسطہ کسی خاتون پہلوان سے بھی پڑ سکتا ہے لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ انہوں نے بروک کو کیوں قتل کیا۔ وہ تو بے قصور تھا۔

❖❖❖

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

زہر کی بوتل

سیریز: راحت

اصل مجرم تک پہنچنے کے لیے سراغرسانوں کو سخت جدوجہد کرنا پڑتی ہے... تبھی سات پردوں میں چھپے مجرم تک رسائی ممکن ہوتی ہے... خوشبوؤں میں بسی کہانی کے عجیب و غریب زہریلے پیچ و خم...

مہکتی فضاؤں کو زہر سے آلودہ کرنے والے مجرم کی کارروائیاں

تصویر میں وہ آدمی ایک مجسمے کے قدموں میں پڑا ہوا تھا اور اُس کا چہرہ خون میں تربتر تھا۔ وہ قدِ آدم مجسمہ ایک عورت کا تھا جس کے سر پر تاج، دائیں ہاتھ میں تلوار اور بائیں ہاتھ میں ایک سنہری کپ تھا۔

''کیا اسے اسی جگہ قتل کیا گیا ہے؟'' پادرینو نے پوچھا۔

''نہیں۔'' لیفٹیننٹ مارٹینا نے جواب دیا۔ ''خون کی لکیر لیونگ روم سے شروع ہوئی۔ اس کی کھوپڑی پر لوہے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کی سلاخ سے ضرب لگائی گئی جو دروازہ مقفل کرنے میں استعمال ہوتی ہے۔ قاتل نے اسے مرنے کے لیے وہیں چھوڑ دیا ہوگا لیکن وہ اپنے آپ کو گھسیٹتا ہوا یہاں پہنچ گیا۔''

اس نے پادرینو کو ایک کرسی کی تصویر دکھائی جس پر سیاہ دھبے پڑے ہوئے تھے۔ وہ ابھی تک پہلی تصویر کو دیکھ رہا تھا۔ ''یہ سانتا باربرا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''اسے اور لیشا چانگو بھی کہا جاتا ہے۔''

لیفٹیننٹ مارٹینا کافی پُرسکون نظر آرہی تھی۔ ''یہ اچھا ہوا کہ تم بھی ہمارے ساتھ ہو۔'' اس نے کہا۔ ''جب یہ کیس ملا تو میں نے سوچا کہ مجھے ایک ساتھی انسٹرکٹر کی ضرورت ہو گی۔''

مارٹینا، ہوانا پولیس اکیڈمی میں پادرینو کی شاگرد رہ چکی تھی۔ پادرینو پولیس کی ملازمت چھوڑ کر پرائیویٹ سراغ رساں بن گیا لیکن اس کے بعد بھی وہ اور مارٹینا رابطے میں رہے۔ اب ان کی ملاقات مارٹینا کے دفتر میں ہو رہی تھی جو ہوانا کے معروف ترین پولیس اسٹیشن میں تھا۔

''یہ ایک ہائی پروفائل کیس ہے۔'' مارٹینا نے کہا۔ ''مقتول معروف باکسر ہرنانڈو پوماریس تھا۔''

ہیوی ویٹ باکسر پوماریس، 1980ء کے ماسکو اولمپک گیمز میں کیوبا کی نمائندگی کر چکا تھا۔ پادرینو نے اسے روسی چیمپئن سے لڑتے ہوئے دیکھا تھا گو کہ وہ کیوبن باکسر اسٹیونسن کی طرح مشہور نہیں تھا لیکن لوگ اسے باکسنگ مقابلوں کی وجہ سے جانتے تھے لیکن نوے کی دہائی میں وہ منظر سے غائب ہو گیا تھا۔

''میرا خیال تھا کہ پوماریس، کیوبا سے چلا گیا ہے۔'' پادرینو نے کہا۔ ''اس کی کیا عمر تھی؟''

''سڑسٹھ سال۔'' مارٹینا نے جواب دیا۔ ''لیکن اس نے اپنے آپ کو فعال رکھا ہوا تھا۔ کمیٹی آف دی ڈیفنس کی صدر ٹیٹ کا کہنا ہے کہ وہ ہفتے میں کئی بار اپنے بلاک میں دوڑ لگاتا تھا۔ ٹیٹ نے ہی سب سے پہلے اس کی لاش دیکھی۔ وہ اسے کمیٹی کی سالگرہ پارٹی میں شرکت کی دعوت دینے گئی تھی۔ اس نے دروازہ کھلا دیکھا تو اندر چلی گئی۔ اس کی لاش دیکھ کر ٹیٹ پر ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی۔''

''کیا وہاں ایسے آثار تھے کہ کسی نے گھر میں زبردستی داخل ہونے کی کوشش کی ہو؟'' رینو نے پوچھا۔

''نہیں، اس کا کہنا ہے کہ ہر چیز اپنی جگہ پر رکھی ہوئی تھی۔ ابھی تک ہم کسی پر شبہ نہیں کر سکے اور نہ ہی قتل کا محرک معلوم ہو سکا۔''

''کسی کی انگلیوں کے نشانات؟''

مارٹینا تھوڑی سی ہچکچائی۔ ''ہاں لیکن وہ نشانات غلطی سے لگ گئے۔'' اس نے کہا۔ ''جب ٹیٹ نے فرش پر پڑی ہوئی لوہے کی سلاخ دیکھی تو اسے اٹھا لیا۔ اس وقت وہ نہیں جانتی تھی..... لیکن دیکھنے میں لگ رہا تھا کہ اس سلاخ کو صاف کیا گیا ہے۔ اس پر کوئی خون کا دھبا نہیں تھا۔''

پادرینو نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ ''ٹیٹ ایک قابل بھروسا عورت ہے۔'' مارٹینا نے کہا۔ ''اسے اس کمیٹی کی سربراہی کرتے ہوئے بیس سال سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا ہے۔''

''پوماریس کو کب قتل کیا گیا؟'' پادرینو نے پوچھا۔

''پانچ دن قبل۔ ٹیٹ نے اس کی لاش شام چھ بجے دیکھی۔ کورونر کے کہنے کے مطابق وہ آٹھ گھنٹے پہلے مر چکا تھا۔''

مارٹینا نے فائل کیبنٹ سے ایک فائل نکالی اور پادرینو کو دیتے ہوئے بولی۔ ''یہ ایک مختلف کیس ہے گو کہ ابھی تک اسے قتل کا درجہ نہیں دیا گیا۔ انجیلا مورا، ایک بوڑھی عورت جو پوماریس کی طرح تنہا رہتی تھی۔ تین ہفتے قبل اپنے گھر میں مردہ پائی گئی، وہ کنوئیں میں گر گئی تھی۔''

پادرینو نے اپنی بھویں اوپر اٹھائیں۔ ''اپنے گھر میں؟''

''کنواں اس کے عقبی صحن میں ہے گو کہ یہ بہت عجیب حادثہ ہے۔''

''یعنی اس وقت ہمارے پاس دو ایسے کیس ہیں جو تنہا رہتے تھے؟''

''اور آرٹ کے شیدائی تھے۔ پوماریس کے پاس مجسموں کا اچھا ذخیرہ ہے لیکن ہمیں ایک آرٹ ایکسپرٹ نے بتایا کہ وہ کم قیمت کے ہیں۔ اس کے مقابلے میں انجیلا کا ذخیرہ بہتر ہے۔ یہاں تک کہ اس کے پاس رینی پورٹو کا ریروکی بنائی ہوئی پینٹنگ بھی ہے۔''

پادرینو کی دلچسپی بڑھ گئی کیونکہ حال ہی میں رینی کی ایک پینٹنگ تیس ہزار ڈالر میں فروخت ہوئی تھی۔ ''کیا وہ تصویر اس کی موت کے بعد بھی وہاں موجود ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں، شاید اس نے فروخت کر دی ہو۔ انجیلا کا پنشن میں گزارہ نہیں ہوتا تھا اس لیے وہ کئی سالوں سے اپنی چیزیں بیچ رہی تھی۔ ہمیں اس کے گھر میں نقب زنی کے آثار نہیں ملے اور ہم یہ معلوم نہیں کر سکے کہ اس کی کوئی چیز غائب

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ہے۔ انجیلا تنہائی پسند تھی اور بہت کم لوگ اس سے ملنے آتے تھے۔''

''کیا پوماریس بھی اپنی چیزیں بیچتا تھا؟''

''کبھی کبھی۔ اسے کچھ بیچنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے پاس روزمرہ خریداری کے لیے کافی رقم تھی۔ ٹیٹ نے مجھے بتایا ہے کہ وہ اکثر دودھ اور گوشت بلیک مارکیٹ سے خریدتا تھا۔''

پادرینو مسکرا دیا۔ ہوانا میں بہت سے لوگ بلیک مارکیٹ سے کھانے پینے کی اشیا خریدتے تھے جن میں وہ بھی شامل تھا۔

''کیا انجیلا اور پوماریس ایک دوسرے کو جانتے تھے؟''

''میں ایسا نہیں سمجھتی۔ مجھے ان دونوں کیسز میں جو مماثلت نظر آئی۔ وہ صندل کی لکڑی کی تیز خوشبو تھی جو میں نے انجیلا کے مکان کی تلاشی کے دوران محسوس کی۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ خوشبو ان صندل کی لکڑی سے بنے ہوئے پنکھوں سے آرہی ہوگی جو اس کے بیڈروم میں لگے ہوئے ہیں۔ پوماریس کے گھر میں بھی ایسی ہی خوشبو تھی لیکن وہاں کوئی پنکھا بھی نہیں تھا۔''

''کیا وہ خوشبو لوبان جیسی تھی؟''

''نہیں، وہ زیادہ تیز تھی جیسے کوئی نباتاتی آئل۔ کیا اس کا کوئی تعلق مذہب سے ہے؟''

''صندل وڈ کو اوشون، سے ملایا جاتا ہے جو محبت کی دیوی ہے۔'' پادرینو نے کہا۔

''کیا انجیلا اور پوماریس مذہب پر یقین رکھتے تھے؟''

''ہم اس بارے میں زیادہ نہیں جانتے۔ انجیلا کیتھولک تھی اور ٹیٹ کا کہنا ہے کہ پوماریس نے کبھی مذہب کے بارے میں بات نہیں کی۔ اسے یاد نہیں کہ پہلے بھی اس نے پوماریس کے گھر میں صندل کی خوشبو محسوس کی ہو۔ میرا خیال ہے کہ اس نے اس پر توجہ دی ہوگی۔ وہ ٹوہ لینے والی عورت ہے۔''

''میں اس سے ملنا چاہوں گا۔'' پادرینو نے کہا۔

☆☆☆

ٹیٹ ایک دبلی پتلی ساٹھ سالہ عورت تھی۔ اس نے پورچ میں پادرینو کا استقبال کیا اور اسے لیونگ روم میں لے گئی۔ ''میں ابھی تک صدمے کی کیفیت میں ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''میں یقین نہیں کرسکتی کہ اپنے پیارے پوماریس کو دوبارہ نہیں دیکھوں گی۔''

اس نے پلکیں جھپکائیں اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ''معاف کرنا۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''پلیز بیٹھ جاؤ۔ میں تمہاری کیا مدد کرسکتی ہوں۔ میں اس شخص کو تلاش کرنے میں ہر ممکن تعاون کروں گی جس نے ہمارے ملک کے نامور کھلاڑی کو قتل کیا ہے۔''

پادرینو کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''مجھے اس کے بارے میں بتاؤ۔''

''میں کیا بتا سکتی ہوں؟ ہر شخص اس سے محبت کرتا تھا۔ وہ بہت مشہور اور امیر شخص تھا۔ البتہ وہ لوگوں سے ملنا جلنا پسند نہیں کرتا تھا لیکن اس نے کبھی ان لوگوں سے بدتمیزی نہیں کی جو اس سے آٹوگراف یا تصویر کے لیے کہتے تھے۔''

''تم اُسے کب سے جانتی تھیں؟''

''تقریباً تیس سال سے۔ ہم ایک دوسرے سے بہت قریب تھے۔ میں روزانہ اس کے گھر جاتی تھی اور وہ بھی مجھ سے ہیلو ہائے کرنے آتا تھا۔ جب وہ بیمار تھا تو میں نے اس کے لیے کھانا بھی بنایا۔ میں اس کی بہن کی طرح تھی۔''

سڑک پر بچے بیس بال کھیل رہے تھے۔ ان کا شور سن کر وہ پورچ میں گئی اور انہیں ڈانٹ کر بھگا دیا۔ ''کچھ لوگوں کو حیرانی ہوتی تھی کہ وہ کسی اچھی جگہ کیوں نہیں چلا جاتا لیکن وہ اپنے لوگوں کے درمیان رہنا چاہتا تھا۔ وہ ان علاقوں میں نہیں رہنا چاہتا تھا جہاں غیر ملکی بڑی بڑی کاروں میں پھرتے تھے۔ وہ یہاں اس کی تلاش میں آتے تھے۔''

''بڑی کاروں میں کون لوگ آتے تھے؟'' پادرینو نے پوچھا۔

''ہاں جیسے وہ امریکن جو نیلی مرسیڈیز میں اس سے بزنس کرنے آتا تھا۔''

''کس طرح کا بزنس؟''

''پوماریس نے اپنے عروج کے زمانے میں ساری دنیا کا سفر کیا تھا۔'' ٹیٹ نے فخریہ انداز میں کہا۔ ''وہ مختلف ملکوں سے پینٹنگز، مجسمے اور بہت کچھ لے کر آیا تھا۔ وہ امریکن یہ چیزیں لینا چاہ رہا تھا۔ میں نے کبھی امریکیوں پر بھروسا نہیں کیا۔ میرا بس چلے تو انہیں یہاں سے نکال دوں۔''

پادرینو نے تصور میں اسے امریکی سفارت خانے کے سامنے مظاہرہ کرتے اور نعرے لگاتے دیکھا۔ ''امریکیو!

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

گھر جاؤ۔"

"میں نے اس پر نظر رکھی ہوئی تھی۔ وہ مجھے کافی مشکوک لگتا تھا جب کئی سال پہلے اس نے پوماریس کے پاس آنا شروع کیا تو میں نے فوراً اس کی رپورٹ کی۔ خفیہ نگرانی کے انچارج نے پہلے تو اس معاملے میں دلچسپی لی لیکن بعد میں یہ کہہ کر معاملہ ختم کر دیا کہ اس شخص نے حکومت سے کاروبار کرنے کی اجازت لے رکھی ہے، وہ پرفیوم بناتا تھا۔"

پادرینو چوکنا ہو گیا۔ "کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ پرفیوم بناتا تھا؟"

"ہاں، خفیہ نگرانی کے انچارج نے بتایا تھا کہ اس نے کچھ متاثر کن پرفیوم تیار کیے ہیں۔ میں کہتی ہوں کہ ہمیں امریکیوں کی کیا ضرورت ہے کہ وہ یہاں آئیں اور ہمارے لیے خوشبوئیں تیار کریں جبکہ ہمارے یہاں خود بہت اچھے پرفیوم بنتے ہیں۔"

"بالکل، ہمارے پرفیوم بہت اچھے ہوتے ہیں۔" پادرینو نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "کیا تمہیں اس آدمی کا نام معلوم ہے؟"

"نہیں لیکن میں تمہیں انچارج کا نمبر دے سکتی ہوں۔ اس نے مجھے اس کے سوا کچھ نہیں بتایا لیکن اسے تمہارے سوالوں کا جواب تو دینا ہی پڑے گا۔"

"مجھے یہی امید ہے۔" پادرینو نے جواب دیا۔ "کیا تم مجھے اس بزنس کے بارے میں بتا سکتی ہو جو وہ آدمی پوماریس کے ساتھ کر رہا تھا؟"

"میں نہیں جانتی۔ جب انچارج کو معلوم ہوا کہ اس شخص کو اوپر سے کاروبار کرنے کی اجازت مل چکی ہے تو اس نے بھی پروا کرنی چھوڑ دی البتہ میں اپنے طور پر اس کی نگرانی کرتی رہتی تھی اور پوماریس سے بھی اس کے بارے میں پوچھتی رہتی لیکن اس نے بھی کوئی بات نہیں کی۔ میں تمہیں صرف اتنا بتا سکتی ہوں کہ وہ آدمی اکثر پوماریس کے گھر سے باکس لے کر نکلتا تھا۔"

"کیا تم سمجھتی ہو کہ پوماریس اس شخص کو وہ چیزیں بیچ رہا تھا جو اس نے جمع کی تھیں؟"

"اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے لیکن پوماریس کے پاس کچھ نئے آرٹسٹ بھی اپنا کام لے کر آتے تھے۔ ممکن ہے کہ اس نے ان کی چیزیں بیچی ہوں لیکن وہ ان سے اکتا گیا تھا۔ ان میں سے کچھ بے کار تھیں۔"

"وہ نوجوان آرٹسٹ کون تھے؟"

"ان میں سے ایک نقاشی کرتا تھا اور دوسری ایک جوان عورت تھی جو قدِ آدم مجسمے بناتی تھی۔ میرے قد سے بھی زیادہ اونچے۔ میں نہیں جانتی کہ وہ کس طرح یہ کام کرتی تھی کیونکہ اس کا قد چھوٹا تھا۔ میں نے اسے پانچ فٹ اونچا سانتا باربرا کا مجسمہ کار سے نکال کر پوماریس کے گھر لے جاتے ہوئے دیکھا ہے۔"

"یہ کب کی بات ہے؟" پادرینو نے پوچھا۔

"سات مہینے پہلے۔ پوماریس کے پاس اسی آرٹسٹ کا بنایا ہوا سان لیزارو، کا مجسمہ بھی تھا اگر تم اسے آرٹ کہہ سکو۔" وہ کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔ "اگر میں مذہب پر یقین رکھتی تو کبھی سینٹ کا مجسمہ بیچنا پسند نہ کرتی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" پادرینو نے کہا۔

ٹیٹ اس گفتگو کے دوران پہلی بار مسکرائی۔ "کیا تم پوماریس کے گھر جانا پسند کرو گے؟" اس نے پوچھا۔ "میرے پاس چابی ہے۔ مارٹینا نے مجھے اجازت دی ہے کہ تمہیں اور اس کیس پر کام کرنے والے دوسرے لوگوں کو وہ جگہ دکھا دوں۔ وہ جانتی ہے کہ میں ذمے دار اور ہمیشہ چوکنا رہتی ہوں۔"

☆☆☆

پوماریس کے مکان پر نیلا پینٹ تھا۔ پادرینو نے سامنے والے دروازے پر ایک سیکیورٹی اسکرین اور کھڑکی پر دو لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی دیکھیں۔ جب سراغ رسانوں نے ثبوت جمع کر لیے تو اس جگہ کو صاف کر دیا گیا لیکن ٹیٹ کو وہ منظر یاد تھا۔ "یہاں خون پڑا ہوا تھا۔" اس نے کرسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا جس کے کور پر ابھی تک سیاہ دھبے نظر آ رہے تھے۔ "اسے دیکھ کر میں پریشان ہو گئی پھر میرا پاؤں لوہے کی سلاخ سے ٹکرایا اور میں نے اسے اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا۔"

لیونگ روم کا فرنیچر پرانا لیکن صاف ستھرا تھا۔ اس میں ایک صوفہ، کافی کی گول میز اور ایک شوکیس شامل تھا جس میں پوماریس کی ٹرافیاں رکھی ہوئی تھیں۔

"وہ میری حماقت تھی۔" ٹیٹ نے نیچے دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے معلوم ہونا چاہیے تھا۔ اب میری انگلیوں کے نشان اس سلاخ پر آ گئے ہوں گے۔ میں نے مارٹینا کو بتا دیا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔" پادرینو نے کہا۔ "پھر کیا ہوا؟"

"میں ڈائننگ روم میں آئی اور وہاں وہ..."

ڈائننگ روم اتنا بڑا تھا کہ ایک مہاگنی کی میز، چھ

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کرسیاں، ایک پنجرہ اور سانتا باربرا کا مجسمہ بھی اسے پوری طرح نہ بھر سکا۔ اس مجسمے کی نیلی آنکھیں سنہرے بال اور گلابی گال تھے۔ اسے سرخ لباس پہنایا گیا تھا اور ہاتھ میں تلوار تھی جس پر سلور کلر کیا گیا تھا۔

ماسٹر بیڈ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ بستر کے بائیں جان ایک آدمی کا مجسمہ کھڑا تھا۔ اس نے نارنجی رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ اس کی بھی آنکھیں نیلی اور بھرے ہوئے گال تھے۔ سنہری داڑھی چھاتی تک آرہی تھی۔ پادرینو اسے اچھی طرح دیکھنے کے لیے آگے بڑھا۔

''یہ سان لیزارو کا مجسمہ ہے۔'' ٹیٹ نے کہا۔

''کیا یہ بھی اس جوان عورت نے بنایا تھا؟'' پادرینو نے پوچھا۔

''میرا یہی خیال ہے۔''

''تم اس کے بارے میں کیا جانتی ہو؟''

''کچھ زیادہ نہیں۔ میں اسے بڑے بیگ والی چھوٹی لڑکی کہا کرتی تھی کیونکہ اس کی کمر پر ہمیشہ وہ بیگ ہوتا تھا لیکن وہ دیکھنے میں اچھی عورت تھی گو کہ اس کا آرٹ اچھا نہیں تھا۔''

اس مجسمے کے پیچھے والی دیوار پر پادرینو نے تین چوکور فریموں میں تصویری خاکے دیکھے جو مدھم ہونے کے باوجود نظر آرہے تھے۔

''یہ کیا ہے؟'' اس نے ٹیٹ سے پوچھا۔

اس نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا پھر وہ کہنے لگی۔ ''میں صرف ایک مرتبہ اس کے بیڈ روم میں آئی تھی جب اسے نمونیا ہوگیا تھا۔'' وہ ہکلا رہی تھی۔ ''مجھے ان چھوٹے شیطانوں کی بدصورت تصویریں ٹھیک طرح یاد نہیں ایسی چیزیں میں سونے سے پہلے نہیں دیکھنا چاہتی۔''

یہ کہہ کر اس نے کمرے کا دروازہ بند کیا اور لیونگ روم میں آگئی۔ ''جب میں نے پو ماریس کو دیکھا تو وہ بالکل سخت اور برف کی طرح سرد تھا۔'' اس نے کہا۔ ''میں نے اسے بمشکل اپنی جگہ سے ہلایا وہ بہت بھاری بھرکم تھا۔''

''ایسا شخص جو اپنا دفاع کرنا جانتا تھا۔'' پادرینو نے کہا۔ ''یہ بڑی عجیب بات ہے کہ تمہیں یہاں کسی جدوجہد کے آثار نہیں ملے یا کم از کم کوئی چیز اِدھر اُدھر ہوتی؟''

''ہاں واقعی یہ عجیب بات ہے۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اب بھی چوروں کا مقابلہ کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ سو نہ رہا ہو۔''

''جب قاتل نے اس پر حملہ کیا تو وہ یہاں بیٹھا ہوا تھا۔'' پادرینو نے کرسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ہوسکتا ہے کہ وہ بیٹھے بیٹھے سو گیا ہو؟''

''مجھے اس پر شبہ ہے۔ اسے دن میں سونے کی عادت نہیں تھی اور رات میں جب وہ دروازے اور کھڑکیاں بند کرلیتا تو یہ مکان ایک قلعہ بن جاتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ تھوڑا سا خوف زدہ تھا گو کہ اس نے کبھی اعتراف نہیں کیا۔ وہ اس عمر میں تنہا نہیں رہنا چاہتا تھا لیکن اس نے اس وقت بھی دوسری شادی نہیں کی جب اسے موقع ملا تھا۔''

یہ کہتے ہوئے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا اور وہ اپنا نچلا ہونٹ کاٹنے لگی۔

''کیا اس کے بچے نہیں تھے؟''

''نہیں، وہ عورتوں میرا مطلب ہے جوان عورتوں کو پسند کرتا تھا لیکن صرف تھوڑی دیر کے لیے۔''

''کیا ان عورتوں سے کبھی تمہاری ملاقات ہوئی؟''

''نہیں۔''

''کیا اس کی موت والے دن تم نے کوئی مشتبہ بات دیکھی؟''

''نہیں، اس روز صبح میں ایک میٹنگ تھی اور میری واپسی ایک بجے کے قریب ہوئی۔ میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ اس کے بعد پو ماریس کے گھر میں کوئی داخل نہیں ہوا۔ وہ یقیناً اس وقت آیا ہوگا جب میں باہر گئی ہوئی تھی۔''

''تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ اسے کون قتل کرسکتا ہے؟''

''نہیں، جہاں تک میرے علم میں ہے، اس کا کوئی دشمن نہیں تھا لیکن.....'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔ ''وہ امریکی آخری شخص تھا جو اس سے ملنے آیا۔ وہ اس کی موت سے ایک دن پہلے یہاں آیا تھا۔''

''اس پر مجھے یاد آیا۔'' پادرینو نے کہا۔ ''مارٹینا نے صندل وڈ کی خوشبو کا ذکر کیا تھا۔ کیا تم جانتی ہو کہ وہ کہاں سے آئی؟ کیا پو ماریس کوئی پرفیوم استعمال کرتا تھا؟''

''نہیں، اسے پرفیوم کا شوق نہیں تھا۔'' اس نے کہا۔ ''میں نہیں بتا سکتی کہ وہ کہاں سے آئی لیکن تم جانتے ہو کہ میں کس کے بارے میں سوچ رہی ہوں؟''

☆☆☆

پو ماریس کے گھر سے نکلنے کے بعد پادرینو، سینٹر فار سرویلنس اینڈ پروٹیکشن گیا جو سینٹرل ہوانا ڈسٹرکٹ کی نگرانی کرتا تھا لیکن وہاں کا انچارج گھر جاچکا تھا جبکہ ابھی پونے تین بجے تھے۔

گھر آنے کے بعد اس نے انٹرنیٹ کھولا اور کیوبن

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

آرٹ، مجسموں اور سانیتریا کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بہت سے لوگوں نے اپنے آپ کو آرٹسٹ کے طور پر متعارف کروایا تھا پھر اس نے ایک آن لائن میگزین میں ایک آرٹیکل پڑھا جس میں ایک نوجوان مجسمہ ساز گلوریا گیلارڈو کا ذکر تھا۔ اس نے اپنے مجسموں کے ساتھ تصویر بھی کھنچوائی تھی گو کہ صحافی نے اسے مستقبل کی کامیاب آرٹسٹ قرار دیا تھا لیکن پادرینو کو ویب سائٹ پر اس کے بارے میں مزید معلومات نہ مل سکیں چنانچہ اس نے نیشنل گلڈ آف کیوبن رائٹرز اور آرٹسٹ کو فون کیا۔

''گلوریا گیلارڈو، ہماری ممبر ضرور ہے لیکن زیادہ ایکٹو نہیں۔'' گلڈ کے سیکریٹری نے بتایا۔ ''اس نے بیرونِ ملک جانے کے لیے اجازت مانگی تھی جو اسے فوراً ہی مل گئی۔ اس میں عام طور پر چھ مہینے سے ایک سال لگ جاتا ہے۔ دراصل اس کے کافی تعلقات ہیں۔''

گلڈ کے سیکریٹری نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ گلوریا کے دادا نے فیڈرل کاسترو کے ساتھ لڑائی میں حصہ لیا تھا۔ وہ اپنے انتقال تک گارشیا اسپتال کا ڈائریکٹر جنرل رہا۔ اب اس کا بیٹا گیلارڈو اسی اسپتال میں سرجن کے طور پر کام کر رہا تھا۔

''میں اسے مشتبہ نہیں سمجھتی لیکن اگر تم اس سے بات کرنا چاہتے ہو تو اسے یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ تم میرے ساتھ کام کر رہے ہو۔'' مارٹینا نے کہا۔ ''میں پارٹی کے لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔''

ڈاکٹر گیلارڈو نے اس وقت بھی سفید کوٹ پہن رکھا تھا جب پادرینو نے اس کے دروازے پر دستک دی اور اپنا تعارف گلوریا کے فن پاروں کے ایک خریدار کے طور پر کروایا۔ ''تمہاری بیٹی نے آرٹ کی دنیا میں بڑی تیزی سے نام بنایا ہے۔'' اس نے یقین دلانے کے انداز میں کہا۔

ڈاکٹر گیلارڈو اس تعریف سے بالکل متاثر نہیں ہوا بلکہ وہ کچھ ناراض لگ رہا تھا۔ اس نے پادرینو کے گلے میں پڑے ہوئے نیکلس پر نظر ڈالی اور ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولا۔ ''اندر آجاؤ۔''

لیونگ روم میں گلوریا کا آرٹ کیس نظر نہیں آیا۔ البتہ وہاں، دو ایرانی قالین، ایک صوفہ، تین کرسیاں اور ایک کرسٹل کا فانوس لٹکا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ایک دیوار پر گلوریا کی بچپن سے لے کر جوانی کی تصویریں آویزاں تھیں۔

پہلے تو گیلارڈو نے اپنی بیٹی کے کام پر گفتگو کرنے سے احتراز کیا لیکن پادرینو کے مجبور کرنے پر وہ بولا۔ ''میں نہیں جانتا کہ وہ کیوں اس کام میں پڑ گئی۔ ہمارا کسی مذہب سے کوئی واسطہ نہیں لیکن تم جانتے ہو کہ نوجوان طبقہ کس طرح روایات سے انحراف کرتا ہے۔''

''کیا تمہیں اس کے کام پر فخر محسوس نہیں ہوتا؟''

''اگر وہ میرے نقشِ قدم پر چلتی تو میں زیادہ خوش ہوتا۔ وہ سرجن نہیں تو ایک اچھی فیملی ڈاکٹر ہی بن جاتی۔ اس کا اپنا کلینک اور گھر ہوتا لیکن نہیں بنی۔ وہ میرے ساتھ رہتی ہے اور میرے گیراج کو ورکشاپ کے طور پر استعمال کرتی ہے۔''

اس سے پہلے کہ پادرینو کوئی جواب دیتا۔ گلوریا آندھی اور طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوئی۔ ''گڈ آفٹرنون۔'' اس نے اپنا بیگ زمین پر رکھا۔ ''مجھے جس مٹی کی ضرورت تھی وہ مل ہی گئی۔ اسے تلاش کرنے میں پورا ایک ہفتہ لگ گیا۔''

گلوریا کا قد پانچ فٹ سے بھی کم تھا۔ اس کے بال سنہرے، بڑی بڑی آنکھیں اور گڑیا جیسی چھوٹی ناک تھی۔ وہ مڑی اور اپنا بیگ گھسیٹ کر جانے لگی۔ پادرینو نے محسوس کیا کہ وہ اسے کوئی ملاقاتی یا ڈاکٹر کا مریض سمجھ رہی ہے۔

''معاف کرنا۔'' اس نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''میں تمہارے فن کا مداح ہوں اور تم سے ملنے آیا تھا۔''

وہ جاتے جاتے رک گئی اور مسکراتے ہوئے بولی۔ ''واقعی؟''

وہ دونوں چلتے ہوئے گیراج تک آئے جسے گلوریا نے ورکشاپ بنا رکھا تھا۔ وہاں ہر طرف رنگوں کے ڈبے، برش اور نامکمل مجسمے رکھے ہوئے تھے۔ گلوریا نے فریج کھولا، اس میں بیئر کی بوتلیں، انگوئیسیب اور کھانے پینے کی اشیا رکھی ہوئی تھیں جو صرف ڈالروں میں خریدی جا سکتی تھیں۔ پادرینو کے منہ میں پانی بھر آیا۔

''تم کچھ کھانا پسند کرو گے؟'' گلوریا نے پوچھا۔

''اوہ ہاں، یقیناً۔''

گلوریا نے ایک پلیٹ میں پنیر اور بھنے ہوئے گوشت کے ٹکڑے نکالے اور پادرینو کو پکڑا دی۔ اس نے ایک ٹکڑا منہ میں رکھا اور بولا۔ ''بہت مزے دار ہے۔''

''شکریہ۔'' گلوریا نے کہا۔ ''تمہیں کس چیز کی تلاش ہے؟''

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''اوشون۔'' پادرینو نے محبت کی دیوی کا نام لیا۔

''وہ میری بھی پسندیدہ ہے۔ میں نے دو ہفتے پہلے اس کا مجسمہ بنانا شروع کیا تھا لیکن میں اسے میکسیکو سٹی لے جا رہی ہوں۔ لہٰذا تمہیں انتظار کرنا پڑے گا۔''

''کیا وہاں تمہاری کوئی نمائش ہے؟''

''ہاں، اگر مجھے وقت پر ویزا مل گیا۔ تم جانتے ہو کہ سرخ فیتے کی وجہ سے کیا مسائل ہو سکتے ہیں۔ تمہیں کچھ اور چاہیے؟''

''نہیں شکریہ، بس اتنا ہی کافی ہے۔''

''مجھے کھانے کا بہت شوق ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔ ''لیکن مجھے محتاط رہنا پڑتا ہے کیونکہ میرا قد چھوٹا ہے اور میں وزن بڑھنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔''

اس نے آنکھ ماری اور پادرینو سوچنے لگا کہ کیا یہ لڑکی اس کے ساتھ فلرٹ کر رہی ہے؟

''تمہارا وزن اتنا زیادہ تو نہیں ہے۔'' اس نے کہا۔

''میں تمہیں ایک اسٹوری دکھاتی ہوں جو میرے بارے میں لکھی گئی تھی۔'' اس نے دوبارہ آنکھ ماری۔ ''میں نے کہاں رکھ دیا؟ اوہ، یہ رہا۔''

اس نے ایک نامکمل مجسمے کا سر اٹھایا اور اس کے نیچے سے اس مضمون کی کاپی نکال لی جو پادرینو نیٹ پر پڑھ چکا تھا۔ اس نے دوبارہ اس پر نظر ڈالی۔ وہ کافی مبہم اور مبالغہ آمیز تھا۔ اسے شبہ ہوا کہ یہ مضمون اس کے دادا کو خوش کرنے کے لیے لکھا گیا ہے جو ایک مشہور اور بااثر شخص تھا۔

''امید ہے کہ میکسیکو میں مجھے زیادہ کوریج ملے گی۔ وہاں میرے کام کو پسند کیا جاتا ہے۔ کیا تم یقین کرو گے کہ وہ میرا موازنہ فریڈا کاہلو سے کرتے ہیں؟''

پادرینو نے کوئی جواب نہیں دیا۔ گلوریا میں کوئی ایسی بات تھی جس سے اسے جھنجلاہٹ تھی، وہ اسے کوئی نام نہ دے سکا لیکن اسے یوں لگا جیسے اس کے جوتے میں کوئی کنکر آ گیا ہو۔

اسے چھینک آنے لگی۔ اس کے اردگرد پڑا ہوا لکڑی کا برادہ، مٹی اور رنگ کی بُو اس کی ناک میں گدگدی کر رہی تھی۔ میز پر ایک بڑے جار کے ساتھ ہی ایتھر کی بوتل بھی رکھی ہوئی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا یہ بوتل ڈاکٹر گیلارڈو کے آپریشن روم سے آئی ہے۔ گلوریا نے اس کے دیکھنے کا نوٹس لیا اور معذرت خواہانہ انداز میں بولی۔

''مجھے تارپین کا تیل کہیں نہیں ملا۔ یہی وجہ ہے کہ میں اچھا رنگ اور دوسری چیزیں خریدنے کے لیے بیرونِ ملک سفر کرتی ہوں۔''

اس نے ایک بار پھر بالوں پر ہاتھ پھیرا اور بولی۔

''تم نے میرے بارے میں کس سے سنا؟''

پادرینو کو اسے کُریدنے کا موقع مل گیا۔ ''میں نے ایک دوست کے گھر تمہارا کام دیکھ کر تعریف کی تھی۔ اسی نے تمہارے بارے میں بتایا۔ بے چارہ پومارس، کیا تم جانتی ہو کہ اس کے ساتھ کیا ہوا؟''

گلوریا کا چہرہ ڈھلک گیا۔ ''مجھے بہت افسوس ہے۔ وہ اچھا انسان تھا۔ میرے کام کا بہترین خریدار۔ میں سوچ رہی تھی کہ کیا میرے مجسمے بھی چوری ہو گئے جو میں نے اسے

بارہ بجے

امرتسر کے سردار دوسری برادریوں کے ان طعنوں سے تنگ آ گئے کہ بارہ بجے سکھوں کی عقل سونے چلی جاتی ہے۔ ہر زبان سے یہ سن کر ان کے سیانوں نے فیصلہ کیا کہ دن کے بارہ بجے گھنٹا گھر پر سارے سردار جمع ہو کر دیکھیں کہ بارہ بجے کچھ نہیں ہوتا۔ یوں وہ اس لعنت سے نجات حاصل کر لیں گے۔

مقررہ دن بارہ بجنے سے پہلے ہی امرتسر کے سارے سکھ گھنٹا گھر پر امڈ آئے۔ سب کی نظریں گھڑیال پر تھیں۔ سوئیاں سرکتی رہیں... پھر بارہ بجنے میں صرف تین منٹ رہ گئے۔ سب لوگ ہیجان میں مبتلا تھے۔ وقت گزرتا رہا لیکن گھڑیال کی سوئیاں وہیں رکی رہیں۔ جب ان کی دستی گھڑیوں میں پندرہ منٹ اور گزر گئے تو سب کو تشویش ہوئی۔ چند ہوشیار سکھ گھنٹا گھر کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چل دیے تاکہ دیکھیں کہ ماجرا کیا ہے۔ وہ گھڑیال برسوں سے ٹھیک وقت دیتا آ رہا تھا، اس اہم وقت پر اس میں کیا خرابی آ گئی تھی۔

وہ اوپر پہنچے تو دیکھا ایک سردار گھنٹے کے پنڈولم سے لٹکا ہوا تھا۔ اس کے منہ سے جھاگ اڑ رہے تھے اور اس نے بس ایک ہی جملے کی رٹ لگائی ہوئی تھی۔ ''آج میں بارہ ہی نہیں بجنے دوں گا...''

بھکر سے دانش نواز کا چٹکلا

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

فروخت کیے تھے جب.....''

پادرینو اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا۔ ''کون جانتا ہے پوماریس جیسے بوڑھے جن کے ساتھ فیملی نہیں ہوتی، وہ مجرموں کے لیے آسان شکار ثابت ہوتے ہیں۔ کیا تم نے انجیلا مورا کے بارے میں بھی سنا؟''

''ہاں۔'' گلوریا نے جواب دیا۔ ''لیکن وہ ایک حادثہ تھا۔''

''کیا تم اُسے جانتی تھیں؟''

''اس آرٹ کے کاروبار میں ہم سب ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ وہ عطر ساز دیمتری راڈو.....''

اچھا تو اس کا یہ نام تھا لیکن یہ امریکی تو نہیں لگتا۔ بہرحال پادرینو نے اسے پہچان لیا اور بولا۔ ''تم اسے بھی جانتی ہو؟''

''میں ذاتی طور پر اس سے نہیں ملی لیکن لوگ کہتے ہیں کہ وہ اچھا خریدار ہے اور ان لوگوں میں سے نہیں جو ہمیشہ قیمت کم کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھے جانتا ہے۔''

اس کی آواز میں مایوسی جھلک رہی تھی۔ ''میں خود بھی سودے بازی پسند نہیں کرتا۔'' پادرینو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''لیکن تم جانتی ہو کہ میں چیزیں جمع نہیں کرتا۔ میں پادری ہوں اور مجھے مذہبی مقاصد کے لیے اوشون چاہیے۔''

گلوریا نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ ''میں تمہیں اپنی اگلی اوشون، دو سو ڈالر میں دوں گی۔'' اس نے کہا۔ ''حالانکہ میں ہمیشہ اس کے تین چار سو ڈالر لیتی ہوں۔''

''شکریہ۔''

''مجھے خوشی ہوگی میرے دوست۔ بہرحال تم بھی میری طرح مذہب پر یقین رکھتے ہو۔''

پادرینو اس سے دور ہٹتے ہوئے بولا۔ ''کیا تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ پوماریس کو کون قتل کرسکتا ہے؟''

''نہیں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ ''لیکن اتنی قیمتی چیزوں کے ساتھ تنہا رہنا مصیبت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں ان چیزوں کے ساتھ اس گھر میں اپنے آپ کو محفوظ سمجھتی ہوں۔''

اس نے اپنے مجسموں کی طرف اشارہ کیا۔ پادرینو بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کرسکا۔

اگلے روز وہ خفیہ نگرانی کے انچارج سے ملا۔ اسے عطر ساز کا پتا معلوم کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی لیکن اسے ٹیٹ کے بارے میں بھی بہت کچھ معلوم ہوگیا۔''

وہ بوڑھی گائے پاگل ہے۔ اس کی ہرنانڈو پوماریس پر نظر تھی۔ وہ اس کے گھر مختلف بہانوں سے روز جایا کرتی تھی۔ یہاں تک کہ اس نے اسے اندر آنے سے منع کردیا۔''

''اس نے اس کا ذکر نہیں کیا۔'' پادرینو نے کہا۔

''وہ نہیں کرے گی۔ وہ اس طرح ظاہر کرتی ہے جیسے وہ بہت قریبی دوست تھے کیونکہ ماضی میں پوماریس نے اس کے ساتھ ہم بستری کی تھی جب وہ دونوں جوان تھے۔''

''تم یہ کیسے جانتے ہو؟''

''پوماریس نے خود مجھے بتایا تھا جب وہ میرے ساتھ بیٹھا ہوا شراب پی رہا تھا۔ تمام پڑوسی بھی جانتے ہیں۔ ٹیٹ کو امریکیوں اور سی آئی اے کا خبط ہوگیا تھا۔ وہ شخص دیمتری راڈو جس کی تمہیں تلاش ہے، امریکن نہیں بلکہ بلغاریہ کا رہنے والا ہے۔ وہ اسّی کی دہائی میں یہاں رہتا تھا اور دس سال پہلے واپس آیا ہے وہ بے ضرر ہے لیکن ٹیٹ.....اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو اس پر نظر رکھتا۔''

☆☆☆

دیمتری راڈو کا مکان ایل کیرو اسٹریٹ پر واقع تھا۔ اس کے کار پورچ میں ایک نیلے رنگ کی مرسیڈیز کھڑی ہوئی تھی۔ دیمتری اسے صحن میں لے گیا اور وہ آرام کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ پادرینو نے اسے اپنا پرانا پولیس کا کارڈ دکھایا اور کہا کہ وہ ہرنانڈو پوماریس کے کیس پر کام کررہا ہے۔

''میں اس کا دوست تھا۔'' اس نے ہسپانوی لہجے میں کہا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تم لوگ یہاں سوالات کرنے آئے ہو لیکن مجھے اس میں کوئی مسئلہ نہیں۔ میرے پاس چھپانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ ایک لحاظ سے میں مشہور شخصیت ہوں۔''

پادرینو کو یوں لگا جیسے وہ بھی گلوریا کی طرح اپنی اہمیت جتا رہا ہے۔ دیمتری نے اس کا نوٹس لیا۔ ''تمہیں گاٹونیگرو' یاد ہے؟'' اس نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''ہاں، میری بیوی نے ایک بوتل حاصل کرنے کے لیے تین گھنٹے لائن میں لگ کر انتظار کیا تھا۔''

دیمتری نے کہا۔ ''وہ پرفیوم میں نے بنایا تھا۔'' اس نے اپنے کام کے بارے میں کچھ تفصیل بتائی پھر گفتگو کا رخ دوبارہ پوماریس کی جانب آگیا۔

''میری اس سے ملاقات ان دنوں ہوئی جب وہ فرینڈ شپ گیمز میں حصہ لے رہا تھا۔'' دیمتری نے کہا۔ ''پھر جب میں 2006ء میں دوبارہ کیوبا واپس آیا تو ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح جاننے لگے۔''

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

''تم واپس کیوں آئے؟''

''مجھ سے یہ سوال کئی بار پوچھا گیا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''میں ہمیشہ سچ بتاتا ہوں میرا تعلق کیوبا سے ہے گو کہ یہاں زندگی آسان نہیں ہے۔ مثلاً میں نے مرسیڈیز خریدی جو آئے دن خراب رہتی ہے۔ اس کے پارٹس نہیں ملتے لیکن میں یہاں کے لوگوں کو پسند کرتا ہوں۔ میری زندگی کے بہترین ایام وہ تھے جو میں نے اسّی کی دہائی میں یہاں گزارے۔''

''کیا تم ان دنوں نوادرات کا کاروبار بھی کرتے تھے؟''

''میں انکار نہیں کروں گا۔'' وہ بڑبڑایا۔ ''میں کبھی کبھی یہ کام کرتا تھا لیکن اس میں بہت خطرہ ہے۔ لوگ اسمگلنگ کے الزام میں جیل بھی گئے گو کہ نوے کی دہائی میں سب کچھ بدل گیا اور مارکیٹ بھی اچھی ہوگئی۔ کسی کو یہ پروا نہیں تھی کہ آپ ملک سے باہر کیا لے جارہے ہیں۔ کیوبن بھی اچھے مارٹل کے مجسمے بیچ دیا کرتے تھے چاہے آپ انہیں جو بھی قیمت دیں لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ غیر ملکیوں کی آمد اور انٹرنیٹ تک رسائی کے بعد وہ زیادہ عقل مند ہوگئے ہیں۔''

''کیا تم نے ہرنانڈو پوماریس سے کافی تعداد میں مجسمے خریدے تھے؟''

''بہت تھوڑے جن کی اسے پروا نہیں تھی جیسے گل دان وغیرہ۔''

''مینڈیو کے بارے میں کیا کہو گے؟''

''اس کے پاس مینڈیو کی بنائی تین پینٹنگز تھیں جو میں لینا چاہ رہا تھا لیکن وہ ایک تصویر کے چار ہزار ڈالرز مانگ رہا تھا۔ میرے پاس اتنی رقم نہیں تھی۔ اس پر اس نے کہا کہ پھر تم یہ تصویریں نہیں لے سکتے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ بیچنے سے زیادہ خریدنے میں دلچسپی رکھتا تھا۔''

''انجیلا مورا کے برعکس؟''

''بے چاری عورت۔'' دیتری نے کہا۔ ''وہ یہاں سے تین بلاک کے فاصلے پر رہتی تھی میں نے سنا ہے کہ اسے کوئی حادثہ پیش آیا اور وہ اپنے ہی کنویں میں گر گئی۔''

''اس پر بھی کچھ سوالات اٹھ رہے ہیں۔'' پادرینو نے کہا۔ ''کیا تم نے اس سے بھی کوئی سودا کیا تھا؟''

''ہاں، میں نے اس سے ماریانو کی ایک پینٹنگ خریدی تھی اور اس کی مناسب قیمت بھی دی۔''

''کیا تم اپنے پرفیوم میں صندل وڈ بھی استعمال کرتے ہو؟''

''بہت کم مقدار میں۔'' دیتری نے جواب دیا۔

''کیا تم نے کبھی پوماریس یا انجیلا کو صندل وڈ آئل فروخت کیا؟''

''نہیں، میں اپنے پرفیوم خود نہیں بیچتا۔ وہ میری کمپنی کے ذریعے پوری دنیا میں فروخت کیے جاتے ہیں۔''

''لیکن ممکن ہے کہ تم کبھی ان کے لیے لے کر آئے ہو؟''

دیتری نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ''ہاں، مجھے یاد آگیا۔ گزشتہ کرسمس پر انجیلا نے مجھ سے صندل وڈ آئل کی فرمائش کی تھی اور میں نے اس کے لیے صوفیہ سے ایک بوتل خریدی تھی۔''

''کیا تم نے پوماریس کو بھی کوئی بوتل دی تھی؟''

''نہیں، انجیلا کو یہ پرفیوم اپنے پرانے پنکھوں کے لیے چاہیے تھا لیکن پوماریس کو اس کی ضرورت نہیں تھی۔''

''تم نے آخری بار ان دونوں کو کب دیکھا تھا؟''

''انجیلا سے دو یا تین مہینے پہلے ملا تھا۔ وہ مجھے اسی وقت فون کرتی تھی جب اسے کوئی چیز بیچنی ہوتی۔ وہ ہر وقت لوگوں سے ملنا پسند نہیں کرتی تھی۔''

''اور پوماریس؟ کیا تم حال ہی میں اُس سے ملنے گئے تھے؟''

''اس کی موت سے ایک دن پہلے۔'' اس نے کہا۔ ''میرے پاس سلویو کے کنسرٹ کے ٹکٹ تھے اور پوماریس اس کے گانے پسند کرتا تھا لیکن اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اسے سال کے شروع میں نمونیا ہوگیا تھا۔ وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں دوبارہ نہ ہوجائے۔''

''کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ اتنا بیمار تھا کہ حملہ آور سے بھی نہیں لڑ سکتا تھا؟''

''بالکل نہیں، میرا مطلب ہے کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی لیکن اس نے بستر نہیں پکڑا۔ اگر تم میری رائے جاننا چاہتے ہو تو قاتل نے اس پر چھپ کر حملہ کیا ہوگا۔''

''کیا تم گلوریا گیلارڈو کو جانتے ہو؟'' پادرینو نے پوچھا۔

''کون گلوریا؟''

''وہی جس نے وہ بڑے مجسمے بنائے جو پوماریس کے گھر میں رکھے ہوئے تھے۔''

''مجھے وہ مجسمے یاد ہیں لیکن مجھے اس طرح کے آرٹ سے کوئی دلچسپی نہیں۔''

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ان کی ملاقات خوشگوار ماحول میں ختم ہوگئی۔ دیتری اسے دروازے تک چھوڑنے آیا۔ اس نے ایک چھوٹی بوتل نکالی اور پادرینو کو دیتے ہوئے بولا۔ ''یہ میری نئی خوشبو کا سیمپل ہے۔ تمہاری بیوی کے لیے۔''

پادرینو نے بوتل کھولی اور اسے سونگھتے ہوئے بولا۔ ''وہ اسے پسند کرے گی، شکریہ۔''

''معاف کرنا، میرے پاس بڑی بوتل نہیں ہے۔''

''کہا جاتا ہے کہ بہترین پرفیوم چھوٹی بوتلوں میں آتے ہیں۔''

''ہمارے ملک میں اسے مختلف انداز میں کہا جاتا ہے۔'' دیتری نے قہقہہ لگایا۔ ''زہر چھوٹی بوتلوں میں آتے ہیں۔''

پادرینو وقت گزاری کے لیے ایک بار میں چلا گیا۔ اس نے اپنے لیے ایک کونے کی میز کا انتخاب کیا اور مشروب کا آرڈر دے کر مشتبہ افراد کے بارے میں سوچنے لگا۔ ان میں دیتری سرفہرست تھا لیکن پادرینو نہیں سمجھتا تھا کہ وہ یوماریس پر غالب آسکتا ہے۔ دیگر مشتبہ افراد میں ٹیٹ اور گلوریا ہوسکتی تھیں جن کا یوماریس کے گھر آنا جانا تھا۔ گلوریا کی نظر مینڈیو کی تصاویر پر تھی اور وہ ان کی قدر و قیمت سے واقف تھی لیکن وہ یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا کہ ٹیٹ یا گلوریا سابق باکسر پر لوہے کی سلاخ سے حملہ کرسکتی ہیں۔

پھر اس کے کانوں میں ٹیٹ کے الفاظ گونجے۔ ''ہرنانڈو کہا کرتا تھا کہ وہ اب بھی چوروں کا مقابلہ کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ اس کے سوتے میں واردات نہ کریں۔''

ایک ویٹر اس کے لیے مشروب لے کر آیا اور اس کے سامنے میز پر رکھ کر چلا گیا۔ اسے گلوریا کا خیال آیا۔ اس نے بھی اسی طرح اس کے سامنے گوشت کے پارچوں اور پنیر کی پلیٹ رکھی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اسے اس کی ورکشاپ، وہاں رکھے ہوئے بدنما مجسمے اور ایتھر کی بوتل بھی یاد آگئی۔

''بشرطیکہ وہ اس کے سوتے میں واردات نہ کریں۔''

پادرینو مشروب کو ہاتھ لگائے بغیر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے میز پر دس ڈالر کا نوٹ رکھا اور اپنی کار میں سوار ہوکر انتہائی تیز رفتاری سے گلوریا گیلارڈو کے گھر کی جانب روانہ ہوگیا۔ اس بار بھی اس کے باپ نے ہی دروازہ کھولا۔ اس سے پہلے کہ پادرینو، گلوریا کے بارے میں پوچھتا، اس کے باپ نے کہا۔

''معاف کرنا، گلوریا گھر پر نہیں ہے۔'' وہ جلدی میں تھا اور لگتا تھا کہ باہر جارہا ہے۔

''کیا تم بتا سکتے ہو کہ وہ کب تک واپس آئے گی؟'' پادرینو نے پوچھا۔ ''مجھے اس سے فوراً ملنا ہے۔''

''تمہیں انتظار کرنا پڑے گا۔ میری بیٹی میکسیکو سٹی جارہی ہے۔ اس کا ویزا اسی روز لگ گیا تھا جب تم اس سے ملنے آئے تھے۔''

''وہ کب گئی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''میں ابھی اسے ائرپورٹ چھوڑ کر آیا ہوں۔''

''وہ واپس کب آئے گی؟''

''دو ہفتے بعد۔''

پادرینو جانتا تھا کہ غیر ملکی پرواز کے مسافروں کو تین گھنٹے پہلے ائرپورٹ پہنچنا ہوتا ہے۔ جب اس کا باپ گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا تو اس نے مارٹینا کو فون کر کے کہا کہ وہ اسے ائرپورٹ پر ملے۔

''میں نے قاتل کا پتا لگا لیا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''ہمیں امید کرنی چاہیے کہ اب وہ ہمارے ہاتھوں سے نہیں بچ سکے گی۔''

جب پادرینو ائرپورٹ پہنچا تو مارٹینا وہاں پہلے سے موجود تھی۔ وہ امیگریشن کاؤنٹر کی طرف دوڑے جہاں میکسیکو سٹی جانے والے مسافر اپنی پرواز کا انتظار کررہے تھے۔ انہی میں گلوریا بھی تھی۔

مارٹینا سیدھی اس کے پاس گئی جبکہ پادرینو نے کاؤنٹر کلرک سے کہا کہ وہ گلوریا کا سامان باہر نکال دے۔

''کیوں؟'' کلرک نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

''میں پولیس کے ساتھ کام کررہا ہوں۔''

کلرک نے مارٹینا کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''ٹھیک ہے۔''

اسی دوران مارٹینا نے گلوریا کو مطلع کیا کہ اسے سفر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

''یہ کیا ہورہا ہے؟'' اس نے پوچھا۔ ''کیا میرے آرٹ کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے؟''

''اس کا تمہارے آرٹ سے کوئی تعلق نہیں۔'' مارٹینا نے جواب دیا۔ ''تم پر انجیلا مورا اور ہرنانڈو یوماریس کے قتل کا الزام ہے۔''

''میں سمجھی نہیں۔'' اس نے کسی گھبراہٹ کے بغیر کہا۔ ''میں انجیلا سے محبت کرتی تھی۔ وہ میرے لیے دادی کی طرح تھی اور جہاں تک ہرنانڈو کا تعلق ہے تو تم یقیناً مذاق کررہی ہو۔ میں ایک ایسے شخص کو کیسے قتل کرسکتی ہوں جو

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

جسامت میں مجھ سے دگنا اور سابق باکسر رہ چکا تھا۔''

مارٹینا ہچکچائی لیکن اسی وقت پادرینو بھی ان کے پاس آ گیا۔

''تم جانتی تھیں کہ وہ دونوں تنہا تھے۔'' اس نے کہا۔ ''تم ان کے لیے کھانا لے کر آئی تھیں اور وہ تم پر اعتبار کرنے لگے۔ انہوں نے تمہارے ساتھ کچھ چیزوں کا سودا کیا لیکن وہ نہیں جو تم چاہتی تھیں۔ لہٰذا تم نے ہرنانڈو کے ساتھ بھی وہی کیا جو انجیلا کے ساتھ کر چکی تھیں۔ تم نے اسے کھانے میں کوئی ایسی چیز دی جس میں ایتھر ملا ہوا تھا تاکہ وہ بے ہوش ہو جائے پھر اُسے قتل کر دیا۔''

''یہ انتہائی احمقانہ کہانی ہے جو میں سن رہی ہوں۔'' اس نے چلاتے ہوئے کہا پھر وہ پادرینو کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔ ''کیا تم مجھ سے انتقام لے رہے ہو کہ میں نے اپنی خوب صورت اوشون، تمہیں نہیں دی؟''

پھر جب اس نے اپنا سامان دیکھا جو ایک سیکیورٹی گارڈ لے کر آ رہا تھا.. تو اس نے نظریں پھیر لیں۔ اس نے مارٹینا اور پادرینو کے سوالوں کے جواب بھی نہیں دیے یہاں تک کہ اس وقت بھی کچھ نہیں کہا جب ائرپورٹ پولیس اسے گرفتار کرنے آئی۔

جب مارٹینا کے دفتر میں لکڑی کے کریٹ کھولے گئے تو اس میں باربرا کا مجسمہ اور یاماہا، کا بڑا سا سر رکھا ہوا تھا اور اس میں سے کسی چیز کی آواز آ رہی تھی۔

''اس کے تمام مجسمے اندر سے کھوکھلے ہیں گو کہ دیکھنے میں بڑے اور بھاری لگ رہے ہیں۔'' پادرینو نے کہا۔ ''اسی لیے وہ اتنی آسانی سے انہیں لے جا رہی تھی۔''

اس مجسمے کا سر، گردن پر سیل کر دیا گیا تھا۔ جب پادرینو نے اسے توڑا.. تو اس میں سے ایک رول کی ہوئی پینٹنگ جس پر رینو پورٹا کیرو کے دستخط تھے۔ اس کے علاوہ باربرا کے مجسمے میں سے مینڈو پو کی وہ تین پینٹنگز جو کبھی پو ماریس کے بیڈروم میں لگی ہوئی تھیں اور ایک جیولری باکس بھی برآمد ہوا۔

''تمہیں گلوریا پر کیوں شک ہوا؟'' مارٹینا نے پوچھا۔

''پہلی بات تو یہ کہ اس کے مجسمے اتنے بدصورت اور اناڑی پن سے بنائے گئے تھے کہ ان کی فروخت سے اچھے پیسے نہیں ملتے۔'' پادرینو نے کہا۔ ''میں حیران ہوں کہ اس نے پو ماریس کو دو مجسمے خریدنے پر کیسے راضی کر لیا؟''

''شاید اس لیے کہ وہ ایک اچھی سیلز گرل ہے۔'' مارٹینا نے کہا۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن اس کے باوجود یہ معاملہ مشکوک لگتا ہے پھر یہ کہ وہ بہت تیکھی خورتھی۔ اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ اس کا موازنہ فریڈا کاہلو سے کیا جاتا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ پو ماریس اپنے قاتل کو جانتا تھا اسی لیے اس نے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ اگر جائے وقوعہ پر جدوجہد کے آثار نہیں ملے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ سو رہا تھا یا اسے مرنے سے پہلے بے بس کر دیا گیا تھا۔ جب مجھے گلوریا کی ورکشاپ میں رکھی ہوئی ایتھر کی بوتل یاد آئی تو سب کچھ سمجھ میں آ گیا۔''

''لیکن اس نے یہ کیسے کیا؟'' مارٹینا بولی۔ ''میرا مطلب ہے کہ کسی کو کلوروفارم دینے کے لیے اس کے بہت قریب ہونا پڑتا ہے۔''

''اس طرح۔'' پادرینو نے جیولری باکس اس کی ناک کے نیچے کرتے ہوئے کہا۔ ''اس نے انجیلا اور پو ماریس سے دوستی کی اور انہیں اپنا عادی بنا لیا۔ وہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا فن جانتی ہے۔ انجیلا بوڑھی اور کمزور تھی۔ اس لیے ایتھر نے اس پر زیادہ تیزی سے اثر کیا۔''

''اور پو ماریس؟ وہ تو طاقتور تھا؟''

''وہ بھی نمونیا کی وجہ سے کمزور ہو گیا تھا اور گلوریا کو حملہ کرنے سے پہلے اسے بے ہوش کرنے کی ضرورت تھی۔''

''میرا خیال ہے کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' مارٹینا بولی۔ ''لیکن یہ صندل وڈ کا کیا قصہ ہے؟''

''انجیلا کی لاش کنویں میں پھینکنے کے بعد گلوریا نے محسوس کیا ہوگا کہ ایتھر کی بُو اردگرد پھیل سکتی ہے۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں اس کے ذریعے پولیس اس کے باپ کے آپریشن تھیٹر تک نہ پہنچ جائے چنانچہ اس نے اسے دبانے کے لیے صندل وڈ آئل کا استعمال کیا۔ ممکن ہے کہ یہ اس کے منصوبے کا حصہ ہو یا بعد میں اس نے یہ فیصلہ کیا ہو۔ بہرحال اس نے یہی عمل پو ماریس کے گھر میں بھی دہرایا۔''

''حیرت ہے وہ چھوٹی سی خوب صورت لڑکی اتنی دھوکے باز نکلی۔''

''زہر چھوٹی بوتلوں میں ہی ملتا ہے۔'' پادرینو نے جواب دیا۔

مارٹینا نے شکرگزار نظروں سے پادرینو کو دیکھا جس کی بدولت وہ اس خطرناک لڑکی تک پہنچنے میں کامیاب ہوئی ورنہ زہر کی یہ بوتل نہ جانے اور کتنی تباہی پھیلاتی۔

❖❖❖

www.pakistanipoint.com
Waqar Azeem

اندھا انتقام

احمد بلال امجد

گھڑی ساز... گھڑی کی سوئیوں کے آہنگ کو خوب سمجھتا ہے... اسی طرح انتقام کی آگ میں جلنے والے بھی اہل ہوس کی نظروں کے بھید اور حسن و عشق کے اسرار کو ہندسوں کی طرح سمجھنے لگتے ہیں... بچپن کو خیرباد کہہ کے ہتھیاروں سے دوستی کرنے والے بچے کی زندگی... اس کا ہر لمحہ اسے منزل سے دور لے جا رہا تھا...

دہشت و خوف اور موت و زندگی کی ہولناک گھاٹیوں میں گونجتی پُراسرار داستان

وہ عورت مجھے پُراسرار لگتی تھی۔ سینٹرل لندن کے علاقے میں موجود روز گارڈن پارک میں وہ عورت ایک مخصوص بینچ پر موجود ہوتی تھی۔ میں دو ڈھائی ماہ سے مسلسل اُسے یہیں بیٹھے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ ہمیشہ تنہا ہوتی تھی۔ ایک جیسے ڈھیلے ڈھالے کپڑے، بڑی سی گرم شال، پتلون اور لیدر شوز پہنے ہوتی۔ وہ خوبصورت تھی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ جوانی میں غضب ڈھاتی ہوگی لیکن اُس کے چہرے پر ایک خاص قسم کا حزن و ملال تھا۔ مجھے لگا، جیسے وہ کبھی ہنسی ہی نہ ہو۔ ستا ہوا، غمزدہ چہرہ، گہری سوچ میں رہنے والی وہ ادھیڑ عمر خاتون وہیں بیٹھی ہوتی تھی۔ میں نے اسے جب بھی دیکھا، ایسے ہی دیکھا۔ اگرچہ میں اس پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈال کر آگے بڑھ جاتا تھا لیکن وہ میرے خیال میں کافی دیر تک رہتی، یہاں تک کہ میرا دھیان کسی دوسری جانب نہ لگ جاتا۔

روز گارڈن پارک کا داخلی دروازہ پار کرتے ہی مخصوص مہک اور گہرے سناٹے نے استقبال کیا تو مجھے لگا جیسے میں کسی بچھڑے ہوئے ساتھی سے دوبارہ مل رہا ہوں۔ اس پارک سے مجھے انسیت ہوگئی تھی۔ یہاں آتے ہی سکون کا احساس میرے دل میں سما جاتا۔ روز گارڈن خوبصورت اور پُرسکون پارک تھا، جہاں بے پناہ پھول، گہرا سبزہ اور پُرسکون جھیل مجھے کسی دوسری ہی دنیا میں لے جاتی۔ میں شام کا کچھ وقت وہیں گزارتا تھا۔ تھوڑی دیر تک گھومنے پھرنے کے بعد، ایک ٹی ہاؤس سے چائے پیتا اور پھر واپس گھر لوٹ جاتا تھا۔ پچھلے ہفتے بے پناہ مصروفیت کی وجہ سے میں پارک میں نہیں آسکا تھا۔ ورنہ جب سے میں لندن آیا تھا، اس پارک میں مسلسل آرہا تھا۔

میں دھیمے قدموں سے چلتا ہوا جھیل کنارے آگیا جہاں سڑک کے دونوں کناروں پر پیلے پتوں والے پیڑ ایستادہ تھے۔ میں نے دیکھا، ان پیلے پتوں والے درختوں کے درمیان وہی ادھیڑ عمر خاتون ایک بینچ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

وہی سُتا ہوا، غمزدہ چہرہ، گہری سوچ میں دکھائی دینے والی خوبصورت مگر پُراسرار عورت۔

میں حسبِ معمول ایک اُچٹتی سی نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے اس کے قریب سے گزرنے لگا تو اس کی نگاہوں میں شناسائی کی جھلک دکھائی دی۔ اس نے مجھے دیکھا اور بے ساختہ اپنا دایاں ہاتھ اٹھا دیا۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہو مگر پھر کچھ سوچ کر کچھ نہ کہا۔ میں جان بوجھ کر رک گیا۔ تبھی وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔

''خیریت تھی، اتنے دن نہیں آئے؟''

میں چلتا ہوا اُس کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''خیریت ہی تھی، بس کاروباری مصروفیت کے باعث نہیں آسکا، مجھے خوشی ہوئی کہ آپ بولتی بھی ہیں۔''

میرے یوں کہنے پر اُس کے چہرے پر دھیمی سی مسکان آگئی۔ اس نے میری جانب دیکھا اور بولی۔ ''ہاں، اس عمر میں تو اپنی آواز بھی اجنبی لگتی ہے۔''

''ایک بات پوچھوں؟'' میں نے اعتماد سے پوچھا۔

''پوچھو؟'' اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے تجسس سے کہا۔

''آپ کے چہرے پر یہ جو دکھ کی کیفیت ہے۔ یہ جوانی کے دور میں بھی تھی؟ میرا مطلب فطری ہے یا.....'' میں نے کہا تو وہ چند لمحے سوچتی رہی پھر ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولی۔

''اوہ نہیں، یہ تو بس حالات کی وجہ سے ہے۔''

''آج آپ ہنستی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں تو اچھا لگ رہا ہے۔'' میں نے دل سے اس کی تعریف کی تو اس نے میری بات نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''تم ایشیائی لگتے ہو، بھارتی ہو یا.....''

''میں بھارتی ہوں، میرا آبائی شہر ممبئی ہے؟'' میں

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

نے بتایا۔
''اوہ، ممبئی سے تو میں بھی ہوں، وہاں کہاں سے.....؟'' اس نے انتہائی تجسّس سے پوچھا۔
''ورسوا سے۔'' میں نے بتایا۔
''میں جوہو میں رہتی رہی ہوں۔'' اس نے بتایا۔
''مجھے بہت خوشی ہوئی، آپ سے مل کر، یہ بھی جان کر کہ آپ ممبئی سے ہیں، مجھے اس سے بھی زیادہ خوشی یہ ہوئی کہ آپ نے مجھے ذہن میں رکھا، ورنہ میں تو سمجھتا تھا کہ آپ ایک مجسمے کی صورت یہاں پر نصب ہو۔''
''ہاں بعض اوقات حالات انسان کو پتھر بنا دیتے ہیں، خیر آپ سے بات کر کے اچھا لگا۔'' اس نے انتہائی دکھی لہجے میں کہا۔
''چلیں ایسا کرتے ہیں، اس ملاقات کو یادگار بناتے ہیں۔'' میں نے خوشگوار لہجے میں کہا تو اس نے بھی خوشگوار حیرت سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''وہ کیسے؟''
''آپ میرے ساتھ چائے پئیں تو مجھے اچھا لگے گا۔'' میں نے نرم اور شائستہ لہجے میں پوچھا تو اس نے چند لمحے سوچا، پھر اٹھتے ہوئے بولی۔
''چلو، آج چائے تمہارے ساتھ پیتے ہیں۔''
وہ درمیانے قد کی تھی۔ اس کا جسم ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں چھپا ہوا تھا لیکن میرے ساتھ چلنے سے اندازہ ہوا کہ ادھیڑ عمر دکھائی دینے کے باوجود وہ پُرکشش بدن رکھتی تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے اس نے خود کو سنبھال کر رکھا ہوا ہو۔ کوئی نہ کوئی راز تھا جو اس نے خود کو اس طرح پُرکشش رکھا ہوا تھا۔ اس کے بدن کے خدوخال بالکل لڑکیوں کی طرح تھے۔
ہم چائے پینے کے لیے باہر سبز لان میں جا بیٹھے۔ وہ سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس میں ایک شاہانہ تمکنت ہے۔ ایسا شاہانہ انداز، جس سے پتا چلتا ہو کہ اس نے بڑی حکمرانی والی زندگی گزاری ہو۔
''تم جو مجھے چائے پلانے یہاں لائے ہو، اس کی کوئی خاص وجہ؟'' اس نے میرے چہرے کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔
''اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم تھوڑی دیر ساتھ بیٹھ جائیں۔ کیونکہ آج مجھے بہت اچھا لگا کہ آپ نے مجھ جیسے اجنبی کو محسوس کیا، یہ کیا تھوڑی بات ہے، وہ بھی ایسے معاشرے میں جہاں اپنوں کے بارے میں خیال نہیں رکھا جاتا۔'' میں نے صاف گوئی سے کہہ دیا۔
''اس کے سوا تو کوئی بات نہیں؟'' اس نے تجسّس سے پوچھا۔
''نہیں کوئی بات نہیں۔'' میں نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا پھر تجسّس سے پوچھا۔ ''کوئی دوسری بات بھی ہو سکتی ہے؟''
''کیا تم فلمیں نہیں دیکھتے ہو؟ خاص طور پر بالی ووڈ کی فلمیں.....'' اس نے میرا سوال نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا تو میں نے کہا۔
''ہاں دیکھتا ہوں مگر بہت کم، وقت نہیں ملتا۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔ ''میرا سوال ابھی تک ویسے ہی ہے۔''
''کون سا سوال؟'' اس نے بے اعتنائی سے پوچھا۔
''یہی کہ آپ مسلسل ایک دکھ اور غم کی کیفیت میں ہیں، ایسا کیوں ہے؟'' میں نے اپنا سوال دہرایا تو وہ مسکراتے ہوئے بولی۔
''ایک ایسا شخص جس نے بہت بڑی کامیابی دیکھی ہو، اس کا کوئی اپنا ہی، اس کی ساری کامیابی، محنت اور سرمایہ چھین کر اسے دھوکا دے کر دھتکار دے تو کیا وہ شخص خوش رہ سکتا ہے؟'' اس نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔
''واقعی وہ تو خوش نہیں رہ سکتا۔'' میں نے اس کی بات سمجھتے ہوئے کہا۔
''نوّے کی دہائی میں میری عمر انیس برس تھی اور میں بالی ووڈ کی مصروف اداکارہ رہی ہوں۔'' اس نے کہا تو میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ میں اسے پہچان گیا۔ وہ ''شیوتا دیوی'' تھی۔ کروڑوں دلوں پر حکمرانی کرنے والی، بالی ووڈ اسٹار، شیوتا دیوی۔
''میڈم میں سمجھ سکتا ہوں۔ کامیابی کی انتہا دیکھنے والی جب تنہا اور.....'' میں نے کہنا چاہا تو وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولی۔
''نہیں یہ بات نہیں، یہ ایک فطری عمل ہے۔ کل ہم نے کسی پرانی ہیروئین کی جگہ لی تھی، آج نئی آنے والی لڑکیوں نے ہماری جگہ لے لی۔ یہ تو ایک تسلسل ہے۔ اس میں دکھی ہونے والی کوئی بات نہیں ہے۔''
''بعض اداکارائیں ایسی بھی ہیں جو مسلسل فلموں میں آرہی ہیں، ماضی میں جو ہیروئین تھیں، آج دوسرے کرداروں میں آتی ہیں، آپ نے ایسی کوشش نہیں کی؟''

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

میں نے ایک دوسرے پہلو سے پوچھا۔

''اگر میں ممبئی میں رہتی تو شاید میں اب بھی فلموں میں کام کر رہی ہوتی لیکن چھوڑو.....'' یہ کہتے ہوئے وہ ایک دم سے اداس ہوگئی۔

اس کا لہجہ بھیگ گیا۔ کوئی بہت بڑا دکھ تھا جس نے اسے بات بھی نہیں کرنے دی تھی اور آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپک پڑے تھے۔ میں اسے کھونا نہیں چاہتا تھا، بڑے محتاط اور غیر محسوس انداز میں اس سے تعلق بڑھانا تھا۔ سو میں نے اس کے دکھ کے بارے جاننے کا اصرار نہیں کیا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد موضوع ہی بدل دیا۔ اس دن ہم نے چائے پیتے ہوئے بہت باتیں کیں۔ میں نے اپنے بارے میں اسے یہی بتایا کہ میں یہاں ایک ریستوران چلا رہا ہوں۔ ہم دو پارٹنر ہیں۔ میں پچھلے دس برس سے یہاں لندن میں ہوں۔ شام جب پھیلنے لگی تو ہم ایک خوشگوار احساس کے ساتھ اٹھ گئے۔ اس نے مجھے اپنا سیل نمبر دیا۔ میں نے اسے اپنا نمبر دینے کے ساتھ اپنے ریستوران میں آنے کی دعوت بھی دی۔ جسے اس نے بخوشی قبول کرلیا۔

یہ میرے لیے انتہائی سنسنی خیز انکشاف تھا۔ وہ جو تنہا، اداس اور غمزدہ دکھائی دینے والی ادھیڑ عمر عورت تھی، جسے میں دو ڈھائی ماہ سے مسلسل دیکھ رہا تھا، وہ بالی ووڈ کی مشہور اداکارہ تھی۔ یہ میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ سلور اسکرین کے ذریعے، اپنے حسن کے جلوے دکھا کر کروڑوں دلوں پر حکمرانی کرنے والی عورت، یوں پارک میں تنہا، خاموش اور افسردہ ایک بینچ پر بیٹھی ملے گی۔ میں اسے پہچان نہیں پایا تھا۔

جس طرح وہ ایک دھتکاری ہوئی عورت تھی، ایسے ہی میں ممبئی سے نکالا گیا ایک انسان تھا جو ممبئی کے معاشرے میں کیڑے مکوڑے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ ممبئی کو خوابوں کا شہر کہا جاتا ہے لیکن یہی خواب جب ٹوٹتے ہیں تو آنکھوں میں کرچیاں بن کر چبھ جاتے ہیں۔

یہی وہ لمحہ تھا جب میرے اندر کے دھتکارے ہوئے انسان کے اندر بدلہ لینے کی خواہش بیدار ہوئی تھی۔ اس اچانک ہونے والے انکشاف سے مجھے یوں لگا جیسے قدرت نے میرا خواب پورا کرنے کے لیے اس کی صورت میں آسانی پیدا کردی ہو۔ میرے لیے اس کا مشہور اداکارہ ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا لیکن اس کے ذریعے میں اپنے خوابوں کی تکمیل ضرور کرسکتا تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا، فوری طور پر کچھ بھی میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ شاید اس کے بارے میں مجھے پتا ہی نہ چلتا اگر اس دن وہ میری جانب متوجہ نہ ہوتی۔ اس رات میں یادوں کے جنگل میں بھٹکتا رہا۔

☆☆☆

اس شہر کے دیے ہوئے دکھ میں نے بھلانے کی بہت کوشش کی تھی مگر میں بھول نہیں سکا تھا۔ میرا سب کچھ اس شہر نے چھین لیا تھا۔ میری ماں، میری بہن، میرا گھر سب کچھ۔ میرا باپ بھی ممبئی کی جھونپڑ پٹی میں رہتا تھا، نشہ کرتا تھا، وہیں مر گیا۔ میری ماں گھروں میں کام کرکے اپنا، میری بہن کا اور میرا پیٹ پالنے کی کوشش کرتی تھی۔ میری ماں، میری بہن کو اپنے ساتھ ہی رکھتی تھی۔ اس لیے وہ کسی اسکول کا منہ نہ دیکھ سکی، ہاں مگر میں پڑھتا رہا۔ جس وقت میں نے دس جماعتیں پاس کرلیں، تب میں نے نوکری کی تلاش شروع کر دی۔ جلد ہی مجھے ایک ایسی بلڈنگ میں منشی کی نوکری مل گئی جو تکمیل کے مراحل میں تھی۔ وہیں ایک کمرا رہنے کو مل گیا تو میں اپنی ماں اور بہن کو بھی وہیں لے آیا۔ جیسے تیسے زندگی بسر ہونے لگی۔ میری ماں کو میرا نہیں میری بہن کا خیال تھا کہ کسی طرح اس کی شادی ہو جائے۔ لیکن ایسا ہو نہیں پا رہا تھا۔ وہ اسی تگ و دو میں لگی ہوئی تھی۔ میں اپنے پریوار کے ساتھ وہیں رہتا تھا، مجھے تھوڑی اضافی رقم چوکیداری کی مد میں بھی ملنے لگی۔ حالانکہ پہلے دو چوکیدار موجود تھے۔ مجھے انہی کی نگرانی کرنا تھی۔ میں خوش تھا کہ چلو تھوڑی آمدنی بڑھ گئی۔

ایسی ہی ایک رات میں نے بلڈنگ میں تھوڑی ہلچل محسوس کی۔ ایک اجنبی کار نیچے کھڑی تھی۔ میں بلڈنگ میں... ہونے والی ہلچل کو دیکھنے کے لیے بلڈنگ کی پہلی منزل پر گیا، وہاں کچھ نہیں تھا۔ دوسری کے بعد تیسری منزل پر ایک آدمی کو لٹایا ہوا تھا اور وحشیانہ انداز میں تشدد کر رہے تھے۔ سوائے ایک چوکیدار کے باقی سب لوگ اجنبی تھے۔

''کون ہو تم لوگ اور اسے یوں کیوں مار رہے ہو؟''

میں نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا تو وہ سب لوگ ایک دم سے رک گئے۔ تبھی چوکیدار نے آگے بڑھ کر کہا۔

''کچھ نہیں، ہمارے دوست ہیں، ابھی چلے جائیں گے۔''

''دوست مطلب، یہ لوگ ایک آدمی کو مار رہے ہیں اور.....'' میں نے پوچھنا چاہا تو اجنبی لوگوں میں سے ایک نے کہا۔

''کون اے بے یہ.....؟''

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

''یہاں کا منشی ہے۔'' چوکیدار نے بتایا تو وہ تضحیک آمیز لہجے میں بولا۔

''تو لے جا پھر اسے یہاں سے۔ ہمارا مغز خراب مت کر۔''

''تم لوگ جاؤ یہاں سے۔ ورنہ میں صاحب کو بتا دوں گا۔'' میں نے دھمکی دیتے ہوئے کہا تو وہ اکتائے ہوئے انداز میں بولا۔

''ابے تیرے صاحب کی ایسی کی تیسی، بھاگتا ہے یا تجھے لمبا کرلیں۔''

''چلو میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔'' چوکیدار نے مجھے کندھوں سے تھاما اور نیچے لے جانے لگا۔ وہ میرے ساتھ چلتے ہوئے بولا۔ ''دیکھ یہ اس بندے سے تھوڑی پوچھ تاچھ کریں گے۔ کچھ دیر بعد یہ چلے جائیں گے۔''

''مگر یہ.....'' میں نے کہنا چاہا تو وہ بولا۔

''خاموش رہو، اس کے تمہیں پیسے ملیں گے، ورنہ یہ ہمارے ساتھ کچھ بھی کرسکتے ہیں۔'' اس نے مجھے لالچ دیتے ہوئے دھمکا بھی دیا۔

میں اُس رات سو نہیں سکا۔ میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ صبح ہوتے ہی صاحب کو سب کچھ بتادوں گا۔ اگلی صبح، بلڈنگ کے باہر سڑک پر وہی آدمی مردہ حالت میں پڑا تھا، جس پر رات تشدد کیا گیا تھا۔

میں نے فوراً ہی صاحب کو فون کر کے صورتِ حال بتائی۔ اس نے مجھے سختی سے خاموش رہنے کا کہا بلکہ یہ تک کہہ دیا کہ تم نے کچھ نہیں دیکھا اور نہ تم کچھ جانتے ہو۔ اپنی زبان بند رکھوں۔

میں خاموش ہوگیا۔ پولیس آئی اور لاش اٹھا کر لے گئی۔ میں سب جانتے بوجھتے ہوئے بھی خاموش رہا۔ وہ چوکیدار غائب تھا جو تشدد کرنے والوں کے ساتھ تھا۔ رات گئے میں نے صاحب کو بتا دیا کہ وہ چوکیدار غائب ہے۔ اگلے دن کی شام تک بھی اس چوکیدار کا کچھ پتا نہیں چلا۔ اب مجھے اس کی جگہ ڈیوٹی دینا تھی۔

میں ٹارچ لیے بلڈنگ کا چکر لگا کر واپس نیچے آیا تو چند اجنبی لوگوں نے مجھے گھیر لیا۔ وہ مجھے بلڈنگ کے اندر لے گئے اور ان کا پہلا سوال ہی یہی تھا کہ مارنے والے لوگ کون تھے؟ اب میں تو ان کے بارے میں جانتا ہی نہیں تھا۔ مجھے منع بھی کیا گیا تھا کہ میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کروں۔ میں عجیب اُلجھن میں پھنس گیا۔ میں نے جب انہیں کچھ نہیں بتایا تو وہ مجھے اٹھا کر کسی انجانی جگہ پر لے گئے۔

اس انجانی جگہ پر وہی چوکیدار رسیوں میں جکڑا ہوا پڑا تھا جو غائب تھا۔ وہ زخمی حالت میں پڑا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی حواس باختہ ہوگیا۔ جلد ہی مجھے پتا چل گیا کہ مجھے اغوا کر کے یہاں لانے والے وہ لوگ ہیں جن کا ساتھی بلڈنگ میں قتل ہوا تھا۔ وہ قاتل کو تلاش کر رہے تھے۔ اسی لیے انہوں نے پہلے والے چوکیدار کو پکڑا تھا۔ اس چوکیدار نے تشدد سہہ کر بھی کچھ نہیں بتایا تھا' سو وہ مجھے اٹھا لائے تھے۔

''ہم جانتے ہیں کہ تمہیں سب پتا ہے، ہمیں بتا دو، ہم تمہاری حفاظت کریں گے، ورنہ تمہیں مار دیں گے۔'' اغوا کرنے والے نے مجھے دھمکاتے ہوئے کہا۔

''مجھے بالکل نہیں پتا، میں.....'' میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ دو آدمیوں نے مجھے مارنا شروع کر دیا۔ میں یہ تشدد برداشت کرتا رہا، اسی دوران جب انہوں نے کہا۔

''یہ چوکیدار بتا رہا کہ تم نے پیسے لے کر تشدد کروایا، اب تم انکار کر رہے ہو، پوچھو اس سے.....؟''

یہ سنتے ہی مجھے غصہ آگیا، میں نے چوکیدار کی طرف دیکھا، وہ مرنے والا ہوگیا تھا۔ صورتِ حال کچھ ایسی بن گئی کہ اگر میں جھوٹ بولتا تو وہ مجھ تشدد کرتے اور پھر سچ بھی اگلوا لیتے۔ سچ بولتا تو صرف نوکری چلی جاتی۔ میں نے سچ بولنے کا فیصلہ کرلیا پھر میں نے ساری بات سچ بتادی۔

''ہمیں پہلے ہی شک تھا کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔'' اغوا کرنے والے نے چوکیدار کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ ''اس سے تو ہم پوچھ ہی لیں گے، اب تم جاسکتے ہو۔''

انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔

جب میں واپس آیا تو میرے کمرے کے آگے ہجوم کھڑا تھا۔ میری ماں اور میری بہن قتل ہوچکی تھیں۔ کسی نے بے دردی سے انہیں مار ڈالا تھا۔ جب تک ان دونوں کا انتم سنسکار رہا، ان کے قتل کی وجہ بھی سمجھ میں آگئی۔

مجھے انہوں نے چھوڑ دیا، اس کے ساتھ ہی وہ لوگ ان قاتلوں تک پہنچ گئے۔ انہوں نے ان قاتلوں کو گولی مار دی تھی۔ میرا جرم یہی تھا کہ انہوں نے مجھ سے سچ اُگلوا لیا تھا۔ اتنا میرا جرم نہیں تھا جتنا انہوں نے مجھے سزا دی تھی۔ میرا سب کچھ چھن گیا تھا۔ میں اس دنیا میں اکیلا رہ گیا تھا۔ مجھے کسی طرح بھی صبر نہیں آرہا تھا۔ میں اپنی بے گناہ ماں اور بہن کو بھول نہیں پا رہا تھا۔ میرا جی چاہ رہا تھا کہ ان سب کو قتل کردوں، چاہے وہ قاتل ہیں یا مجھے اغوا کرنے والے۔ میرا

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کوئی قصور نہیں تھا لیکن سزا بہت زیادہ تھی۔

میں اسی بلڈنگ میں اسی نوکری پر تھا۔ پولیس والے مجھے کبھی کبھار تھانے بلا کر کوئی بات پوچھ لیتے۔ میں نے تھانے میں بھی ساری بات بتادی تھی۔ مگر میری ماں اور بہن کا کوئی قاتل نہیں پکڑا گیا۔ بس میرے چکر پر چکر لگ رہے تھے یا پھر فائلوں کا پیٹ بھرا جارہا تھا۔

ایک دن میں صاحب کے آفس سے واپس آرہا تھا۔ میں فٹ پاتھ پر چل رہا تھا۔ اچانک میرے پاس ایک رکشا آن رکا۔ اس میں ایک آدمی بیٹھا ہوا میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے... غور کیا تو یہ وہی تھا جس نے مجھے اغوا کیا تھا۔ میرے بدن میں آگ لگ گئی، شاید اس نے میرے چہرے پر نفرت پڑھ لی تھی اس لیے وہ سنجیدگی سے بولا۔

''چل آ بیٹھ میرے ساتھ، میں تجھے بتاؤں، تیری ماں اور بہن کا قاتل کون ہے؟''

''تم لوگ ہو اور کون ہوسکتا ہے؟'' میں نے بے ساختہ کہا تو وہ بولا۔

''ہماری تیرے ساتھ کیا دشمنی بلکہ تو نے تو ہماری مدد کی تھی۔'' اس نے مجھے آفر کی۔ میں نے لمحہ بھر سوچا اور اس کے ساتھ رکشے میں بیٹھ گیا۔ رکشا چل پڑا تو میں نے کہا۔

''ہاں بول۔''

''دیکھ راج ویر، مجھے اسی دن سے بڑا دکھ ہے جب تیری بہن اور ماں کو قتل کیا گیا۔ یہ صرف تجھے ہی سزا نہیں دی گئی بلکہ کئی دوسروں کو بھی ڈرایا گیا تھا۔ تو نے میری مدد کی تھی۔ میں سمجھتا ہوں یہ میری وجہ سے ہوا۔''

''تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ یہ اُن لوگوں نے کیا جو.....'' میں نے پوچھنا چاہا تو وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولا۔

''ہاں، یہ انہی لوگوں نے کیا۔ اس وقت میں نہیں جانتا تھا کہ میری جنگ کن لوگوں کے ساتھ ہے، یہ تو مجھے چند دن پہلے پتا چلا، یہ سارا کھیل کون کھیل رہا ہے۔''

''میں سمجھا نہیں.....'' میں نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

''اب میری سن، میں تجھے سمجھاتا ہوں۔ تیرا صاحب ڈرگز کا کام کرتا ہے، چھوٹے موٹے لیول پر نہیں بڑے لیول پر۔ اس کے لوگوں سے میری دشمنی پڑ گئی۔ اس کے گینگ کے لوگوں نے میرے بندوں کو قتل کیا، میں نے بھی اس کے بندے مار دیے۔ اس گینگ کے پیچھے تیرا صاحب ہے لیکن میں اب بھی اس سے لڑ رہا ہوں۔'' اس نے کہا۔

''یہ تم مجھے اب کیوں بتا رہے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''اس لیے کہ وہ تجھے ختم کرنے والے ہیں۔'' اس نے انکشاف کیا۔

''مجھے.....وہ کیوں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''تم ختم، تو کوئی گواہ نہیں، کوئی مدعی نہیں، سارے قتل کی فائل داخلِ دفتر ہو جائے گی۔ معاملہ ٹھپ۔'' اس نے بتایا۔

''وہ مجھے پہلے بھی مار سکتے تھے، اب.....'' میں نے کہنا چاہا تو وہ بولا۔

''ارے بے وقوف، مدعی ختم تو معاملہ بھی ختم۔ سارا معاملہ ختم کرنے کو تھوڑا وقت تو چاہیے ہوتا ہے کہ نہیں۔'' اس نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''تمہارا اس میں کیا فائدہ ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میں کچھ اور تو نہیں کرسکتا تھا لیکن اتنا ضرور کرسکتا ہوں کہ تجھے بچالوں، میں نے تجھے بتادیا، اب تو بچ سکتا ہے تو بچ جا۔'' اس نے افسردگی سے کہا۔

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ مجھے بلڈنگ کے سامنے اتار کر چلا گیا۔ میں اس کا کیسے یقین کرسکتا تھا لیکن جو کچھ اس نے بتایا تھا، اس کا یقین نہ کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں تھی۔ بس ایک خیال میرے ذہن میں تھا کہ کیا ہم اتنے ہی بے بس کیڑے مکوڑے ہیں کہ جب کوئی چاہے ہمیں مار دے؟

میں محتاط ہو گیا تھا۔ میری راتوں کی نیند اُڑ گئی تھی۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا ہے۔

ایسے ہی ایک رات میں بلڈنگ کا چکر لگانے کے لیے نکلا۔ وہاں چوکیدار کچھ دیر پہلے موجود تھا۔ میرے آواز دینے پر بھی وہ سامنے نہیں آیا تو مجھے کچھ خطرہ محسوس ہوا۔ وہاں سب کو معلوم تھا کہ میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہوتا۔ میں بلڈنگ سے واپس اپنے کمرے کی طرف جارہا تھا کہ میرے سامنے دو آدمی آگئے۔ ان کا چہرہ چھپا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ میری جانب لپکے۔ انہوں نے آناً فاناً مجھے پکڑ لیا لیکن انہیں یہ خبر نہیں تھی کہ میں اپنے پاس پسٹل رکھنے لگا تھا۔ میں نے ایک بھی لمحہ ضائع کیے بغیر پسٹل نکالا اور فائر کردیا۔ گولی ایک بندے کی ران میں لگی۔ وہ چیخ مارتے ہوئے مجھے چھوڑ کر الگ ہو گیا۔ دوسرے نے مجھے چھوڑا اور لوہے کی راڈ میرے سر پر مارنے والا تھا کہ میں نے اس پر بھی فائر کردیا۔ وہ گھوم کر پیچھے پلٹ کر گرا۔ وہ دونوں زمین پر پڑے ہوئے تھے اور ان کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ میں نے ان دونوں پر پسٹل تانتے ہوئے کہا۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

''کیوں مارنا چاہتے تھے مجھے؟''

وہ دونوں ہی خاموش رہے تو میرا دماغ غصے سے بھر گیا۔ میں نے ایک پر فائر کر دیا۔ تبھی دوسرا بولا۔

''ہمیں صاحب نے بھیجا ہے تجھے مارنے۔''

''کیوں.....؟'' میں نے چلاتے ہوئے پوچھا۔

''ہمیں نہیں پتا۔'' اس نے کہا تو میں نے اس پر بھی فائر داغ دیے۔

ان دونوں کو مارنے کے بعد اب میرا وہاں ایک لمحہ رہنا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میں اپنے کمرے میں گیا، ضروری چیزیں اٹھائیں اور وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ میرا رخ رانا پرتاب کی طرف تھا جس نے مجھے کہا تھا کہ جب بھی چاہو میرے پاس آسکتے ہو۔

تین برس تک میں رانا پرتاب کے گینگ میں رہا۔ میں نے ان تین برسوں میں صاحب کو مارنے کی بہت کوشش کی لیکن نہیں مار سکا اور نہ میں اس کا گینگ ختم کر سکا لیکن میں میڈ شوٹر کے نام سے ممبئی انڈر ورلڈ میں مشہور ہو گیا۔ صاحب کا ایک بزنس فلم انڈسٹری میں بھی تھا۔ جہاں ایک سے بڑھ کر ایک غنڈا موالی پڑا تھا۔ میں جانتا تھا کہ ممبئی جیسے جنگل میں ہر طرح کا جانور موجود ہے۔ جنگل چاہے جتنا خطرناک ہو، وہی بچتا ہے جو بچ کر نکل جائے یا پھر سامنے والے کو ختم کر دے۔ جنگل کا ایک قانون اور بھی ہوتا ہے کہ ہر جانور کا اپنا ایک علاقہ ہوتا ہے۔ وہ نہ کسی دوسرے کو داخل ہونے دیتا ہے، نہ کسی کے علاقے میں جاتا ہے۔ جو گیا وہ مارا گیا۔ اگرچہ ہم نے بہت پیسہ کمایا، اپنے علاقے میں پوری دہشت رکھی۔ ایک بڑا گینگ بھی بنا لیا لیکن ممبئی فلم انڈسٹری میں موجود انڈر ورلڈ کا مقابلہ نہ کر سکے جس کے ڈانڈے بیرونی دنیا تک پھیلے ہوئے تھے۔

ایسے ہی ایک دن رانا نے ایک فلم پروڈیوسر کی سپاری پکڑ لی اور اگلے ہی دن اس کو ٹپکا بھی آیا۔ انجانے میں ہم سے بڑی غلطی ہو گئی تھی۔ دو ماہ کے دوران ہمارے بہت سے لوگ مارے گئے۔ ایسے ہی ایک گینگ وار میں رانا پرتاب بھی مارا گیا۔ میں اپنے کچھ دوستوں کے باعث ممبئی سے نکل گیا۔ پھر تھائی لینڈ سے ہوتا ہوا لندن جا پہنچا۔

جہاں کوئی گینگ ہوتا ہے، اس کے خلاف بھی کوئی نہ کوئی کھڑا ہوتا ہے۔ یہی چھوٹے چھوٹے گینگ مل کر ایک مافیا بن جاتی ہے۔ لندن میں رہنے کے دوران میں پوری کوشش سے ایک مافیا کا حصہ بن گیا۔ دس برس تک جہاں میں نے اپنی جگہ بنائی وہاں اس دنیا کو بھی پوری طرح سمجھا۔ میں ممبئی جانے کے لیے پوری طرح بے تاب تھا۔ میرے چند جگری دوست منتظر تھے۔ ہم ایک بار پھر سے زندگی کا جوا کھیلنے کے لیے تیار تھے۔

☆☆☆

اگلا پورا ہفتہ اس کے ساتھ یونہی ملتے، چائے پیتے اور باتیں کرتے گزر گیا۔ اس ہفتے کے اختتام پر میں اس کے لیے ناک میں ڈالنے والی نتھلی لے گیا۔ جیسے ہی ہم چائے پینے کے لیے بیٹھے تو میں نے سرخ مخملی ڈبیا اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

''اسے کھولیں.....؟''

''اس میں کیا ہے؟'' اس نے مسکراتے ہوئے تجسّس سے پوچھا تو میں نے بڑے خوشگوار موڈ میں ہنستے ہوئے کہا۔

''گھبرائیں نہیں، اس میں منگنی کی انگوٹھی نہیں ہے اور نہ ہی میرا ارادہ آپ سے منگنی کرنے کا ہے۔''

اس نے مجھے ہلکا سا گھورا اور پھر وہ سرخ مخملی ڈبیا کھولی۔ اس کی نگاہ جیسے ہی سونے کی نتھ پر پڑی، اس کی آہ نکل گئی۔

''یہ..... نتھ..... کیوں؟'' اس نے اٹکتے ہوئے پوچھا۔

''ایک فلم میں آپ نے نتھ پہنی تھی اور یہی آپ کی شہرت کا باعث بن گئی تھی، مطلب وہی کردار۔'' میں نے کہا۔

''ہاں، وہ بہت بڑا بریک تھرو تھا۔'' وہ ماضی میں کھوئے ہوئے دکھ بھرے لہجے میں بولی۔

''میرا دل چاہتا ہے کہ آپ یہ نتھ پہنیں۔ مجھے اچھا لگے گا۔'' میں نے کہا تو اس نے مسکراتے ہوئے میری جانب دیکھا، جیسے میں نے اس کی کمزوری پکڑ لی ہو، پھر اس نے وہ نتھ نکال کر پہن لی۔

اس شام وہ بہت جذباتی ہو گئی تھی۔ یہی میں چاہ رہا تھا۔ وہ جو ایک اجنبیت کی فضا تھی، وہ ختم ہو کر رہ گئی۔ اس دن پھر شیوتا دیوی کو میں نے اپنے ریستوران آنے کی دعوت دی۔ اس نے چند لمحے سوچ کر اگلے دن آنے کا وعدہ کر لیا۔

اگلے دن میں پارک نہیں گیا بلکہ ریستوران پر ہی اس کا انتظار کرتا رہا۔ وہ دیے گئے وقت پر پہنچ گئی۔ میں نے اسے اپنے پارٹنر سے ملوایا۔ اس نے ایک بہترین ساڑی گفٹ کی۔ بہترین وہسکی کے ساتھ ہم نے اس رات ڈنر کرتے ہوئے خوب باتیں کیں۔

ہماری یہ ملاقاتیں بڑھتی گئیں۔ ہم روزانہ پارک میں

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ملتے۔ ویک اینڈ کی شام پارک میں جانے کے بجائے وہ میرے ریستوران میں آجاتی۔ کبھی کوئی فلم دیکھنے نکل جاتے۔ ہم ایک دوسرے کے بہت قریب ہو گئے۔ یہاں تک کہ ایک شام پارک میں بیٹھے ہوئے اس نے اپنا دکھ مجھے بتا دیا۔

''راج ویر..... تم مجھ سے میرے دکھ کے بارے میں پوچھتے رہتے ہو تو سنو۔'' اس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا تو میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔ وہ چند لمحے خاموش رہی، پھر کھوئے ہوئے انداز میں غمزدہ لہجے میں بولی۔

''مجھے نہ تو بالی ووڈ چھوڑنے کا دکھ ہے اور نہ یہ غم ہے کہ تنہا زندگی کیوں گزار رہی ہوں، مجھے اپنے دھتکارے جانے کا، اپنی ہتک کا کرب چین نہیں دیتا۔''

''کس نے کیا ایسا؟'' میں نے نرمی سے پوچھا۔

''میرے پتی نے۔'' اس نے کہا تو مجھے لگا اس کے کہے لفظ، اس کے اندر کی نفرت سے لتھڑ گئے ہوں۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا، اور پھر سے کہتی چلی گئی۔ ''میں نے اس سے محبت کی تھی۔ وہ میری زندگی میں اس وقت آیا تھا جب میں نے بالی ووڈ میں اپنے کیریئر کا آغاز ہی کیا تھا۔ اس کا خواب تھا کہ وہ ایک کامیاب ہدایت کار بنے۔ وہ کامیاب ہدایت کار تو نہ بن سکا لیکن کامیاب فلم ساز ضرور بن گیا۔ میں نے جو کمایا سب اُسے دیا۔ اس سے میری ایک بیٹی پیدا ہوئی... تب میں ایک محفوظ مستقبل کے لیے محنت کرتی چلی گئی۔ میں نے سب کچھ اسے دے دیا تھا، اپنی جوانی، سرمایہ اور سب کچھ۔''

''آپ ایک اچھی بھلی زندگی.....'' میں نے پوچھا تو وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولی۔

''سنو نا.....'' یہ کہہ کر اس نے سانس لیا۔ میں خاموش رہا تو وہ کہنے لگی۔ ''بس ایک فلم فلاپ ہوئی، بہت سارا سرمایہ ڈوب گیا۔ اچانک ہی میڈیا میں یہ پروپیگنڈا ہونے لگا کہ شیوتا دیوی کی وجہ سے یہ فلم فلاپ ہو گئی ہے۔ اب اسے فلموں میں ہیروئین نہیں آنا چاہیے۔ شوبز کی دنیا میں شور یونہی نہیں بڑھا بلکہ کچھ ہی دنوں بعد مجھے پتا چل گیا کہ میرا پتی ایک نوجوان اداکارہ کے چکر میں ہے، اب اُسے لے کر فلمیں بنانے کا ارادہ رکھتا ہے۔''

''میرے خیال میں یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا، فلم کی دنیا میں یہ سب چلتا ہے۔ یہ تو کوئی ہتک نہ ہوئی۔'' میں نے جان بوجھ کر کہا۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں تھا۔ میں خود گھر میں رہنا چاہتی تھی لیکن جب میں نے اپنا گھر بنانے اور سرمائے کے بارے پوچھا تو مجھ پر انکشاف ہوا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ میں ایک گھر بھی نہیں خرید سکتی۔ اس نے میرا سب کچھ چھین کر مجھے طلاق دے دی۔ میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔''

''اپنا حق حاصل کرنے کے لیے آپ نے کچھ نہیں کیا؟'' میں نے حیرت سے پوچھا تو وہ نفرت زدہ لہجے میں بولی۔

''تم جانتے ہو میرا پتی کون تھا؟''

''نہیں، ابھی تک آپ نے بتایا ہی نہیں۔'' میں نے سکون سے کہا۔

''رویندر..... جو فلم کا بزنس کم اور دوسرے دھندے زیادہ کرتا ہے۔'' اس نے کہا تو میرے اندر سنسنی پھیل گئی۔ وہی میرا صاحب تھا۔ شیوتا دیوی کہہ رہی تھی اور میں سن رہا تھا۔ ''میں نے اپنے قریبی دوستوں کو بتایا تو وہ میری جان کا دشمن بن گیا۔ اس نے مجھ پر قاتلانہ حملے کروائے تاکہ میں خوف زدہ ہو کر ممبئی سے ہی نکل جاؤں۔ سو میں اپنی بیٹی کے ساتھ یہاں لندن آگئی۔''

''آپ کی بیٹی بھی ہے؟'' میں نے تھکے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''ہاں، بہت پہلے میں نے یہاں لندن میں ایک گھر لیا تھا، تھوڑا سرمایہ یونہی بچا لیا تھا، جو آج میرے کام آرہا ہے۔ اب تو میری بیٹی بھی کمانے لگی ہے۔ خیر مجھے دکھ اپنی ہتک کا ہے اور میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے کہ میں اپنے پتی سے بدلہ لوں، اپنی ہتک کا بدلہ.....''

''اگر آپ اپنے پتی سے بدلہ لے لیں تو کیا پھر آپ خوش رہیں گی؟'' میں نے گمبھیر لہجے میں پوچھا تو اس نے چونک کر پوچھا۔

''ہاں میں خوش ہوں گی لیکن کیا ایسا ممکن ہے؟''

''ناممکن تو کچھ بھی نہیں ہوتا، آپ صرف مجھے یہ بتائیں کہ آپ اُس سے کس طرح یا کیسے بدلہ لینا چاہتی ہیں؟'' میں نے پوچھا تو وہ ہونقوں کی طرح میری طرف دیکھنے لگی۔ یوں جیسے اسے کچھ بھی سمجھ میں نہ آرہا ہوں یا شاید بہت ساری خواہشوں میں سے کوئی ایک خواہش تلاش کر کے مجھے بتانا چاہتی ہو۔ یا شاید وہ بے یقینی کی کیفیت میں ہو۔ کچھ دیر بعد وہ جذباتی لہجے میں بولی۔

''میں چاہتی ہوں کہ میں واپس بالی ووڈ جاؤں، ایک فلم بناؤں جو بلاک باسٹر ہو، میں پیسہ کما کر اسے دکھاؤں۔ وہ اسی لالچ میں میری طرف بڑھے اور میں اسے دھتکار دوں۔

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

میں اسے بتاؤں کہ اس نے میرا سب کچھ چھین لیا ہے تو میں اب بھی کما سکتی ہوں۔"

"اگر ایسا ہو جائے تو.....؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے چونک کر میری طرف دیکھا، پھر خواب زدہ لہجے میں بولی۔

"میرے خیال میں ایسا ممکن نہیں ہے۔ بالی وڈ کی دنیا بڑی ظالم ہے، وہ کسی کو یوں آسانی سے راستہ نہیں دیتی، وہاں چھائے ہوئے لوگ کیسے راستہ دے دیں گے، سب سے پہلے تو میرا اپنی ہی میری مخالفت پر اتر آئے گا، لوگ بھیڑیوں کے مانند میری دولت پر ٹوٹ پڑیں گے۔ نہیں یہ ممکن نہیں ہوگا، تم مجھے خواب مت دکھاؤ۔"

"چلو چھوڑیں، یہ ہوگا یا نہیں لیکن اگر میں کچھ کر کے دکھا دوں تو آپ مانیں گی کہ ایسا ہو سکتا ہے؟" میں نے اطمینان سے کہا۔

"کیا کرو گے تم، کیا کر کے دکھاؤ گے تم؟" اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

"کچھ بھی، یہ مجھ پر چھوڑیں" میں نے کہا اور اس کا ردِعمل دیکھے بنا بولا۔ "اچھا آپ مجھے یہ بتائیں کبھی کسی ایسے بندے کو دیکھا، جو کچھ بھی نہ ہو لیکن آپ کے من میں یہ آیا ہو کہ اسے شہرت کی بلندیوں پر ہونا چاہیے؟"

میرے یوں کہنے پر وہ سوچنے لگی۔ کافی دیر تک وہ یونہی بیٹھی رہی پھر سرسراتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"ایسے تو کئی لوگ آئے میری زندگی میں، بہت سارے ہیں۔ بالی وڈ میں ہیرے ہیں جو مٹی میں پڑے ہیں اور کنکر تاج میں سجائے جاتے ہیں۔"

"پھر بھی کوئی ایک، جو بہت کمزور ہو، جس کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہو، لیکن اس کی صلاحیت ایسی ہو کہ....." میں نے سمجھانا چاہا تو وہ کھوئے ہوئے لہجے میں بولی۔

"ایک عورت آج بھی مجھے یاد ہے۔"

"وہ کون؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم وہ کون تھی۔ ایسے ہی کسی فلم والے کے گھر ملازمہ تھی۔ وہ گنگنا رہی تھی تو مجھے بہت اچھا لگا۔ پھر آج سے دو برس پہلے میں کلکتہ گئی تھی۔ وہاں سے قریب ہی رانا گھاٹ ایک شہر ہے وہاں راکھی ساونت رہتی ہے۔ میں اس سے بھی ملنے چلی گئی۔ وہیں ٹرین میں وہی عورت بھیک مانگ رہی تھی۔ اُسے بھکارن دیکھ کر دکھ ہوا۔ وہ بھیک مانگتے ہوئے لتا جی کا گایا گانا گا رہی تھی۔ کیا درد تھا اس کی آواز میں۔ اگر اس کی آواز کو دیکھا جائے تو اسے شہرت کی بلندیوں پر ہونا چاہیے تھا لیکن اس کی قسمت میں بھیک مانگنا لکھا تھا اور وہ بھیک مانگ رہی تھی۔"

"کوئی اور.....؟" میں نے پوچھا۔

"چھوڑو، تم کس چکر میں پڑ گئے ہو۔ یہ یاد رہے کل تمہیں میرے ہاں آنا ہے، میں تمہیں اپنی بیٹی سے بھی ملواؤں گی۔" اس نے پیار سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور ہم اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔

☆☆☆

تھکے ہوئے نوجوان آندرے نے رانا گھاٹ ریلوے اسٹیشن پر ایک خالی بینچ دیکھی اور اس پر جا بیٹھا۔ وہ دوپہر سے اس بھکاری عورت کو تلاش کر رہا تھا جو لتا منگیشکر کے گائے ہوئے گانے گا کر بھیک مانگتی تھی۔ آندرے وہیں رانا گھاٹ شہر ہی سے تھا۔ اس نے اس بھکاری عورت کو کئی بار دیکھا تھا لیکن آج اسے تلاش کرنے نکلا تو وہ کہیں دکھائی ہی نہیں دے رہی تھی۔ اس نے اپنے طور پر طے کیا کہ اگلے دس منٹ میں وہ اگر اسے مل گئی تو ٹھیک ورنہ کل پھر اسے تلاش کرنے آ جائے گا۔

وہ ایک بینچ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک ٹرین پلیٹ فارم پر آ لگی۔ اسٹیشن پر شور مچ گیا۔ وہ خالی خالی نگاہوں سے مسافروں کو اترتے چڑھتے دیکھنے لگا۔ ایسے میں اچانک اس کی نگاہ اس بھکاری عورت پر پڑی۔ اُجڑے ہوئے بال، کالا رنگ، پیلے دانت، پھٹی پرانی خستہ سی ساڑی، ٹوٹی ہوئی چپل، چہرے پر پھیلی ہوئی غربت، تھکی ہوئی ایک جانب جا رہی تھی۔ آندرے فوراً اس کی طرف لپکا اور قریب پہنچ کر بولا۔

"اے بی بی، میری بات سنو۔"

اس عورت نے حیرت سے آندرے کو دیکھا اور بولی۔

"کیا بات ہے؟"

"اِدھر آؤ، ادھر بینچ پر، میں بتاتا ہوں۔" اس نے بینچ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو اس عورت نے نوجوان آندرے کو غور سے دیکھا اور اس کے ساتھ چل پڑی۔ وہاں بیٹھ جانے کے بعد آندرے نے اپنی جیب سے ایک بڑا نوٹ نکالتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے گانا سناؤ، میں تمہیں یہ نوٹ دوں گا۔"

"اچھا، سنا دیتی ہوں۔" اس نے نوٹ کی طرف دیکھ کر بے یقینی سے کہا۔

"لیکن بہت اچھا سا کر کے، تبھی یہ نوٹ ملے گا۔" یہ

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

کہتے ہوئے اس نے اپنا سیل فون نکالا۔ وہ عورت گانے لگی اور آندرے اس کی ویڈیو بنانے لگا۔ آندرے نے اس سے دو تین گانے سنے، اس کی ویڈیو بنائی اور وہ نوٹ اسے دے دیا۔

''تمہیں میرا گانا اچھا لگا؟''

''ہاں، اچھا لگا، تم بتاؤ کہاں رہتی ہو؟'' آندرے نے پوچھا۔

''یہیں اسٹیشن کے ساتھ میری جھگی ہے۔'' اس نے بتایا۔

''آؤ میں تمہیں چھوڑ دوں۔'' آندرے نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''تم میرا گھر کیوں دیکھنا چاہتے ہو؟'' اس عورت نے پوچھا۔

''اگر دوبارہ ملنا ہوا تو.....'' آندرے نے کہا تو وہ عورت بھی اس کے ساتھ اٹھ گئی۔ آندرے اس کے ساتھ چلتا ہوا ایک چھوٹی سی کچی بستی میں آ گیا جہاں جھگیاں ہی تھیں۔ عورت نے اپنی جھگی کے بارے میں بتایا تو آندرے واپس چل دیا۔ اس نے ایک ویڈیو منتخب کر کے سوشل میڈیا پر وائرل کر دی۔ اسے جو ٹاسک دیا گیا تھا، وہ اس نے پورا کر دیا۔

حیرت انگیز طور پر اس ویڈیو کو کروڑوں لائک اور کمنٹس مل گئے۔ تیسرے دن آندرے کے ساتھ ایک بنگلا زبان بولنے والی لڑکی بھی اس جھگی میں جا پہنچی۔ وہ ایک مقامی چینل کی رپورٹر تھی۔ آندرے کو تب پتا چلا کہ اس بھکاری عورت کا نام سانو جندل ہے۔ رپورٹر لڑکی نے اس کا انٹرویو کیا اور چلی گئی۔ یہیں سے آندرے کو نیا ٹاسک مل گیا تھا۔

☆☆☆

شیوتا دیوی کے ساتھ میں پارک میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہیں میں نے اپنا سیل فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ ویڈیو دیکھیں۔''

اس نے میرا سیل فون پکڑا اور ویڈیو دیکھنے لگی۔ تبھی اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''ارے یہ تو وہی عورت ہے جس کا ذکر کچھ دن پہلے میں نے تم سے کیا تھا۔ یہ ویڈیو.....''

''اب اس سے اگلی ویڈیو دیکھیں۔'' میں نے کہا تو اس نے چند لمحے بعد اگلی ویڈیو دیکھی۔ وہ ایک بڑا میوزک شو تھا، جس میں وہی عورت اسٹیج پر گا رہی تھی۔ وہیں ایک میوزک ڈائریکٹر نے اسے فلم میں گانے کی آفر کر دی تھی۔

''یہ تو چمتکار ہو گیا۔'' اس نے انتہائی حیرت سے کہا۔

''بس میں یہی دکھانا چاہتا تھا، اگر ایک بھکاری عورت چند دنوں میں سلیبرٹی بن سکتی ہے تو آپ کی فلم کیوں نہیں ہٹ ہو سکتی۔'' میں نے اطمینان سے کہا۔

''یہ تو اس کی قسمت تھی اور.....''

''قسمت بنانے اور بگاڑنے میں کچھ اُن دیکھے ہاتھ بھی شامل ہوتے ہیں شیوتا جی۔ آپ ہمت کریں۔'' میں نے سکون سے کہا تو وہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوئے بہت کچھ سمجھ گئی اس لیے سرسراتے ہوئے بولی۔

''مجھے کیا کرنا ہو گا؟''

''کچھ بھی نہیں، بس چند دن بعد آپ نے ممبئی جانا ہے، وہاں آپ کو دو تین ماہ رہنا پڑے گا۔'' میں نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا جہاں جوش بھری سرخی آ گئی تھی۔ اس نے خواب ناک انداز میں کہا۔

''ڈن ہو گیا۔''

''تو بس پھر، آپ چلو، میں کچھ دن بعد آؤں گا۔'' میں نے کہا تو اس کا چہرہ کھل گیا۔

شیوتا دیوی نے جوہو کے علاقے میں اپنے اسی بنگلے میں رہائش رکھی تھی جسے کبھی وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ وہ پچھلے دو ہفتوں سے وہ وہیں پر تھی۔ اندھیری ایسٹ کے علاقے میں ایک بڑی فلم کمپنی کے بینر تلے شیوتا دیوی نے فلم بنانے کا اعلان کر دیا تھا۔ کہانی کار سے لے کر پروڈیوسر تک، اس نے سارے نام بتا دیے تھے۔ یہ وہ نام تھے جو میں نے اسے دیے تھے۔ میڈیا نے نمک مرچ لگا کر اس خبر کو ویسے ہی اچھالا جیسے میں چاہتا تھا۔ آندرے ممبئی میں آ چکا تھا۔ اس کا ایک آرٹیکل بالی ووڈ میں ہلچل مچا گیا تھا۔ حالات کو پورے پلان کے ساتھ آگے بڑھایا جا رہا تھا۔

☆☆☆

ممبئی شہر پر سیاہ بادل پھیل چکے تھے۔ آثار بتا رہے تھے کہ بارش ہو گی۔ ہلکورے لیتی ٹھنڈی ہوا دھیرے دھیرے تیز ہونے لگی تو عبدل بھائی بالکونی میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے سامنے باندرا کے چھوٹے بڑے گھر دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس نے سفید کرتہ اور دھوتی باندھی ہوئی تھی۔ موسم کی ادا دیکھ کر اس کا دماغ تھوڑا بہک گیا تھا۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی نیند سے اٹھا تھا۔ رات کی پی ہوئی شراب کا خمار ابھی تک نہیں اترا تھا۔ اس کا من چاہ رہا تھا کہ ابھی میڈم شکنتلا کو فون کرے اور کوئی اچھی سی لڑکی منگوا کر اس موسم کا لطف لے۔ وہ بالکونی کی طرف آتا ہوا اپنا سیل فون بھی ساتھ

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

میں لے آیا تھا۔ جیسے ہی وہ بالکونی میں آیا تو اسے لگا، یہ موسم گھر میں بند ہو کر بیٹھنے کا نہیں بلکہ باہر کہیں کھلے میں جا کر انجوائے کرنے کا ہے۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکان آ گئی تھی۔ اسے اپنی محبوبہ کیتھرین یاد آنے لگی تھی۔ جو ایک دم سے اس کے خیالوں پر چھا گئی تھی۔ وہ ابھی اسی کشمکش میں تھا کہ کیا کرے۔ ایسے میں اس کا فون بج اٹھا، اسکرین پر وکرم بھائی کے نمبر جگمگا رہے تھے۔ اس نے کال ریسیو کی تو دوسری طرف سے وکرم نے دہاڑتے ہوئے کہا۔

''ابھی اور اسی وقت یہاں میرے پاس آ جاؤ۔''

''خیر تو ہے نا..... وکرم، یوں.....'' اس نے پوچھنا چاہا تو وکرم نے اس کی بات کاٹتے ہوئے انتہائی غصے میں کہا۔

''میں بولا، ابھی کے ابھی اِدھر پہنچنے کا۔''

''او کے آتا ہوں۔'' اس نے کہا اور بالکونی سے پلٹ گیا۔

بارش ایک دم سے آئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے طوفانی ہو گئی تھی۔ عبدل بھائی اپنی فور وہیل لیے جا رہا تھا۔ ونڈ اسکرین پر وائپر چل رہے تھے، پھر بھی منظر صاف نہیں ہو رہا تھا۔ وکرم باندرا ہی میں رہتا تھا۔ عام طور پر وہ یہ سفر دس پندرہ منٹ میں کر لیا کرتا تھا لیکن موسم کی خرابی کے باعث اسے آدھا گھنٹا لگ گیا۔ وہ بڑی احتیاط سے وکرم بھائی کے بنگلے پر پہنچ گیا تھا۔ اس نے دیکھا، پورچ میں پہلے سے دو گاڑیاں کھڑی تھیں۔ وہ سمجھ گیا، اس کے باقی دونوں ساتھی بھی پہنچ گئے تھے۔ اس نے اپنی گاڑی پورچ میں روکی اور پھر اتر کر تیز تیز قدموں سے اندر چلا گیا۔ اس کا رُخ اس کمرے کی طرف تھا جہاں وہ چاروں بیٹھ کر اہم ترین مشورے کیا کرتے تھے۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو اس کی نگاہ وکرم پر پڑی جس کا چہرہ غضب ناک ہو رہا تھا۔ سفید براق شلوار سوٹ میں اس کا سرخ ہوتا ہوا چہرہ کچھ زیادہ ہی غصے کا تاثر دے رہا تھا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے دائیں جانب سیاہ سوٹ پہنے ڈی سوزا بیٹھا تھا، پہلی نگاہ میں وہ کسی سرکاری محکمے کا آفیسر لگ رہا تھا۔ بائیں جانب امیت چوہدری بیٹھا تھا۔ وہ وکرم بھائی کے سامنے جا بیٹھا جو اسے یک ٹک دیکھے چلا جا رہا تھا۔

''خیر بھی جو یوں اچانک بلایا؟'' اس نے پوچھا۔

''خیر اچ تو نہیں ہے سالا۔'' وکرم بھائی نے ہتک آمیز انداز میں کہا۔

''یار بتاؤ گے بھی کہ نہیں، اب تو یہ بھی آ گیا ہے؟'' ڈی سوزا نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا تو وکرم بھائی نے خود پر قابو پاتے ہوئے غضب ناک انداز میں کہا۔

''سالا ہم کو سولہ برس ہو گئے اس دھندے میں، کسی مائی کے لال کا ہمت نہیں ہوا ہم پر ہاتھ ڈالنے کا۔ خاص کر یہ پولیس والے، نجانے کتنے آئے اور کتنے گئے، ہر بندے نے اپنا بولی لگایا، ہم نے اس کا منہ بھرا لیکن آج..... ہماری اچ کروڑوں کی ڈیل پکڑی گئی۔''

''ہائیں.....'' ڈی سوزا نے پھڑکتے ہوئے بے ساختہ کہا۔

''اوہ، یہ کیسے ہو گیا؟'' امیت چوہدری نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ کس نے کیا؟'' اس نے یوں پوچھا جیسے یہ خبر حیران کن ہو۔

''جس نے بھی کیا، یہ آج ہو گیا۔ کروڑوں کی ڈیل پکڑ لی، پنٹر لوگ بھی دھر لیے اور اب انہیں تھانے میں ڈال کر، ان پر تشدد کر کے میرا نام اگلوانے کی کوشش کر رہا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وکرم بھائی غضب ناک ہو گیا۔

''تمہیں اگر یہ سب پتا ہے تو بتاتے کیوں نہیں ہو، یہ کس نے کیا؟'' ڈی سوزا نے طیش سے پوچھا۔

''کوئی دوسرا جانے یا نہ جانے مگر یہ عبدل بھائی.....، جانتا ہے بلکہ اچھی طرح جانتا ہے.....'' وکرم بھائی نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''سیدھی بات کرو، ایسے وقت میں ٹیڑھی بات ہمارے لیے نقصان دہ ہو سکتی ہے۔'' عبدل بھائی نے تیزی سے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''تو سن، رات ہی چارج لیا ہے رانا پرتاب نے اور آج صبح پہلا شکار ہم تھے، سن لیا تم سب نے.....'' وکرم بھائی نے ایک ایک لفظ چبا کر کہا۔ سب اس کی طرف یوں دیکھنے لگے جیسے اس نے کوئی عجوبہ کہہ دیا ہو۔ امیت چوہدری آنکھیں پھاڑے یوں دیکھ رہا تھا جیسے انہونی ہو گئی ہو۔ ان کے درمیان ایک دم سے خاموشی چھا گئی۔ یوں جیسے وہ سانس لینا ہی بھول گئے ہوں۔ کافی دیر بعد عبدل بھائی نے فون نکالتے ہوئے کہا۔

''میں کرتا ہوں بات.....''

''نہیں، تم اسے فون نہیں کرو گے، بالکل بھی نہیں.....'' وکرم بھائی نے انتہائی غضب میں کہا۔ یہ کہتے ہوئے وہ غصے میں لرز رہا تھا۔

''کیوں.....؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''پہلے میری سنو۔'' اس نے سرد سے لہجے میں کہا پھر

waqar Azeem www.pakistanipoint.com

اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے بولا۔ ''ہاں پہلے میری سنو پھر اس سے جا کر بات تم اچ نے کرنی ہے، کیا بات کرنی ہے، یہ بھی مجھ اچ سے سنو۔''

''دیکھ وکرم، اگر تجھے مجھ پر کوئی شک ہو گیا ہے، یا تیرے ذہن میں ایسی کوئی بھی بات ہے تو اسے نکال دے۔ اس کے بعد جو کچھ بھی کہو گے، میں سنوں گا۔'' عبدل بھائی نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''حالات ہی ایسے ہیں عبدل، شک ہو سکتا ہے۔'' ڈی سوزا نے کہا۔

''کیوں شک ہو سکتا ہے؟ یہ ضروری نہیں، جب تک یقین نہ ہو، تب تک بات بھی نہیں کرنی چاہیے۔ عبدل ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' امیت نے سوچتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''وکرم، جو بھی کہنا، بہت سوچ کر، یہ نازک وقت ہمیں الگ الگ بھی کر سکتا ہے یا پھر ہمیشہ کے لیے جوڑ بھی سکتا ہے۔'' عبدل نے کہا تو وکرم بھائی نے ایک طویل سانس لی جیسے اسے تھوڑی بہت سمجھ آ گئی ہو۔ اس نے عبدل بھائی کی طرف غور سے دیکھا پھر بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

''تو خود اس کے پاس جا، اس سے پوچھنا نہیں، بالکل نہیں..... بس اسے کہنا ہے۔'' اس نے غصے میں بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔

''سمجھا نہیں، کیا پوچھنا اور.....'' عبدل نے پوچھنا چاہا تو وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

''اس سے یہ نہیں پوچھنا کہ اس نے ایسا اچ کیوں کیا، اسے یہ کہنا کہ سب سے پہلے ہمارا پکڑا ہوا مال ہمیں واپس کر کے ہمارے پنٹر لوگ کو چھوڑے۔ اس کے بعد اچ جیسا وہ ڈیل چاہے گا ہم کر لے گا۔''

''اور اگر وہ نہ مانا تو.....؟'' امیت نے شک بھرے لہجے میں پوچھا۔

''تو پھر، یہ..... عبدل بھائی..... خود اس کے بدن میں گولی اتارے گا۔'' وکرم بھائی نے انتہائی نفرت سے کہا تو سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ تبھی ڈی سوزا نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''یہ کیا کہہ رہا ہے تم، ایسا.....؟''

''ٹھیک کہہ رہا ہوں، یہ صرف ڈیل پکڑنے کا غصہ نہیں، ہماری ساکھ کا پرابلم بھی ہے۔''

''دیکھو، ساکھ بن جاتی ہے اور.....'' اس نے سمجھانا چاہا لیکن وکرم بھائی نے ہذیانی انداز میں کہا۔

''وہ جو ہمارا خوف ہر طرف پھیلا ہوا ہے، وہ ختم ہو جائے گا، یہی ہمارا ڈر ہے، جس کی وجہ سے ہم اپنا دھندا کرتے ہیں۔ جب تک ہماری دہشت ہے، تب تک ہم ہیں، ورنہ.....'' وہ کہتے کہتے رُک گیا پھر سب کی طرف دیکھنے لگا۔

چند لمحے کی خاموشی طاری رہی پھر امیت چوہدری سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''کہتے تم ٹھیک ہو۔''

''لیکن ایک پولیس والے کو مارنے کا مطلب، پوری پولیس فورس کو اپنے پیچھے لگا لینا ہے؟'' ڈی سوزا نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

''جانتا ہوں.....'' یہ کہہ کر اس نے سب کی طرف دیکھا، کسی کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر بولا۔ ''آر یا پار..... یا تو ہم اس علاقے پر حکومت کریں گے یا..... نہیں کریں گے۔'' وکرم بھائی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''دیکھ وکرم، اس وقت تیرا دماغ گرم ہے، اچھی طرح سوچ لے۔'' عبدل بھائی نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا تو وہ اٹھا اور اس کے بالکل سامنے جا کھڑا ہوا۔ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتے رہنے کے بعد اس نے عبدل بھائی کے سینے پر اپنی انگلی رکھتے ہوئے عجیب طنزیہ لہجے میں کہا۔

''اس..... رانا پرتاب کو مارنے کے واسطے..... نہ تیرا پرمیشن کی ضرورت ہے اور نہ تیرے پسٹل کی..... تو جانتا ہے کہ میں اسے اب تک مار چکا ہوتا، اور تو..... یہ بھی جانتا ہے کہ میں یہ تجھے اچ..... کیوں کہہ رہا ہوں۔''

''بات کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بھاؤ دیتا ہے تو جتنا پیسہ مانگتا ہے دے دو، نہیں مانتا تو ختم کر دو۔'' ڈی سوزا نے بڑے سکون سے کہا جیسے اس کی سمجھ میں بات آ گئی ہو۔

''گھبراؤ مت، اگلا آنے والا انسپکٹر ہمارا ہو گا، میں بات کر لیتا ہوں۔'' امیت چوہدری نے اپنا فون نکالتے ہوئے کہا۔

''ابھی نہیں، ابھی بات مت کرو، میں اس عبدل بھائی کی ڈیل دیکھنا چاہتا ہوں۔ کیا کرتا ہے یہ.....'' وکرم نے یوں کہا جیسے وہ کوئی بات جانتے ہوئے بھی چھپا رہا ہو۔

عبدل بھائی نے چند لمحے وکرم کی طرف دیکھا، پھر اس نے ان دونوں پر نگاہ ڈالی اور کمرے سے جانے لگا۔ تبھی وکرم بھائی نے زور سے کہا۔

''اور سن.....''

وہ رکا اور پلٹ کر وکرم بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''سنا، کیا کہتا ہے۔'' اس کے لہجے میں دبا دبا غصہ تھا تبھی

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

وکرم بھائی طنزیہ لہجے میں زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی جانب انگلی کر کے بولا۔

''اگر تو نے اس کے گولی ماردی تو سمجھ..... اگلے الیکشن میں ایم ایل اے تو ہوگا، مطلب تو.....''

امیت چوہدری نے اس کی طرف غور سے دیکھا، پھر یوں طویل سانس لی جیسے وہ بہت کچھ سمجھ گیا ہو۔ عبدل نے کوئی عندیہ نہیں دیا بلکہ پلٹ کر کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

☆☆☆

رانا پرتاب اپنے پولیس اسٹیشن پر بیٹھا تھا جہاں اس کی ڈیوٹی تھی۔ وہاں شام ہو چکی تھی۔ وہ سب سے الگ تھلگ مجھ سے فون پر بات کر رہا تھا۔ چند دن سے وہ نئے فون اور نئی سم نمبر سے پوری طرح رابطے میں تھا۔ ایک طرح سے یہ رابطہ ہاٹ لائن ہی کے مانند تھا۔ میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔ ان سرکاری لوگوں کے فون اکثر سنے جاتے تھے۔ کئی دوسرے بھی ان کے فون کا ریکارڈ دیکھ سکتے تھے۔

''کب تک پہنچ رہا ہے تیرا وہ عبدل.....؟'' میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں رانا پرتاب سے پوچھا۔

''کہا تو اس نے تھا کہ وہ آرہا ہے مگر ابھی تک پہنچا نہیں۔'' رانا نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

''میرا خیال ہے اسے بہت زیادہ وقت ہو گیا ہے۔ وہ اب نہیں آئے گا۔'' میں نے پھر اسی اکتائے ہوئے انداز میں کہا تو وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''اس کا باپ بھی آئے گا، دیکھنا۔''

''دیکھ ہی تو رہا ہوں یار، وہ تو یوں اپنا انتظار کروا رہا ہے، جیسے ہم کسی محبوبہ کی راہ میں بیٹھے ہوئے ہوں۔'' میں نے ماحول کے تناؤ کو توڑنے کے لیے کہا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا پھر حسرت سے بولا۔

''یار وہ بھی کیا دن تھے..... ایک لڑکی کے لیے راستے میں آنکھیں کیا پورے کا پورا اپنا آپ بچھا کر رکھتے تھے۔''

''تب کوئی دنیا کا دکھ نہیں تھا، اب تو بس آگ ہی آگ ہے ہر طرف.....'' میں نے تلخی سے کہا تو وہ میری بات نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

''تمہیں یاد ہے، اس کا باپ شادی کے لیے بھی راضی ہو گیا تھا لیکن ہماری غربت ہمیں مات دے گئی۔ میرے پاس تھوڑے سے بھی پیسے ہوتے نا تو میں شادی کر لیتا مگر اچھا ہوا یار نہیں ہوئی۔ شادی کے بعد میں پڑھ ہی نہ سکتا۔ تم نے بہت احساس کیا میرا، مجھے پڑھایا، اور آج میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔ اب رشوت کا اتنا پیسہ ہے کہ.....'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

''اچھا تم کر چکے بکواس، اب میں فون رکھتا ہوں، جب وہ آجائے تو مجھے کال کر لینا، میں گھر پر ہی ہوں، اسی وقت بات کر لوں گا۔'' میں نے کہا تو وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''آگیا ہے وہ، باہر اس کی فوروہیل رکی ہے۔''

میں خاموش رہا۔ اس نے فون میز پر رکھ دیا تھا۔ مجھے وہاں کی آہٹیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد عبدل کی آواز ابھری۔

''معاف کرنا، مجھے کچھ دیر ہو گئی، رستے میں.....''

''مدعے پر آؤ۔'' رانا پرتاب نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

''بات تو تم کو کرنی ہے، ہمارے لوگ چھوڑو، مال واپس کرو..... اپنا بتاؤ کیا لو گے؟'' اس نے بے خوف انداز میں کہا۔

''اور اگر میں ایسا نہ کروں..... تب تم مجھے گولی مار دو گے، اس کے بعد تم ایم ایل اے بن جاؤ گے، سیاست میں آجاؤ گے۔ یہی کہا ہے نا وکرم بھائی نے؟'' رانا نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''ہاں، ایسا ہی ہے۔'' اس نے صاف کہا۔

''لیکن تمہیں ہی کیوں کہا مجھے مارنے کو، یہ سوچا تم نے؟ اس کے ساتھ اس نے تمہیں یہ بھی کہا کہ رانا پرتاب کو مارنے کے واسطے نہ تیرا پرمیسن کی ضرورت ہے اور نہ تیرے پسٹل کی، تم جانتے ہو کہ میں اسے اب تک مار چکا ہوتا، اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ میں یہ تمہیں اچ کیوں کہہ رہا ہوں۔'' رانا پرتاب نے وکرم کے لب و لہجے کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ سب تمہیں بتایا کس نے؟'' عبدل کی حیرت بھری آواز ابھری۔

''یار پولیس والا ہوں، تم لوگوں کے اندر تک رسائی رکھتا ہوں۔ مجھے خواب نہیں آتے، کب کہاں اور کس سے ڈیل ہوتی ہے۔'' رانا پرتاب نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''بتاؤ، وہ غدار کون ہے؟'' اس نے غصے میں کہا۔

''ایسی بات بے وقوف کرتے ہیں، ایک صحافی اپنا سورس نہیں بتاتا، میں تو پھر قانون والا ہوں۔'' اس نے طنزیہ لہجے میں کہا تو ان میں خاموشی چھا گئی، پھر چند لمحوں بعد اس نے کہا۔ ''یہ سوچا، تمہیں ایسا کیوں کہا گیا؟''

''میں نہیں جانتا۔'' عبدل نے صاف گوئی سے کہا۔

''مگر میں جانتا ہوں۔ اندر کی کہانی یہ ہے کہ وہ تمہیں مارنا چاہتے ہیں۔ ہر حال میں تمہیں مارنا چاہتے ہیں۔'' رانا نے جذباتی انداز میں کہا۔

waqar azeem www.pakistanipoint.com

''وہ کیوں..... ماریں گے؟'' اس نے حیرانگی سے پوچھا۔

''یہ میز پر فون پڑا ہے۔ اسے اٹھاؤ اور ہیلو کہو، تمہیں سب سمجھ میں آجائے گا۔'' اس نے تجسس آمیز لہجے میں کہا۔

کچھ دیر بعد فون پر عبدل نے ہیلو کہا تو میں بولا۔

''عبدل، یاد کر اس وقت کو، جب تم سڑک پر پڑے تھے۔ چند لوگوں نے تمہیں کتّے کی طرح مارا پیٹا تھا، کس نے تمہارے زخموں کا علاج کروایا تھا۔ کون تھا جس نے تمہیں روٹی کھلائی تھی؟''

''تم..... راج ویر.....'' اس نے انتہائی جذباتی لہجے میں کہا۔ وہ مجھے پہچان چکا تھا۔ چند لمحوں کے بعد بولا۔

''کہاں ہو تم، مجھے تو یہی کہا گیا تھا کہ تم 'کھلاس' ہو چکے ہو۔ مجھے بتاؤ..... تم.....''

''یاد ہے تمہارے ہاتھ میں کس نے پسٹل دیا تھا۔'' میں نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں میں اپنے سارے زخم جانتا ہوں۔ زخموں پر مرہم رکھنے والا بھی جانتا ہوں۔ جس نے مجھے جینا سکھایا، میں آج بھی اسے یاد کرتا ہوں۔'' اس نے رو دینے والے انداز میں کہا۔

''تم جانتے ہو وکرم نے تمہیں کیوں کہا؟'' میں نے پوچھا۔

''اسے یہ پتا ہے کہ میں اور پرتاب کبھی دوست رہے ہیں..... لیکن یہ ساری باتیں تمہیں.....'' اس نے سکون سے کہا۔

''میں تو یہ بھی جانتا ہوں وہ تمہاری جان لینا چاہتے ہیں، انہوں نے تمہارے بعد ڈی سوزا کو بھی ٹھکانے لگانا ہے۔ اور پھر وہ ہوں گے اور ممبئی کے اس علاقے اندھیری کے بے تاج بادشاہ۔ کوئی ٹوکنے ٹوکنے والا نہیں ہوگا انہیں۔'' میں نے کہا تو وہ ایک دم غصے میں بولا۔

''راج ویر..... بات سمجھ میں نہیں آرہی، وہ کیوں.....'' اس نے کہنا چاہا تو میں پُرسکون انداز میں بولا۔

''دس برس ہو گئے اور تمہیں یہ تک معلوم نہیں کہ تم چاروں کا باپ کون ہے۔ پتا ہے تمہیں.....''

''ہمارا باپ ہم خود ہیں راج ویر۔ پر میں تمہاری بات جھٹلا نہیں سکتا، بولو کیا ثبوت ہے تمہارے پاس اور تم چاہتے کیا ہو؟'' اس نے حتمی انداز میں کہا تو میں قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

''میں پہلے تمہیں ثبوت دے دوں، پھر بتاؤں تمہیں کہ میں کیا چاہتا ہوں؟''

''بتاؤ کیا ہے ثبوت.....؟'' اس نے تیزی سے پوچھا۔

''تم اپنے بندے لے جاؤ، اور ڈیل بھی، پھر اُن سے ایک ہی سوال کرنا، اس وقت جو ایم ایل اے، وہ فوراً استعفا دے، تاکہ تم ایم ایل اے بن جاؤ۔ اگر کل تک استعفا آجائے تو ٹھیک، ورنہ پھر مجھے بتانا اگر تم اس قابل رہے کہ تم مجھے بتا سکو.....''

''ایسا کیا.....؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں ایسا ہی ہے۔'' میں نے کہا تو دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔

''بول عبدل..... کیا کہتا ہے؟'' رانا پرتاب کی آواز گونجی۔

''جو راج ویر کہتا ہے وہ مجھے دیکھنے دے، ماں قسم دیکھنا، کیسی تباہی لاتا ہوں۔ یہ میرے اندر کا عبدل نہیں جانتے۔'' اس نے غصے میں کہا تو رانا نے مجھے کہا۔

''میں اس کے پنٹر چھوڑ رہا ہوں۔ ڈیل بھی دے رہا ہوں۔ اس سے یہ پوچھ لو میری مدد چاہیے یا نہیں۔''

''نہیں..... مجھے کوئی مدد نہیں چاہیے۔'' اس نے کہا پھر خاموشی چھا گئی۔

☆☆☆

شام ڈھل کر رات میں بدل گئی تھی۔ ابھی رات کا پہلا پہر تھا۔ عبدل اپنے گھر پر موجود تھا۔ اس نے جیسے ہی اپنے بندے پولیس اسٹیشن سے چھڑوائے، اپنا مال اٹھانے پہنچایا۔ تبھی اس نے وکرم بھائی سے فون پر رابطہ کیا تھا۔ فوراً ہی کال ریسیو کر لی گئی۔

''ہاں عبدل بول.....''

''تیرے پنٹر لوگ بھی آگئے اور تیری ڈیل بھی واپس کر دی ہے۔ اب بول آگے کیا کرنا ہے؟'' اس نے تلخی سے پوچھا۔

''پانچ دس لاکھ دے دینے تھے رانا کو۔ اور اس سے پوچھ لے، آگے کیا کرنا ہے اس نے، مرنا ہے یا ہمارے ساتھ کام کرنا ہے؟'' وکرم نے نخوت سے کہا تو وہ اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

''وہ میں دیکھ لوں گا، مجھے دوسری بات کرنی ہے۔''

''کون سی بات.....؟'' وکرم بھائی نے بے پروائی سے پوچھا۔

''ایم ایل اے والی..... وہ جو اس وقت ایم ایل اے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ہے، اسے کہو ابھی کے ابھی استعفا دے۔ میں اس کی خبر ٹی وی پر سنوں گا۔'' عبدل نے دبے دبے غصے میں کہا تو وکرم نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''تو سنک گیا ہے کیا؟ ابے سالے، یہ نیتا گیری کوئی ایک دن کا کام تھوڑی ہے، ایک دو ہفتے لگیں گے، اسے.....''

''میں نہیں جانتا، تو نے مجھے کہا، میں نے کر دکھایا، اب جو تو نے بولا، وہ کر، ابھی کے ابھی کر.....'' عبدل نے دہاڑتے ہوئے کہا۔

''دیکھ عبدل، مجھے لگتا ہے تو نے کچھ جادا چ پی لے... تو ایسا کر، سکون سے سوجا، کل بات کریں گے.....'' وکرم نے اسی حقارت سے کہا۔

''میں نے صبح سے ایک گھونٹ نہیں پیا، کیوں نہیں پیا، تو جانتے ہو۔ رات دس بجے سے پہلے، بس.....'' عبدل نے کہا اور فون بند کر دیا۔

اس کا دماغ سلگ رہا تھا۔ دس برس تک اس نے وکرم بھائی کے ساتھ کام کیا تھا۔ اس دوران ایک بھی لمحہ ایسا نہیں آیا تھا جب اس نے اس گینگ کے خلاف ذرا سا بھی سوچا ہو۔ پہلی بار وکرم نے جو اس پر غداری کا شک کیا تھا، وہ اس کے لیے سوہانِ روح تھا۔ اس سے بھی زیادہ، آج ہی اس نے راج ویر کی آواز سن لی تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ راج ویر اور رانا پرتاب کے اس پر بہت احسان تھے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اس نے وکرم بھائی اور اس کے گینگ کا بھروسا بھی توڑا تھا۔ وکرم کے پلان کے بارے جو راج نے بتایا تھا، اس کا دل مان رہا تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔ وہ راج ویر پر مکمل بھروسا کرتا تھا۔

اس وقت وہ کار ریڈ ور میں ٹہل رہا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ وکرم کوئی نہ کوئی جگاڑ لگائے گا، اگر وہ مخلص ہوا، ورنہ جو راج ویر نے کہا وہی سچ ہے۔ اس کا اضطراب بہت بڑھ گیا تھا۔ اس کی زندگی میں بہت بڑا موڑ آنے والا تھا۔ یہی موڑ اس کی زندگی اور موت کا فیصلہ کر دینے والا تھا۔ اسی دوران اس کا فون بجا۔ نمبر نہ صرف اجنبی تھے بلکہ غیر ملکی تھے۔ اس نے کال ریسیو کی تو دوسری جانب راج ویر تھا۔

''ابے او بھوندو..... کیا کر رہا ہے؟'' اس نے بے تکلفی سے پوچھا۔

''یہی وکرم کے بارے میں سوچ رہا ہوں، کہہ دیا میں نے اس سے کہ وہ ایم ایل اے سے.....''

''اسے چھوڑ، اب تجھے کچھ بھی پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، دماغ استعمال کر، میں نے تیرے فون پر ایک ویڈیو بھیجی ہے، دیکھ، سب سمجھ میں آجائے گا، پر دیکھ دماغ استعمال کرنا۔'' راج ویر نے کہا اور فون بند کر دیا۔ عبدل بھائی نے جلدی سے ویڈیو کھولی اور دیکھنے لگا۔

شام کے جھٹپٹے میں ممبئی کے علاقے اندھیری ہی کی ایک ویران سڑک پر کار جا رہی تھی۔ جس نے بھی یہ ویڈیو بنائی تھی، وہ کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ ڈی سوزا کار چلا رہا تھا۔ اس کے برابر انہی کا ایک آدمی بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ کار تیزی سے جا رہی تھی۔ سیاہ سڑک کے دونوں اطراف سرسبز درخت تھے۔ اگلی نشست پر بیٹھے وہ دونوں باتیں کر رہے تھے۔ اچانک ڈی سوزا نے کار روک دی۔ پھر پسنجر سیٹ پر بیٹھے آدمی سے بڑے اطمینان سے پوچھا۔

''ہاں کہو، کیا بات کرنا چاہتے ہو؟''

''ڈی سوزا..... اپن وکرم بھائی کے ساتھ ہے۔ اس نے ہم سے پرامس کیا ہے کہ مجھے اس علاقے کا ڈان بنا دے گا، جس کا تو ڈان ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے پسٹل نکال لیا۔ ڈی سوزا ذرا بھی نہیں گھبرایا، اس نے اطمینان سے کہا۔

''وکرم بھائی تجھے کچھ نہیں دے گا سوائے موت کے۔ جو مجھے مار سکتا ہے، وہ تجھے کہاں چھوڑے گا۔ سوچ، اچھی طرح سوچ..... کیا دے گا؟''

''یہ اندھیری اپن کا بس..... تم جائے تو اپن کا ہوئیں گا نا..... پھر وکرم میرے رستے میں آئے گا تو وہ بھی کھلاس ہوئیں گا۔'' اس نے پسٹل تانتے ہوئے بے دردی سے کہا۔

''تو مجھے مار مت، میں گوا چلا جاتا ہوں ابھی کے ابھی، واپس نہیں آؤں گا، تو جانے اور اندھیری جانے..... سب تیرا.....'' ڈی سوزا نے کہا۔

''نہیں تجھے اوپر جانے کا.....'' اس نے یہ کہتے ہوئے پسٹل اس کی کنپٹی پر رکھ دیا تو وہ بولا۔

''میں نے تجھ پر سب سے زیادہ بھروسا کیا ہے وکٹر اور تو.....'' لفظ اس کے منہ ہی میں رہ گئے۔ ایک فائر ہوا اور خون پھیل گیا۔

''اُوئے.....'' عبدل کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ پھر چند ثانیے یونہی ساکت رہنے کے بعد بڑبڑاتے ہوئے بولا۔ ''بہت برا کیا وکرم، بہت برا کیا تو نے.....''

اگلے ہی لمحے اس کے ہاتھوں میں فون تھرتھرانے لگا۔ وہ راج ویر کا فون تھا۔ اس نے فوراً کال ریسیو کر لی۔

''ڈی سوزا گیا اور اب تیری باری ہے۔'' راج ویر نے کہا۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''تم ٹھیک کہتے تھے، اب وکرم میرے ہاتھوں سے نہیں بچے گا۔'' عبدل نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''ابھی کچھ دیر بعد وہ تجھے فون کرنے والا ہے، تجھے بلائے گا، کوئی بھی بہانہ کر کے بلائے گا۔ اب اگر بچ سکتا ہے تو بچ جا۔ میں تیرے لیے یہی کر سکتا ہوں۔ کچھ اور بول تو.....'' راج ویر نے کہا۔

''بس، اتنا ہی کافی ہے، انہیں ان دس برسوں میں پتا ہی نہیں چلا عبدل کس بلا کا نام ہے۔'' اس نے غصے کی شدت سے کہا تو راج ویر نے فون بند کر دیا۔ عبدل نے چند لمحے سوچا اور فون پر نمبر ملانے لگا۔ وہ اپنے فون پر بات کر ہی رہا تھا کہ اس کے فون پر وکرم کی کال آنے لگی۔ اس نے کار ریسیو کر لی۔

''ہاں بول وکرم.....''

''تو ایسا چ کر، جلدی سے نکل کر بیچ پر آ جا، آج تھوڑا جشن کا موڈ ہے۔'' وکرم نے خمار آلود لہجے میں کہا۔

''تیرا موڈ ہے تو کر موج، میں آج تھکا ہوا ہو، ادھر.....'' اس نے کہنا چاہا تو وکرم تیزی سے بولا۔

''ارے تیری پسند کی چھمیا ہے، انگلش دارو ہے، کھلا سمندر ہوگا، اور ہم چاروں ہوں گے، عیش کریں گے۔''

''امیت تیرے ساتھ ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں وہ اپنے گھر سے آ رہا ہے۔'' وکرم نے کہا۔

''چل ڈی سوزا کو بول وہ مجھے لیتا جائے۔'' اس نے کہا۔

''تو آ جانا، کیوں نخرے کر رہا ہے، وہیں بات کر لیں گے تیرے ایم ایل اے بننے کی۔'' وکرم نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''چل آتا ہوں۔'' اس نے کہا تو وکرم نے فون بند کر دیا۔ عبدل کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ اس کا من چاہ رہا تھا کہ ڈی سوزا کے نمبر پر کال کرے، لیکن وہ کوئی شک پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ وکرم کے ساتھ کیا کرے گا۔

☆☆☆

رانا پرتاب تیزی سے پولیس کمشنر کے کمرے میں داخل ہوا۔ پولیس کمشنر سامنے میز کے پاس کرسی پر براجمان تھا۔ اس کے سامنے دائیں جانب ایم ایل اے ملہوترا بیٹھا ہوا تھا۔ سفید کرتہ پاجامہ، خاکی ویسٹ کوٹ، سر پر سفید گاندھی کیپ، لمبا چکنا شیو چہرہ اور دبلا پتلا سا وہ رانا پرتاب کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے جاتے ہی سیلوٹ مارتے ہوئے کہا۔

''یس سر.....''

''رانا ان کو جانتے ہو؟'' کمشنر نے پوچھا۔

''جی، انہیں کون نہیں جانتا، یہ ملہوترا صاحب ہیں ہمارے علاقے کے ایم ایل اے.....'' اس نے تیزی سے مؤدب لہجے میں کہا۔

''انہیں انڈر ورلڈ سے کچھ اطلاعات ملی ہیں کہ کوئی ان کی زندگی لینا چاہتا ہے۔ کسی نے کسی کو ان کی سپاری دے دی ہے۔ مطلب انہیں کچھ واضح نہیں ہے لیکن جن ذرائع نے انہیں یہ اطلاع دی ہے وہ معتبر ہیں۔'' کمشنر نے یوں کہا جیسے وہ اس سے جان چھڑانا چاہتا ہو۔

''سر، میرے لیے حکم؟'' اس نے پوچھا۔

''آپ ان کے ساتھ کچھ دیر بیٹھیں، ان کے ساتھ بات کریں، جس حد تک ہو سکتا ہے ان کی مدد کریں۔ اگر کوئی ایسا مسئلہ ہے تو اسے حل کریں۔ اگر آپ کو کوئی تحکمانہ حکم بھی چاہیے تو وہ لے سکتے ہیں۔'' کمشنر نے کہا۔

''جی سر، جو حکم۔'' اس نے الرٹ ہوتے ہوئے کہا۔

''آپ بیٹھیں یہاں، مجھے کچھ ضروری کام ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے پولیس کمشنر اٹھا، اس نے کیپ اپنے سر پر جمائی اور ملہوترا سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔ ''یہ میرا قابل آفیسر ہے، آپ اس پر اعتماد کر سکتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا تو کمشنر اپنے آفس سے نکلتا چلا گیا۔ ملہوترا زیر لب مسکراتے ہوئے کمشنر کو جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ تبھی رانا پرتاب اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''جی ملہوترا صاحب..... بتائیں، کس سے کیا معلوم ہوا؟''

''تم شاید جانتے ہو، وکرم بھائی نامی ایک غنڈا ہے اس علاقے میں؟''

''ہاں، میں جانتا ہوں وہ میرے خیال میں آپ کو سپورٹ.....'' اس نے کہتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''میں مانتا ہوں، وہ مجھے سیاسی طور پر سپورٹ کرتا رہا ہے۔ میں نے بھی اس کے کئی کام کیے ہیں۔ اب بھی اس کی پشت پناہی کرتا ہوں، مجھے آج ہی یہ پتا چلا ہے کہ اس نے اپنے ساتھی عبدل کو میری سپاری دی ہے۔'' ملہوترا نے دبے دبے غصے میں بتایا۔

''جہاں تک میں جانتا ہوں، اور آپ بھی جانتے ہیں، وہ چار افراد ہیں اور چاروں برابر کے ہیں۔ ان کے مفاد ایک

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو سپاری کیوں دیں گے؟ پھر اس کے بعد سوال یہ ہے کہ آخر ایسی کیا بات ہوئی کہ انہوں نے آپ کی سپاری اپنے ہی بندے کو دے دی، بات سمجھ میں نہیں آرہی ملہوترا صاحب؟''

''آج ہی ان کی ایک ڈیل پکڑی گئی تھی، وہ اس کا ذمے دار مجھے سمجھ رہے ہیں۔'' اس نے بتایا۔

''وہ تو کوئی بات نہیں، وہ ڈیل میں نے ہی پکڑی تھی اور پھر چھوڑ بھی دی۔ میں خود جانتا ہوں کہ اس کے لیے مجھے کتنی محنت کرنا پڑی تھی۔ حالانکہ مجھے چند دن.....'' اس نے کہنا چاہا تو مہلوترا اس کی بات کاٹ کر بولا۔

''میں جانتا ہوں لیکن مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ انہوں نے ایسی بات کیوں کی، وہ مجھے کیوں مارنا چاہتے ہیں۔ وہ بھی عبدل کے ہاتھوں؟''

''مجھے لگتا ہے آپ کے جو ذرائع ہیں، انہیں غلط فہمی ہوئی ہے یا پھر آپ خود ڈراما کر رہے ہیں۔'' رانا پرتاب نے سخت لہجے میں کہا۔

''کیا کہا، تم ہوش میں تو ہو انسپکٹر، کیا اول فول بک رہے ہو، میں کیوں ڈراما کرنے لگا؟'' وہ ایک دم ہتھے سے اُکھڑ گیا۔

''ناراض نہ ہوں، اس کی ایک معقول وجہ ہے میرے پاس۔'' اس نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

''کیا وجہ ہے؟'' اس نے سرسراتے ہوئے پوچھا۔

''نیتا جی، کیا آپ کا چند ہفتوں سے ڈی سوزا نامی ایک غنڈے سے جھگڑا چل رہا تھا، جو وکرم بھائی ہی کا ساتھی ہے؟'' رانا پرتاب نے پوچھا۔

''ہاں تو، وہ مجھ سے دو کروڑ مانگ رہا تھا، بغیر کسی وجہ کے؟'' ملہوترا نے جوش میں آکر بتایا۔

''وہ قتل ہو گیا ہے۔'' اس نے ڈرامائی لہجے میں کہا تو ملہوترا کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔ اس نے شدید حیرت سے پوچھا۔

''کس نے کیا ڈی سوزا کو قتل؟''

''وہ قاتل میرے قبضے میں ہے۔ میں نے اسے پکڑ لیا ہے۔ اس نے جو بیان دیا ہے، وہ سننا پسند کریں گے آپ؟'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا بیان دیا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''اس نے کہا ہے کہ مجھے ایم ایل اے ملہوترا نے ڈی سوزا کو مارنے کی سپاری دی تھی، میں نے مار دیا۔'' رانا پرتاب نے کہا تو ملہوترا کا رنگ اُڑ گیا۔ وہ چکرا کر رہ گیا۔ وہ چند لمحے خاموش رہا پھر دھیمے سے بولا۔

''بڑی گہری سازش کی ہے کسی نے؟''

''اب آپ خود دیکھ لیں۔'' اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''دیکھو، مجھے کچھ سوچنے کا موقع دو، تم اس خبر کو کسی طرح میڈیا تک نہ پہنچنے دو، میں سب دیکھ لیتا ہوں۔'' اس نے منت بھرے انداز میں کہا۔

''دیکھو ملہوترا جی، میں دو تین گھنٹے تک تو چھپا سکتا ہوں پھر یہ بات میڈیا تک تو آنی ہے۔ ڈی سوزا کی گم شدگی کی رپورٹ تو کسی نہ کسی نے کرنی ہے۔ وہ بھی میرے ہی تھانے میں ہوگی، اب بولو، میرا ہی کوئی ماتحت بول دیتا ہے کہ ڈی سوزا کا قاتل ہمارے پاس اقرار کر چکا ہے تو.....؟'' اس نے جان بوجھ کر اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''میں جانتا ہوں تم سب کچھ کر سکتے ہو۔ بولو کیا چاہتے ہو؟'' اس نے ایک دم کاروباری انداز میں پوچھا۔

''جو پوچھوں سچ بتانا، سب سنبھال لوں گا۔'' اس نے کہا۔

''پوچھو، سچ بتاؤں گا۔'' ملہوترا نے حتمی انداز میں کہا۔

''ڈی سوزا کا قتل کروایا؟'' اس نے ملہوترا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''نہیں..... بالکل بھی نہیں۔ ہاں اگر وہ مجھے مزید تنگ کرتا تو.....''

''دو کروڑ کیوں مانگ رہا تھا؟'' رانا نے پوچھا۔

''بس ایویں بھتا مانگ رہا تھا۔ میں نے پتا کیا تو معلوم ہوا کہ اس کے پیچھے میرا کاروباری حریف رویندر پرکاش ہے۔''

''رویندر پرکاش.....'' رانا نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''ہاں وہی..... اور مجھے لگتا ہے، یہ بھی اسی کی سازش ہے۔ ایک بہت بڑا کانٹریکٹ، تقریباً دو سو کروڑ کا ہے، جسے میں لینا چاہ رہا ہوں اور وہ بھی۔'' ملہوترا نے صاف بتا دیا پھر چند لمحے رک کر پوچھا۔ ''میں نے تمہیں سچ بتا دیا، اب بولو، کیا کہتے ہو؟''

''دیکھو مجھے نہ تمہارے کانٹریکٹ کی ضرورت ہے نہ رویندر پرکاش سے کوئی مطلب، میں نے اگر اس علاقے میں من مانی کرنی ہے تو اوپر تک سب کو خوش رکھنا ہے۔ خوش کیسے رکھتے ہیں، آپ جانتے ہو۔ بڑی بڑی فرمائش ہوتی ہے۔'' رانا نے کہا تو ملہوترا مسکراتے ہوئے بولا۔

''ہاں جانتا ہوں، کمشنر تمہیں میرے پاس بٹھا کر خود

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کیوں باہر چلا گیا، سمجھتا ہوں۔ چل دو کروڑ تمہارے.....''

''مجھے کچھ بھی نہیں بچے گا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تین کروڑ.....؟'' ملہوترا نے کہا۔

''ڈن، لیکن کام میری مرضی کا۔ اگر اپنی مرضی کا چاہو تو ایک.....'' رانا نے ہنستے ہوئے کہا۔

''دی، لیکن پہلے اس گواہ سے تو ملا دو۔'' ملہوترا نے کہا۔

''آؤ۔'' اسی لمحے رانا پرتاب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

دونوں چلتے ہوئے کمشنر آفس سے باہر آگئے۔ ملہوترا کا اپنا پروٹوکول اور سیکیورٹی کھڑی تھی۔ وہ رانا پرتاب کے ساتھ بیٹھ گیا۔ گویا پورا..... قافلہ چل پڑا۔

☆☆☆

اندھیری رات میں سمندر کے سینے پر جاتا وہ بجری بجرا روشنی سے سجا ہوا تھا۔ بجرا ساحل سے کافی دور آچکا تھا۔ اس پر میوزک کا بڑا شور تھا۔ سمندر کی مخصوص بُو اور شفاف ہوا تیز تھی۔ ایک طرف امیت چوہدری بیٹھا ہوا تھا، اس سے ذرا فاصلے پر وکرم بھائی بیٹھا تھا۔ اس سے ذرا دور عبدل بھائی موجود تھا۔ ان کے درمیان خاموشی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ہر بندہ اپنی اپنی جگہ سوچ رہا ہو۔ جس وقت وہ بجرے پر سوار ہوا تھا، اسی وقت عبدل بھائی نے آتے ہی وکرم سے پوچھا تھا۔

''ڈی سوزا نہیں پہنچا ابھی تک.....؟''

''مجھے تو آنے کو بولا، پن اب تک نہیں آیا، فون بھی نہیں سن رہا۔'' اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''تو کیا اس کا انتظار کریں؟'' عبدل نے پوچھا۔

''مجھے نہیں لگتا آئے گا۔'' اس نے کہا۔

''کیوں، تجھے کیوں لگتا ہے کہ وہ نہیں آئے گا؟'' عبدل نے معصومانہ لہجے میں پوچھا تو وکرم غراتے ہوئے بولا۔

''ابے، جب اس نے اپنا فون بند کر رکھا ہے، تو مطلب.....''

''چل پھر۔'' اس نے سر ہلایا اور بجرے پر سوار ہو گیا۔

وہ تینوں اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے بوتلیں پڑی تھیں لیکن کسی نے ایک پیگ تک نہیں بھرا تھا۔ تبھی ایک نیم برہنہ لڑکی اندر داخل ہوگئی۔ وہ آتے ہی میوزک پر تھرکتی ہوئی ناز و انداز دکھانے لگی۔ اس نے گلاسوں میں شراب بھرنا شروع کی، پھر تینوں کے سامنے رکھ دی۔ وہ اپنا گلاس لے کر میوزک پر تھرکنے لگی۔

زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ ماحول بدل گیا تھا۔ لڑکی جو ہولے ہولے تھرتھرا رہی تھی، اب اس میں تیزی آگئی تھی۔ تبھی وکرم بھائی نے امیت چوہدری کی طرف دیکھا اور پھر اشارہ کیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے اشارے کا جواب اشارے ہی میں دیا تو وکرم نے عبدل سے کہا۔

''یار عبدل..... اپن کے ساتھ تیرا دوستی بوہت اچھا رہا، ہم نے.... بوہت مال بنایا، اب لفڑا ہوگیا، اپن تیرے ساتھ چ نئی چل سکتا اب تجھے خلاص ہونا مانگتا۔''

''یہ تو کیا کہہ رہا ہے؟ تجھے چڑھ گئی ہے۔'' عبدل نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ غصے میں گالیاں بکتا ہوا بولا۔

''سالا..... رانا پرتاب کے ساتھ ملتا ہے، مال پکڑواتا ہے اور..... بھروسا خلاص..... تو بھی خلاص.....'' یہ کہتے ہوئے اس نے پسٹل نکال لیا۔ اس کا رخ عبدل کی طرف تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ ٹریگر دباتا، فائر ہوا اور اس کے ہاتھ سے پسٹل دور جا پڑا۔ اس کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ ہاتھ کو پکڑ کر وہیں نیچے بیٹھ گیا۔ اس کی انگلی اُڑ چکی تھی۔ عبدل نے اس طرف دیکھا جہاں سے فائر ہوا تھا، وہاں ایک نوجوان کھڑا تھا، جو بجرے کا ملازم دکھائی دے رہا تھا۔ وکرم کے چہرے پر حیرت تھی۔ پسٹل عبدل کے پاس پڑا تھا لیکن وہ اس نے اٹھایا نہیں بلکہ اپنا پسٹل نکال کر بولا۔

''میں اب بھی تجھے نہیں ماروں گا، پر میں جانتا ہوں تو نے ڈی سوزا کو مار دیا ہے، اس کے بعد اس امیت کی باری ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے امیت کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے کہا۔

''اچھا کیا تم نے مجھے بتا دیا، اب تم دونوں کو مرنا ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے پسٹل والے لڑکے کو اشارہ کیا، اس نے پسٹل سیدھا کیا اور فائر کر دیا۔ وہ فائر عبدل کو لگنے کے بجائے امیت چوہدری کی ٹانگ میں لگا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اتنے میں بجرے پر کئی لوگ آگئے۔ ان میں رانا پرتاب بھی تھا۔ وہ دونوں زخمیوں کو غور سے دیکھنے لگا۔

''تم دونوں خلاص.....؟'' عبدل نے کہا۔

اس پر رانا پرتاب آگے بڑھا اور اس نے وکرم کے بال پکڑ کر اس کا سر اوپر کرتے ہوئے کہا۔

''تین برس سے تم پر کام کر رہا ہوں ذلیل۔ اب تم خلاص.....'' یہ کہتے ہوئے اس نے پسٹل کی نال اس کے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ماتھے پر رکھی اور فائر کر دیا۔ وہ آواز بھی نہ نکال سکا، وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس نے دوسرا فائر امیت پر کیا، وہ چیخ مارتا ہوا ایک جانب گر کے تڑپنے لگا، کچھ ہی دیر میں وہ ٹھنڈا ہو گیا۔

بجرا واپس ساحل کی جانب جانے لگا۔

☆☆☆

جس وقت بجرا ساحل پر لگا، اس سے دس منٹ بعد میرا جہاز ممبئی ائرپورٹ پر لینڈ ہوا۔ جہاز لینڈ ہوا تو میرے من میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ دس برس بعد میں دوبارہ اس شہر میں آیا تھا۔ مجھے سب یاد تھا، انہیں میں بھولا ہی کب تھا۔ لندن میں رہ کر بھی ان پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ میں نے رویندر پرکاش کا ایک مہرہ دکرم بھائی ختم کر دیا تھا۔ دوسرا ملہوترا قابو میں آ گیا تھا جو رویندر پرکاش کا دشمن تھا۔ اب میں اسے شہ مات دینے خود یہاں آ گیا تھا۔ بساط پر موجود ملکہ شیوتا دیوی کی صورت پہلے ہی چال چل دی تھی۔ اب اگلی چال میں تیر مارنا تھا۔ ائرپورٹ کے سارے مراحل سے گزر کر جب میں باہر آیا تو شندے میرے انتظار میں تھا۔

دس برس بعد شندے مجھے ملا تھا لیکن ہمارا رابطہ ہوتا رہتا تھا۔ وہ مجھے آواز سے پہچانتا تھا لیکن دس برس نے مجھے کافی بدل دیا تھا، کچھ وقت نے اور کافی حد تک میں نے اپنا آپ بدل لیا تھا، کوئی بھی پہلی نگاہ میں مجھے دیکھ کر پہچان نہیں سکتا تھا۔ اس کے پاس جا پہنچا لیکن وہ باہر آنے والے مسافروں کو دیکھتا رہا، مجھے یقین ہو گیا کہ وہ مجھے نہیں پہچان پا رہا ہے۔

''ابے او شندے..... کہاں دیکھ رہا ہے؟'' میں نے اس کے بالکل قریب ہو کر پوچھا تو اس نے چونک کر مجھے دیکھا پھر حیرت سے میری طرف دیکھتا ہوا میرے گلے لگ گیا۔

''ارے ظالم، کیا بن گئے ہو؟'' اس نے شدتِ حیرت سے کہا۔

''شکر کر ابھی تک انسان دکھائی دیتا ہوں۔'' میں نے کہا تو وہ بڑے جوش سے ملا۔ انہی جذبات میں اس کے ساتھ کار میں جا بیٹھا اور وہ چل پڑی۔ حال احوال کے بعد اس نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

''اب بولو کرنا کیا ہے؟''

''تمہیں تو پتا ہے، مجھے صاحب سے بدلہ لینا ہے۔ اسے چھوڑنا نہیں لیکن اس کے ساتھ ہمیں ان سب کو بھی ختم کرنا ہے، جنہوں نے ہمارا گینگ ختم کیا۔'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو بس پھر شروع ہو جاتے ہیں۔ چند دن کے بعد جو ہم تھوڑے بہت رہ گئے ہیں، سب ختم ہو جائیں گے۔'' اس نے دبے دبے غصے میں کہا۔

''کیا مطلب، تم کہنا کیا چاہتے ہو؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ہم چند لوگ ہیں، مقابلہ مافیا سے کرنے چلے ہیں، پیسہ کہاں سے آئے گا، جس سے گینگ چلانا ہے، ہتھیار کہاں سے لینے ہیں؟'' اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا میں نے سکون سے کہا۔

''آج رات کسی وقت تمہارے پاس جدید ترین ہتھیار پہنچ جائیں گے۔ تمہیں جس کی فیلڈنگ کے بارے میں کہا تھا، وہ.....''

''وہ فیلڈنگ تو سو فیصد سمجھو، ایک ایک لمحے کا حساب ہے اور ایک ایک بندے کا۔'' اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا جیسے میری ساری بات سمجھ گیا ہو۔

''دیکھو، جیسے ہی تم جھیل میں پتھر پھینکو تو اس کی آواز بھلے نہ آئے لیکن اس میں لہریں ضرور بن جاتی ہیں۔'' میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ اُلجھتے ہوئے بولا۔

''میں نہیں سمجھا، تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''دیکھ، ہم لوگ کتنے ہیں بس چار پانچ، میں نہیں کہتا یہ چار پانچ کوئی معمولی لوگ ہیں مگر جو ہم کرنے جا رہے ہیں، اس کا مطلب ہے پورے گینگ سے یا پھر اس مافیا سے ٹکر لینا، جس کے ساتھ وہ جڑے ہوئے ہیں۔ وہ تو ہمیں چند گھنٹوں میں کھوج نکالیں گے۔'' میں نے اسے پھر سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''وہی تو پوچھ رہا ہوں، اس کے بعد کرنا کیا ہے؟'' اس نے اکتائے ہوئے انداز میں پوچھا تو میں نے پُرسکون انداز میں کہا۔

''کام بھی ہو جائے اور کسی کو پتا بھی نہ چلے۔ اس وقت تک جب تک ہماری دہشت نہ پھیل جائے۔ یہ بات ذہن میں رکھ لو، انسانی فطرت ہے کہ وہ طاقت کی طرف جھکتی ہے۔ وہ کمزور کے ساتھ کھڑے نہیں ہوتے۔'' میرے یوں کہنے پر اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ تبھی میں سمجھاتے ہوئے بولا۔ ''تم کل والا کام کرو، کل کا سورج چڑھے گا تو ہمارے لیے بہت کچھ لائے گا اور جب ڈوبے گا تو بہت کچھ دے جائے گا، باقی جو ہو گا وہ بعد میں بتا دوں گا، ابھی کل پر پوری توجہ دو۔''

وہ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر سرسراتے لہجے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

میں پوچھا۔

''کل کی فکر نہ کرو، لمبی اننگ کھیلنے کا بھی کچھ سوچا تم نے؟'' اس کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی تھی سو اسے مطمئن کرنے کے لیے کہا۔

''ہاں بہت کچھ..... بس شیوتا دیوی کی فلم کا مہورت ہوجانے دے۔'' میں نے سکون سے کہا۔

''اب میں سمجھا تم شیوتا دیوی کے سیکیورٹی گارڈ اور ڈرائیور کیوں بن گئے ہو۔'' اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں، مجھے بالکل چھپ کے رہنا ہے، کسی کو بھنک بھی نہیں ملنی چاہیے کہ راج دیر دوبارہ ممبئی میں آگیا ہے۔ تمہیں اس لیے مل رہا ہوں کہ تمہیں بتا سکوں، جو کہتا جارہا ہوں ویسا کرتے جاؤ۔'' میں نے کہا۔

''بس ٹھیک ہے۔ تم نے جو سوچا مجھے بتا دینا، باقی سب ہوجائے گا۔''

''سب کچھ یونہی نہیں ہوجاتا۔ اس کے لیے پیسہ چاہیے یہی کہا ہے ناتم نے، تو بس کل کا سورج چڑھنے دو۔ اب غور سے سنو تمہیں کرنا کیا ہے۔'' میں نے کہا اور اسے تفصیل بتانے لگا کہ کیا کرنا ہے۔

اس نے میری ساری بات سمجھ لی تھی۔ تب تک میں اس بلڈنگ تک پہنچ گیا تھا جہاں مجھے رات گزارنی تھی۔ شندے نے مجھے وہاں اتارا اور چلا گیا۔ میں اس بلڈنگ کی لفٹ میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد میں نوتن کے سامنے کھڑا تھا، جو بالی وڈ اداکارہ تھی۔ نوتن، میری بہت پرانی دوست تھی۔ کچھ اس کے مجھ پر احسان تھے اور میں بھی کئی بار اس کے کام آیا تھا۔ ان دنوں وہ مقبول ترین اداکارہ ہونے کے ساتھ ساتھ رویندر پرکاش کے بہت قریب تھی۔ وہ ایک ایسا تیر تھا، جسے میں جب چاہتا چلا سکتا تھا۔ آج رات کے لیے وہ اس بلڈنگ میں موجود تھی۔ ایک بھرپور ڈنر کے ساتھ رات گئے تک ہم باتیں کرتے رہے۔

☆☆☆

آسمان پر چمکتا ہوا سورج بادلوں سے اٹکھیلیاں کررہا تھا۔ میرا نہیں خیال تھا کہ بارش ہوسکتی تھی۔ میں نے ڈٹ کر ناشتا کیا اور فلیٹ سے پیدل ہی نکل پڑا۔ میرا رخ بیچ کی طرف تھا۔ میں اس مخصوص جگہ پر جا کر بیٹھ گیا جس کے بارے میں نے شندے کو رات بتایا تھا۔ مجھے وہاں بیٹھے کوئی دس منٹ ہوئے تھے کہ اس کا فون آگیا۔ میں واپس سڑک تک پہنچا تو وہ ایک فوروہیل لیے میرا منتظر تھا۔ میں اس کے ساتھ جا کر بیٹھ گیا۔

ہم اپنے مطلوبہ مقام پر تقریباً آدھے گھنٹے میں پہنچ گئے۔ سیٹھ چنی لعل ایک پرانا کاروباری آدمی تھا جو اپنا سرمایہ سود پر دیتا تھا۔ لڑکپن میں ایک بار اس کے بارے میں سنا تھا اور بس پھر وہی ذہن میں رہ گیا تھا۔ لیکن وہ میرے دماغ میں اس وقت چبھا تھا، جب اس نے میرے گینگ کو ختم کرنے والوں کو سرمایہ دیا تھا اور آج کل وہ رویندر پرکاش کا سب سے بڑا پارٹنر تھا۔ ممبئی آنے سے پہلے اس کے بارے میں پوری جانکاری لے لی تھی۔ وہ میرے پہلے ہدف پر تھا۔ شندے نے فوروہیل اس کے پارکنگ ایریا میں روک دی۔

اندر آفس میں چند لوگ تھے جو اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ وہاں آفس میں کام کرنے والے کم اور سیکیورٹی گارڈز زیادہ تھے۔ سیٹھ چنی لعل سے میں نے پہلے ہی وقت لیا ہوا تھا۔ میں اس کے آفس میں جا کر بیٹھ گیا۔ وہ بھاری بھرکم بدن کے ساتھ مجھے سر سے پاؤں تک بڑے تجسّس سے دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد جب کاروباری باتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو اس نے کہا۔

''رقم چاہیے جتنی مرضی لے لو، آپ کی ضمانت بھی بڑی زبردست ہے، اس سے میں انکار بھی نہیں کرسکتا، لیکن رقم واپسی کا کوئی انتظام مجھے سمجھ میں نہیں آرہا۔ اس پر مجھے مطمئن کرو۔''

''تمہیں یہ پتا ہے کہ تمہاری زندگی کتنی ہے؟'' میں نے سرد سے لہجے میں کہا تو اس نے چونک کر مجھے دیکھا، پھر گھبراتے ہوئے بولا۔

''یہ آپ کیسی باتیں کررہے ہیں؟''

''میں ابھی چلا جاؤں گا لیکن پھر تمہاری زندگی کی کوئی ضمانت نہیں۔'' میں نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ کائیاں شخص تھا۔ اس نے بڑے میٹھے انداز میں کہا۔

''تو پھر سرمایہ وہیں سے لو جہاں سے تمہیں مل سکتا ہے۔ جس نے مجھے تمہاری ضمانت دی ہے، میں اس سے خود معذرت کرلوں گا۔'' اس نے کہا ہی تھا کہ میں نے پسٹل نکال لیا۔ اس کے ساتھ ہی انتہائی پھرتی سے اس کے پاس جا کر اس کی گردن اپنے بازو میں جکڑ لی۔

''میں تم سے سرمایہ لینے نہیں یہاں سے مال لوٹنے آیا ہوں۔ مرنا ہے یا مال دینا ہے۔'' میں نے کہا تو اس نے اپنے پاؤں میں رکھی بیل بجانے کی کوشش کی، میں نے اسے کرسی سمیت پیچھے دھکیل لیا۔ اس کے ساتھ ہی لائٹ چلی گئی۔ مجھے سمجھ میں آگیا کہ باہر میرے ساتھیوں نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ میں نے سیٹھ کے کھلے منہ میں پسٹل کی نال ڈالتے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ہوئے بڑے سکون سے پوچھا۔

''خود سب کچھ کرو گے یا مجھے محنت کرنا پڑے گی، چابیاں کہاں ہیں؟''

اس نے آنکھ سے دراز کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے چابیاں نکال لیں۔ اتنے میں ایک لڑکا اندر آ گیا۔ اگلے پانچ منٹ میں ساری تجوری صاف ہو چکی تھی۔ اب مجھے راستہ بنانا تھا۔ وہ لڑکا تھیلا بھر چکا تھا۔ میں نے سائیلنسر لگے پسٹل کی نال سیٹھ کے ماتھے پر رکھی اور فائر کر دیا۔ باہر نکلا تو کئی سیکیورٹی گارڈز زخمی حالت میں پڑے تھے۔ میں ایک جانب بڑھا جہاں ایک کمپیوٹر چل رہا تھا۔ اسی میں سارے کیمروں کی ریکارڈنگ تھی۔ میں نے اس کی تاریں اتار کر چھینکیں اور کمپیوٹر کا سی پی یو اٹھا لیا۔

میں باہر آیا تب تک شندے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکل چکا تھا۔ سیٹھ کی کار کھڑی تھی اور چابیاں میرے ہاتھ میں تھیں۔ میں نے گاڑی نکالی اور وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

کافی دور آنے کے بعد میں نے سی پی یو کھولا، اس میں سے ڈسک نکالی، پھر گاڑی کو اندر سے آگ لگا کر باہر نکل گیا۔ میں کافی دور نکل گیا تھا جب گاڑی دھماکے سے پھٹی اور جلنے لگی۔

اس وقت میں ایک ٹیکسی میں بیٹھنے لگا تھا جب شندے کا فون آیا۔ اس نے تھوڑا اُلجھتے ہوئے کہا۔

''بتا، مال کا کرنا کیا ہے؟''

''ان سب میں بانٹ دو، جو ہمارے ساتھ مخلص ہیں۔ کل انہی سے کام لینا ہے، باقی سنبھال لینا۔'' میں نے سکون سے کہا۔

''ٹھیک ہے سنبھال لوں گا۔'' اس نے تیزی سے کہا۔

''ملتے ہیں پھر۔'' میں نے کہا اور قریب آتی ہوئی ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ میں نے فون بند کیا اور سکون سے آنکھیں موند لیں۔ میں نے ایک بڑا حساب چکا دیا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد میں شیوتا دیوی کے بنگلے تک پہنچ گیا تھا۔ وہ اپنے بنگلے پر موجود تھی۔ اس کے پاس فلم کا ہدایت کار، کہانی کار اور کیمرا مین بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان کافی دیر سے فلم کے بارے میں بحث چل رہی تھی۔ میں بھی فریش ہو کر ان کے پاس ایک صوفے پر آ بیٹھا۔

''بہت کچھ فائنل ہو گیا ہے۔ صرف ایک شے رہ گئی اور وہ ہے ہیروئین، تم سب کیا مشورہ دو گے، کون سی ہیروئین ہونی چاہیے؟'' شیوتا دیوی نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تو ہدایت کار بولا۔

''میڈم اگر آپ نے کوئی پسند کر لی ہے تو ہم اس پر کیا بحث کریں، لیکن اگر میری رائے چاہتی ہیں تو.....''

''ہاں ہاں بولیں.....'' اس نے تیزی سے پوچھا۔

''اس وقت جس کی مارکیٹ ہے وہ تو انجلی ہے، لوگ اسے دیکھنا چاہتے ہیں، وہ بولڈ بھی کافی ہے اور اسکرین پر اچھی دکھائی دیتی ہے۔'' اس نے کہا۔

''کردار کی ڈیمانڈ کے مطابق ہے انجلی، کیوں رائٹر جی؟'' شیوتا دیوی نے کہانی کار کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''وہ اپنے کریکٹر مافق نہیں ہے۔'' کہانی کار نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''او کے..... مجھے آپشن دو، ان میں سے فیصلہ کر لوں گی۔'' شیوتا دیوی نے بڑے سکون سے کہا۔

''آپ فیصلہ جو بھی کریں، صرف ایک بات کا دھیان رکھیں، وہ کردار کے مطابق ہو۔'' اس نے سکون سے کہا پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ ''تم کچھ بتاؤ۔''

''ایک لڑکی ہے نوتن، کیسی رہے گی؟'' میں نے کہا۔

''ارے واہ..... بالکل میرے ذہن کے مافق، آج کی مقبول ترین اداکارہ، ویسے مہنگی ہوگی۔'' رائٹر نے کہا۔

''چل ڈن ہو گئی۔ نہ چلی تو دیکھ لیں گے، میٹنگ کراؤ۔'' شیوتا نے ہدایت کار سے کہا۔

''ہو جائے گی۔'' اس نے جوش سے کہا۔

''ٹھیک ہے، پھر شام کو ملتے ہیں۔ مہورت میں دو دن رہ گئے ہیں۔'' شیوتا نے اسے یاد دلایا تو وہ سر ہلاتے ہوئے اٹھ گیا۔ ان کے جانے کے بعد سکون ہو گیا تو وہ میری طرف متوجہ ہو گئی۔

☆☆☆

اس شام شیوتا دیوی تیار ہو کر پورچ میں آئی تو کافی ڈسٹرب لگ رہی تھی۔ میں نے پہلی نگاہ میں یہی سمجھا کہ آج اس کی فلم کا مہورت ہے، اس لیے ذہنی دباؤ اس کے چہرے سے عیاں ہے۔ وہ پُرسکون انداز میں چلتی ہوئی کار تک آئی۔ میں نے پچھلی نشست کا دروازہ کھول دیا۔ وہ بیٹھی تو میں نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر کار بڑھا دی۔ بنگلے سے نکلتے ہی جیسے وہ پھٹ پڑی۔

''ابھی تھوڑی دیر پہلے رویندر کا فون آیا تھا۔''

''کیا کہہ رہا تھا؟'' میں نے سکون سے پوچھا کیونکہ مجھے امید تھی کہ وہ ضرور فون کرے گا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ اس نے کیا کہا تھا۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''وہی جس کی مجھے امید تھی، دھمکی دے رہا تھا کہ نکل جاؤ ممبئی سے، ورنہ مار دوں گا۔'' وہ خوف زدہ لہجے میں بولی۔

''اور آپ ڈر گئیں؟'' میں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''نہیں، میں ڈری نہیں لیکن مجھے امید نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی.....'' اس نے کہنا چاہا تو میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے سکون سے کہا۔

''اچھا ہوا، اس نے جلدی کی، اسے چھوڑیں، بس اپنی فلم پر توجہ دیں، باقی میں ہوں نا، سب دیکھ لوں گا۔''

''وہ آج کچھ نہ کچھ ضرور کرے گا۔'' اس نے تشویش سے کہا۔

''اچھا ہے، وہ کچھ نہ کچھ ضرور کرے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں، وہ آپ کو کتنی اہمیت دے رہا ہے۔'' میں نے کہا تو وہ خاموش ہوگئی۔ شاید میری بات اس کے دل کو لگی تھی۔

اسٹوڈیو تک اس کے چہرے پر اضطراب طاری تھا۔ وہ مجھ سے کچھ کہنا بھی چاہتی تھی لیکن کہہ نہیں پا رہی تھی۔ وہ ایک انجانے خوف کے حصار میں تھی۔ جیسے ہی وہ کار سے نکلنے لگی تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نے میری طرف دیکھا، میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے حوصلہ دیا تو وہ کافی حد تک مطمئن ہوگئی۔

اسٹوڈیو میں داخل ہوتے ہی اس کے اندر کی اداکارہ باہر آگئی۔ اس کے چہرے پر خوشگواریت پھیل گئی تھی۔ فلمی دنیا کے علاوہ بڑی تعداد میں صحافی، سیاست داں اور سوشل ورکر بلائے گئے تھے۔ ایک سابق اداکار مہمان خصوصی تھا۔ وہ سب کچھ ہوا جو فلم کے مہورت کے وقت ہوتا ہے۔ نوتن اس رات غضب ڈھا رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہیرو بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔ فیتا کٹا، وقت کی مہنگی گلوکارہ کا گانا، کیمرا اوپن ہوا وغیرہ۔ شیوتا دیوی اپنے چہرے پر اَن دیکھا نقاب لگائے مہمانوں سے ملتی رہی، باتیں کرتی رہی۔ اس دوران رویندر کے بارے میں بھی لوگ باتیں کرتے رہے۔ وہ دبی دبی نفرت بھرے ریمارکس دیتی رہی۔

رات گئے یہ تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔ واپس نکلتے ہی شیوتا دیوی نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''راج، مجھے بڑا ڈر لگ رہا ہے۔ رویندر کچھ نہ کچھ کرے گا ضرور، میں نے آج اس کے خلاف بہت باتیں کی ہیں۔''

''اگر باتیں کر لی ہیں تو اب ڈرنا کس بات کا..... بلکہ اچھی بات ہے، کل کے اخباروں میں یہ مخاصمت سامنے آنی چاہیے۔ اسے ابھی سے اپنی لپیٹ میں لے لیں۔''

''مجھے تمہارے رویّے سے بھی بہت ڈر لگتا ہے، تم کچھ ضرورت سے زیادہ ہی خود پر اعتماد کر رہے ہو۔ اب یہی دیکھو، تم اور میں ہیں، سب کو پتا ہے کہ ہم دو ہی اس کار میں جا رہے ہیں، کوئی بھی نہیں بھی.....''

''آپ سکون سے ٹیک لگائیں اور اپنی آنے والی فلم کے بارے میں سوچیں، اسے ہر حال میں باکس آفس پر ہٹ کرنا ہے، بس، باقی مجھ پر چھوڑ دیں۔'' میں نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

''وہ تو میں کروں گی۔'' اس نے حسرت سے یوں کہا جیسے اسے خود پر بھروسا نہ ہو، اس کے اندر کہیں خوف جم کر بیٹھ گیا تھا۔

جوہو والے بنگلے تک پہنچ کر میں نے کار پورچ میں روکی، اس کے ساتھ اندر لاؤنج تک گیا، پھر اس کے ساتھ ہی اس کے بیڈ روم تک جا پہنچا۔ شیوتا دیوی نے اطمینان کا سانس لیا۔ اسی لمحے انٹرکام چیخ پڑا۔ ملازمہ نے سنا تو وہ شیوتا دیوی کے کمرے میں آکر بولی۔

''باہر کوئی ڈالی والیہ آئے ہیں؟''

''اوہ، انہیں کہو، میں بہت تھکی ہوئی ہوں، ان سے نہیں مل سکتی۔'' شیوتا دیوی نے خوف زدہ لہجے میں کہا تو میں نے پوچھا۔

''کون ہیں یہ لوگ.....؟''

''یہ لوگ رویندر کی طرف سے آئے ہیں۔ اس کے غنڈے ہیں، یہی لوگ مجھے پہلے دھمکاتے رہے ہیں۔'' اس نے ڈرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اوہ تو یہ بات ہے، ٹھیک ہے۔'' یہ کہہ کر میں نے ملازمہ سے کہا، انہیں اندر بلا لو۔''

''جی ٹھیک ہے۔'' ملازمہ نے کہا اور پلٹ گئی۔

''یہ کیا کیا تم نے وہ یہاں.....'' شیوتا دیوی نے تیزی سے کہا تو میں ہاتھ کے اشارے سے انہیں روکتے ہوئے بولا۔

''میں انہیں دیکھتا ہوں، آپ سکون سے رہو۔''

میں نے اسے اطمینان دلایا اور بیڈ روم سے نکلتا چلا گیا۔ میں باہر آیا تو لاؤنج میں تین افراد بیٹھے ہوئے تھے۔

''آپ کون.....؟'' میں نے پوچھا تو ان میں سے ایک موٹے سے آدمی نے حقارت سے پوچھا۔

''پہلے تم بتاؤ، تم کون ہو؟''

''میں میڈم کا ڈرائیور، ان کا سیکیورٹی گارڈ.....'' میں نے سکون سے کہا۔

waqar azeem www.pakistanipoint.com

''اچھا، ان کے ملازم ہو، تو جاؤ انہیں اطلاع دو، تمہاری اوقات نہیں کہ تم ہم سے سوال کرسکو۔'' اس نے پھر حقارت بھرے لہجے میں کہا۔

''تم اوقات کو چھوڑو، مجھے بتاؤ ان سے کیا کہنا ہے، پہلے مجھے یہ بتاؤ تم ہو کون لوگ؟'' میں نے اس کی طرف دیکھے ہوئے سخت لہجے میں پوچھا۔

''ابے جا جو تجھے کہا ہے، وہ کر، سالا یہیں کھڑا باتیں کر رہا ہے۔'' اس کے ساتھ بیٹھے ایک شخص نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

''جب تک تم لوگ مجھے یہ نہیں بتاؤ گے کہ تم کون لوگ ہو، میں میڈم کو کیا بتاؤں گا کہ کون لوگ آئے ہیں؟'' میں نے کہا۔

''اسے پتا ہے، ابھی بتایا ہے۔'' ایک تیسرے بندے نے کہا۔

''میڈم آپ سے اس وقت نہیں مل سکتیں، ابھی آپ جائیں اور ہاں آئندہ مجھ سے پوچھ کر، بلکہ اجازت لے کر آنا، اب اٹھو اور یہاں سے نکل جاؤ، فوراً.....'' میں نے اطمینان سے کہا۔

''ابے سالے.....'' دوسرے بندے نے کہنا چاہا تو میں انتہائی سرعت کے ساتھ اس تک پہنچا، اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور گھٹنا اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان دے مارا۔ وہ ڈکارتا ہوا دہرا ہوگیا۔ میں نے اسے چھوڑا اور پوری قوت سے مُکّا اس کی ناک پر مارا۔ وہ صوفے پر گرتے ہی الٹ گیا۔ یہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ کسی کو سمجھ ہی میں نہ آسکا۔ جب تک باقی دو میری طرف بڑھتے، میں اس موٹے پر جا پڑا۔ وہ پہلے سے ہی تیار تھا، اس نے میرے پنچ مارا۔ جسے میں نے برداشت کیا۔ اتنے میں باہر کھڑے دو بندے آگئے۔ یہ میرے لوگ تھے۔ وہ انتہائی سرعت سے ہم تک آئے، انہوں نے ایک ایک کو پکڑ لیا۔ لاؤنج میدانِ جنگ بن گیا تھا۔ اگلے چند منٹ میں وہ تینوں قالین پر پڑے ہانپ رہے تھے۔

''اب یہ بتاؤ، تم لوگوں کے ساتھ کیا کیا جائے؟'' میں نے پھولی ہوئی سانس میں کہا تو وہ موٹا ہانپتے ہوئے بولا۔

''ہمیں جانے دو، دوبارہ نہیں آئیں گے۔''

''آؤ لیکن جیسے کہا گیا ویسے، یہ خدمت اس لیے کی گئی ہے کہ تم لوگوں کو بولنے کی تمیز آجائے، اب بتاؤ، کس لیے آئے تھے؟'' میں نے پوچھا۔

''تمہاری میڈم سے پیسہ لینا ہے۔'' اس نے ہولے سے کہا۔

''کس نے، تم نے؟'' میں نے پوچھا۔

''جی جی، میری فنانس کمپنی ہے اور بہت پرانا قرضہ.....'' اس نے کہنا چاہا تھا کہ پیچھے سے شیوتا دیوی کی آواز آئی۔

''بکواس کرتا ہے، یہ رویندر کی طرف سے آئے ہیں، اس نے ان سے قرضہ لیا تھا، ان سے کہو، اسی سے جا کر لیں۔''

''سن لیا تم نے..... یا پھر میڈم سے لینا ہے؟'' میں نے پسٹل نکال کر اس کا سیفٹی کیچ ہٹاتے ہوئے پوچھا تو وہ موٹا تیزی پکار اٹھا۔

''ہاں ہاں سن لیا، رویندر جی سے لیتے ہیں۔''

''چلو پھر نکلو.....'' میں نے کہا تو وہ تیزی سے اٹھے اور باہر کی طرف جانے لگے۔ ہم تینوں ان کے ساتھ گیٹ تک گئے۔ وہیں گیٹ پر سیکیورٹی والے کھڑے تھے۔ انہوں نے جب ان کی حالت دیکھی تو پریشان ہوگئے۔ میرے دونوں ساتھی ان کے پیچھے جا کھڑے ہوئے۔

''تم لوگوں نے ان کے چہرے دیکھ لیے ہیں؟''

''جی جی، دیکھ لیے ہیں۔'' ان میں سے ایک سیکیورٹی گارڈ نے کہا۔

''اب اگر ان میں سے یہاں کوئی نظر آئے، تو شوٹ کر دینا سمجھے۔'' میں نے سختی سے کہا۔

''ٹھیک ہے سر۔'' اس نے سلام کرتے ہوئے کہا۔

وہ تینوں تیزی سے باہر نکل گئے۔ وہ ہلکا پھلکا پیغام جو رویندر کو دینا تھا، وہ کچھ دیر میں اس تک پہنچ ہی جانا تھا۔

☆☆☆

وہ باندرا کا سب سے نظر انداز علاقہ تھا۔ اگرچہ وہاں انسان ہی بستے تھے لیکن ان کی زندگی سہولیات تو کیا ضروریات نہ ہونے کے باعث بدتر تھی۔ ممبئی ایک ایسا شہر ہے جہاں دنیا کی سب سے بڑی جھونپڑ پٹی ہے۔ پورے ممبئی میں بے شمار جگہوں پر بڑی چھوٹی ایسی کئی جھونپڑ پٹیاں اور کھولیاں موجود ہیں جہاں زندگی سسک رہی ہے۔ پرانی بلڈنگوں میں بنے چھوٹے چھوٹے کمرے جنہیں کھولیاں بھی کہا جاتا تھا، وہاں انسان بس رہے ہیں۔

میں نے گاڑی چھوڑ دی تھی اور پیدل ہی چلتا جا رہا تھا۔ میں اس علاقے میں کار پر نہیں جانا چاہتا تھا۔ مجھ سے کچھ فاصلے پر شندے جا رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ میرے چاروں جانب کافی لوگ جا رہے ہیں۔ اگرچہ میں بے خوف

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

تھا لیکن میرے دماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ میں بہت جذباتی ہو رہا تھا۔ ہمارے سفر کا اختتام ایک پرانی سی بلڈنگ کے پاس ہوا۔ اس کے درمیان بڑا سا صحن تھا لیکن کابک نما کئی کمرے تھے۔ ہر کمرے سے غربت ٹپک رہی تھی۔ میں برآمدے میں آ گیا۔ میرے سامنے شکستہ سا دروازہ بند تھا۔ میری حالت غیر ہونے لگی۔ میں کیسے سامنا کر پاؤں گا۔ شندے نے دروازے پر دستک دیتے ہوئے باہر سے آواز دی۔

''کوئی ہے؟''

اس کے جواب میں ایک عورت باہر نکلی، جسے دیکھ کر میرا دل دھک سے رہ گیا۔ غربت اس عورت کے حلیے سے ٹپک رہی تھی۔ پرانی مگر صاف ستھری سوتی ساڑی، سُونی کلائیاں، معمولی سلیپر اور چہرے پر متانت، میں آگے بڑھا اور اس کے پاؤں چھوتے ہوئے لرزتے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''دیدی۔''

''اوہ، تم ہو راج ویر.....'' رتنا دیدی نے متانت سے کہا۔

''جی میں.....'' نمشکار کے لیے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

''اوہ، تم آ گئے ہو، نہیں رکے نا۔'' اس نے بھی جذباتی لہجے میں کہا۔

''مجھے معاف کرنا دیدی.....''

وہ چند لمحے میرے چہرے پر دیکھتی رہی پھر نمشکار کرتے اپنے لبوں پر ہلکی سی مسکان لاتے ہوئے بولی۔

''آؤ اندر آ جاؤ۔''

میں بھاری قدموں سے کھولی نما کمرے کے اندر داخل ہوا، میرا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ وہ زمین پر بستر لگائے سامنے ہی پڑا تھا۔ ایک معمولی سی دھوتی اور بنیان کے ساتھ۔ جو کبھی خود شہنشاہ تھا۔ ساونت کمار کا نام بھی بالی وڈ فلم انڈسٹری میں ایک کامیاب فلم ساز کے طور پر لیا جاتا تھا۔ وہ محلوں سے کھولی میں کیسے آیا، اور اب تک زندہ کیوں تھا، یہ ایک لمبی داستان تھی۔ میں نے اسے نمشکار کیا تو اس نے جواب دینے کے بجائے کہا۔

''بیٹھ جاؤ۔''

میں بیٹھ گیا تو اُس کی بیوی رتنا نے پوچھا۔

''کب آئے؟''

''میں آج ہی آیا ہوں۔ میرا خیال ہے اب آپ لوگ میرے ساتھ چلیں، وہیں جا کر ساری باتیں ہوں گی۔'' میں نے بڑے حوصلے سے کہا تو ساونت کمار نے دھیمی آواز میں کہا۔

''راج ویر، اب یہاں رہنے کی عادت ہو گئی ہے۔ میں بھول گیا سب کچھ، اب مجھے رہنے دو یہاں پر۔''

میں جانتا تھا کہ وہ میری بات نہیں مانیں گے لیکن میں جانتا تھا کہ ان کی کمزوری کیا ہے اس لیے بڑے سکون سے بولا۔

''میں جانتا ہوں آپ مجھے معاف نہیں کریں گے، نہ کریں لیکن دیدی کا کیا قصور ہے۔ وہ عورت جس نے آپ سے اتنی وفا کی کہ آپ کے ساتھ یہاں رہنے پر مجبور ہے، کیا اسے اچھی زندگی گزارنے کا کوئی حق نہیں؟''

''یار، اسی کے لیے تو اب تک جی رہا ہوں ورنہ کب کا مر گیا ہوتا۔'' انہوں نے انتہائی دکھ سے کہا۔

''تو پھر چلیں، وہاں آپ کا علاج بھی ہو گا، میری مانیں پلیز.....'' میں نے کہا اور رتنا دیدی کی طرف مدد طلب نگاہوں سے دیکھا۔

''راج ویر، اس کھولی سے باہر قدم رکھا تو وہ لوگ جن کا مجھے پیسہ دینا ہے وہ پھر سے میرا جینا حرام کر دیں گے۔ بس میں جی رہا ہوں، جس طرح یہاں کے کروڑوں لوگ زندہ رہنے پر مجبور ہیں۔ کم از کم یہاں کوئی تنگ تو نہیں کرتا۔ اب تمہاری یہ ہمدردی.....'' انہوں نے کہنا چاہا تو میں نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''میں اگر آپ کو جانے کا کہہ رہا ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ میں سب سوچ کر آیا ہوں۔''

''ایسا کیا.....'' انہوں نے حیرت سے کہتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

''ہاں، یہیں بیٹھ کر بات کرنی ہے تو یہیں کر لیں۔'' میں نے ان کے اطمینان کے لیے کہا۔

''مجھے کچھ سمجھاؤ تو..... میں.....'' انہوں نے کہا۔

''میں ساری بات سمجھاتا ہوں۔'' پھر شندے کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''تم باہر جا کر بیٹھ جاؤ۔'' میں نے کہا تو شندے اسی لمحے غائب ہو گیا۔

''ساونت جی، مجھے یاد ہے، اگر اُس رات آپ مجھے نکلنے کا راستہ نہ دیتے تو آج میں آپ کے سامنے نہ ہوتا اور.....'' میں نے کہنا چاہا تو وہ بولے۔

''مگر تمہیں میرے بارے میں بتایا کس نے، میں تو ساری ممبئی سے چھپ کر یہاں بیٹھا ہوں، شاید اب تو میں کسی کو یاد بھی نہیں ہوں گا۔'' وہ تیز تیز بولتے ہوئے ہانپ گئے۔

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

''دو برس تو آپ کا بالکل پتا نہیں چلا، میں نے اس شندے کے ذمے لگایا ہوا تھا کہ وہ آپ کو تلاش کرے، اس نے دو ماہ پہلے آپ کو تلاش کر لیا۔'' میں نے بتایا تو انہیں اطمینان ہو گیا تبھی وہ بولے۔

''مطلب دو ماہ سے جو رقم.....'' انہوں نے کہنا چاہا تو میں تیزی سے بولا۔

''چھوڑیں آپ۔''

''راج ویر..... میں شاید نہ چھپتا، نہ بھاگتا لیکن میرے ساتھ بہت سارے لوگ جڑے ہوئے تھے۔ رویندر پرکاش نے مجھے معاشی طور پر کچل کر رکھ دیا، میرا سب کچھ بک گیا۔ پھر بھی بہت ساری رقم دینا رہ گئی۔ کاش اگر میری وہ فلم کسی طرح لگ جاتی تو میں کم از کم لوگوں کی رقم واپس لوٹا دیتا۔''

''میں جانتا ہوں، سب جانتا ہوں، اس نے آپ کو معاشی طور پر ہی نہیں کچلا، بالی وڈ سے بھی آؤٹ کر دیا۔ اس نے آپ کی وہ فلم لگنے ہی نہیں دی۔'' میں نے دبے دبے غصے میں کہا۔

''ارے سنسر میں ہی نہیں جانے دی۔'' ساونت نے جذباتی انداز میں کہا۔

''آپ آج ہی واپس بالی وڈ میں قدم رکھیں گے۔ کوئی آپ کو نہیں روک پائے گا۔'' میں نے رو دینے والے انداز میں کہا۔

''لیکن راج ویر ایک بات بتاؤ، تم ایسا کیوں چاہتے ہو، اتنی رقم جو مجھ پر قرض ہے، وہ کیسے دو گے، کیوں دو گے.....؟'' انہوں نے مجھ سے سوال کیا۔

''اس سانس کی قیمت کیا ہوتی ہے جس سے کسی کو زندگی مل جائے؟'' میں نے ان سے سوال کر دیا۔

''مطلب، تم احسان کا بدلہ دینا چاہتے ہو؟''

''نہیں، میں رویندر پرکاش کو مارنا چاہتا ہوں۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا تو انہوں نے چونک کر مجھے دیکھا۔

''اس کے لیے تو ایک گولی، محض ایک گولی چاہیے ہوتی ہے؟'' انہوں نے حیرت سے پوچھا تو میں بولا۔

''اسے یوں مارنا ہوتا تو کب کا مار چکا ہوتا۔''

''مجھ سے کیا چاہتے ہو؟'' انہوں نے پوچھا۔

''یہ بعد کی باتیں ہیں، میں آپ کو وہ احترام ملتا دیکھنا چاہتا ہوں، جو کبھی آپ کو ملتا تھا۔ رویندر نے جو آپ کے ساتھ کیا ہے، میں وہی اس کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں، وہ بھی آپ کے ذریعے.....'' میں نے صاف کہہ دیا تو وہ میری طرف دیکھتے رہے پھر بولے۔

''کیا تم میری غربت پر ترس کھا کر.....''

انہوں نے کہنا چاہا تو رتنا دیدی بڑے نرم لہجے میں بولی۔ ''کسی نے نہیں پوچھا ہمیں، یہ راج ویر ہم تک پہنچا، اب اگر یہ ذمے داری لے رہا ہے تو اس کی بات مان لیں۔''

''لیکن میں اس کا احسان نہیں لینا چاہتا۔'' انہوں نے کہا۔

''نہیں، ایسا نہ کہیں، اب ضد مت کریں۔'' میں نے کہا تو وہ خاموش ہو گئے پھر دھیمے سے لہجے میں بولے۔

''کچھ ایسا ہو جائے، جس سے مجھے اطمینان ہو۔ میں جب خود کو جواب دوں تو مجھے اپنی نگاہوں سے نہ گرنا پڑے۔''

''آپ جو چاہیں گے وہ ہو جائے گا۔ بس آپ یہاں سے چلیں۔'' میں نے منت بھرے انداز میں کہا۔

''جیسے تمہاری مرضی۔'' انہوں نے کہا تو میں نے شندے کو آواز دی۔ وہ اسی وقت اندر آ گیا۔

''فوراً گاڑی لے آؤ۔'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو وہ میری بات سنتے ہی باہر کی جانب پلٹ گیا۔

☆☆☆

بارش زوروں سے برس رہی تھی۔ کار پورچ میں رکی تو میں نے دیکھا۔ شیوتا دیوی دوسری منزل پر موجود اپنے بیڈ روم میں کھڑکی کے پاس کھڑی بارش کا نظارہ کر رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں چائے کا مگ تھا اور وہ خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ پتا نہیں اس کے دماغ میں کیا چل رہا تھا۔ وہ کسی بت کے مانند باہر نگاہیں ٹکائے ہوئے تھی۔ اچانک اس کی نگاہ مجھ پر پڑی تو اس نے یوں ہاتھ ہلایا کہ جیسے میں اس کے پاس ہی آ جاؤں۔

میں نے اس کے بیڈ روم کے دروازے پر دستک دی۔ بازگشت کے مانند اندر سے آواز آئی۔ ''آ جاؤ.....''

دروازہ کھلا تو میں نے شیوتا دیوی کو ویسے ہی کھڑکی کے قریب کھڑے پایا۔ وہ باہر دیکھتی رہی۔ میں اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ تبھی اس نے چائے کا سپ لیا اور باہر ہی کی سمت دیکھتے ہوئے بولی۔

''تم بھی یہ جانتے ہو کہ ممبئی میں بارش کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، کب اور کتنی بارش پڑے، یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔''

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''ہاں ایسا تو ہے۔'' میں نے بے پروائی کے سے انداز میں جواب دیا۔

''اسی طرح ممبئی کے لوگوں کا بھی پتا نہیں چلتا، کب، کون، کہاں ساتھ چھوڑ جائے، میں بھی ایسی ہی ہوں۔'' اس نے کہا۔ اور پلٹ کر میری طرف دیکھا تو میں قریب پڑی ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''یہ صرف ممبئی میں نہیں، ساری دنیا میں ہوتا ہے۔''

''یہاں کچھ زیادہ ہی ہے۔'' اس نے بحث کرنے والے انداز میں کہا۔

''جس طرح قدرت نے ہر خطے کو کسی خاص پھل سے نوازا ہے، اسی طرح ہر خطے کے لوگوں کی عادتیں بھی الگ الگ ہیں، مگر سب انسان ہیں۔ مجموعی باتیں تو ہوں گی۔ وہ.....''

''مجھے فلسفہ نہیں چاہیے۔'' اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تو پھر سیدھی بات کریں، آج آپ ایسی باتیں کیوں کر رہی ہیں؟'' میں نے صاف انداز میں کہہ دیا۔

''دیکھو، میں یہاں پر آئی ہوں تو صرف تمہارے کہنے پر، فلم کا مہورت ہوئے دو ہفتے گزر گئے لیکن کام کچھ بھی نہیں ہوا۔ اگر صورتِ حال یہی رہی تو فلم مکمل ہونے میں کئی برس لگ جائیں گے۔ میں اتنا وقت تو یہاں نہیں دے سکتی۔ میری بیٹی لندن میں اور.....''

''کس نے کہا ہے کہ ہم نے فلم بنانی ہے۔'' میں نے سکون سے کہا تو اس نے حیرت سے میری جانب دیکھا۔ چند لمحے اسی کیفیت میں رہنے کے بعد حیرانگی بھرے لہجے میں بولی۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ مزید دو تین ہفتے آپ یہاں رہیں۔ اس سارے وقت میں آپ کی ساری توجہ رویندر پرکاش کو برباد کرنے پر ہونی چاہیے۔ باقی رہی فلم کی بات، وہ میرے ذمے چھوڑ دیں۔'' میں نے سکون سے کہا۔

''ایسا کیسے ممکن ہے؟'' اس نے تلخی سے پوچھا۔

''اس کا جواب میں اگلے ہفتے دوں گا۔'' میں نے کہا تو وہ روہانسا ہوتے ہوئے بولی۔

''مجھے رویندر کی تباہی کے بارے میں سوچنا ہے، وہ مجھے ممبئی سے نکالنے کی پوری تیاری کر چکا ہے۔ رات اس نے مجھے دو دن میں نکل جانے کی دھمکی دی ہے۔ میں جانتی ہوں انڈسٹری کے ہنرمند اسی لیے ہماری فلم کے لیے کام نہیں کر رہے ہیں۔ تم نے مجھے کہیں بند گلی میں لا کر تو نہیں پھنسا دیا؟''

''کل ہی فلم کی شوٹنگ شروع ہو جائے گی۔ پہلا سین ہوگا، اور اگلے ہفتے دھوم مچ جائے گی۔ اس کا آپ یقین کریں۔ باقی رہی دھمکی کی بات، تو اسے فون لگائیں، ابھی اور اسی وقت۔'' میں نے دبے دبے غصے میں کہا۔

''کس لیے.....؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''اسے کہیں، آج شام تک دس کروڑ کی رقم پہنچ جانی چاہیے۔ ورنہ اگلے دن تک یہ رقم بیس کروڑ تک جا پہنچے گی۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

''تم پاگل ہو گئے ہو؟'' اس نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

''میں جو کہہ رہا ہوں وہ کرو آپ.....'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔

''ایسے کیسے دے گا وہ؟'' اس نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''آپ نے اپنی رقم لینی ہے، اُس کی نہیں۔'' میں نے کہا تو اس نے میری طرف دیکھا اور پھر فون کی طرف ہاتھ بڑھا دیا جو سائڈ ٹیبل پر پڑا تھا۔ اس نے نمبر پش کیے اور رابطے کا انتظار کرنے لگی۔ اس نے اسپیکر آن کر دیا تھا۔

''کب جا رہی ہو.....؟'' دوسری طرف سے رویندر کی آواز ابھری۔

''میں کہیں نہیں جا رہی ہوں، ہاں مگر تم آج شام تک دس کروڑ مجھے بھیج دو۔'' وہ جذبات سے عاری لہجے میں بولی تو دوسری طرف ایک بھرپور قہقہہ لگانے کے بعد وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

''سوئی ہوئی ہو، خواب دیکھ رہی ہو کیا۔ تمہیں شاید نہیں پتا، کل شام تک اگر تم یہاں سے نہ گئیں تو تمہارے ساتھ کیا ہو سکتا ہے۔''

''کل شام تک رقم بیس کروڑ.....'' اس نے غصے میں لرزتے لہجے میں کہا۔

''تم پاگل ہو گئی ہو۔'' رویندر نے کہا۔

''دیکھتے ہیں کون پاگل ہوتا ہے۔'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اس نے فون سائڈ ٹیبل پر رکھ کر میری طرف دیکھا تو میں نے تعریفی انداز میں کہا۔

''ویل ڈن، ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اب دیکھنا آپ، میں کیا کرتا ہوں اُس کے ساتھ۔'' میں نے کہا اور سکون سے کرسی پر پھیل گیا۔

WaqarAzeem
www.pakistanipoint.com

''کیا تم مجھے نہیں بتاؤ گے کہ تم کرنا کیا چاہتے ہو؟'' وہ میرے قریب آ کر بولی۔

''آج شام تک..... اس کے بعد میں سب بتا دوں گا۔'' میں نے کہا اور اٹھ کر باہر نکل گیا۔

☆☆☆

رویندر اپنے آفس میں تھا۔ اس نے فون میز پر رکھا اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ کچھ دیر وہ سوچتا رہا پھر بڑبڑاتے ہوئے بولا۔

''وہ خود ایسا نہیں کہہ سکتی..... اس کی ہمت ہی نہیں ہے..... وہ ایسا کہہ ہی نہیں سکتی..... ضرور اس کے پیچھے کوئی ہے.....''

اس کے چہرے پر خوف کی پرچھائیاں اتر آئی تھیں۔ اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی اور سوچنے لگا۔ اس کی تنی ہوئی بھویں اور کھنچا ہوا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ سوچوں کی اس الجھن میں ہے جہاں کسی سوچ کا سرا نہیں ملتا۔ اگر بات سمجھ میں آ جائے تو اس کا حل بھی مل جاتا ہے۔ لیکن جب مسئلہ ہی سمجھ میں نہ آئے تو اس کا اپائے بھی نہیں سوجھتا۔ وہ انہیں سوچوں میں الجھا ہوا تھا کہ اس کا سیل فون بج اٹھا۔ اس نے اسکرین پر دیکھا اور فون کال ریسیو کر کے ہیلو کہا۔

''عبدل بات کر رہا ہوں۔''

''ہاں بول عبدل.....'' اس نے بے پروائی سے کہا۔

''ابے تمیز سے بات کر میں تیرا باپ بول رہا ہوں۔'' عبدل نے انتہائی حقارت سے کہا تو اس کا دماغ بھک سے اُڑ گیا۔ وہ جو کل تک اس کے اشاروں پر ناچتے تھے، وہی آج اس سے یوں بات کرے گا، یہ اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ جنہیں کیڑے مکوڑے سمجھتا تھا، وہ یوں اس سے مخاطب ہوگا، یہ اس کی توہین ہی نہیں خطرے کی گھنٹی تھی۔

''تم بات کیسے کر رہے ہو؟'' اس نے کہا تو خود اس نے اپنے لہجے میں لرزش محسوس کی تھی۔

''شکر کر میں نے ابھی تیرا سر نہیں پھوڑا، تو کیا سمجھتا ہے، تو ممبئی کا ڈان ہے کیا، جیسے چاہے گا، وکرم ویسے کر دے گا؟'' عبدل نے غراتے ہوئے کہا۔

''کیا بکواس کر رہا ہے تو.....'' اس نے دہاڑتے ہوئے کہا۔

''چپ بے سالے، اب ایک لفظ بھی بولا نا، تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا، صرف میری سن۔'' اس نے بھی اسی طرح دہاڑتے ہوئے کہا، رویندر خاموش رہا تو عبدل بولا۔

''تم نے جو سوچا، وہ سب خلاص ہو گیا، اب چلے گی تو صرف میری، اب یہ علاقہ میرا ہے، میرا..... آج شام تک دس کروڑ مجھ تک پہنچ جانا چاہیے۔ پوچھو کیوں؟''

''کیوں.....؟'' رویندر نے کہا۔

''میرا خرچ ہوا، اس سارے معاملے کو تلپٹ کرنے میں جو تو نے وکرم کو ڈان بنانے کے واسطے سوچا۔ مجھے مارنے کے واسطے سوچا۔ سمجھ یہ میری سلامی ہے، اگر تو نے اس علاقے میں رہنا ہے تو.....'' عبدل نے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے یوں کہا جیسے ابھی اسے کھا جائے گا۔

''عبدل تیری اِن باتوں سے لگتا ہے کہ چیونٹی کے پر نکل آئے ہیں۔ کیوں مرنا ہے تجھے، تیرے جیسے گلی کے غنڈے ہر وقت میری جیب میں پڑے رہتے ہیں، اگر تو شام تک اس علاقے سے نہ نکلا تو پھر... مجھ سے شکوہ کرنے کے لیے تیرے اندر سانس بھی باقی نہیں بچے گی۔'' اس نے زہر خند لہجے میں کہا۔

''تو چل پھر دیکھ کیا بنتا ہے۔'' عبدل نے کہا اور فون رکھ دیا۔

رویندر کا چہرہ غصے میں بگڑ کر رہ گیا تھا۔ اس انہونی پر اسے غصہ نہیں تھا کہ شیوتا اور عبدل نے دس دس کروڑ کیوں مانگے تھے۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ ان دونوں کا دس کروڑ مانگنا محض اتفاق نہیں ہو سکتا۔ اس کا یہ خیال مزید پختہ ہو گیا تھا کہ ان کے پیچھے کوئی ہے۔ وہ جانتا تھا کہ وکرم کا گینگ اس کے لیے کام کرتا تھا اور اس کا بہت بڑا تحفظ تھا۔ اس کا یوں ختم ہو جانا، اس کے لیے اتنا اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ وہ ایک دوسرے پالے ہوئے گینگ سے یہ کام لے سکتا تھا۔ لیکن عبدل نے یہ سب ختم کر کے اسے دھمکی دے دی تھی، یہ سب سے زیادہ اہم تھا۔ وہ کون ہو سکتا ہے جو اس کی تباہی کے درپے تھا؟ اس نے فون اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو بج اٹھا۔ وہ ایک لمحے کو ٹھٹک گیا۔ اس نے اسکرین پر دیکھا، چند لمحے سوچتا رہا پھر کال ریسیو کر لی۔

''ہیلو.....''

''ارے ہم ہیں ملہوترا.....''

''ہاں جی ملہوترا جی، کیسے یاد کر لیا؟'' اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا لیکن اس کے لہجے میں وہ جوش نہیں تھا جو اس طنز کا اثر پیدا کر سکے۔

''یہی پوچھنے کہ آج کل آپ سپاری بہت دے رہے ہیں۔'' اس نے بھی استہزائیہ لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب، کیا کہنا چاہتے ہو ملہوترا؟'' اس نے تیزی سے پوچھا۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''وہی جو تم سننا نہیں چاہتے لیکن کرنا چاہتے ہو۔''
اس نے حقارت سے کہا تو رویندر گویا پھٹ پڑا۔
''سن او ملہوترا، بزنس میں اگر مقابلہ کرنا ہے تو سیدھے سیدھے کرو، میں بہت کچھ جان گیا ہوں جو تو کرنا چاہ رہا ہے۔ میں ان باتوں سے ڈرنے والا نہیں، سمجھے تم۔''
''دیکھتے ہیں، تم ڈرتے ہو یا نہیں مگر ایک بات یاد رکھنا، سپاری دینا، ہر کسی کو آتا ہے، مگر بعض لوگ سپاری دینے سے بھی زیادہ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ جو کہا جائے وہی کر، ورنہ رام رام ست ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ جے رام جی کی۔'' ملہوترا نے کہا اور فون بند کر دیا۔
رویندر نے فون واپس میز پر رکھا تو اس کا دماغ اسے بہت کچھ سمجھانے لگا۔ ایک ہی دن میں اس کے دشمن سامنے آ کر اسے دھمکانے لگ گئے تھے۔ یہ اتفاق نہیں ہو سکتا تھا۔ کیا وہ ان لوگوں کا مقابلہ کر پائے گا؟ یہ سوال اس کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا۔
''یہ ہو کیا گیا ہے؟'' یہی سوچتے ہوئے اس کا دماغ شل ہو چکا تھا۔ چند دن میں یہ کھیل اس کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ اس کی طاقت و کرم بھی نہ رہا تو عبدل اسے دھمکی دینے لگ گیا، کیا وہ اتنا ہی کمزور ہو چکا ہے؟ کیا وہ مقابلہ کر پائے گا؟ کیا وہ خطرے میں گھر گیا ہے؟ یہ سوچیں اسے بے چین کر رہی تھیں۔ وہ غائب دماغ سا اٹھا اور اپنے آفس سے باہر آ گیا۔
وہ اپنے آفس کے لاؤنج میں آ گیا جہاں اس کا ڈرائیور بیٹھا ہوا تھا۔ رویندر وہیں رک گیا کہ ڈرائیور گاڑی پارکنگ سے پورچ میں لے آئے۔ جیسے ہی کار پورچ میں آئی ڈرائیور اندر آ گیا۔ اس وقت تک ایک ملازم رویندر کا بریف کیس بھی لے آیا تھا۔ جیسے ہی ڈرائیور نے بریف کیس پکڑا اور اس نے لاؤنج سے نکلنے کے لیے قدم اٹھایا، باہر پورچ میں دھماکا ہوا۔ اس کی کار کے پرخچے اُڑ گئے۔ وہ ساکت ہو کر رہ گیا۔ وہ اتفاقیہ بچ گیا تھا یا پھر یہ اس کے لیے وارننگ تھی؟ وہ بالکل بھی سمجھ نہیں پایا تھا۔

☆☆☆

ٹی وی اسکرین پر رویندر کا آفس دکھائی دے رہا تھا۔ پس منظر میں رپورٹر وہاں کی تفصیل بتا رہا تھا کہ یہ واقعہ ہوا کیسے؟ یہ دھماکا کافی زیادہ تھا جس سے باہر کھڑی دوسری کاروں کو بھی نقصان پہنچا تھا۔ اس کے علاوہ عمارت بھی متاثر ہوئی تھی۔ پولیس نے وہاں گھیرا ڈالا ہوا تھا۔ خبر دی جا رہی تھی کہ رویندر محفوظ ہے۔ شیوتا دیوی پریشانی کے عالم میں ٹی وی پر نگاہیں جمائے ہوئے تھی۔ اُسے خبر بھی نہ ہوئی کہ میں کب اس کے پاس پہنچ گیا ہوں۔ کچھ دیر بعد میرا احساس پا کر اس نے سر سراتے ہوئے پوچھا۔
''یہ سب کیا ہے؟''
''جو ہو رہا ہے، اسے ہونے دیں، بس خاموشی سے تماشا دیکھیں۔'' میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔
''اس کا مطلب.....'' اس نے چونک کر میری طرف دیکھتے ہوئے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔
''ممکن ہے وہ آپ کو فون کرے، کیونکہ میرا گمان کہتا ہے وہ آپ پر شک کرے گا۔ اگر وہ فون کرے تو اسے یوں جواب دینا ہے کہ ہاں کرنی ہے اور نہ ہی نا، اسے اُلجھن میں رکھنا ہے۔'' میں نے کہا تو فوراً پوچھا۔
''ایسا کیوں، تم اسے ختم کرنا چاہتے ہو یا صرف خوف زدہ کر رہے ہو؟''
''میں ابھی محض کھیل رہا ہوں۔ اُسے قتل کرنا کوئی مسئلہ نہیں، یہ دھماکا ایک منٹ بعد بھی ہو سکتا تھا، ابھی تو میں اسے زچ کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''کیوں.....؟'' وہ بولی۔
''اس کی طاقت دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے جن لوگوں کے بارے میں معلوم تھا، وہ تو سب راستے سے ہٹا دیے۔ اب میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں اس کی جڑیں مزید کتنی گہری ہیں۔'' میں نے نفرت سے کہا۔
''تم بہت خطرناک کھیل کھیل رہے ہو؟'' وہ افسوس بھرے لہجے میں بولی۔
''کوئی بات نہیں، یہی کھیل کھیلنے ہی تو میں یہاں تک آیا ہوں۔'' یہ کہہ کر میں چند لمحے رکا اور پھر پُرسکون لہجے میں بولا۔ ''آپ بس اپنی فلم شروع کریں۔ کل پہلا سین ہو جانا چاہیے۔''
میرے لفظوں کی بازگشت ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ شیوتا دیوی کا فون بج اٹھا۔ اسکرین پر رویندر پرکاش کے نمبر جگمگا رہے تھے۔ اس نے میری طرف دیکھا، میں نے حوصلہ دینے والے لہجے میں کہا۔
''فون سنو، بلکہ اسپیکر آن کر دو، میں بھی سنوں کیا کہتا ہے۔''
اس نے فون اٹھا کر کال پک کر لی، پھر اسپیکر آن کر دیا۔ دوسری طرف سے رویندر کی آواز گونج رہی تھی۔ تبھی شیوتا دیوی نے روکھے لہجے میں کہا۔
''ہاں کہو، کیا کہتے ہو؟''

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

''یہ تم نے کیا شروع کر دیا ہے۔ تم کیا سمجھتی.....'' اس نے اُلجھے ہوئے لہجے میں غصے سے کہا تو وہ حقارت سے بولی۔

''کیا اول فول بک رہے ہو، سیدھی بات کرو۔''

''تم نے ٹی وی نہیں دیکھا؟'' اس نے درشت لہجے میں پوچھا۔

''دیکھ رہی ہوں۔ اس پر خبر بھی سن رہی ہوں، تم نے جو بویا، وہی کاٹ رہے ہو۔ تم نے لوگوں کے ساتھ جو ظلم کیا جو.....'' اس نے کہنا چاہا تو وہ اس کی بات کاٹ کر دہاڑتے ہوئے بولا۔

''بند کرو بکواس، جب سے تم ممبئی میں آئی ہو، یہ کام ہو رہا ہے اور.....''

''تم بکواس بند کرو، جاؤ پولیس کے پاس، اسے کہو میرے بارے میں، بتاؤ میڈیا کو، اچھا ہوگا کہ تم بتاؤ، پھر مجھے بھی بہت کچھ بتانے کا موقع مل جائے گا، میں بھی بتاؤں گی۔'' اس نے کہا تو چند لمحے خاموشی چھا گئی۔ پھر وہ کافی حد تک نرم لہجے میں بولا۔

''تم جو کچھ بھی کر رہی ہو، یہ اچھا نہیں، میں نے تمہیں کہا ہے کہ واپس پلٹ جاؤ، لیکن اب میں تمہیں یہاں نہیں رہنے دوں گا۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ میں تمہیں.....''

''میں بھی دیکھتی ہوں، تم کیا کرتے ہو۔ کل میں اپنی فلم کی شوٹنگ کا آغاز کرنے جا رہی ہو، اگر تم میں ہمت ہے تو اسے روک لو اگر روک سکتے ہو۔'' یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ پھر میری طرف دیکھ کر وہ مسکرا دی۔ میں اس کے پاس سے اٹھ کر اندر چلا گیا۔

اگلی صبح سارا یونٹ اسٹوڈیو میں تھا۔ اس فلم سے متعلق جو بھی ہنر مند تھا، وہ وہاں پر موجود تھا۔ سین کی تیاری مکمل تھی۔ صرف ہیروئین کا انتظار ہو رہا تھا۔ نوتن ابھی تک اسٹوڈیو... نہیں پہنچی تھی۔ وہ لوگ جو بہت قریب سے جانتے تھے انہیں پتا تھا کہ وہ رویندر کی مرضی کے بغیر یہ فلم سائن تو کر چکی ہے لیکن اب اس میں کام نہیں کرے گی۔ دو گھنٹے کے انتظار کے بعد آخر نوتن اسٹوڈیو میں داخل ہوئی تو ایک حیرت پھیل گئی۔

شام ہونے تک محض دو سین مکمل ہوئے۔ اس دوران نوتن نے اپنے پاس فون نہیں رکھا۔ راج ویر وہیں موجود تھا۔ لیکن رویندر کی طرف سے کوئی ایسا اشارہ بھی نہیں ہوا جس سے یہ احساس ہو کہ وہ فلم کی شوٹنگ روک سکا ہو۔ اگلے دن آندرے کے علاوہ دوسرے رپورٹرز کے مضامین اخبارات کی زینت تھے۔ اس میں اس آنے والی فلم کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا تھا۔

رویندر نے شیوتا دیوی کی فلم کے لیے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔ یہ اس کی پہلی شکست تھی۔

☆☆☆

صبح کی نیلگوں روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ رویندر کے بنگلے کے سامنے چند گاڑیاں رکیں۔ گیٹ کے ساتھ ہی چند سیکیورٹی گارڈ کھڑے تھے۔ انہوں نے بنگلے کے سامنے کھڑی ہوتی گاڑیاں دیکھ لی تھیں۔ سب سے آگے والی گاڑی میں سے پانچ افراد باہر نکلے تو باقی گاڑیوں سے بھی لوگ باہر آ گئے۔ ان سب نے سفاری سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ ان میں سے دو آدمی گیٹ پر گئے۔ جیسے ہی انہوں نے چھوٹے دروازے سے سامنے ہو کر پوچھنا چاہا، ان کے ماتھے پر پسٹل رکھ دیا گیا۔ باقی تیزی سے اندر داخل ہو گئے۔ ایک سیکیورٹی گارڈ نے درشت لہجے میں پوچھا۔

''کون ہو تم لوگ.....؟''

''ایف بی آئی۔'' ان میں سے ایک سنجیدہ شخص نے اپنی جیب سے کارڈ نکال کر لہراتے ہوئے کہا پھر گارڈ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وارننگ دینے والے انداز میں بولا۔ ''اگر سرکاری کام میں مداخلت کرنے کی کوشش کی تو گولی بھی ماری جا سکتی ہے۔ سکون سے رہنا۔''

''جی سر۔'' اس نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

کچھ لوگ ان کے پاس رک گئے باقی تیزی سے اندر کی جانب بڑھے۔ لاؤنج خالی تھا۔ وہاں گھر کا ایک ملازم مستعد کھڑا تھا، جیسے اسے انہی لوگوں کے آنے کا انتظار ہو، سب سے آگے والے نے پسٹل ہاتھ میں لیا ہوا تھا، اس نے ملازم کو پوچھنے والے انداز میں اشارہ کیا۔ ملازم نے اندر کی جانب اشارہ کر دیا۔ وہ تینوں تیزی سے راہداری میں داخل ہوئے اور بیڈ روم میں گھس گئے۔

جہازی سائز کے بیڈ پر رویندر اور اس کے ساتھ اس کی بیوی سو رہی تھی۔ وہ کھٹکے سے بیدار ہو گیا۔ اس نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ اسی سنجیدہ آفیسر نے اسنے سرد لہجے میں کہا۔

''اٹھو.....اور گھر کی تلاشی دو۔''

''کک.....کون ہو تم لوگ.....؟'' اس نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

''ایف بی آئی.....'' اس نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

''تم کیوں.....'' اس نے اپنا ہاتھ فون کی جانب

www.pakistanipoint.com

بڑھاتے ہوئے پوچھنا چاہا تو اس آفیسر نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔ پھر اس کا فون چھین کر دہاڑتے ہوئے بولا۔

''سمجھ نہیں آئی کیا؟'' یہ کہہ کر وہ اپنے لوگوں کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ ''تلاشی لو.....''

اس کی آواز سنتے ہی وہ پلٹ گئے۔ اتنے میں اس کی بیوی بھی جاگ گئی۔ اس نے حیرت سے سب کی طرف دیکھا اور پھر وہ سہم کر یوں دبک گئی جیسے اس نے کچھ بھی نہ دیکھا ہو۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد لاؤنج میں نوٹوں کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا۔ زیورات کے ساتھ کچھ ہیرے برآمد ہوئے تھے۔ یہ نوٹ دیواروں میں چھپی ہوئی تجوریوں میں سے برآمد ہوئے تھے۔ اتنی جلدی اتنا سرمایہ برآمد کر لینے کے بارے میں واضح طور پر سمجھ میں آرہا تھا کہ بھیدی کوئی گھر ہی کا بندہ ہے۔ وہ ملازم جو انہیں لاؤنج میں ملا تھا، ایک کونے میں ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

''چلو رویندر کو باندھو اور اسے ساتھ لے کر نکلو۔'' اسی سنجیدہ آدمی نے حکم دیتے ہوئے کہا۔

''آفیسر، مجھے ایک فون کرنے دو۔'' رویندر پرکاش اس وقت تک بہت کچھ سوچ چکا تھا۔

''جو کچھ بھی کہنا ہے، اب آفس میں جا کر کہنا، وہاں تمہیں وکیل بلوانے کی اجازت بھی دے دی جائے گی۔''

''دیکھو، وہاں جا کر بھی مجھے کچھ دیر بعد واپس آجانا ہے، یہ تم جانتے ہو، اس لیے جو کچھ تمہیں ملا ہے، لے جاؤ، لیکن مجھے ساتھ مت لے جاؤ۔'' اس نے یوں کہا جیسے اسے وارننگ دے رہا ہو، جسے اس آفیسر نے بالکل نہیں سنا، بلکہ اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ انہوں نے رویندر کو پکڑا اور ساتھ لے کر چل دیے۔ پورچ میں کھڑی گاڑی میں اسے بٹھاتے ہی اس کے چہرے پر سیاہ نقاب ڈال دیا۔ اگلے ہی لمحے گاڑی چل پڑی۔

رویندر کے چہرے پر سے جب نقاب ہٹایا گیا تو اس نے خود کو ایک پرانی حویلی نما جگہ پر پایا۔ ہر طرف یوں گندگی اور سیلن تھی جیسے وہاں کئی برسوں سے صفائی ستھرائی تو کیا کوئی آیا بھی نہ ہو۔ وہ لمحوں میں سمجھ گیا کہ اس کے ساتھ دھوکا ہو گیا ہے۔ اس نے اپنے اردگرد کھڑے اور کچھ بیٹھے لوگوں کو دیکھا، ان میں وہی سنجیدہ سا آدمی بھی تھا، وہ بڑے سکون سے بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا۔ رویندر نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''کون لوگ ہو تم.....؟''

''ہمیں چھوڑو ہم کون ہیں، لیکن تم یاد کرو کہ عبدل بھائی نے تم سے دس کروڑ مانگے تھے۔ پھر ملہوترا جی نے بھی کہا تھا۔ لیکن تمہیں شاید سمجھ میں نہیں آیا، اس لیے تمہیں سمجھانے کے لیے ابھی تمہارا تھوڑا سا مال لوٹا ہے۔'' اسی سنجیدہ آدمی نے بڑے سکون سے کہا۔

''مجھے کیوں یہاں پر لائے ہو؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''کسی کو تم سے ملنا تھا، فکر نہ کرو، جب تک وہ نہیں کہے گا تب تک تمہیں نہیں ماریں گے۔'' سنجیدہ شخص نے کہا اور پھر گہرا کش لے کر دھواں فضا میں چھوڑ دیا۔

''کون ہے وہ؟'' اس نے تیزی سے پوچھا۔

''ابے جلدی کاہے کی ہے۔'' اس نے اکتاہٹ سے کہا تو رویندر خاموش ہو گیا۔ لیکن اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا ہے۔

تقریباً آدھا گھنٹا گزر جانے کے بعد دروازہ کھلا تو کمرے میں تھوڑی روشنی بڑھ گئی۔ اگلے ہی لمحے راج ویر اندر آگیا۔ وہ چلتا ہوا کمرے کے وسط میں آکر کھڑا ہو گیا۔ اس نے رویندر کی طرف دیکھا جو اسے اجنبی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''سنا ہے تم شیوتا دیوی کی کافی ساری جائداد ہڑپ کر کے بیٹھے ہو؟'' راج ویر نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو رویندر کے چہرے پر پریشانی ایک دم سے ختم ہو گئی۔ وہ ساری گیم سمجھ گیا تھا کہ یہ سب کس نے کروایا ہے اس لیے اس نے بڑے اعتماد سے پوچھا۔

''ہاں ہے تو، لیکن تم کون ہو مجھ سے یہ سوال کرنے والے؟''

''مجھے پہچانا نہیں ہے تم نے؟'' راج ویر نے پوچھا۔

''نہیں، کیا مجھے تمہیں جاننا چاہیے؟'' اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''ہاں، مجھے حیرت ہے، تم مجھے اب بھی نہیں جان پائے ہو، ذرا غور کرو تمہارے ہی گھر میں یہ لوگ داخل ہو جاتے ہیں، کوئی سیکیورٹی والا مزاحمت نہیں کرتا، مزاحمت تو تب کرے اگر وہاں کوئی ہو... تب..... تمہارے گھر کے ملازم میں نے رکھے ہیں، وہ دہری، تہری تنخواہ لیتے رہے ہیں، جو تمہارے بیڈ روم کی خبریں رکھتا ہے، تم اسے نہیں جانتے حیرت ہے؟'' راج ویر نے مسکراتے ہوئے حقارت سے کہا۔

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

''تم ایسا کیوں کرو گے؟'' رویندر نے پوچھا۔
''جس کی ماں اور بہن تم نے قتل کروائی ہو، کیا وہ نہیں چاہے گا کہ تم برباد ہو جاؤ، اگر تم اب بھی نہیں پہچان پاؤ تو.....''
''راج ویر.....'' رویندر نے شدتِ حیرت سے کہا۔
''ہاں، وہی جو تیرے پاس چوکیدار ملازم تھا۔'' وہ انتہائی جذباتی لہجے میں بولا تو رویندر چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔
''مجھے معاف کر دو، میں نے غلطی کی.....''
''ٹھیک ہے تمہیں معاف کیا۔ لیکن شیوتا دیوی کے نام وہ ساری جائداد لگوانا پڑے گی جو تم نے اس سے چھینی ہے۔ زندگی کے بدلے یہ سودا منظور ہے تو بتاؤ؟'' راج ویر نے پوچھا۔
''اس کا جو ہوگا، میں اُسے واپس کر دوں گا، چاہو تو ابھی مجھ سے لکھوا لو۔'' رویندر نے تیزی سے کہا۔
''میں چاہوں تو ابھی اور اسی وقت یہیں تمہیں مار سکتا ہوں۔ تمہارا پتا ہی نہ چلے کہ تم کہاں ہو لیکن میں تمہیں ایک موقع دیتا ہوں۔ ایک ماہ، صرف ایک ماہ میں تم سب کچھ خود شیوتا دیوی کو واپس کر دو گے۔ کیا تمہیں منظور ہے؟''
''مجھے منظور ہے، مجھ سے جو ضمانت.....'' اس نے تیزی سے کہا۔
''کوئی ضرورت نہیں ضمانت کی، میں اگر تمہیں یہاں تک لا سکتا ہوں تو اپنی بات بھی منوا سکتا ہوں، میں نے اپنی ساری زندگی تم پر لگا دی ہے۔ یہ بھی سن لو، میں اب تمہیں قتل نہیں کروں گا بلکہ تم خودکشی پر مجبور ہو جاؤ گے۔'' راج ویر نے کہا اور واپس پلٹ گیا۔
اسی شام رویندر پرکاش ایک ویران شاہراہ پر بے ہوش پایا گیا۔

☆☆☆

ایک ماہ بعد شیوتا دیوی کی فلم نمائش کے لیے پیش کر دی گئی۔ ریکارڈ وقت میں بنائی گئی فلم نے ہلچل مچا دی۔ آندرے کے لکھے مضامین اور شوبز میڈیا کو اس طرح مہارت سے استعمال کیا کہ سینما انڈسٹری میں یہ اطلاع حیرت سے سنی گئی۔ نمائش کی رات آن پہنچی تھی۔ شیوتا دیوی کی آمد ہو گئی تھی۔ اس کے ساتھ دائیں جانب میں اور بائیں جانب ملہوترا کھڑا تھا۔ نوتن جس وقت آئی، اس کا ایک ہاتھ عبدل کے بازو میں تھا۔
فلم کو شائقین نے بے حد پسند کیا تھا۔ اس خوشی میں ایک پارٹی رکھی گئی تھی۔ ہر طرف خوشی تھی۔ میں نے کچھ فاصلے پر کھڑے شندے کو اشارہ کیا۔ وہ میری بات سمجھ گیا۔ وہ لوگوں کے ہجوم سے نکل گیا۔ میں بھی وہاں سے نکلا تو شندے گاڑی لیے میرا منتظر تھا۔ میں اس کے ساتھ بیٹھا تو اس نے گاڑی بھگا دی۔ ہمارے سفر کا اختتام ساونت جی کے گھر ہوا۔ وہ میرے انتظار ہی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے پاس ہی رتنا جی بیٹھی ہوئی تھی۔ میں ان کے پاس جا کر بیٹھا تو رتنا جی نے اٹھتے ہوئے کہا۔
''میں کھانا لگاتی ہوں۔''
''جی بالکل لگائیں، مجھے بہت بھوک لگی.....ہے۔'' میں نے سکون سے کہا تو میرے اور ساونت جی کے درمیان سوال آن ٹھہرا۔
''کیسی رہی فلم؟'' انہوں نے پوچھا۔
''بہت کامیاب..... لوگ بہت تعریف کر رہے تھے۔'' میں نے کہا۔
''چلو کسی کے نام سے سہی، میری فلم تو لوگوں نے دیکھی اور پسند کی۔'' انہوں نے حسرت سے کہا۔
''نہیں ساونت جی، اب آپ اسی طرح فلم انڈسٹری میں واپس آئیں گے، جیسے پہلے تھے۔ وہی عزت، وہی مقام ملے گا آپ کو۔'' میں نے انہیں حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔
''نہیں راج ویر بیٹا، اب نہیں، جو زندگی باقی بچی ہے وہ... مجھے اب سکون سے... گزارنی ہے۔ مجھے بس رتنا کی فکر تھی، اب مجھے پتا ہے، وہ سکون سے رہ پائے گی۔'' انہوں نے سکون سے کہا تو میں نے جیب سے چیک نکالا اور ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
''یہ ایک چھوٹی سی رقم میری طرف سے رکھ لیں۔''
انہوں نے چیک کی طرف دیکھے بنا کہا۔ ''نہیں بیٹا، اب مزید نہیں چاہیے۔ مجھے پہلے ہی بہت مل گئے ہیں۔''
''پھر بھی رکھ لیں۔ مجھے خوشی ہوگی۔'' میں نے کہا۔
''یہ کسی دوسرے ساونت کو دے دینا۔'' انہوں نے کہا تو میں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے پر اطمینان پھیلا ہوا تھا۔
کھانے کے بعد میں ائرپورٹ کی طرف چل دیا۔ ممبئی چھوڑتے وقت اب کوئی حسرت نہیں رہی تھی۔ رویندر پرکاش کو میں نے لمحہ لمحہ قتل ہونے کے لیے چھوڑ دیا تھا.....

❖❖❖

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

سفاک قاتل

فہمی فردوس

اصل حقیقت اور سچائی تک پہنچنے کے لیے وسیلے اختیار کرنے پڑتے ہیں... اپنے تجربے اور دوسروں کے تجربات اور مشاہدات سے کام لینا پڑتا ہے تبھی سچائی کی گرہیں کھلتی ہیں... ذہانت اور علم کے بغیر کوئی انسان ان باتوں پر یقین نہیں کر سکتا... جن کا مشاہدہ اس کی آنکھیں کرتی ہیں... جھوٹ اور سچ... کھوٹے اور کھرے کے پنڈولم میں جھلتی کہانی... مقتول سامنے تھے... مگر قاتل کا سراغ لگانا ناممکنات کا شکار تھا...

انتقام کی آگ میں جلتی بجھتی کہانی کے دردناک نشیب و فراز.....

انسپکٹر نواز درّانی ترحم آمیز نظروں سے سامنے بیٹھے اس شخص کو دیکھ رہا تھا۔ جس کے ڈاڑھی اور سر کے سفید بال اس کے عمر رسیدہ ہونے کی گواہی دے رہے تھے۔ چہرے کی جھریاں فکرمندی اور پریشانی سے مزید گہری ہو گئی تھیں۔

''باؤ جی..... کہیں سے کچھ خیر خبر نہیں ملی میرے ساجو اور عابو کی؟''

''چاچا..... ہم تو پوری کوشش کر رہے ہیں..... ایسے

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

لوگوں کے سوسجن اور سو دشمن ہوتے ہیں۔ تم نے وہ مثال تو سنی ہوگی..... بُرے کام کا بُرا نتیجہ۔''

جسے انسپکٹر نے چاچا کہہ کر مخاطب کیا تھا، یہ ساٹھ سالہ صابر حسین تھا جس کے دو جوان اور خوبرو بیٹے پچھلے پندرہ دن سے لاپتا تھے۔ ہر جگہ ہر رشتے دار کے ہاں پتا کروا چکا تھا مگر ان کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انہیں زمین کھا گئی یا آسمان..... تنگ آ کر تھانے میں ان کی گمشدگی کی رپورٹ درج کروادی تھی اور اب پچھلے ایک ہفتے سے تھانے کے چکر لگا رہا تھا۔ وہ کوئی شریف اور معصوم نوجوان تو تھے نہیں کہ پولیس ان کی بازیابی کے لیے سرتوڑ کوششیں کرتی۔ دونوں جرائم پیشہ تھے۔ چھوٹی موٹی وارداتیں کرتے اور کئی مرتبہ جیل کی ہوا بھی کھا چکے تھے۔

''مگر انسپکٹر صاحب..... اگر آپ دل سے کوشش کریں گے تو ضرور کوئی سراغ لگ جائے گا۔''

''چاچا!..... تیرا کیا خیال ہے..... ہم یہاں صرف لوگوں کو زبانی کلامی تسلیاں دینے کے لیے بیٹھے ہوئے ہیں۔ کام وام کوئی نہیں کرتے۔'' انسپکٹر نے قدرے سخت لہجہ اختیار کیا تو صابر گڑگڑانے لگا۔

''نہیں تھانے دار جی!..... میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔''

''اچھا اچھا!..... تم گھر جاؤ..... جیسے ہی کچھ پتا چلے گا، تمہیں اطلاع دے دی جائے گی۔''

''جی اچھا جی۔'' وہ اٹھ کر چلا گیا تو وہاں کھڑے کانسٹیبل بشیر نے تاسف سے سر ہلایا۔

''سر جی دیکھ لیں!..... کتنی عجیب بات ہے..... اولاد نالائق اور ناخلف بھی ہو تو والدین اس کے پیچھے رل جاتے ہیں۔''

''ہاں بشیر!..... تم ٹھیک کہتے ہو۔ اولاد ماں باپ کو چھوڑ سکتی ہے مگر ماں باپ اولاد کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اب اس بے چارے کے دونوں ناخلف بیٹے پتا نہیں اچانک کہاں غائب ہو گئے..... اور اس کی جان سُولی پر لٹکا گئے ہیں۔''

''سر جی!..... میرا دل کہتا ہے کہ کسی دشمنی کی بھینٹ چڑھ گئے دونوں۔''

''جب تک لاشیں نہ ملیں..... کوئی بات بھی یقین سے نہیں کہہ سکتے۔''

''ہم.....'' بشیر نے تائید میں سر ہلایا اور انسپکٹر نواز کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

☆☆☆

صابر سر جھکائے گھر میں داخل ہوا تو اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر اہلِ خانہ سمجھ گئے کہ صابر آج بھی ناکام واپس آیا ہے..... غائب ہو جانے والے ابھی تک گمشدگان کی لسٹ میں درج ہیں۔ وہ خاموشی سے چارپائی پر بیٹھ گیا۔ بہو نے پانی کا گلاس تھمایا۔

گلاس پکڑتے ہوئے اس نے بہو کے چہرے پر نظر ڈالی جہاں ویرانی نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ چہرے کی شادابی کہیں کھو سی گئی تھی۔ یہ بڑے بیٹے ساجد کی بیوی تھی..... جو اس کی موت کی خبر سننے سے پہلے ہی خود کو بیوہ تسلیم کر چکی تھی۔ اس کے دو ننھے منے بچے صحن کے ایک کونے میں کھیل رہے تھے۔ صابر کی نظر ان معصوموں پر پڑی تو دل ہولنے لگا۔

تبھی اس کی بیوی زاہدہ پاس آ بیٹھی۔

''کچھ پتا چلا میرے عابد اور ساجد کا.....'' اس کی بھرائی ہوئی آواز بتا رہی تھی کہ وہ کافی دیر سے رو رہی تھی۔

''ابھی تک کچھ نہیں پتا چلا.....'' وہ گہری سانس لے کر بولا۔ ''سمجھ میں نہیں آتا..... انہیں زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔''

''ہائے میرے بچّے..... جانے کس حال میں ہوں گے.....'' زاہدہ نے سینے پر دوہتڑ مارا۔

''اتنے لوگوں کی بددعائیں پیچھا کر رہی تھیں۔ لگ گئی ہوگی کسی کی.....'' وہ زہرخند سے بولا تو زاہدہ غصے سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''کیسے باپ ہو..... اپنی اولاد کو بددعائیں دے رہے ہو؟''

''بددعائیں میں نہیں دے رہا، وہ لوگ دیتے ہوں گے..... جن جن کے ساتھ ظلم و زیادتی کر چکے ہیں وہ..... ان کی مائیں بھی ایسے ہی روتی ہوں گی..... جیسے آج تم روتی ہو..... اسی بُرے وقت سے ڈرتا تھا میں، انہیں ہمیشہ بُرے کاموں سے بچنے کی تلقین کیا کرتا تھا مگر میری سنتا کون تھا۔''

☆☆☆

صابر چار بھینسوں کے باڑے کا مالک تھا..... جب اس کی زاہدہ سے شادی ہوئی۔ ماں باپ کا اکلوتا تھا۔ باپ اس کی شادی کا ارمان لیے شادی سے ایک سال پہلے رخصت ہو گیا اور ماں اس کا بچہ گود میں کھلانے کا ارمان دل میں دبائے شادی کے دو سال بعد راہیِ عدم کو سدھار گئی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو زاہدہ خوش قسمت قرار پائی.....

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

نہ ساس کی بک بک اور نہ نندوں کا جھنجٹ۔ صابر کے دل سمیت تمام راجدھانی کی بلاشرکتِ غیرے مالک بن گئی..... صابر جیسا شریف اور فرمانبردار شوہر پا کر قسمت پر جتنا بھی ناز کرتی، کم تھا۔ صابر سچ میں اللہ میاں کی گائے تھا۔ دودھ بیچ کر بھینسوں کے چارے کے پیسے الگ کر کے باقی ساری رقم زاہدہ کی ہتھیلی پر رکھ دیتا اور وہ بھی پوری ایمانداری سے۔

اپنا ذاتی خرچ تو اس کا نہ ہونے کے برابر تھا۔ نہ سگریٹ کی لت اور نہ پان چبانے کا شوق..... ہاں البتہ نورے حلوائی کی دکان سے اکثر و اوقات پاؤ آدھا کلو جلیبیاں یا پھر کبھی کبھار برفی خرید کر ضرور لاتا..... خود بھی کھاتا اور زاہدہ کو بھی کھلاتا۔ وہ میٹھے کا بہت شوقین تھا۔ زاہدہ سے بھی اگر کوئی فرمائش کرتا تو۔۔ حلوا پکانے کی کرتا۔ زاہدہ اپنی زندگی سے خوش اور مطمئن تھی مگر شادی کے چار سال بعد بھی بے اولاد ہونے کا دکھ پریشان رکھتا.....

حالانکہ صابر کو کوئی پریشانی نہیں تھی..... وہ خدا کی رضا میں راضی رہنے والا بندہ تھا۔ زاہدہ کو بھی تسلیاں دیتا رہتا کہ خدا کے گھر دیر ضرور ہے مگر اندھیر نہیں...

زاہدہ ہی اولاد کی شدید خواہش رکھتی تھی۔ آس امید لیے کئی آستانوں کے چکر لگاتی..... کبھی کسی درگاہ پر اپنی جھولی پھیلاتی۔ اور پھر زاہدہ کی گود ہری ہو گئی..... کیسے ہوئی..... کہاں سے شفایاب ہوئی..... یہ زاہدہ بھی نہیں بتا سکی..... شاید آستانے والے بابا کی دعا سے..... یا کسی حکیم کی جڑی بوٹیوں سے یا پھر لیڈی ڈاکٹروں کی ایلوپیتھک ادویات سے۔ زاہدہ اتنی مغز ماری کر کے یہ تصدیق کرنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اسے آم کھانے سے غرض تھی، پیڑ گننا اس کی نظر میں قطعی غیر اہم تھا۔

زاہدہ امید سے کیا ہوئی، صابر حسین اس کے ناز نخرے پہلے سے بھی زیادہ اٹھانے لگا۔ اب جلیبیوں کے ساتھ ساتھ موسمی پھل لانا بھی لازم ٹھہرا۔

ماں بننے کے اعزاز نے زاہدہ کو ایک انوکھا روپ اور وقار بخش دیا۔ صابر حسین کو وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت دکھائی دینے لگی۔ جب پہروں اس کے شاداب چہرے کو وارفتگی سے دیکھے جاتا تو وہ لجا جاتی۔ اور پیار سے ڈانٹ دیتی۔

''ہر وقت شیدائیوں کی طرح میری طرف کیوں دیکھتے ہو؟''

اس ڈانٹ کو بھی وہ اس کی ادا سمجھتا اور پیار بھرے لہجے میں جواب دیتا۔ ''ایک بات تو بتاؤ زاہدہ!..... جب عورت ماں بننے والی ہوتی ہے تو اتنی سوہنی کیوں ہو جاتی ہے۔ عورت کو چھوڑ..... گائیں بھینسیں بھی حاملہ ہو جائیں تو ایک انوکھا جوبن آ جاتا ہے ان پر..... اکھ نہیں ٹکتی۔'' صابر کی یہ بے تکی باتیں سن کر وہ ہنس دیتی۔

صابر کے پھل اور دودھ جلیبیاں زاہدہ نے رائگاں نہ جانے دیے..... ایک دن چاند سے خوبصورت بچے کو جنم دے کر سب کھایا پیا حلال کر دیا۔ بچہ بہت سرخ و سفید اور گل گوتھنا تھا۔

''شکر ہے!..... اپنی ماں پر گیا ہے۔'' صابر نے بچے کو گود میں اٹھایا تو سب سے پہلا فقرہ یہی نکلا۔

پاس لیٹی ہوئی زاہدہ تھوڑی دیر پہلے کی جان کنی جیسی تکلیف یکدم بھول گئی۔

دونوں میاں بیوی نے بڑے چاؤ سے اس بچے کا نام ساجد رکھا۔ پھر ساجد کی بڑے ناز و نعم سے پرورش ہونے لگی۔

وہ دو سال کا ہوا تو عابد، زاہدہ کی گود میں بغیر کسی دعا اور دوا کے آ گیا..... اور یہ ان کی آخری اولاد ثابت ہوا۔ اس کے بعد کوئی ٹوٹا ٹوٹکا یا کسی جلالی بابے کا دم درود اثر نہ کر سکا۔ دونوں میاں بیوی دو بچوں پر صابر شاکر ہو کر بیٹھ گئے۔ بچے تھوڑے بڑے ہوئے تو انہیں محلے کے ایک پرائیویٹ اسکول میں داخل کروا دیا گیا۔ اکثر رات کو سوتے ہوئے دونوں بیٹوں کا منہ چوم کر زاہدہ صابر سے کہتی۔ ''دیکھ لینا..... میرے بیٹے بڑے ہو کر بہت بڑے آدمی بنیں گے۔

''مثلاً کتنے بڑے.....؟'' وہ ہنس کر پوچھتا۔

''ایک جج بنے گا اور دوسرا ڈاکٹر.....'' وہ پورے یقین سے جواب دیتی تو صابر کھلکھلا کر ہنس دیتا۔

''جھلیے!..... صرف یہ دعا کیا کر کہ انسان اچھے ثابت ہوں..... کل کو ان کی وجہ سے ہمیں کسی شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اتنے اونچے اونچے خواب مت دیکھا کر۔''

زاہدہ کے خوابوں کے محل میں پہلی نقب تو اس دن لگی جب چودہ سالہ ساجد ایک دن کسی کا مرغا اٹھا لایا۔ مرغے کا مالک بھی کھرا اٹھاتے پیچھے پیچھے آ دھمکا..... زاہدہ نے نہ صرف مرغا واپس کیا بلکہ ہاتھ جوڑ کر اپنی اور ساجد کی گلوخلاصی کروائی۔ اس واقعے کی بھنک بھی زاہدہ نے صابر کے کانوں میں پڑنے نہ دی..... ماں کی ازلی محبت بیٹے کے چھوٹے موٹے جرائم کی پردہ پوشی کرتی رہی۔ اور انجانے

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

میں اس کے لیے گناہوں کا رستہ ہموار کرتی گئی..... دو تین سال مزید اسی پردہ پوشی میں گزر گئے..... اب ساجد سترہ سال کا ایک خوبرو نوجوان کا روپ اختیار کر چکا تھا۔ پندرہ سالہ عابد کو وہ اپنے رنگ میں مکمل رنگ چکا تھا۔ معصوم صورت عابد اس کا دستِ راست اور ہمراز تھا۔ ساجد میٹرک کا جبکہ عابد آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا۔ پڑھائی میں دونوں پرلے درجے کے نالائق تھے مگر دوسری مشکوک سرگرمیوں میں کافی ترقی کر چکے تھے۔ اب بات مرغیوں کی چوری تک نہ رہی تھی..... معاملہ کافی آگے بڑھ چکا تھا۔ صابر ان سب باتوں سے غافل..... بھینسوں کو چارا ڈالنے..... دودھ دوہنے اور بیچنے تک محدود رہا۔

قیامت تو تب آئی، جب اسے محلے کے ایک لڑکے نے بتایا کہ ساجد اور عابد کو پولیس پکڑ کے لے گئی ہے۔ صابر نے سنا تو بھاگم بھاگ تھانے پہنچا۔ اپنے بے گناہ اور معصوم بچوں کے لیے واویلا کیا، تو تھانیدار نے یہ انکشاف کر کے اس کے سر پر گویا دھماکا کر دیا کہ ساجد نے اپنی عمر کے نوجوانوں کے ساتھ مل کر ایک گینگ بنا رکھا ہے جو لڑکیوں کو چھیڑنے کے علاوہ، اسٹریٹ کرائمز میں بھی ملوث ہیں۔ راہ جاتے لوگوں کو خنجر یا پستول دکھا کر، ان سے موبائلز فونز اور نقدی وغیرہ چھیننا..... اس گروہ کا روزمرہ کا معمول ہے اور اس گروہ کا سرغنہ ساجد ہے۔ صابر کے لیے یہ سارے انکشافات بہت ہی روح فرسا اور ناقابلِ یقین تھے۔

اس دن پہلی بار اسے صاحبِ اولاد ہونے پر شرمندگی محسوس ہوئی۔ سوچنے لگا کہ کاش بے اولاد ہی رہتا تو آج یہ ذلالت تو نہ اٹھانا پڑتی۔

علاقے کے ناظم سے صابر کے اچھے تعلقات تھے اور وہ ویسے بھی صابر کا دور کا رشتے دار لگتا تھا۔ اس نے صابر سے پچاس ہزار روپے لیے۔ کچھ اپنی جیب میں ڈالے اور کچھ تھانیدار کی جیب میں۔ اور اس طرح ساجد اور عابد حوالات سے گھر آ گئے۔

ایک دفعہ حوالات کا چکر کیا لگایا، جو تھوڑی بہت جھجک تھی وہ بھی ختم ہو گئی۔ اب ساجد نے تعلیم کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیا..... اس کی دیکھا دیکھی عابد بھی اسکول چھوڑ کر اس کے گینگ میں رکا پکا شامل ہو گیا۔

زاہدہ انہیں صابر کے سامنے پارسا ثابت کرنے کے لیے جو پردہ ڈالے رکھتی تھی، وہ پردہ اب اُڑن چھو ہو چکا تھا۔

صابر اُن کی ڈھکی چھپی سرگرمیاں دیکھ کر بھی انجان بنا رہتا۔ ایک دو دفعہ اس نے ساجد کو ڈانٹنے کی کوشش کی تھی۔ مگر جواب میں بیٹے نے اس کا اٹھا ہوا ہاتھ پکڑ کے کچھ اس انداز میں جھٹکا کہ دوبارہ ساجد کی طرف آنکھ اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی اُسے..... اور عابد نے ایک دن ماں سے بدزبانی کی تو صابر سے برداشت نہ ہوا..... اٹھ کر اس کے چہرے پر تھپڑ مارنا چاہا تو بیٹے نے اس سے پہلے ہی باپ کو زور سے دھکا دے دیا۔

صابر لڑکھڑاتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا، اس کا سر دیوار سے لگا تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ عابد تو دندناتا ہوا باہر نکل گیا۔ صابر سر پکڑے وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔ زاہدہ نے پاس آ کر اٹھانے کی کوشش کی۔

"کتنی بار کہا ہے۔ جوان اولاد سے مت اُلجھا کرو مگر تمہارے کان پر تو جوں نہیں رینگتی..... بڑا شوق ہے نہ تمہیں بیٹوں پر رعب جمانے کا۔" وہ اسے سہارا دے کر چارپائی پر بٹھاتے ہوئے بولی۔

"زاہدہ تم پھر سے ہمیشہ کی طرح ان کی طرف داری کر رہی ہو؟" صابر کو عابد کے دھکے سے بھی زیادہ تکلیف زاہدہ کی باتیں پہنچا رہی تھیں۔

"بات طرف داری کی نہیں ہے صابر..... جب جانتے ہو تمہارا لحاظ نہیں کرتے تو مت ان کے منہ لگا کرو....."

"تو کیا انہیں ان کے حال پر چھوڑ دوں.....؟ انہیں کھلی چھوٹ دے دوں کہ جاؤ، جو دل میں آئے کرتے پھرو..... جنگلی درندے بن جاؤ....." چلّا چلّا کر اس کا گلا بیٹھ گیا..... آواز رُندھ گئی۔ آنکھیں جلنے پانی سے دھندلانے لگیں، تو وہیں چارپائی پر لڑھک گیا۔ صابر کی بے بسی دیکھ کر زاہدہ کا دل بھی بھر آیا۔

"یا اللہ میرے بچوں کو کس کی نظر لگ گئی..... انہیں ہدایت دے دے۔"

ہدایت تو نہ آئی..... اگلے دن گھر میں نئی موٹر سائیکل ضرور آ گئی۔ صابر نے پوچھ گچھ کی مگر ساجد نے یہ کہہ کر اس کا منہ بند کر دیا کہ قسطوں پر لائے ہیں۔

"اور قسطیں کہاں سے ادا کرو گے؟" صابر نے کڑے تیوروں سے پوچھا۔

"کما کر ادا کریں گے ابا۔" ساجد نے بیزاری سے جواب دیا۔

"کون سا کاروبار کرتے ہو.....؟ جس کی آمدنی سے اسکوٹر کی قسط ادا کی جائے گی؟"

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''ابا تیری شک کرنے کی عادت پتا نہیں کب جائے گی..... ہم نیا کاروبار شروع کرنے جا رہے ہیں۔ عابد ذرا بتا ابے کو.....''

دونوں بھائی باپ کے دائیں بائیں بیٹھ کر اپنے نئے نویلے کاروبار کی تفصیل سمجھانے لگے۔

کاروبار کے حوالے سے وہ باپ کو سبز باغ دکھاتے رہے مگر صابر ان کی چکنی چپڑی باتوں سے مطمئن نہ ہوا۔ ان دونوں کی گفتگو کا لُبِ لباب یہ تھا کہ ایک ہال کرا کرائے پر لے کر اس میں اسکریپ کا کام کریں گے۔ ٹوٹی پھوٹی اشیا سستے داموں کباڑیوں سے لے کر، ان کی چھانٹی کر کے مہنگے داموں فروخت کر کے شاندار منافع کمایا کریں گے۔

مگر آنے والے وقت نے ثابت کر دیا کہ اس ہال میں چیزوں سے زیادہ انسانوں کو مار دھاڑ کے ذریعے اسکریپ میں تبدیل کرنے کا کام کیا جاتا رہا۔ جو کوئی بھی ان دونوں بھائیوں کے سامنے اکڑتا، انہیں زدوکوب کرتے ہوئے وہاں لے آتے..... جب خوب معافیاں مانگتا..... ان کے پاؤں میں گر کر گڑگڑاتا..... تب چھوڑ دیتے۔ دونوں بھائیوں نے اپنے علاقے میں خوب دھاک جما لی تھی۔ کسی کی جرأت نہیں تھی ان سے پنگا لینے کی۔

دوسرے چھوٹے موٹے گینگ بھی ساجد اور عابد کی طرف متوجہ ہو گئے۔ بہت سوں نے مفاہمت کی راہ اختیار کرتے ہوئے دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو کچھ ان سے خار کھانے لگے۔ انہی خار کھانے والوں میں راجو کا گروپ سرفہرست تھا۔

راجو اور ساجد کی ایک دو مرتبہ کسی دکان سے بھتا لینے کے معاملے میں منہ ماری ہو چکی تھی۔ بلکہ معاملہ ہاتھا پائی تک جا پہنچا تھا۔ دونوں کے گرگے بھی ایک دوسرے کو مرنے مارنے کے لیے آمنے سامنے آ گئے تھے۔ وہ تو بروقت پولیس کی مداخلت نے بات رفع دفع کر دی، ورنہ کافی تباہی مچتی۔

ساجد اب جرم کی دنیا کے سارے داؤ پیچ سیکھ چکا تھا۔ اپنے علاقے کی حدود میں جو پولیس چوکی آتی تھی۔ اس چوکی کے انچارج کا ماہانہ وظیفہ باندھ رکھا تھا اس نے۔

اب وہ اپنے کرائے کے کارخانے میں دھڑلے سے شراب کی بھٹی ساری ساری رات چالو رکھتا، بنا کسی ڈر خطرے کے۔ علاقے کے لوگوں کی اتنی جرأت نہ تھی کہ تھانے جا کر ان کے خلاف رپورٹ لکھواتے۔

اہلِ محلہ بھی ان کے کرتوتوں سے تنگ آ چکے تھے۔ وہ جھولیاں بھر بھر کے دونوں بھائیوں کو بددعائیں دیتے..... ان کے مرنے کی دعائیں مانگتے..... مگر بُرے کی رسی اللہ بھی دراز رکھتا ہے..... کہ لے کر لے جو بھی کرنا ہے..... اور پھر جب کھینچنے پر آتا ہے تو پیروں کے نیچے سے زمین بھی کھینچ لیتا ہے۔

☆☆☆

آج بھی انسپکٹر نواز، ساجد اور عابد کی پُراسرار گمشدگی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ کانسٹیبل بشیر نے اس کے سامنے چائے کا کپ رکھا اور پوچھنے لگا۔

''کیا سوچ رہے ہیں سر جی؟''

''دونوں بھائی اچانک کہاں غائب ہو سکتے ہیں؟''

''میرا دل کہتا ہے کہ کسی دشمن کی دشمنی کی بھینٹ چڑھ گئے دونوں.....'' بشیر نے رازدارانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے سامنے والی کرسی سنبھالی۔

''اگر تمہارا اندازہ درست مان لیا جائے، تب بھی لاشیں تو ملنی چاہئیں نا۔''

''چھڈو جی!..... ایسے لوگوں کی لاشیں کہاں ملتی ہیں اور آپ اتنے فکرمند کیوں ہو رہے ہیں۔ خس کم جہاں پاک.....'' وہ مسکرایا۔

''ایسا مت کہو بشیر.....'' انسپکٹر نے سختی سے بشیر کو ٹوکا۔

ابھی انسپکٹر نے چائے کا پہلا گھونٹ ہی بھرا تھا کہ میز پر رکھا ہوا فون بجنے لگا۔ نواز دُرّانی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا اور کان سے لگا لیا۔

''جی نواز دُرّانی اسپیکنگ.....''

دوسری طرف کسی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور ایک ایسی اطلاع دی جسے سن کر نواز دُرّانی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''کیا ہوا سر جی.....'' کانسٹیبل بشیر بھی کھڑا ہو گیا.....

''کس کی کال تھی؟''

''کوئی انجان بندہ تھا..... اس نے ساجد اور عابد کے قتل کی اطلاع دی ہے اور لاشیں کہاں دفن ہیں، یہ بھی بتایا ہے۔''

''اوہ!..... یعنی میرا شک صحیح نکلا.....'' بشیر نے ایک گہری سانس لی۔ ''مگر سر جی یہ بھی تو ہو سکتا ہے، وہ بندہ مذاق کر رہا ہو۔''

''ہاں!..... ہو سکتا ہے مگر اس کے بتائے ہوئے پتے پر جا کر تصدیق تو کرنی پڑے گی۔ اس کی اطلاع سچ بھی ہو سکتی ہے تم ایسا کرو..... مناسب نفری تیار کرو۔ وہ بھی

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

جلدی..... ہری اَپ۔''

''جی سر!..... ابھی لیں.....'' بشیر نے انسپکٹر کو سیلیوٹ کیا اور باہر نکل گیا۔

☆☆☆

انسپکٹر نواز دُرّانی اپنی ٹیم کے ساتھ مطلوبہ جگہ پر پہنچ کر کھوجتی ہوئی نگاہ سے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔

نکلتے وقت وہ اپنے ساتھ کھدائی کرنے کے لیے دو مزدور بھی لیتے آئے تھے۔ وہ سب لوگ نواز درانی کے اشارے کے منتظر تھے کہ کب وہ صحیح جگہ کی نشان دہی کرے اور سب اپنے کام میں جت جائیں۔

وہ اس وقت ایک نہر کے کنارے کھڑے تھے جہاں پاس ہی تھرمل پاور کا اسٹیشن تھا۔ جب کافی دیر تک نواز درانی خاموشی سے زمین کا جائزہ لیتا رہا تو کانسٹیبل بشیر نے آگے بڑھ کر لب کشائی کی ہمت کی۔

''سر جی!..... کیا خیال ہے..... ہم صحیح جگہ پر نہیں آئے کیا؟''

''بشیر!..... مخبر کی اطلاع کے مطابق ہم بالکل ٹھیک جگہ پر کھڑے ہیں۔ اس نے بجلی گھر کے پاس نہر کے کنارے سفیدوں کے جھنڈ کا ذکر کیا تھا، یہ رہا سفیدوں کا جھنڈ اور پاس ہی ایک ہینڈ پمپ کی نشانی بتائی تھی۔''

''وہ رہا سر جی ہینڈ پمپ۔'' بشیر جوش سے چلّایا۔

''ہمم!..... تم ایسا کرو..... یہ جتنی جگہ پر میں نشان لگا رہا ہوں، اس کی کھدائی شروع کروا دو۔'' نواز دُرّانی نے زمین پر پڑی ایک لکڑی اٹھائی اور ایک بڑے دائرے کی شکل میں زمین پر ایک حصار کھینچ دیا۔

بشیر نے مزدوروں کو اشارے سے پاس بلایا اور انہیں مطلوبہ جگہ کی کھدائی پر لگا دیا۔

انسپکٹر نواز کے ساتھ اس وقت بشیر سمیت چار اہلکار مزید موجود تھے۔

زمین کی کھدائی کرنا ایک طویل اور صبر آزما مرحلہ تھا۔ اس کام میں ڈیڑھ دو گھنٹے لگ سکتے تھے۔ مزدور اپنا کام جانفشانی سے کر رہے تھے۔ وہ سب پاس کھڑے کھڑے اوبنے لگے تو انسپکٹر نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے درختوں کے سائے میں چل کر بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ سب چلتے ہوئے نہر کے کنارے، درختوں کے سائے تلے آ گئے۔

ایک گھنٹہ یونہی گزر گیا۔ نواز درانی کی پوری توجہ ان کھدائی کرتے ہوئے مزدوروں پر مرکوز تھی۔ جو اب تک چار فٹ زمین کھود چکے تھے۔ سطح زمین کی نسبت اب مٹی نرم اور نم آلود ثابت ہو رہی تھی۔ وہ تیزی سے ہاتھ چلا رہے تھے۔ اس وقت ان کے جسم کے صرف اوپری حصے دکھائی دے رہے تھے۔

اچانک مزدوروں کے چہروں کی بدلتی ہوئی کیفیت دیکھ کر وہ چونک گیا۔ دونوں مزدور کھدائی چھوڑ کر، اس گڑھے سے اچھل کر پوں باہر نکلے تھے جیسے کوئی مافوق الفطرت چیز دکھائی دے گئی ہو۔

ان کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ وہ دُرّانی اینڈ ٹیم کی طرف دوڑے۔ درانی پہلے ہی الرٹ ہو چکا تھا۔ وہ کھڑا ہوا تو اسے دیکھتے ہوئے دوسرے اہلکار بھی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ درانی ذہنی طور پر کوئی سنسنی خیز خبر سننے کے لیے تیار کھڑا تھا۔

''ہاں بھئی! کیا ہوا؟ کام کیوں چھوڑ دیا؟''

''وہ صاحب جی!..... وہاں گڑھے میں ہمیں ایک انسانی بازو دکھائی دیا ہے.....'' دونوں بیک وقت بولے اور پھر اُن میں سے ایک ابکائیاں لینے لگا۔

''تو اس میں اتنا ڈرنے والی کیا بات ہے؟ تمہیں پہلے سے نہیں بتایا گیا تھا کہ یہ کھدائی کس مقصد کے لیے کروائی جا رہی ہے؟'' انسپکٹر نے سخت لہجہ اختیار کیا تو دونوں کی گھگی بندھ گئی۔

''نہیں جی مائی باپ!..... ہمیں کسی نے نہیں بتایا تھا کہ زمین کھود کر نیچے سے مردے نکالنے ہیں..... بس اتنا بتایا گیا تھا کہ کھدائی کرنی ہے۔'' ایک نے درانی کے سامنے ہاتھ جوڑے۔ جبکہ دوسرا دور بیٹھا ابھی تک الٹیاں کر رہا تھا۔

انسپکٹر اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا اور ان کو گھور کے رہ گیا اور مزدور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''جوانو!..... میں معذرت چاہتا ہوں کہ تم سے غلط بیانی کی گئی..... تم دونوں اپنا کام مکمل کرو..... تمہیں دوگنی اُجرت ملے گی.....''

درانی نے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ ''وہ تو ٹھیک ہے صاحب جی! مگر گڑھے کے اندر سے اتنی بدبو آ رہی ہے کہ سانس لینا محال ہو رہا ہے۔''

''تم دونوں اپنے یہ رومال سروں سے اتار کر منہ پر باندھ لو اور جلدی جلدی کام ختم کرو۔ کب سے سر جی کے سامنے ٹیں ٹیں کر رہے ہو..... وہ تو ہمارے سر جی بہت

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

اچھے ہیں..... جو شرافت سے تمہارے نخرے برداشت کر رہے ہیں..... ورنہ میں ان کی جگہ ہوتا نا..... تو پھر بتاتا تمہیں.....'' کانسٹیبل بشیر نے دھونس جمائی تو دونوں طوعاً و کرہاً اٹھے اور چہروں پر ڈھاٹے باندھے اور پھر سے اس گڑھے میں اتر گئے۔

پولیس کی کارروائی دیکھ کر آس پاس سے گزرتے ہوئے لوگ بھی رکنا شروع ہو گئے تھے...

''بشیر تم ڈسٹرکٹ ہاسپٹل فون کر کے ایمبولینس منگوا لو۔''

''یس سر.....'' بشیر نے مستعدی سے سر ہلایا۔

نواز درانی آہستہ آہستہ چلتے ہوئے گڑھے کے قریب گیا تو انتہائی ناگوار بو کا بھبکا ناک سے ٹکرایا۔

وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ مزدوروں نے ہاتھ کے اشارے سے اہلکاروں کو مدد کے لیے بلایا..... سبھی ناک پر رومال باندھے پاس آئے...

درانی نے بھی جیب سے رومال نکال کر ناک پر رکھ لیا تھا..... اب دو پولیس والے بھی گڑھے میں اتر چکے تھے..... باقی دو گڑھے کے کنارے دوزانو بیٹھ کر لاشیں نکالنے میں مدد کرنے لگے۔ اور پھر ایک دل دہلا دینے والا منظر درانی کی آنکھوں نے دیکھا۔ دو سر کٹی لاشیں گڑھے سے برآمد ہوئیں..... جن سے حد درجہ تعفن اٹھ رہا تھا..... انسپکٹر درانی نے اندازہ لگایا کہ ان بدنصیبوں کو دنیا چھوڑے ہوئے ایک ہفتے سے زیادہ ہو گیا ہے...

''ان کے سر کہاں ہیں؟'' درانی نے چلّا کر پوچھا۔

''سر نہیں ملے جناب.....'' مزدوروں نے بھی بلند آواز میں جواب دیا۔

بشیر درانی کے پاس چلا آیا۔ ''یہ بات تو طے ہے کہ کسی نے ان پر بھرپور تشدد کر کے انہیں موت کے گھاٹ اتارا ہے.....'' بشیر کے چہرے پر حد درجہ تاسف تھا۔

''مگر بشیر!..... بغیر سروں کے اس بات کی تصدیق کیسے ہو گی کہ یہ لاشیں عابد اور ساجد کی ہیں؟''

''شاید ان کے گھر والے پہچان جائیں.....''

''مگر انسان کی سب سے بڑی شناخت اس کا چہرہ ہوتا ہے..... بغیر چہروں کے وہ بھی بھلا کیسے پہچانیں گے..... بہرحال ڈیڈ باڈیز کو لے کر اسپتال پہنچو..... میں بھی وہاں پہنچتا ہوں.....''

یہ لرزہ خیز نظارہ دیکھنے کے لیے وہاں لوگوں کا جمِ غفیر لگ چکا تھا۔

☆☆☆

صابر حسین اپنے گھر کی بیٹھک میں چند قریبی رشتے داروں کے ہمراہ حالتِ غم میں بیٹھا تھا کہ بیرونی دروازہ زور سے دھڑ دھڑایا گیا۔

اس کے پاس بیٹھے ہوئے ایک لڑکے نے بیٹھک کے باہر گلی میں کھلنے والے دروازے سے دیکھا۔

باہر دو باوردی اہلکاروں کو دیکھ کر واپس مڑا اور صابر کو اشارے سے باہر آنے کے لیے کہا۔ صابر کے ساتھ ہی اس کے پاس بیٹھے عزیز بھی باہر آ گئے۔ سب نے پولیس اہلکاروں سے مصافحہ کیا۔ ان میں سے ایک پولیس کانسٹیبل بشیر تھا۔

صابر نے استفہامیہ نگاہوں سے بشیر کی طرف دیکھا تو بشیر یہ بُری خبر سنانے کے لیے ہمت مجتمع کرنے لگا۔

''چاچا!..... بات اصل میں یہ ہے کہ ہمیں دو لاشیں ملی ہیں۔ تمہیں ہمارے ساتھ اسپتال چلنا ہو گا، ان کی شناخت کے لیے۔''

لاشوں کا سن کر صابر کی ٹانگیں بے جان ہونے لگیں۔

''چاچا سنبھالو خود کو۔ ہو سکتا ہے، کسی اور کی ہوں، صرف شک دور کرنے کے لیے تمہیں ہمارے ساتھ جانا ہو گا۔'' بشیر نے کھوکھلی سی تسلی دینے کی کوشش کی... تو صابر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ایک منٹ..... میں ذرا اندر بتا کے ابھی آیا۔''

پانچ منٹ بعد وہ باہر آیا تو اندر سے عورتوں کے رونے چلّانے کی آوازیں باہر تک آنے لگیں۔ یقیناً صابر اندر یہی خبر سنا کر باہر آیا تھا۔

☆☆☆

انسپکٹر نواز درانی اسپتال کے مردہ خانے کے باہر کوریڈور میں ٹہل رہا تھا۔ جب اسے صابر حسین دونوں کانسٹیبلوں اور اپنے چند قریبی رشتے داروں کے ساتھ آتا دکھائی دیا۔

بوڑھے صابر کے چہرے پر مُردنی چھائی تھی۔ وہ ٹانگیں گھسیٹ گھسیٹ کر چل رہا تھا۔

درانی کو اس کے ساتھ بڑی ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ کانسٹیبلوں کی معیت میں مردہ خانے میں داخل ہو گیا اور جب تک اندر رہا، نواز درانی کا دل تیزی سے دھڑکتا رہا۔ وہ بے چینی سے صابر کے باہر آنے کا منتظر تھا۔

دس منٹ بعد صابر لٹی پٹی حالت میں باہر آیا تو درانی کو یہ سمجھنے میں قطعی دقت نہ ہوئی کہ وہ اپنے بیٹوں کی لاشیں

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

پہچان چکا ہے۔ وہ گرتا پڑتا باہر نکلا۔ اس کے عزیزوں نے اسے سہارا دے رکھا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

انسپکٹر دُرّانی تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

''صابر حسین.....'' اس نے صابر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر آہستگی سے اس کا نام پکارا۔

صابر نے آنسوؤں سے لبریز آنکھیں اس کے چہرے پر ڈالتے ہوئے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔

''اوہ خدایا۔'' درانی کے منہ سے تاسف بھری آواز نکلی۔

''سوری چاچا!..... مجھے تمہارے ساتھ پوری ہمدردی ہے۔ مگر کیا تمہیں پورا یقین ہے کہ یہ تمہارے بیٹوں ساجد اور عابد کی لاشیں ہیں؟''

''ہاں صاحب جی!..... یہ بدقسمت میرے بیٹے ہیں۔'' اس نے آنسوؤں سے رُندھی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''مگر.....'' درانی بات کرتے کرتے رک گیا پھر ہمت کر کے بولا...

''بغیر سر کے صرف دھڑ سے شناخت کرنا بڑا مشکل کام ہے۔''

''آپ کی بات سمجھ رہا ہوں صاحب بہادر! ساجو نے اپنے اور اپنے چھوٹے بھائی کے بازو پر اپنا اور اس کا نام خنجر سے..... کندہ کیا ہوا تھا..... اس وقت تو اس کی بربریت کو نہ سمجھ سکا تھا مگر آج سمجھ گیا.....'' یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ساتھ کھڑے احباب اسے سنبھالنے لگے۔

''آپ لوگ صابر کو گھر لے جائیں۔ جیسے ہی لاشوں کا پوسٹ مارٹم ہو جائے گا۔ ہم آپ کو اطلاع دے دیں گے۔ آپ لوگ گھر جا کر تجہیز و تکفین کا بندوبست کریں۔''

انہوں نے اپنے سر اثبات میں ہلائے اور صابر کو لیے اسپتال سے باہر جانے لگے۔

دُرّانی کافی دور تک انہیں جاتا ہوا دیکھتا رہا۔

☆☆☆

پورے محلے میں کہرام برپا ہو گیا۔

جب ساجد اور عابد کی سرگٹی میتیں ان کے گھر لائی گئیں۔ پورا شہر جیسے ان کے گھر اُمڈ آیا تھا۔ لاشوں سے اٹھنے والے تعفن سے لوگوں نے اپنے ناک منہ لپیٹ رکھے تھے۔ انہیں ہنگامی حالت میں سپردِ خاک کر دیا گیا تھا۔

زاہدہ کی حالت بڑی قابلِ رحم تھی۔ اسے بار بار غشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ بوڑھے صابر کی کمر جوان بیٹوں کی لرزہ خیز موت نے جھکا دی تھی۔ دونوں میاں بیوی کی حالت دیکھ کر ہر آنکھ اشک بار تھی۔

ساجد کی بیوی گھٹ گھٹ کر رو رہی تھی۔ جبکہ ننھے بچے آنکھیں پھاڑے، سب کو روتا دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔

☆☆☆

آج ساجد، عابد کی تدفین کو تین دن ہو چکے تھے۔ اس کے سامنے میز پر پوسٹ مارٹم کی رپورٹ رکھی تھی۔ انسپکٹر درانی اپنی کرسی پر بیٹھا کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

کانسٹیبل بشیر سامنے بیٹھا درانی کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لے رہا تھا۔ آخر صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو بولا۔

''کیا ہوا سر جی؟ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کیا کہتی ہے؟ کچھ مجھے بھی تو بتائیں۔''

دُرّانی نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ بشیر کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی وہی کہہ رہی ہے جس کا اندازہ ہم پہلے سے ہی لگا چکے ہیں۔''

''مثلاً کیا سر جی؟''

''مثلاً یہ کہ..... جس کسی نے ان دونوں بھائیوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے، وہ بہت ہی شقی القلب اور سفاک شخص ہے۔ اور یہ کہ اسے ان دونوں سے انتہائی درجے کی نفرت تھی..... اتنی نفرت کہ وہ انہیں لگاتار تین دن مسلسل ٹارچر کرتا رہا..... بھوکا پیاسا رکھ کر۔ ان دونوں کے جسموں کا کوئی حصہ ایسا نہیں..... جس پر تشدد نہیں کیا گیا۔ پتا نہیں بدنصیبوں کی جان کیسے اور کتنی اذیت سے نکلی ہو گی۔''

انسپکٹر نے جھرجھری لی۔

''اور اتنا تڑپا تڑپا کر بعد میں ان کے سر قلم کر دیے گئے.....'' بشیر بھی افسردگی سے بولا۔

''ہاں..... یقیناً ایسا ہی ہوا ہو گا.....'' درانی نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''تو کیا سر!..... آپ ان دونوں کے قتل کی تفتیش کریں گے؟''

''کیوں!..... کیا یہ دونوں انسان نہیں تھے.....؟''

درانی نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا، تو کانسٹیبل بشیر گڑبڑا گیا۔

''میرا مطلب تھا سر جی!..... دونوں بھائی اول نمبر کے جرائم پیشہ تھے۔ ترس اور رحم جیسی چیزوں سے بالکل نہ

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

آشنا تھے۔ بس مل گیا کوئی بھائی بند انہیں۔ جو بربریت اور سفاکی میں ان سے بھی چار ہاتھ آگے نکلا۔''

''وہ جو کوئی بھی ہے مجھ سے بچ نہیں سکتا۔ جب تک اسے گرفتار کر کے اس حوالات میں بند نہ کرلوں۔ چین سے نہیں بیٹھوں گا۔''

درانی کے اٹل لہجے نے کانسٹیبل بشیر کو چونکنے پر مجبور کردیا۔

''تم ایسا کرو بشیر! ان دونوں بھائیوں کا سارا پچھلا ریکارڈ لے کر آؤ۔''

''سر جی!..... پچھلے ریکارڈ کو کھنگال کر کیا کریں گے؟'' اس نے بیزاری سے جواب دیا۔

''تمہیں جتنا کام کہا ہے، صرف اتنا ہی کرو۔'' انسپکٹر نے سخت لہجہ اختیار کیا تو بشیر نے مستعدی سے کھڑے ہو کر سیلیوٹ کیا۔

''یس سر.....'' اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

انسپکٹر نواز درانی نے اپنے گھر کی بیل بجائی، تو اس کی سولہ سال کی بیٹی عاشی نے دروازہ کھولا۔

اس کا صبیح چہرہ دیکھ کر درانی کا چہرہ بھی کھل اٹھا۔ ساری تھکن دور ہوگئی۔

دروازہ بند کر کے وہ بیٹی کو ساتھ لگائے اندر آیا۔ اس کی پیشانی چوم کر خود سے الگ کیا۔

''کیسی ہے میری پیاری بیٹی؟'' اس نے شفقت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''ایکدم فرسٹ کلاس بابا۔ آپ بیٹھیں، میں آپ کے لیے پانی لاتی ہوں۔''

وہ سٹنگ روم میں بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا۔ اور وہ جھٹ سے پانی کا گلاس لیے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ درانی نے مسکراتے ہوئے پانی کا گلاس پکڑا۔

''ماما کہاں ہے آپ کی؟'' وہ پانی پینے لگا۔

''ماما کچن میں آپ کے لیے آپ کی فیورٹ چیز بنا رہی ہیں۔''

''بھئی واہ!..... خوشبو تو واقعی بڑی اچھی آ رہی ہے۔'' اس نے گلاس واپس تھماتے ہوئے کہا۔

''گیس کریں نہ پاپا۔''

''ہوں..... ! میرے خیال میں مابدولت کے لیے ہماری بیگم پکوڑے تل رہی ہیں۔'' اس نے خوشدلی سے جواب دیا اور بیٹی کی طرف دیکھا۔

''کون مابدولت؟'' وہ الجھن بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

اس کی سادگی اور معصومیت پر درانی کو بے طرح پیار آیا۔

''مابدولت!..... یعنی کہ ہم.....'' اس نے انگلی سے اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا تو عاشی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''پاپا آپ تو جانتے ہیں نا..... میری اردو بہت کمزور ہے..... میرے سامنے اتنے مشکل الفاظ مت بولا کریں۔''

''بھئی مشکل الفاظ نہیں بولوں گا تو تمہاری اردو کیسے بہتر ہوگی؟ اچھا اب جاؤ اور میرے لیے گرما گرم پکوڑے لے کر آؤ اور ہاں ساتھ میں ادرک والی چائے بھی۔''

''اوکے پاپا!..... ابھی لائی۔'' وہ خالی گلاس ٹرے میں رکھے کچن کی طرف مڑ گئی۔

درانی نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

انسپکٹر نواز درانی ایک فرض شناس اور ایمان دار پولیس افسر تھا۔ رشوت سے نفرت کرتا تھا۔ اس کی حق حلال کی آمدنی سے مختصر سی فیملی کی گزر بسر احسن طریقے سے ہو رہی تھی۔

ایک بچی اور بیوی کے ساتھ وہ خوشحال اور مطمئن زندگی گزار رہا تھا۔ ہر ایماندار افسر کی طرح، اسے کسی بھی تھانے میں چند ماہ سے زیادہ وقت ٹکنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ وجہ یہی تھی کہ نہ خود حرام کھاتا تھا اور نہ دوسروں کو کھانے دیتا تھا۔ سارا عملہ اوپر سے نیچے تک اس سے تنگ آ جاتا تھا۔ سب کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکنے لگتا تھا۔

ایسے میں جب اس کا ٹرانسفر ہو جاتا تو سبھی سکون بھرا سانس لیتے۔

اس تھانے میں آتے ہوئے ابھی اسے ایک ماہ اور چند دن ہوئے تھے۔ اس نے آتے ہی بدمعاشوں کے وہ وظیفے بند کیے جو تھانے میں ہر ہفتے باقاعدگی سے پہنچتے تھے۔

اس کی آمد کی اطلاع پاتے ہی علاقے میں وقتی طور پر امن و امان بحال ہوگیا۔ جرائم پیشہ کینکسٹرز جانتے تھے کہ یہ چند ماہ کا مہمان ہے۔

تب تک کے لیے سب نے اپنی مشکوک سرگرمیاں موقوف کردی تھیں۔ اسی دوران ساجد اور عابد کی گمشدگی کی رپورٹ لکھوائی گئی اور بعد میں ان کے قتل کی اطلاع بھی مل گئی۔ اب انسپکٹر دہرے قتل کی اس سنگین واردات کے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

حوالے سے کافی چوکس دکھائی دے رہا تھا۔ وہ جلد از جلد اس سفاک قاتل تک پہنچنا چاہتا تھا۔

اس کا شک ساجد گینگ کے سب سے بڑے حریف راجو راکٹ پر تھا۔ وہ اپنی تفتیش کا آغاز راجو سے ہی کرنا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں وہ کانسٹیبل بشیر کو کچھ اہم ہدایات دے کر گھر آیا تھا۔

تھانے میں داخل ہوتے ہی انسپکٹر درانی نے پولیس کی ایک مناسب نفری تیار کی۔ اور ساجد عابد کے گودام پر جا پہنچے۔

اس گودام میں پولیس کا یہ دوسرا وزٹ تھا۔ پہلا اس وقت کیا جب صابر نے اپنے دونوں بیٹوں کی گمشدگی کی رپورٹ درج کروائی تھی۔

اس وقت انسپکٹر نواز نے گودام میں کچھ ناجائز اسلحہ اور دیگر مشکوک سامان کو دیکھتے ہوئے.... سرکاری تالا لگوا کر گودام کو سیل کروا دیا تھا۔

اور آج ان دونوں بھائیوں کے صفحہ ہستی سے مٹ جانے کے بعد اس نے پھر سے یہاں آنے کی ضرورت سمجھی کہ شاید ان کی موت کا کوئی سراغ ہاتھ لگ جائے۔

کانسٹیبل بشیر نے آگے بڑھ کے گیٹ پر جھولتا ہوا تالا کھولا۔ اور سب اندر داخل ہو گئے۔ صابر کو بھی وہ لوگ ساتھ لیتے آئے تھے۔

اندر ہر طرف کچرا اور کباڑ خانہ بکھرا ہوا تھا۔ انسپکٹر کے ساتھ آئے ہوئے اہلکار ہر طرف گھوم پھر کر دیکھتے رہے کہ شاید ان کی موت کا کوئی سراغ ہاتھ لگ جائے۔

ایک کونے میں ایک برنر چولھا اور ساتھ کچھ بڑے سائز کے برتن رکھے تھے۔ جو اس بات کا ثبوت تھے کہ شراب کا کاروبار بھی وسیع پیمانے پر کیا جا تا رہا ہے۔

درّانی ان چیزوں کو چند لمحے غور سے دیکھتا رہا۔

''ہوں! تو یہ دھندا بھی ساتھ جاری و ساری تھا۔''

''نہیں صاحب جی! جب سے آپ اس تھانے میں آئے ہیں، یہ کام بالکل بند کر دیا تھا انہوں نے۔ وہ تو آپ کے جانے کا انتظار کر رہے تھے مگر اس سے پہلے خود چلے گئے۔'' صابر کی آنکھیں نمناک ہو گئیں۔

درانی اینڈ کمپنی نے گھوم پھر کر سارا ہال چھان مارا مگر کوئی بھی کام کی چیز ہاتھ نہ لگی۔ سوائے کچھ اسلحے کے جو یقیناً ناجائز تھا۔ اسے پولیس نے اپنی تحویل میں لے لیا اور گودام سے باہر آ گئے۔

''اچھا چاچا!..... معافی چاہتے ہیں۔ تمہیں تکلیف دی۔ رب راکھا۔''

نواز نے صابر سے مصافحہ کیا اور گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ اب ان کی اگلی منزل راجو راکٹ کا اڈا تھا۔

راجو پولیس کو دیکھ کر بالکل نہ گھبرایا بلکہ بڑے تپاک سے استقبال کیا۔

درّانی اپنے اہلکاروں کے ساتھ اندر گیا۔ راجو کا کام بھی ساجد کے کام سے ملتا جلتا تھا۔ اندر صحن میں بڑی بڑی دو بھٹیوں میں آگ دہک رہی تھی۔ اور ان پر کنگ سائز کی کڑاہیاں رکھی تھیں۔ جن میں پلاسٹک کی پھٹی پرانی اشیا ڈال کر انہیں پگھلا کر پھر سے پلاسٹک کی خام شکل میں ڈھالا جاتا تھا۔

''صاحب جی اِدھر بیٹھیں۔'' راجو نے اپنے ایک گُرگے کو اشارہ کیا تو وہ پلاسٹک کی کرسیاں اٹھا لایا۔

''نہیں راجو! ہم یہاں بیٹھنے نہیں آئے۔'' تم سے ساجد اور عابد کے قتل کے حوالے سے کچھ پوچھ گچھ کرنی ہے۔''

''جی جی!'' حضور ضرور پوچھیے.....'' مگر جناب بیٹھ کر تسلی سے پوچھیں۔''

انسپکٹر درانی ایک کرسی پر بیٹھ گیا جبکہ راجو اس کے سامنے ہاتھ باندھے مؤدبانہ کھڑا ہو گیا۔

درانی نے غور سے سامنے کھڑے راجو کا جائزہ لیا.....

راجو گٹھے ہوئے جسم اور درمیانے قد و قامت کا خوش شکل جوان تھا۔ عمر بھی تیس بتیس سے زیادہ نہ تھی۔ چہرے مہرے سے شاطر اور سفاک نظر آتا تھا مگر بولنے میں بہت عاجزی اور جرب زبانی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ درانی جانتا تھا کہ اس نے یہ روپ صرف پولیس کو دکھانے کے لیے دھار رکھا ہے۔ اس کا اصل روپ یقیناً وہی تھا جو اس کی آنکھوں اور چہرے سے عیاں تھا۔

''جی حضور! میں منتظر ہوں۔'' وہ نواز کے اس طرح گھورنے پر مضطرب ہونے لگا۔

''ہاں راجو! تم نے سنا ہوگا کہ دونوں بھائیوں کی جان کس قدر سفاکی اور بے دردی سے لی گئی ہے..... تم کیا کہتے ہو اس بارے میں؟''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں صاحب جی! قاتل جو کوئی بھی ہے، بڑا سفاک اور بے رحم ہے۔ بے چاروں کے سر تک نہیں ملے۔ جسم بھی تشدد سے چھلنی ہو چکے تھے۔'' بات ختم کر کے اس نے جھرجھری سی لی۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''قاتل کون ہوسکتا ہے، تم روشنی ڈال سکتے ہو؟''
درانی نے گہری نظروں سے اسے ٹٹولا اور اسے اپنے سامنے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بغیر کسی پس وپیش کے بیٹھ گیا۔
''میں کیا روشنی ڈالوں، اس خبیث پر خدا غارت کرے اس ظالم کو..... جس نے یہ ظلم کمایا ہے۔ شیر جیسے گبرو جوان تھے دونوں بھائی۔'' اس کی آواز رُندھ گئی... تو انسپکٹر استہزائیہ انداز میں مسکرایا۔
''تمہیں ان کے ساتھ اتنی ہمدردی کیوں ہو رہی ہے؟ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔ تمہارے راستے کی بہت بڑی رکاوٹ تھے وہ؟''
''خدا جانتا ہے صاحب بہادر! ان کے بہیمانہ قتل کا بڑا دکھ ہے..... بیشک ہماری ان کے گینگ کے ساتھ اَن بن چلتی رہتی تھی۔ ایک دو مرتبہ بات ہاتھا پائی اور ہوائی فائرنگ تک بھی جا پہنچی تھی مگر قتل و غارت گری نا صاحب جی نا۔'' اس نے دونوں ہاتھ کانوں کو لگائے۔
''اور پھر آپ خود سوچیں!..... ان بدنصیبوں کو جس نے بھی قتل کیا ہے، وہ یقیناً انتہائی درجے کی نفرت کرتا تھا ان سے، شدید قسم کی نفرت۔ سچی بات بتاؤں۔ مجھے اس دن سے سکون کی نیند نصیب نہیں ہوئی، یہی دھڑکا لگا رہتا ہے دل کو..... نجانے کب ہماری باری آ جائے۔''
''تم تو اپنی برادری کو اچھی طرح جانتے ہو۔ کسی پر شک شبہ؟'' درانی نے اسے ٹٹولا۔
''نہیں جی! میری نظر میں ایسا کوئی درندہ نہیں۔''
''اچھا! میں چلتا ہوں..... تمہیں کسی بھی وقت تھانے بلا سکتا ہوں مزید تفتیش کے حوالے سے۔ امید ہے تم پولیس کے ساتھ مکمل تعاون کرو گے.....'' درانی کھڑا ہوا تو راجو بھی مستعدی سے کھڑا ہو گیا۔
''جی سر جی..... میں تابعدار اور خادم ہوں سرکار کا۔ ایک آواز پر دوڑا چلا آؤں گا۔''
درانی پولیس وین میں بیٹھتے ہوئے پھر سے راجو کے اڈے کی طرف پُرسوچ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

صابر اور زاہدہ اپنے اپنے بستر پر یوں ساکت پڑے تھے جیسے دو مردے اکڑے پڑے ہوں۔ دونوں بے حس و حرکت لیٹے چھت کو گھور رہے تھے۔
''زاہدہ!..... کس نے مارا ہوگا ہمارے بیٹوں کو۔'' صابر کی زبان حرکت میں آئی تو زاہدہ بھی نقاہت زدہ آواز میں بولی۔
''جس کسی نے بھی مارا ہے، صرف ان دونوں کو نہیں مارا..... ہم دونوں کو بھی مار ڈالا اُس نے۔ یہ زندگی تو موت سے بھی بدتر ہے۔''
''بہت سمجھایا کرتا تھا دونوں کو مگر ایک نہ مانی انہوں نے۔ اب دیکھ لو، نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔ اسی بُرے وقت سے ڈرتا تھا۔''
''پولیس ڈھونڈ نکالے گی نا..... میرے بچوں کے قاتلوں کو؟'' زاہدہ نے کروٹ بدل کر صابر حسین سے تسلی لینی چاہی۔
''پاگلوں جیسی باتیں مت کرو۔'' اس کے لہجے میں زمانے بھر کی تلخی گھل گئی۔ ''پولیس اچھے بھلے شریف لوگوں کے قاتل ڈھونڈ نہیں پاتی تو ان جیسوں کے قاتل کہاں سے ڈھونڈے گی اور کیوں ڈھونڈے گی بھلا۔'' صابر نے دکھ سے کہا۔
''سچ پوچھو تو ان کے لیے آسانی ہو گئی۔ کسی جعلی پولیس مقابلے میں نہیں مارنا پڑا انہیں۔''
''ساجد کے ابا..... ایسا مت کہو۔'' مجھے تکلیف ہوتی ہے.....'' وہ کراہی۔
''اب بیٹوں کو یاد کر کے تڑپ رہی ہو..... ان کو بگاڑنے اور اس حال تک پہنچانے میں تمہارا پورا کردار شامل رہا ہے۔''
''کتنے ظالم ہو جاتے ہو کبھی کبھی۔'' وہ آنسو بہانے لگی تو صابر حسین نے کروٹ بدل کر پیٹھ اس کی طرف موڑ لی۔ وہ اس کے سامنے رو کر اسے مزید رُلانا نہیں چاہتا تھا۔

☆☆☆

انسپکٹر نواز درانی اپنے سامنے ساجد، عابد کے پچھلے ریکارڈ کی فائل کھولے بیٹھا تھا۔
''سر جی! کوئی سرا ہاتھ میں آیا کہ نہیں۔'' سامنے بیٹھے کانسٹیبل بشیر نے پوچھا۔ جو کافی دیر سے درانی پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔
''کچھ سمجھ نہیں آ رہا بشیر! ایسے لوگوں کے اَن گنت دشمن ہوتے ہیں۔''
''ہاں جی آپ بالکل صحیح کہہ رہے ہیں مگر کوئی تو ہے جسے ان سے حد درجے کی شدید نفرت تھی۔''
''مگر بشیر... ! کون ہو سکتا ہے۔ جرم کی دنیا سے، جرائم پیشہ لوگوں کی بھیڑ میں سے کسی قاتل کو ڈھونڈنا ایسا ہی ہے جیسے بھوسے کے ڈھیر سے ایک سوئی برآمد کرنا، اور وہ بھی ایسے لوگوں کے قاتل کو۔'' درانی نے ٹھنڈی سانس بھر کے

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔

''ایک بات کہوں سر جی۔ میری مانیں تو مٹی ڈالیں اس کیس پر..... خواہ مخواہ کی سر کھپائی ہے، کچھ ملنے والا نہیں ہے۔'' بشیر نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے رازدارانہ لہجہ اختیار کیا۔

''نہیں بشیر! کچھ ملے یا نہ ملے، میں قاتل تک پہنچنے کی کوشش ضرور کروں گا۔'' اس نے دوٹوک لہجے میں جواب دیا تو بشیر کے چہرے سے بیزاری جھلکنے لگی۔

''ویسے..... تم راجو کے متعلق کیا کہتے ہو؟''

''میری ناقص رائے کے مطابق، وہ ان دونوں بھائیوں کے قتل میں ملوث نہیں ہے۔ باقی آپ کی رائے زیادہ اہم ہے سر جی۔''

''ہم..... میری نظروں میں اس کی پوزیشن ابھی پوری طرح کلیئر نہیں ہوئی۔''

''اچھا..... تم ایک کپ چائے منگواؤ۔''

''یس سر۔'' بشیر باہر نکل گیا۔

☆☆☆

انسپکٹر درّانی اپنے تین چار ماتحتوں کے ساتھ تھانے میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔

موضوع گفتگو ساجد اور عابد کا قتل تھا۔ سب اپنے اپنے اندازے لگا رہے تھے۔ مگر نواز درانی کا ذہن کسی بھی اندازے کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہو رہا تھا۔

دہرے قتل کے اس کیس نے اسے اُلجھا کر رکھ دیا تھا۔ رہ رہ کر ایک ہی بات اس کے دماغ میں آتی تھی کہ آخر کون ہے وہ شخص جو اُن دونوں بھائیوں سے اس قدر شدید نفرت کرتا تھا۔

اسی دوران اردلی نے اندر آ کر اطلاع دی کہ ''سر جی! آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔''

''ٹھیک ہے اسے اندر بھیج دو۔'' درانی نے جواب دیا اور نظریں آنے والے کی راہ دیکھنے لگیں۔

چند منٹ بعد ایک ادھیڑ عمر شخص سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کی عمر چالیس سے پینتالیس کے پیٹے میں تھی۔ اس نے پیشانی تک دایاں ہاتھ اٹھا کر درانی کو سلام پیش کیا۔

درانی نے سر کی جنبش سے سلام کا جواب دیا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

وہ سامنے رکھی ایک کرسی پر بیٹھ گیا... اور درانی کی طرف دیکھنے لگا۔ درانی کو اس کی آنکھوں میں ایک بے نام سا خوف نظر آیا۔

''کون ہو تم! اور مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟'' درانی نے پوچھا تو وہ متذبذب انداز میں کمرے میں موجود اہلکاروں کو دیکھنے لگا۔

پھر نواز درانی کی طرف دیکھتے ہوئے ملتجیانہ لہجے میں گویا ہوا۔ ''جو بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے تنہائی بہت ضروری ہے صاحب جی۔''

''ہم.....'' درانی نے ہنکارا بھرا اور سب ساتھیوں کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔

سب چلے گئے... تو درانی اس آدمی کی طرف متوجہ ہوا۔ ''ہاں اب کہو..... کیا کہنا چاہتے ہو۔'' سب سے پہلے اپنا نام بتاؤ۔ ''کون ہو، کیا کرتے ہو؟''

''میرا نام عرفان ہے جی..... میں راجو بھائی کے کارخانے میں کام کرتا ہوں۔'' اس نے اپنے سوکھے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

راجو کا نام سن کر درانی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ یہ بندہ ضرور کوئی اہم اطلاع لے کر آیا ہے۔

''اچھا..... تم وہاں کیا کرتے ہو؟''

''بس جی! کوئی لگا بندھا مخصوص کام نہیں کرتا۔ سب کچھ کر لیتا ہوں۔''

''ہم..... کیا بتانا چاہتے ہو؟''

''صاحب جی! بات ایسی ہے کہ بتانے کی ہمت بڑی مشکل سے باندھ پایا ہوں۔ پچھلے ایک ہفتے سے ٹھیک سے سو نہیں پایا۔ اگر آنکھ لگ بھی جائے، تو اتنا ڈراونا خواب دکھائی دیتا ہے کہ ہڑبڑا کر جاگ جاتا ہوں۔ ضمیر پر ایک بوجھ ہے... جسے اتارنا چاہتا ہوں۔'' اتنی بات کر کے وہ خاموش ہو گیا۔

انسپکٹر درانی کو اس کی خاموشی کھلنے لگی۔ ''اپنی بات جلدی مکمل کرو عرفان، بچھارتیں بجھوانے کا وقت نہیں ہے۔''

''سر جی! پہلے وعدہ کریں..... میرا نام صیغۂ راز میں رکھا جائے گا۔ یہ راز جو میں افشا کرنے جا رہا ہوں، اس سے میری جان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔''

''میں وعدہ کرتا ہوں..... تمہارا نام راز میں رکھا جائے گا اور تمہاری جان و مال کی حفاظت کا ذمہ بھی اٹھاتا ہوں..... بے فکر ہو کر بتاؤ، جو بھی بتانا چاہتے ہو۔''

درانی کی اتنی تسلی دینے کے باوجود وہ شش و پنج کا شکار دکھائی دے رہا تھا۔ آخر اس نے ایک گہری سانس

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

خارج کی اور بولنے لگا۔

''میں پچھلے دو سال سے راجو راکٹ کے ہاں کام کر رہا ہوں۔ بھٹیوں میں لکڑیوں کی مدد سے آگ دہکانا اور پلاسٹک کی پرانی چیزیں پگھلانا میرے فرائض میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ بھی چھوٹے موٹے کام کر دیتا ہوں جن کا بھی حکم استاد دے۔

راجو راکٹ کے کارخانے میں صرف پلاسٹک کو پگھلانے کا کام نہیں کیا جاتا بلکہ اور بھی بہت سے غیر قانونی کام کیے جاتے ہیں مگر میں نے کبھی کسی مشکوک سرگرمی میں حصہ نہیں لیا اور نہ ہی ان کے کسی کام میں دخل اندازی کی۔

''استاد راجو میری کارکردگی سے بہت خوش ہے۔ حالانکہ وہ ایک سخت گیر انسان ہے مگر میرے ساتھ اس کا رویہ نہایت مناسب ہوتا ہے۔ میری مزدوری بھی مجھے وقت پر ملتی ہے۔ شاید اس کی وجہ یہی ہو کہ میں اپنے کام سے کام رکھتا ہوں اور اس کی مشکوک سرگرمیوں کا ذکر کبھی کسی کے سامنے نہیں کیا۔ یہ سلسلہ اسی طرح خوش اسلوبی سے چلتا رہتا۔ اگر میں نے وہ اندوہناک منظر نہ دیکھا ہوتا۔'' وہ پھر سے خاموش ہو گیا۔

''آخر ایسا کیا دیکھ لیا تم نے؟'' درانی نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''میں ہر دوسرے تیسرے دن دونوں بھٹیوں کی صفائی کا کام بھی کرتا ہوں۔ یعنی دونوں بھٹیوں سے راکھ نکال کر اسے ہاتھ ریڑھی میں ڈال کر کارخانے کے پچھواڑے بنے ہوئے ایک گہرے کھڈے میں ڈال کر آتا ہوں مگر.....'' وہ بات کرتے کرتے رک گیا اور اپنے ہونٹ کاٹنے لگا۔

''مگر کیا؟'' درانی نے تیزی سے پوچھا۔

''ایک دن بھٹیوں سے بیلچے کی مدد سے راکھ نکال رہا تھا کہ مجھے اس راکھ میں دو جلی ہوئیں انسانی کھوپڑیاں ملیں۔ وہ جل کر کوئلے کے مانند سیاہ ہو چکی تھیں مگر غور سے دیکھنے پر پتا چل جاتا تھا کہ انسانوں کی کھوپڑیاں ہیں۔ کھوپڑیاں دیکھ کر میں بری طرح حواس باختہ ہو گیا۔ پہلے سوچا کسی کو آواز دے کر بلاؤں۔ چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ سب اپنے اپنے کاموں میں مگن دکھائی دیے۔ عقل سے کام لیا اور خود کو سمجھایا کہ انجان بنے رہنے میں ہی عافیت ہے۔ ان کو بتانے سے جان بھی جا سکتی ہے۔ اپنے گھناؤنے جرم کے عینی شاہد کی جان بخشی کبھی نہیں کریں گے۔ میں نے زبان پر چپ کا قفل لگایا، اور راکھ ان کھوپڑیوں سمیت ریڑھی میں ڈال کر کنوئیں میں پھینک دی۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ گہرے سانس لینے لگا۔

''اوہ خدایا! درانی کے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔ کب کا واقعہ ہے یہ؟''

''پندرہ سولہ دن پہلے کی بات ہے سر جی۔ میں نے دل کو سمجھا لیا تھا۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں صاحب جی! ان لوگوں کا کوئی راز افشا کر کے موت کو گلے نہیں لگا سکتا۔ مگر جب ساجو اور عابو کی لرزہ خیز موت کا سنا اور یہ بھی سنا کہ ان دونوں کے سر غائب ہیں۔ صرف دھڑ ملے ہیں تو میرے ذہن میں وہ دو کھوپڑیاں گھومنے لگیں۔

''تب سے راتوں کی نیند اُڑ گئی۔ ضمیر کچوکے لگانے لگا۔ تنگ آ کر آپ کے پاس چلا آیا سر جی! میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ میں ابھی مرنا نہیں چاہتا۔'' وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر سسکنے لگا۔

درانی اپنی کرسی سے اٹھ کر اس کے پاس آیا۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں عرفان! کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ یہ بات کس کس کو بتائی ہے؟''

''کسی کو نہیں سر جی! صرف آپ کو۔ حتیٰ کہ اپنی گھر والی کو بھی نہیں۔''

''شاباش! تم ایک سمجھدار شخص ہو۔ اب گھر جاؤ اور بے فکر ہو جاؤ۔ اور ہماری اس ملاقات کا ذکر بھی کسی سے نہیں کرنا۔'' وہ جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔

''آپ فکر نہ کریں سر جی! میں ہر بات سمجھتا ہوں۔''

''ویلڈن عرفان!'' درانی نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔ ''تم نہیں جانتے، تم نے میری کتنی بڑی مشکل حل کر دی ہے۔ میں تہ دل سے تمہارا شکر گزار ہوں۔''

''شرمندہ نہ کریں صاحب جی۔ آپ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ میں نے تو اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔'' وہ چلا گیا تو کانسٹیبل بشیر اندر آیا۔

ابھی وہ نواز درانی سے کچھ پوچھنے کے لیے منہ کھولنا ہی چاہتا تھا کہ درانی نے اسے فوراً تیاری کا حکم دے دیا۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ راجو راکٹ اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری کے لیے جا رہے ہیں۔

☆☆☆

راجو کے اڈے پر چھاپا مارنے اور اسے گرفتار کر کے تھانے میں لانا انتہائی..... تنسنی خیز رہا۔

پولیس نے اس کے اڈے کو ہر طرف سے گھیر کر اندر

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

داخل ہونے کی کوشش کی تو جوابی طور پر بھرپور مزاحمت سامنے آئی۔

راجو اور اس کے گینگ نے پولیس کو خوفزدہ کرنے کے لیے ہوائی فائرنگ بھی کی۔ پولیس کی جوابی فائرنگ کے نتیجے میں جلدی ہی انہوں نے پسپائی اختیار کرلی۔

راجو نے پچھلے کمرے کے کونے میں بنے ہوئے ایک چھوٹے دروازے سے نکل کر بھاگنا چاہا مگر باہر نکلتے ہی پولیس کے قابو میں آ گیا۔

انسپکٹر درانی کو بلایا گیا۔ وہ راجو کے پاس آیا تو راجو دو پولیس اہلکاروں کے مضبوط بازوؤں میں جکڑا کھڑا تھا۔

درانی کچھ لمحے نفرت سے اسے گھورتا رہا پھر ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے چہرے پر جڑ دیا۔

''اس دن بڑی ڈھٹائی کے ساتھ میری آنکھوں میں دھول جھونکتے رہے۔ یہ کیوں بھول گئے کہ خونِ ناحق کبھی چھپتا نہیں۔ کسی نہ کسی طور ظاہر ہو کر رہتا ہے۔''

''کسی نے آپ کو غلط اطلاع دی ہے سر جی۔ میں بھلا انہیں کیوں ماروں گا۔'' وہ کھکھیاتے ہوئے بولا۔

''ابھی پتا چل جائے گا۔'' درانی نے معنی خیز لہجے میں جواب دیا۔

اسی دوران دو پولیس اہلکار ہاتھوں میں دو جلی ہوئی انسانی کھوپڑیاں اٹھائے پاس آئے۔

''یہ رہیں کھوپڑیاں سر جی۔'' ان میں سے ایک پُرجوش لہجے میں بولا۔

کھوپڑیاں دیکھ کر راجو کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔

''ان کھوپڑیوں کے بارے میں کیا کہتے ہو؟'' درانی نے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

''میں کچھ نہیں جانتا۔'' اس نے کمالِ ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

درانی نے پھر سے ایک زوردار طمانچے سے اس کی مدارت کی، اور اہلکاروں کو حکم دیا کہ اسے اور اس کے ساتھیوں کو وین میں ڈالو۔

تھانے پہنچ کر انسپکٹر درانی نے بشیر کو کھوپڑیوں کے حوالے سے کچھ ضروری ہدایات دیں۔ یہ سارے کام نمٹاتے نمٹاتے رات کے گیارہ بج گئے۔

نواز درانی نے ٹائم دیکھا تو چونک گیا اور گھر جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔

''ہاں بھئی بشیر! میں گھر جا رہا ہوں۔ میری بیٹی میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ وہ میرے بغیر کھانا نہیں کھاتی۔''

''او کے سر! آپ بے فکر ہو کر جائیں۔ آج رات چین کی نیند سوئیں جا کر۔ آخر سفاک قاتل قانون کے شکنجے میں آ ہی گیا۔''

''مگر وہ تو اقبالِ جرم سے انکاری ہے۔'' درانی مسکرایا۔

''مان جائے گا سر جی۔'' آج رات کی مہمان داری سے ہی مان جائے گا۔ بشیر خباثت سے مسکرایا تو درانی بھی مسکرانے لگا۔

''او کے! صبح تک اُسے فرفر بولنا چاہیے۔'' درانی نے بشیر کا کندھا تھپکا اور باہر نکل گیا۔

☆☆☆

اگلے دن نواز درانی تھانے پہنچا تو بڑا خوش اور مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ اب تک راجو راکٹ کانسٹیبل بشیر کی تواضع سے لطف اندوز ہو کر خود کو سچ بولنے پر آمادہ کر چکا ہوگا۔

''ہاں بھئی بشیر! کیا صورتِ حال رہی؟'' درانی نے کرسی پر بیٹھتے ہی سوال کیا۔

''کیسی صورتِ حال سر جی؟''

''تم اچھی طرح جانتے ہو! میں کس صورتِ حال کا پوچھ رہا ہوں۔'' درانی نے غور سے بشیر کی طرف دیکھا۔

''اوہ اچھا! جی جی..... بات یہ ہے سر جی کہ راجو اچھی خاصی تواضع کروانے کے باوجود اپنے موقف پر ڈٹا ہوا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ساجد اور عابد کے قتل سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''پوری رات وہ تمہارے پاس رہا اور تم اس سے اقبالِ جرم نہیں کروا سکے؟'' درانی کا موڈ خراب ہو گیا۔

''ناراض نہ ہوں سر جی! اس کا ایک ساتھی ہماری مہمانداری کی تاب نہ لاتے ہوئے، سب کچھ پوری تفصیل کے ساتھ بتا چکا ہے۔''

''گڈ.....'' درانی مسکرایا۔ ''اسے لے کر آؤ میرے سامنے۔''

چند لمحوں بعد بشیر ایک آدمی کو بازو سے کھینچتا ہوا لے آیا۔ مار کھا کھا کے وہ ادھ موا ہو چکا تھا۔ اس کے لیے اپنی ٹانگوں پر چلنا دوبھر ہو رہا تھا۔ اب بشیر اس مضروب شخص کو ساتھ لیے نواز درانی کے سامنے فخریہ انداز میں کھڑا تھا۔

درانی تھوڑی دیر اس آدمی کی طرف دیکھتا رہا پھر پوچھا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟''

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''جمیل۔''

''کب سے راجو کے ساتھ کام کر رہے ہو؟''

''دو سال سے جی۔''

''جب اس نے ساجد اور عابد کو موت کے گھاٹ اتارا، تم اس کے ساتھ تھے؟''

اس نے نظریں جھکاتے ہوئے اپنا سر اثبات میں ہلایا۔

انسپکٹر درانی نے اس سے کچھ اور سوال پوچھے اور بشیر کو اشارہ کیا کہ اسے لے جاؤ۔ اور راجو کو لے آؤ۔

بشیر اسے چھوڑ کر واپس آیا... تو راجو اس کے ہمراہ تھا۔

اس کی حالت اپنے ساتھی سے بھی زیادہ خراب تھی۔ الٹا لٹکانے کی وجہ سے چہرہ متورم ہو چکا تھا۔ نچلا ہونٹ پھٹا ہوا تھا اور اس سے خون رس رہا تھا۔

دُرّانی نے تاسف بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اسے اپنے سامنے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ بشیر نے اسے کرسی پر بٹھا دیا اور خود تھوڑا ہٹ کر چوکس کھڑا ہو گیا۔

''ہاں! اب بتاؤ۔ تم نے ساجد اور عابد کو اتنی بے دردی سے موت کے گھاٹ کیوں اتارا۔ اتنی نفرت کیوں؟''

وہ چند لمحے متذبذب نظروں سے نواز درانی کی طرف دیکھتا رہا۔

''دیکھو! کوئی بھی جھوٹ بولنے سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھنا کہ تمہارا ساتھی ہر بات پوری تفصیل کے ساتھ ہمیں بتا چکا ہے۔'' درانی نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''اس لیے اب تمہارا انکار کرنا یا مکرنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔'' اس نے ایک گہری سانس لی اور سر جھکا کر آہستگی سے بولا۔

''ہاں!'' میں نے ہی ان دونوں درندوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ دھرتی کا بوجھ تھے وہ، شریف لوگوں کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی انہوں نے۔'' وہ زہر خند لہجے سے بولا۔

''ہم! اگر وہ درندے تھے، لوگ ان سے تنگ تھے تو تم کون سا پارسا ہو؟ ہر غیر قانونی کام تو تم بھی کرتے ہو۔ اپنے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

''میں مانتا ہوں کہ میں دو نمبر دھندے کرتا ہوں مگر کبھی آج تک کسی مظلوم کی آہ نہیں لی بلکہ جہاں تک ہو سکے... غریبوں کی مدد کرتا ہوں۔'' وہ چپ ہو گیا تو پاس کھڑے بشیر نے استہزائیہ انداز میں قہقہہ لگایا اور بولا۔

''واہ میرے ملنگی ڈاکو! ہم تو تجھے ایک ولن سمجھ کے گرفتار کر کے لائے تھے۔ مگر تو تو ہیرو نکلا۔ امیروں کو لوٹ کر غریبوں میں ان کا مال تقسیم کرنے والا ہیرو۔'' سر جی آپ نے کبھی ایسی کوئی فلم دیکھی ہے؟ میں نے تو ایسی بہت فلمیں دیکھی ہیں۔'' وہ پھر سے ہنسنے لگا۔

''بشیر! سنجیدگی اختیار کرو۔'' انسپکٹر نے ٹوکا تو بشیر سنجیدہ ہو گیا۔

''سوری سر۔''

''تمہاری ان کے ساتھ کیا دشمنی تھی اور تمہیں کس بات پر اتنا طیش تھا کہ تم ان پر اتنا تشدد کرتے رہے۔ ان کے جسمانی اعضا کاٹ کاٹ کر ان کے جسموں سے الگ کرتے رہے۔ ان سے بڑے درندے تو تم ثابت ہوئے۔''

وہ خاموش بیٹھا، گود میں رکھے اپنے دونوں ہاتھ دیکھتا رہا۔

''جواب دو میری باتوں کا۔'' انسپکٹر غصے سے دہاڑا تو وہ چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''سر جی! اگر میں اپنی دشمنی کی بات کروں۔ تو شاید کبھی اس حد تک نہ جاتا، بیشک میں ان دونوں بھائیوں سے شدید نفرت کرتا تھا مگر ان کی جان لینے کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔''

''تو پھر کیا ہوا؟ کیوں لی اُن کی جان؟'' نواز درانی نے آگے کی طرف جھک کر پوچھا۔

''بس جی لالچ۔'' راجو نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔

''لالچ! کیسا لالچ؟'' درانی متفسر ہوا۔

''بیس لاکھ کا لالچ سر جی۔'' اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''بیس لاکھ۔'' درانی نے زیر لب دہرایا۔

''یہ بیس لاکھ اس بندے نے بطور اجرت دیے تھے جس نے ان دونوں کا قتل کروایا تھا۔''

''اوہ... تم نے کسی کے کہنے پر ان دونوں بھائیوں کو قتل کیا۔'' راجو نے اثبات میں سر ہلایا اور بولا۔

''بیس لاکھ بہت بڑی رقم تھی۔ ان جیسے حیوانوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے..... میں نے یہ آفر قبول کر لی۔''

''اور ان کے اعضا کاٹنے کی فرمائش بھی اسی نے کی تھی؟'' درانی نے پوچھا۔

''ہاں جی۔ اس نے اسی لیے اتنی بڑی رقم دینے کی آفر کی کہ اس نے سامنے بیٹھ کر یہ سارا تماشا دیکھنے کی شرط

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

رکھی تھی۔ ان کے ایک ایک اعضا کو کٹتا دیکھ کر، انہیں چیختے چلاتے اور تڑپتے ہوئے موت کی طرف جاتا دیکھنے کی شرط۔ ہم جرائم پیشہ اور سنگدل لوگ ہیں مگر اس کی سفا کی دیکھ کر ہم بھی کانپ گئے تھے۔'' بات مکمل کر کے راجو نے جھرجھری سی لی۔

''کون ہے وہ۔'' درانی نے سرسراتی آواز میں پوچھا۔

☆☆☆

''تم سے کیسے رابطہ کیا اُس نے؟''

''پہلی مرتبہ تو فون پر رابطہ کیا اس نے۔ کہا کہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے اپنے اڈے کا ایڈریس دیا تو وہ یہاں چلا آیا۔ باقی سارے معاملات وہیں بیٹھ کر طے پائے۔ راجو اب مفاہمت کی راہ اختیار کرتے ہوئے ہر بات کا وضاحت سے جواب دے رہا تھا۔

''ہمم! اس کا حلیہ؟'' درانی نے پوچھا۔

''وہ ایک کمزور جسامت اور درمیانے قد کا آدمی تھا۔''

''اوہ۔'' انسپکٹر نے اپنے ہونٹ سکیڑے۔ ''کبھی اس سے اس کا ایڈریس وغیرہ پوچھا؟''

''نہیں! میں نے کبھی اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔'' اس نے قطعی لہجے میں جواب دیا۔

''اسے دوبارہ دیکھو تو پہچان سکتے ہو؟''

''بڑی آسانی سے۔'' اس نے فوراً جواب دیا۔

''ہمم! اسے لے جاؤ۔'' انسپکٹر نے کانسٹیبل بشیر کو اشارہ کیا تو وہ راجو راکٹ کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

زاہدہ خاموش بیٹھی خلاؤں میں کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھی۔ اس کے آگے رکھا کھانا ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ بہو نے اسے یوں گم صم دیکھا تو پھر سے آواز دی۔

''خالہ! کھانا کھالو..... ٹھنڈا ہو رہا ہے۔''

''دادی اماں! روٹی کھالو۔'' ننھی پوتی نے اپنے گول مٹول ننھے ہاتھوں سے روٹی کا لقمہ توڑ کر اس کے منہ کی طرف بڑھایا تو اس کا دل بھر آیا۔ اس ننھی پری کو سینے سے لگا کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''مت روئیں دادی اماں۔'' وہ ننھے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھنے لگی۔

زاہدہ آنسو پونچھ کر خود بھی کھانا کھانے لگی... اور پوتی کو بھی کھلانے لگی۔

کھانے سے فارغ ہوئی تو اسی چارپائی پر لیٹ گئی۔ سوچوں کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا۔ جس میں ہر وقت کھوئی رہتی تھی۔ زندگی ایک ایسا بوجھ بن گئی تھی ... جسے طوعاً و کرہاً گھسیٹنا پڑ رہا تھا۔ ''آخر کہاں غلطی ہوئی مجھ سے؟'' وہاں۔ جب پہلی بار دونوں بھائی اسکول جانے کے بجائے ویڈیو گیمز کی دکان پر وقت گزار کر گھر آئے تھے۔ اور عابد کے سچ بتانے پر بھی میں ساجد کی گوشمالی کرنے کے بجائے پہلو تہی کر گئی تھی یا پھر وہاں، جب وہ محلے کے لوگوں کے گھروں سے چھوٹی موٹی چیزیں چرا کر گھر لاتا تھا۔ اور میں بجائے اس کے باپ کو بتانے کے پردہ ڈال کر اپنے تئیں اسے ڈانٹ ڈپٹ سے بچاتی تھی۔ یا پھر اس وقت جب انہوں نے باپ سے کاروبار کرنے کے لیے رقم مانگی تھی، اور اس کے صاف انکار کرنے پر میں نے چوری چھپے اپنا سارا زیور ان کے حوالے کر دیا تھا۔ غور سے خود کا محاسبہ کیا، تو زاہدہ کو اپنی بے شمار غلطیاں نظر آنے لگیں۔ وہ غلطیاں جنہیں وہ معمولی سمجھ کر نظر انداز کرتی رہی اور وہ غلطیاں انجانے میں اس کے دونوں بچوں کو تباہ و برباد کرتی رہیں۔

☆☆☆

راجو راکٹ اور اس کے دو ساتھیوں کے اقبالِ جرم کرنے کے بعد ان کی تھانے میں موجودگی کا جواز ختم ہو گیا تھا۔ انہیں ضروری کارروائی کے بعد جوڈیشل ریمانڈ پر جیل بھیج دیا گیا۔

اب انسپکٹر درانی پوری شدومد کے ساتھ اس سفاک قاتل کے متعلق ہر پہلو پر سوچتا رہتا تھا مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔ آج بھی کانسٹیبل بشیر کے ساتھ اسی موضوع پر گفتگو کر رہا تھا۔

''سر جی! میری مانیں تو اس باب کو بند کر دیں۔ قاتل پکڑا گیا ہے۔''

''مگر اصل قاتل آج بھی آزادی سے دندناتا پھر رہا ہے۔ جب تک اسے گرفتار نہ کرلوں، چین سے نہیں بیٹھوں گا۔'' اس نے حتمی لہجے میں جواب دیا۔

''مگر اسے کیسے گرفتار کر سکتے ہیں؟'' بشیر کے لہجے سے بے زاری جھلک رہی تھی۔

''یہی تو سوچ رہا ہوں۔ تم ایسا کرو۔ ساجد اور عابد کی کریمنل فائل پھر سے لے کر آؤ۔''

''او کے سر۔'' بشیر اٹھا اور الماری سے ایک فائل نکال کر اس کے سامنے لا رکھی۔

درانی فائل کھول کر غور سے دیکھنے لگا۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''ان دونوں بھائیوں نے آخری واردات جو کی تھی۔ وہ ایک بینک ڈکیتی تھی۔ رائٹ؟'' درانی نے نظریں اٹھا کر کانسٹیبل بشیر سے تائید چاہی۔

''جی سر۔'' اس نے ترنت جواب دیا۔

''اور ان کی یہ واردات ناکام ہوگئی تھی؟ یعنی ساجد اور اس کا گینگ بینک لوٹنے میں ناکام رہے تھے اور پولیس کے ہتھے چڑھ گئے تھے۔''

''تم.... ان کی ناکامی پر روشنی ڈال سکتے ہو؟ آخر ان سے ایسی کیا غلطی سرزد ہوگئی کہ وہ قانون کے شکنجے میں جکڑے گئے۔''

''مجھے ٹھیک سے تو یاد نہیں۔ بینک میں سے ہی شاید کسی نے مخبری کر کے انہیں گرفتار کروایا تھا۔ مگر سر جی! اس بینک ڈکیتی کا ان کے قتل سے کیا تعلق؟''

''میرا تجربہ ہے کہ مخبری کرنے والے بندے سے یہ جرائم پیشہ لوگ انتقام ضرور لیتے ہیں۔ تم کیا کہتے ہو بشیر؟'' انسپکٹر نے اس کا سوال نظر انداز کر کے اپنا سوال داغ دیا۔

''متفق ہوں سر جی۔ رہائی پانے کے بعد سب سے پہلا کام یہی کرتے ہیں یہ لوگ، مخبر کو سبق سکھانے والا۔''

''یعنی اس واردات کی ناکامی کا غصہ بھی ضرور اتارنے کی کوشش کی ہوگی۔'' بشیر کندھے اچکا کر رہ گیا۔

''تو چلو ہم اس بینک میں چل کر صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہیں۔'' درانی اٹھتے ہوئے بولا۔

''کیا؟ کیا کہہ رہے ہیں، سر جی۔'' بشیر درانی کی مستعدی پر حیران رہ گیا۔

''وہی جو تم نے سنا۔ ہری اَپ۔ جلدی اٹھو۔''

چار و ناچار، کانسٹیبل بشیر کو انسپکٹر نواز درانی کے پیچھے چلنا ہی پڑا۔

☆☆☆

دوپہر کے تین بج رہے تھے۔ جب وہ دونوں اپنے مطلوبہ بینک میں داخل ہوئے۔

یہ ایک معروف بینک کی لیگل برانچ تھی۔ شہر کے پوش علاقے میں ہونے کی وجہ سے لوگوں کی آمدورفت کافی زیادہ تھی۔ ایک بڑے سائز کا ہال کمرا تھا۔ جس میں کئی ٹیبلز اور کاؤنٹرز بنائے گئے تھے۔

سب عہدے داران بیٹھے اپنے اپنے کام نمٹا رہے تھے۔ ہر ایک کے پاس ملاقاتیوں کا رش تھا۔ درانی اور بشیر تھوڑی دیر کھڑے جائزہ لیتے رہے۔ پھر درانی کیشئر کے کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔

کیشیئر نے سارا کام چھوڑ کر اٹھ کر بڑے تپاک سے مصافحہ کیا۔ اور انہیں کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''جی سر! فرمایئے، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟'' اس نے درانی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہمیں منیجر سے ملنا ہے۔'' درانی نے پُرتمکنت لہجے میں کہا۔

''جی ایک منٹ۔'' یہ کہہ کر وہ منیجر کے کیبن میں چلا گیا۔

اور چند منٹ بعد باہر آ کر اس نے انہیں اندر جانے کے لیے کہا۔

وہ دونوں منیجر کے کیبن کی طرف چل دیے۔ کیشیئر بھی ان کے ساتھ ہی تھا۔

منیجر سے علیک سلیک کے بعد جب وہ سب بیٹھ گئے تو درانی اپنے مدعے پر آ گیا۔

''آپ سے کچھ معلومات چاہئیں۔'' درانی نے منیجر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''جی جی! کیوں نہیں۔ پوچھیے سر۔'' وہ انسپکٹر درانی کی وردی پر لگے ہوئے اسٹارز سے خاصا مرعوب دکھائی دے رہا تھا۔

''آج سے تقریباً چھ ماہ پہلے، آپ کے اس بینک میں ڈکیتی کی ایک واردات ہوئی تھی۔ اسی کے متعلق کچھ بات کرنی ہے۔''

''ہاں جی! مگر وہ واردات تو ناکام بنا دی گئی تھی۔'' وہ خوشدلی سے بولا۔

''یہی تو میں جاننا چاہ رہا ہوں کہ کس بہادر انسان کی بہادری نے ڈاکوؤں کے اس مذموم مقصد کو کامیاب نہ ہونے دیا۔''

''بس جی! کبھی کبھی کوئی ایسا بندہ بھی ایسا کام کر جاتا ہے۔ جس سے عام حالات میں ایسی توقع بھی نہیں کی جا سکتی۔''

''کیا مطلب؟' کون تھا وہ شخص جس نے فون کر کے پولیس کو بلوایا تھا۔''

''پروفیسر شریف..... اپنے نام کی طرح انتہائی شریف اور مہذب۔ مقامی کالج میں انگریزی کے پروفیسر ہیں۔ بہت ہی ملنسار اور شگفتہ مزاج کے مالک ہیں۔''

''تو کیا وہ اس وقت یہاں موجود تھے؟ جب ڈاکوؤں نے دھاوا بولا تھا؟'' درانی کے اس سوال کا منیجر کے بجائے کیشیئر نے جواب دیا۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''ہاں جی! وہ اس وقت اپنی تنخواہ لینے کے لیے آئے ہوئے تھے اور میری ٹیبل پر میرے پاس بیٹھے تھے۔ مجھ سے ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ میں انہی کے کام میں مصروف تھا کہ وہ بولے۔ میں واش روم جا رہا ہوں۔'' ان کے واش روم جاتے ہی ڈاکو اندر گھس آئے۔ گن مین کو انہوں نے پہلے ہی یرغمال بنا رکھا تھا۔ انہوں نے اسلحہ تان کر ہم سب کو اپنی اپنی سیٹوں پر کھڑا ہونے کا حکم دیا۔''

''کتنے آدمی تھے وہ؟'' درانی نے پوچھا۔

''چار آدمی تھے۔ ان کے ہاتھوں میں گنز دیکھ کر سارا عملہ اور کسٹمرز حواس باختہ ہو چکے تھے۔ اسٹاف میں موجود لڑکیوں کی چیخیں نکل گئیں۔ جنہیں انہوں نے تھپڑ مار کر چپ کروایا۔ ایک ڈاکو منیجر کے کیبن میں گیا اور انہیں بھی گھسیٹتے ہوئے باہر لے آیا۔ ہم سب کو انہوں نے ایک دیوار کے ساتھ کھڑا کر کے باری باری سب کی تلاشی لی۔ سب کی جیبوں سے جو کچھ نکلا، اسے اپنے قبضے میں کر لیا۔ ایک ڈاکو نے گن لہرا کر پوچھا۔ ''تم میں سے کوئی غیر حاضر تو نہیں۔''

اس وقت میرے ذہن میں پروفیسر شریف کا خیال آیا مگر میں خاموش رہا۔ اس خیال سے کہ اگر وہ نقدی اور موبائل فون کے لٹنے کے نقصان سے بچ رہے ہیں تو بچ جائیں۔ اس وقت میرے سان گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ پروفیسر واش روم میں کھڑے کھڑے پولیس کو کال کر دیں گے اور پولیس اتنی پھرتی دکھاتے ہوئے، عین موقع پر پہنچ بھی جائے گی۔ ڈاکو سارا مالِ غنیمت اکٹھا کر کے اپنے ساتھ لائے ہوئے کپڑے کے بڑے تھیلے میں ڈال رہے تھے۔ جن میں کیش اور موبائلز فونز وغیرہ شامل تھے مگر جونہی انہوں نے باہر نکلنے کے لیے دروازہ کھولا، پولیس دندناتی ہوئی اندر آ گئی۔ اچانک پولیس کو سامنے دیکھ کر وہ حواس باختہ ہو گئے اور ہتھیار پھینک دیے۔'' یہ ساری کتھا اس کیشیئر نے اتنے دلچسپ انداز میں سنائی کہ اس کے چپ ہو جانے پر کانسٹیبل بشیر بول اٹھا۔

''پھر؟ کیا پروفیسر نے باہر آ کر اپنا کارنامہ سنایا؟''

وہ پولیس اور ڈاکوؤں کے جانے کے بعد پروفیسر صاحب واش روم سے باہر آئے۔ اور بڑے فخر سے اپنی دیدہ دلیری کی داستان سنانے لگے۔ بقول ان کے وہ حواج ضروریہ سے فارغ ہو کر واش روم سے نکلنا ہی چاہتے تھے کہ اچانک انہیں باہر کسی گڑبڑ کا احساس ہوا۔ انہوں نے تھوڑا سا دروازہ کھول کر اس کی باریک سی جھری سے باہر جھانکا تو یہ بات ان پر آشکار ہو گئی کہ بینک پر ڈاکو حملہ کر چکے ہیں۔ اور اب وہاں موجود تمام ذی نفسوں کو یرغمال بنائے ہوئے ہیں۔ بس پھر کیا تھا۔ ان کا ذہن اس وقت پوری طرح بیدار تھا۔ انہوں نے آہستگی سے دروازہ بند کیا۔ اور پولیس کے ہنگامی نمبر پر فون کر دیا۔ اور دس منٹ میں پولیس نے یہاں پہنچ کر بینک کی عمارت کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔''

''پروفیسر صاحب کس تاریخ کو آتے ہیں اپنی تنخواہ لینے؟''

''جی اب تو نہیں آتے وہ۔'' اس نے افسردگی سے جواب دیا۔

''کیا مطلب؟'' درانی کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

''مطلب یہ سر کہ ان کا تبادلہ کسی اور کالج میں ہو گیا ہے یا شاید وہ ریٹائرڈ ہو گئے ہیں۔ میں ٹھیک سے نہیں جانتا۔ بس اتنا جانتا ہوں کہ اب وہ یہاں نہیں آتے۔ سچ پوچھیں تو میں انہیں بہت مس کرتا ہوں۔''

''ان کا ایڈریس دے سکتے ہیں؟''

''جی ہمیں اس کی اجازت تو نہیں ہے۔ مگر آپ ایک پولیس کیس کی تفتیش کے سلسلے میں مانگ رہے ہیں تو یقیناً کوئی اہم وجہ ہو گی۔ میں آپ کو ان کا ایڈریس دے دیتا ہوں۔ مگر پھر بھی یہ مناسب ہو گا کہ آپ ایک دفعہ منیجر صاحب سے بھی بات کر لیں۔ تاکہ کل کو میرے اوپر کوئی اعتراض نہ آئے۔'' وہ لجاجت سے بولا۔

''تم بے فکر رہو۔ تم پر کوئی حرف نہیں آنے دوں گا۔ میں اس حوالے سے منیجر سے بات کر کے جاؤں گا۔''

کیشیئر نے کاغذ کے ایک پرزے پر پروفیسر شریف صاحب کا ایڈریس لکھ کر وہ صفحہ درانی کے حوالے کر دیا۔

نواز درانی نے وہ کاغذ تہ کر کے جیب میں رکھا اور بشیر کی طرف متوجہ ہوا۔

''آؤ بشیر ذرا منیجر صاحب سے بھی بات کر لیں۔''

دونوں منیجر کے کیبن کی طرف بڑھ گئے۔

☆☆☆

''خدا غارت کرے اس ظالم کو جس نے میرے بیٹوں کو اتنی اذیت دے دے کر موت کے گھاٹ اتارا۔'' زاہدہ سسک سسک کر رونے لگی۔

اسے روتا ہوا دیکھ کر صابر کا دل کٹنے لگا۔ دونوں اس وقت اپنے کمرے میں اپنے اپنے بستر میں دبکے پڑے تھے۔ رات ہوتے ہی جب ساری دنیا خوابِ خرگوش کے مزے لیتی۔ یہ دونوں بدنصیب اپنے بچوں کی لرزہ خیز موت

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ملک بھر میں جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز کے

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

ملنے میں اگر دشواری ہے تو مندرجہ ذیل نمبرز پر ہمارے نمائندوں سے رابطہ کیجیے۔

کراچی	03002680248	گجرات	03016215229	منڈی بہاؤالدین	03460827027
لاہور	03004009578	وزیرآباد	03456892591	سیالکوٹ	0524600579
ملتان	03006301461	لالہ موسیٰ	03216203640	میرپور AK	03460397119
حیدرآباد	03213060477	خان پور	03337472654	اٹک سٹی	057210003
سرگودھا	03447475344	کوہاٹ	03325465062	دیپالپور	03004059957
پشاور	03005930230	ساہیوال	03446804050	لیہ	03002373988
کوئٹہ	03337805247	پاک پتن	0300694678	قصبہ ڈنگہ	03083360600
فیصل آباد	03006698022	مظفرآباد	03469616224	عارف والا	03008758799
راولپنڈی	03335205014	بوروالہ	03347193958	لورالائی	03023844266
نواب شاہ	03003223414	وہاڑی	03136844650	کوٹلہ ارب علی خان	03016299433
سکھر	03009313528	تونسہ شریف	03346712400	جلالپور پیروالا	03338303131
رحیم یارخان	03009672096	ڈیرہ غازی خان	03336481953	ہری پور	03321905703
بہاولپور	0622730455	بہاولنگر	03336320766	چکوال	03348761952
گوجرانوالہ	03316667828	بنوں شہر	03329776400	وہوا	03346383400
جہلم	03235777931	رائے ونڈ	03004719056	حافظ آباد	03006885976
سیالکوٹ	03008711949	ہڑپہ	03317400678	کوہاٹ	03325465062
جھنگ	0477626420	ڈیرہ اسماعیل خان	03349738040	ایبٹ آباد	0992335847
بھکر	03337979701	چشتیاں	03348761952	پتوکی	03454678832
منڈی بہاؤالدین	0331-7619788	منچن آباد	0301-7681279	مانسہرہ	0333-5021421
ڈسکہ	0300-9463975	سمبڑیال	0333-8604306		

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

63-C فیز III ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی فون: 35895313

E-mail:jdpgroup@hotmail.com

www.paksociety.com

کو یاد کرتے اور تمام رات سسکیاں بھرتے گزر جاتی۔ کبھی دونوں رونے لگتے، اور کبھی ایک دوسرے کو کھوکھلی تسلیوں سے بہلانے کی کوشش کرتے۔ آج بھی زاہدہ حسبِ معمول اپنے بیٹوں کے قاتل کو کوس رہی تھی۔

''قاتل پکڑا تو گیا ہے۔ پولیس کی تحویل میں ہے۔'' صابر نے اسے تسلی دینے کی ناکام کوشش کی۔

''کب تک رہے گا پولیس کی تحویل میں؟ زیادہ سے زیادہ ایک سال یا پھر دو سال۔'' وہ سلگ کر بولی۔

''بھلی مانس! تم ... خدا کو حاضر ناظر جان کر جواب دو۔ ہمارے ساجد اور عابد اتنی بڑی بڑی وارداتیں کرنے کے بعد کتنے دن جیل میں رہتے تھے؟ چند ماہ..... اور کبھی کبھی تو صرف چند دن..... تب تو ہمیں کبھی قانون غلط نظر نہیں آیا۔ ان کے رہا ہونے پر ہمیشہ خوشیاں ہی منائیں ہم نے۔ کبھی ان مظلوموں کے بارے میں نہ سوچا جو ہمارے سورماؤں کے عتاب کا نشانہ بنتے تھے۔ ان کی ایسی موت ہی متوقع تھی۔ اور اس بات کا اندازہ انہیں بھی شاید بہت پہلے سے ہو گیا تھا۔ اسی لیے ساجد نے خنجر سے اپنے اور اپنے بھائی کے بازو پر اپنے نام کھود رکھے تھے۔ تاکہ کسی وقت بھی کسی دشمن کے ہتھے چڑھ جائیں تو ہمیں ان کی لاشیں پہچاننے میں دقت نہ ہو۔'' اپنی بات مکمل کر کے صابر نے ٹھنڈا سانس بھرا اور آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

انسپکٹر نواز درانی نے اپنے مطلوبہ مکان کے سامنے بائیک روکی۔ نیچے اتر کر گیٹ کے ایک طرف لگی ڈور بیل کے بٹن کو پش کیا اور پھر تھوڑا ہٹ کے، کسی کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگا۔

آج چھٹی کا دن تھا۔ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر اس نے پروفیسر شریف کے گھر جانے کا ارادہ کیا بلکہ یہ پروگرام رات کو سونے سے پہلے ہی وہ ذہن میں ترتیب دے چکا تھا۔ اور اب پروفیسر صاحب کے گھر کے سامنے کھڑا تھا۔

آج وہ تنہا ہی آیا تھا۔ اس وقت وہ سفید شلوار قمیص میں ملبوس تھا۔ بغیر وردی کے بھی ان سفید کپڑوں میں وہ بہت بارعب اور پُر وقار دکھائی دے رہا تھا۔ چند منٹ بعد اندر سے ایک معمر اور باریش آدمی باہر آیا۔ نواز درانی نے پُر جوش انداز میں اس سے مصافحہ کیا اور اپنا تعارف... کرایا۔ جسے سن کر وہ بزرگ آدمی خاصا مرعوب دکھائی دینے لگا۔

''آپ یقیناً پروفیسر شریف صاحب ہیں۔'' درانی نے خوشدلی سے پوچھا۔

''جی نہیں! میرا نام نعیم ڈار ہے۔''

''جی؟ مگر یہ گھر تو پروفیسر شریف کا ہے نا؟'' درانی کی ساری گرمجوشی ہوا ہو گئی۔

''جی یہ گھر واقعی پروفیسر شریف صاحب کا ہی تھا مگر وہ یہ گھر بیچ کر یہاں سے چلے گئے۔''

''مگر کیوں؟ اور وہ کہاں چلے گئے آخر؟''

''ان دونوں سوالوں کے جواب میں نہیں دے سکتا۔ ان کے جواب تو پروفیسر صاحب ہی دے سکیں گے۔'' اس شخص نے مؤدبانہ انداز میں جواب دیا۔

''اب میں کیا کروں؟ کہاں سے ڈھونڈوں انہیں۔'' درانی زیرِ لب بڑبڑایا۔

''آپ مشتاق صاحب سے پوچھ لیں۔ انہیں یقیناً پروفیسر صاحب کے نئے ایڈریس سے آگاہی ہو گی۔ وہ بہت اچھے دوست ہیں پروفیسر صاحب کے۔''

''مشتاق صاحب کہاں رہتے ہیں؟'' درانی نے بے دلی سے پوچھا۔

''یہ دائیں طرف والا گھر انہی کا ہے۔'' اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

''ہم..... اوکے جی۔ آپ کا بہت شکریہ۔'' درانی نے اس سے مصافحہ کیا اور مشتاق صاحب کے گھر کی طرف بڑھ گیا۔

مشتاق صاحب کے گھر کی ڈور بیل بجانے کے نتیجے میں ایک اٹھارہ بیس سالہ نوجوان نے دروازہ کھولا۔ نواز درانی نے اپنا تعارف کروایا اور مشتاق صاحب سے ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو وہ لڑکا اندر چلا گیا۔ چند لمحوں بعد واپس آیا تو بولا۔

''آیئے اندر آ جائیں۔ ابو جان آپ کا ڈرائنگ روم میں انتظار کر رہے ہیں۔''

درانی اس کے ہمراہ اندر چلا گیا۔ اس لڑکے نے ڈرائنگ روم تک اس کی راہنمائی کی، اور خود گھر کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گیا۔ جبکہ درانی ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔ سامنے صوفے پر غالباً مشتاق صاحب براجمان تھے۔ اسے دیکھتے ہی کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا۔ آگے بڑھ کر مصافحہ کیا اور درانی کے بیٹھنے کے بعد خود بھی بیٹھ گئے۔

''غالباً آپ ہی مشتاق صاحب ہیں۔'' درانی نے تصدیق کرنا چاہی۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''جی میرا نام ہی مشتاق ہمدانی ہے۔ کہیے میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں انسپکٹر صاحب۔''

''مجھے آپ کے سابقہ ہمسائے، پروفیسر شریف صاحب کا موجودہ ایڈریس چاہیے۔'' درانی نے بغیر تمہید باندھے مدعے کی بات کی۔

''.... ٹھیک ہے۔ میں آپ کو ان کا ایڈریس دے دیتا ہوں۔ اسی شہر میں ہیں۔''

اسی دوران وہی لڑکا چائے اور بسکٹ ٹرے میں رکھے اندر داخل ہوا۔

''ارے! اس تکلف کی کیا ضرورت تھی بھلا؟'' درانی نے کہا۔

''تکلف کیسا انسپکٹر صاحب! اس وقت آپ ہمارے مہمان ہیں اور یہ بات ہمارے لیے باعثِ افتخار ہے۔'' مشتاق صاحب نے چائے کا کپ اٹھا کر درانی کی طرف بڑھایا اور دوسرا کپ خود اٹھالیا۔

''ویسے مشتاق صاحب نے یہ مکان کیوں بیچ دیا؟ یقیناً کوئی اہم وجہ رہی ہوگی۔'' درانی نے چائے کا گھونٹ بھر کے سوال کیا۔

''جی! میں نے بھی وجہ پوچھی تھی اُن سے، انہوں نے کہا کہ میری بیٹی اس حادثے کے بعد بہت ڈر گئی ہے۔ اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں رہی اس لیے مکان بیچ کر جا رہا ہوں۔

بیٹی کا ذکر سن کر درانی کے کان کھڑے ہوگئے۔ ''کیا ہوا تھا اُن کی بیٹی کو؟''

''بس جی! ایک منحوس رات کو ڈاکو ان کے گھر گھس آئے۔ ساری قیمتی چیزیں لے گئے اور.....'' وہ رک گیا۔

''اور کیا؟'' درانی نے بے تابی سے پوچھا۔

''اور پروفیسر کو اس کی بیوی اور بیٹی کے سامنے تشدد کا نشانہ بھی بنایا۔ چونکہ پروفیسر شریف کی بیٹی اپنے باپ سے والہانہ محبت کرتی تھی۔ وہ یہ بات برداشت نہ کرسکی۔ اس وحشتناک منظر نے اس کے ذہن پر بڑا بُرا اثر ڈالا تھا۔ بے چاری ہر وقت گم صم اور چپ چپ رہتی تھی۔''

نواز درانی کا دل بھی بھر آیا یہ قصہ سن کے مگر ساتھ ہی ذہن میں جہاں کئی گمشدہ کڑیاں ملنے لگیں، وہاں کئی نئے سوال بھی سر اٹھانے لگے۔

''اس حادثے کو کتنا وقت ہوگیا؟''

''زیادہ نہیں کچھ عرصے پہلے یہ قیامت ٹوٹی تھی میرے عزیز دوست اور اس کی فیملی پر۔'' اس نے افسردگی سے جواب دیا۔ درانی نے مشتاق سے پروفیسر کا نیا ایڈریس لیا اور جانے کے لیے کھڑا ہوگیا۔

''انسپکٹر صاحب یہ باتیں صرف خود تک رکھیے گا۔ پروفیسر نے مجھے اچھا دوست اور رازداں سمجھتے ہوئے یہ دکھ مجھ سے شیئر کیا تھا۔ اگر آپ نے اس سے اس واقعے کا ذکر کیا تو میں اس کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔'' مشتاق صاحب نے باہر نکلتے ہوئے اس سے التجا کی۔

درانی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے تسلی دی۔ ''آپ فکر نہ کریں۔ آپ کو پروفیسر کے سامنے کبھی شرمندہ نہیں ہونے دوں گا۔''

وہ بائیک پر بیٹھا۔ بائیک اسٹارٹ کی۔ اب اس کا رخ شہر کے دوسرے کنارے پر واقع پروفیسر شریف کے گھر کی طرف تھا۔ بائیک کی اسپیڈ سے بھی تیز اس وقت اس کا دماغ دوڑ رہا تھا۔

☆☆☆

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد وہ پروفیسر شریف کی حالیہ رہائش گاہ کے آگے کھڑا ڈور بیل بجا رہا تھا۔ آج اتوار کی چھٹی تھی اس لیے پروفیسر کی گھر میں غیر موجودگی کا اندیشہ نہیں تھا۔

چند لمحوں بعد ایک دھان پان اور مُتے ہوئے چہرے والے آدمی نے دروازہ کھولا اور استفہامیہ نظروں سے درانی کی جانب دیکھنے لگا۔ درانی کو پورا یقین تھا کہ یہی پروفیسر شریف ہے۔ بعد ازاں پروفیسر نے اپنا تعارف کرایا تو اس کے اندازے کی تصدیق بھی کردی۔

''اور آپ کی تعریف؟''

''میں انسپکٹر نواز درانی ہوں۔ آپ سے ملنے آیا ہوں۔''

''مجھ سے ملنے..... مگر کیوں؟'' ان کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو اندر چل کر بیٹھتے ہیں اور پھر اطمینان سے بات کریں گے۔'' درانی نے نرمی سے تجویز پیش کی۔ تو پروفیسر کے چہرے کا کھچاؤ بھی نسبتاً کم ہوگیا۔

''آیئے!'' انہوں نے درانی کو گھر کے اندر چلنے کو کہا۔

دونوں ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھے۔ تو پروفیسر نے مہمان نوازی نبھانے کی رسمی سی کوشش کی مگر درانی کے انکار کرنے پر پھر سے بیٹھ گئے۔

''آپ اپنا گھر سیل کرکے یہاں کیوں آگئے؟''

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے۔ اس کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا۔'' انہوں نے رُکھائی سے جواب دیا۔

''ہاں! ٹھیک کہا آپ نے۔ اس کا جواب دینا آپ پر بالکل بھی واجب نہیں ہے۔ چلیں اس سوال کا جواب دے دیں۔ آج سے کچھ ماہ پہلے آپ کے گھر میں ایک ڈکیتی کی واردات ہوئی تھی۔ اس کی رپورٹ آپ نے تھانے میں کیوں درج نہیں کروائی تھی؟''

یہ بات سن کر وہ چونک کر درانی کی طرف دیکھنے لگے۔ ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ مگر اگلے ہی لمحے انہوں نے خود پر قابو پالیا اور پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

''آپ کو یقیناً کسی نے غلط انفارمیشن دی ہے۔ میرے گھر میں کبھی کوئی چوری نہیں ہوئی۔''

''دیکھئے! آپ مجھ سے کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہ کریں۔ میں آپ کی ہر ممکن مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔'' نواز درانی نے نرمی سے انہیں قائل کرنے کی کوشش کی۔

''مجھے تو اس بات کی سمجھ نہیں آرہی کہ آپ مجھ سے کون سا اقبالِ جرم کروانا چاہ رہے ہیں؟'' وہ تپ کر بولے تو درانی حیرانی سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

''جب میں نے کہہ دیا ہے کہ میرے گھر کبھی کوئی چوری نہیں ہوئی، تو آپ زبردستی کیوں مجھے منوانے پر تلے ہوئے ہیں؟'' بات ختم کرکے وہ بُری طرح ہانپنے لگے۔

''ریلیکس پروفیسر صاحب! میں معافی چاہتا ہوں۔ آپ کو بلاوجہ پریشان کیا۔ اچھا یہ بتائیں آپ کی بیٹی کی ذہنی حالت اب کیسی ہے؟''

''پہلے جیسی ہے۔ ابھی تک کوئی بدلاؤ نہیں آیا۔'' انہوں نے اس اچانک اور غیر متوقع سوال کا ترنت جواب دے دیا۔ بغیر کچھ سوچے اور سمجھے اور بعد میں انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو چونک کر خوفزدہ نظروں سے درانی کی طرف دیکھنے لگے۔

''آپ کو نیلم کی بیماری کا کس نے بتایا؟ اور ہمارے گھر کا ایڈریس کہاں سے لیا آپ نے؟''

''آپ کے سوال قطعی غیر ضروری ہیں۔ ان کے جواب دینا بالکل غیر اہم ہے۔'' درانی نے بھی بے رخی کا مظاہرہ کیا۔

''نیلم کا علاج کس ڈاکٹر سے کروا رہے ہیں؟''

''فیصل ہاسپٹل میں ڈاکٹر نبیلہ کامران بیٹھتی ہیں، ان سے۔'' انہوں نے آہستگی سے جواب دیا۔

''ہمم۔ اچھی ڈاکٹر ہے۔ ماہرِ نفسیات ہے نا؟''

پروفیسر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''میں ابھی تک آپ کی یہاں آمد کا مقصد نہیں جان پایا؟'' ان کا جارحانہ رویہ اب مفاہمت کا روپ اختیار کرچکا تھا۔

''میں آپ سے صاف صاف بات کرتا ہوں۔ دو نوجوانوں کو کسی نے بڑی سفاکی سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ دونوں جرائم پیشہ تھے۔ میں ان کے قاتل کو ڈھونڈ رہا ہوں۔'' بات ادھوری چھوڑ کر اس نے پروفیسر کے چہرے کا جائزہ لیا۔ پروفیسر نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''مگر ان نوجوانوں کے قتل سے بھلا میرا کیا تعلق؟'' ان کے جواب نے درانی کو پھر سے چونکا دیا۔

''میں نے کب کہا کہ ان کے قتل سے آپ کا کوئی تعلق ہے۔'' اس نے گہری نظروں سے پروفیسر کو دیکھا تو وہ گڑبڑا گئے۔

''تو پھر آپ یہاں کیا لینے آئے ہیں؟'' انہوں نے جز بز ہوتے ہوئے پوچھا۔

''میرا یہاں آنا آپ کو کیوں اتنا کھٹک رہا ہے؟''

''آپ ایک پولیس افسر ہیں۔ ظاہر ہے میرے پاس بلاجواز تو نہیں آئے ہوں گے۔''

''بتایا تو ہے۔ ان نوجوانوں کے اصل قاتل کی تلاش ہے۔ آپ کے گھر ڈکیتی کا سنا تو سوچا شاید یہ وہی ہوں۔ قتل ہوجانے والے۔''

''میرے گھر کوئی ڈکیتی نہیں ہوئی۔ اور نہ میں کسی ڈاکو کو جانتا ہوں۔''

''اوکے... مگر آپ ان ڈاکوؤں کو تو جانتے ہوں گے۔ جنہوں نے چھ ماہ پہلے بینک ڈکیتی کرنے کی کوشش کی تھی اور آپ کی بروقت بہادری اور دانشمندی نے اس واردات کو ناکام بنا دیا تھا۔''

''نہیں! میں ان کو بھی نہیں جانتا۔'' انہوں نے جان چھڑانے والے انداز میں جواب دیا۔

''ان کے چہرے تو ضرور دیکھے ہوں گے؟'' درانی تابڑ توڑ سوال کررہا تھا۔

''نہیں! میں نے ان کے چہرے نہیں دیکھے تھے۔ انہوں نے چہرے ڈھانپ رکھے تھے۔''

''ہمم۔ یعنی آپ اس معاملے میں میری کوئی مدد نہیں کرسکتے۔'' نواز درانی کھڑا ہوگیا۔ تو پہلی بار پروفیسر کے چہرے پر طمانیت کی جھلک دکھائی دی۔

''بیسٹ آف لک۔'' پروفیسر نے مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ ''اللہ کرے آپ کا مطلوبہ قاتل

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

جلد از جلد آپ کی گرفت میں آ جائے۔'' پروفیسر نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''بہت شکریہ۔'' انسپکٹر درانی ان کے گھر سے نکلا تو زیادہ پُرامید نہ تھا۔

☆☆☆

''کیا مل گیا تجھے؟ ساجد کے ساتھ بھاگ کر شادی کرنے سے؟''

زاہدہ نے پاس بیٹھی بہو کو مخاطب کیا۔ جو سبزی کاٹ رہی تھی۔ وہ ساس کے غیر متوقع سوال پر چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی اور پھر سے اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔ یوں جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

''میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔ اپنا گھر بار، ماں باپ، بہن بھائی کس کے لیے چھوڑ کے چلی آئی۔ اس کے لیے... جو تمہیں چھوڑ کے چلتا بنا۔'' اتنی بات کر کے اس کا سانس پھول گیا اور وہ کھانسنے لگی۔

بہو نے اٹھ کر پانی کا گلاس تھمایا۔ پانی پی کر وہ پھر سے شروع ہو گئی۔

''گھر سے بھاگتے ہوئے ذرا شرم نہ آئی تجھے۔'' اب کی بار اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

''اماں، کیوں بلاوجہ میرے زخموں پر نمک چھڑکنے لگتی ہو۔ اس بات کا بھلا کیا جواب دوں میں؟'' اس نے زہریلے لہجے میں جواب دیا۔

''اگر تم ساجد کے ساتھ گھر سے فرار نہ ہوتیں تو ہو سکتا ہے، تمہیں کوئی شریف لڑکا بیاہ کر لے جاتا اور تم بھری جوانی میں بیوہ ہونے سے بچ جاتیں۔'' زاہدہ نے ہمدردی جتانے کی کوشش کی۔

''شریف لڑکے کے قابل کہاں رہنے دیا تھا تمہارے بیٹے نے۔ کالج سے نکلتے ہوئے ایک دن لے گیا تھا مجھے زبردستی گاڑی میں ڈال کر۔'' وہ سسکنے لگی تو زاہدہ نے اسے ساتھ لگا لیا۔ وہ پھر سے بولنے لگی۔

''دوسرا مہینہ لگ چکا تھا۔ جب ساجد کے ساتھ گھر سے بھاگی تھی۔ بھاگتی نہ تو خودکشی کرنی پڑتی۔ تیسرا کوئی راستہ بچا نہ تھا۔ حرام موت مرنے پر، ذلالت بھری زندگی کو ترجیح دی۔''

بہو نے طنز سے بتایا تو زاہدہ پشیمان نظروں سے اُس کی طرف دیکھنے لگی۔

☆☆☆

انسپکٹر درانی تھانے میں بیٹھا، کانسٹیبل بشیر کو اپنی ایک دن قبل کی کارگزاری سنا رہا تھا۔

''ارے واہ سر جی، آپ نے تو کمال کر دیا۔'' ایک ہی دن میں پروفیسر شریف تک بھی پہنچ گئے۔ رزلٹ کیا نکلا اس ملاقات کا؟''

''کچھ خاص نہیں۔ پروفیسر نے ہر بات سے انکار کر دیا۔''

''آپ کیا کہتے ہیں؟''

''مجھے یقین ہے کہ پروفیسر بہت کچھ چھپا رہا ہے۔''

''آپ کو ایسا کیوں لگا سر جی۔''

''ان کے سابقہ ہمسائے اور دوست مشتاق صاحب نے بتایا کہ ان کے گھر ڈکیتی کی واردات ہوئی تھی۔ ڈاکو اُن کے گھر سے قیمتی اشیا کے ساتھ ساتھ پروفیسر صاحب کو بھی خاصا زدوکوب کر کے گئے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کی جوان بیٹی کی ذہنی حالت بگڑ گئی۔ اور وہ نقل مکانی پر مجبور ہوئے۔ مگر پروفیسر صاحب نے ہر بات کو جھٹلا دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ایسا کوئی واقعہ ان کے ساتھ پیش ہی نہیں آیا۔''

''ہم! بات تو واقعی سوچنے والی ہے۔ یا تو ان کے دوست نے غلط بیانی کی یا پھر وہ خود پردہ پوشی کر رہے ہیں۔''

''یہی بات تو سوچنے والی ہے۔ وہ کیوں پردہ پوشی کر رہے ہیں۔ ان کے دل میں کون سا چور چھپا بیٹھا ہے آخر۔''

''بہرحال ایک بات تو طے ہے سر جی! پروفیسر صاحب کا ساجد اور عابد کے قتل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' بشیر بولا۔

''تم یہ بات اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو؟'' درانی مستفسر ہوا۔

''ظاہر ہے جی۔ ان کو قتل کروانے والا کوئی بہت شقی القلب اور سفاک بندہ ہے۔ پروفیسر صاحب ٹھہرے ایک شریف اور حلیم المزاج شخص۔ انہیں قتل کروانے کے لیے بہت طاقتور محرک چاہیے۔''

''وہی محرک ہی تو تلاش کر رہا ہوں۔'' درانی نے پُرسوچ لہجے میں جواب دیا۔

''یعنی پروفیسر ابھی تک مشتبہ افراد کی لسٹ سے خارج نہیں ہوا؟''

''نہیں! بلکہ اس کے رویّے نے مجھے اُلجھا کر رکھ دیا ہے۔'' درانی نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

''تم یہاں خیال رکھنا! میں کسی ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ ایک گھنٹے تک لوٹ آؤں گا۔''

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''اوکے سر.....'' کانسٹیبل بشیر نے مستعدی سے جواب دیا۔ اور انسپکٹر نواز درانی نے کیپ سر پر جمائی اور باہر نکل گیا۔

☆☆☆

''جی ڈاکٹر صاحبہ! مجھے یقین ہے آپ قانون کے ساتھ مکمل تعاون کریں گی۔ اور کوئی بھی بات چھپانے کی کوشش نہیں کریں گی۔'' درانی نے بات مکمل کر کے اپنے سامنے بیٹھی خوب رو لیڈی ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔ جو انسپکٹر کے منہ سے سارا واقعہ سن کر اب متذبذب دکھائی دے رہی تھی۔

چند لمحے سوچنے کے بعد گویا ہوئی۔ ''مگر انسپکٹر صاحب! مجھ سے رازداری کا وعدہ لیا گیا ہے۔ ویسے بھی یہ میرے پیشے کا تقاضا ہے۔''

''آپ رازداری کا پاس کرتے ہوئے ایک مجرم کی پشت پناہی کر رہی ہیں۔'' درانی نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

اس بات کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ ''جی پوچھیے! کیا پوچھنا چاہتے ہیں نیلم کے حوالے سے۔'' ڈاکٹر نے مفاہمانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

''پروفیسر شریف صاحب اپنی بیٹی کا ذہنی علاج آپ سے کروا رہے ہیں۔ اس حوالے سے مجھے کچھ معلومات چاہئیں۔'' میں اس لڑکی کی کیس ہسٹری جاننا چاہتا ہوں۔ وہ کیسے اس حالت کو پہنچی؟''

ڈاکٹر تھوڑی دیر بات شروع کرنے کے لیے الفاظ ذہن میں ترتیب دیتی رہی پھر بولی۔ ''اس کا ریپ کیا گیا تھا۔''

''کیا؟'' درانی کے حلق سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

وہ چوکس ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر دبا دبا جوش دکھائی دینے لگا۔ وہ پوری بات سننے کے لیے بے تاب دکھائی دینے لگا۔

''اپنی بات جاری رکھیں ڈاکٹر۔''

''اس کو اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔ وہ بھی اس کے باپ کے سامنے۔ اس واقعے کی تاب نہ لاتے ہوئے اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا۔ وہ نیم پاگل ہو گئی۔ جسمانی طور پر صحت یاب ہونے میں اسے چند ہفتے لگے تھے مگر ذہنی صحت سے ابھی تک کوسوں دور ہے وہ۔'' بات مکمل کر کے اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔

درانی بھی یہ بات سن کر افسردہ ہو گیا۔ باوجود اس کے کہ اس کے دماغ میں کل سے یہی شکوک و شبہات سر اٹھا رہے تھے مگر حقیقت کھلنے کے بعد دل پر عجیب سا بوجھ آن پڑا تھا۔

''بہت شکریہ ڈاکٹر، کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ نیلم کے ساتھ یہ حادثہ کب پیش آیا۔''

''ایک منٹ..... ابھی دیکھ کر بتاتی ہوں۔'' ڈاکٹر نے دراز سے ایک فائل نکالی۔ اس پر لکھی ہوئی تاریخ پڑھی اور بتایا۔ ''تقریباً چار ماہ پہلے اسے میرے پاس بڑی تشویشناک حالت میں لایا گیا تھا۔''

''کون سی تاریخ تھی اُس دن؟''

''پندرہ مارچ لکھی ہوئی ہے۔ اس فائل میں۔''

''تھینک یو سو مچ ڈاکٹر نبیلہ.....'' وہ جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔

☆☆☆

جب انسپکٹر درانی پولیس اسٹیشن میں داخل ہوا تو فتح یابی کا احساس تفاخر بن کر اس کے چہرے سے چھلک رہا تھا۔ اپنے کمرے میں جا کر چیئر پر بیٹھا تو کانسٹیبل بشیر فوراً اس کی طرف متوجہ ہوا۔ درانی کے چہرے کے تاثرات اسے چونکانے کو کافی تھے۔

''لگتا ہے سر کسی بہت اہم کام کی انجام دہی کے لیے گئے تھے؟''

''تمہارے سارے اندازے غلط ثابت ہو گئے، بشیر۔'' درانی نے پُرجوش لہجے میں جواب دیا۔

''کیا مطلب سر جی! کون سے اندازے؟'' بشیر اُلجھن آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''مطلب یہ کہ میں نے کافی شواہد ایسے اکٹھے کر لیے جن سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ پروفیسر شریف ان دونوں بھائیوں کے قتل میں ملوث ہو سکتا ہے۔ سمجھو پروفیسر کی گردن مجھ سے بس چند ہاتھ کی دوری پر ہے۔

''ایک دو پوائنٹ ایسے ہیں جو اس کو بے گناہ ثابت کر سکتے ہیں۔ ان پر اچھی طرح چھان بین کر لوں، پھر کسی حتمی نتیجے پر پہنچ جاؤں گا۔''

''آخر مجھے بھی تو بتائیں! کون سے ثبوت حاصل کر لیے آپ نے۔'' بشیر نے متجسس ہو کر پوچھا۔

''ایک دو دن رک جاؤ۔ ابھی کچھ پہلو تشنہ ہیں۔ ان پر بھی اچھی طرح سوچ بچار کر لوں پھر تمہارے ہر سوال کا تسلی بخش جواب دے سکوں گا۔''

☆☆☆

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

اگلے دن شام کو انسپکٹر درانی گھر پہنچا تو اس کی بیٹی نے ایک بڑے سائز کا خاکی لفافہ اسے لا تھمایا۔

''یہ کیا ہے؟'' اس نے لفافہ پکڑ کر اسے الٹ پلٹ کر ہر طرف سے دیکھا مگر کہیں بھی بھیجنے والے کا نام نظر نہ آیا۔

''پاپا یہ لفافہ ایک انکل دے گئے تھے۔ کہہ رہے تھے صرف انسپکٹر صاحب کے حوالے کرنا۔''

''اوکے! فارغ ہو کر دیکھتا ہوں۔''

کھانے سے فارغ ہو کر نواز درانی اپنے بیڈ روم میں چلا گیا۔ وہ لفافہ ساتھ لے جانا نہیں بھولا تھا۔

بیڈ پر نیم دراز ہو کر اس نے وہ مہر بند لفافہ چاک کیا۔ اس کے اندر دس بارہ صفحات پر مشتمل کوئی تحریر تھی۔ درانی نے وہ صفحات باہر نکالے۔ ان پر خط کی شکل میں کچھ لکھا گیا تھا۔ درانی نے پہلے صفحے سے پڑھنا شروع کیا۔ جوں جوں وہ پڑھتا گیا۔ لاعلمی کی دُھند چھٹتی گئی۔

یہ خط پروفیسر شریف نے انسپکٹر نواز درانی کے نام لکھا تھا۔ خط کی پہلی دو سطریں پڑھتے ہی نواز درانی اچھل پڑا۔ اس کے سان گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اس لفافے کے اندر کچھ ایسا سنسنی خیز مواد چھپا ہوگا۔ خط کا متن کچھ اس طرح تھا۔

''عزت مآب انسپکٹر صاحب!

آج آپ کی خدمت میں یہ ناچیز اپنا اعترافِ جرم پیش کرتا ہے۔ میں آج اپنا جرم تسلیم کرتا ہوں۔ ہاں میں قاتل ہوں مگر دو انسانوں کا نہیں بلکہ دو درندوں کا۔ وہ اسی موت کے مستحق تھے۔ جو میں نے انہیں دی ۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میری اصلیت جان چکے ہیں۔ میرے دوست مشتاق اور اس لیڈی ڈاکٹر نے مجھے وہ ساری باتیں بتا دی ہیں... جو آپ ان سے پوچھتے رہے ہیں۔ اس لیے میرا مزید کوئی جھوٹ بولنا یا جان بچا کر بھاگنا بالکل بے سود ہے۔ میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔ آئیں اور مجھے گرفتار کر کے لے جائیں۔

''لیکن اس سے پہلے آپ کو اپنی کہانی سنانا چاہوں گا۔ تاکہ آپ کو اندازہ لگانے میں آسانی رہے کہ ایک معلم نے آخر کیونکر ایک سفاک قاتل کا روپ دھار لیا۔ میں ایک خوش مزاج اور ہر حال میں شکر کرنے والا قناعت پسند انسان تھا۔ اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ ایک مطمئن زندگی گزار رہا تھا۔

بینک ڈکیتی کا واقعہ آگے چل کر میری بدبختی کا سنگ میل ثابت ہوا۔ اس وقت ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ یہ معمولی سی نیکی، میری ہنستی بستی دنیا کو اجاڑ کر رکھ دے گی تو اپنے اندر بیدار ہونے والے فرض شناس شہری کو تھپک کر سلا دیتا۔ میری فون کال پر وہ درندے پولیس کے زیرِ حراست آ گئے۔

''دو ماہ جیل میں رہنے کے بعد وہ دندناتے ہوئے باہر آئے۔ اور سب سے پہلے یقیناً میرا اتا پتا معلوم کیا، مجھے عبرت ناک سبق سکھانے کے لیے۔

''وہ منحوس رات میں تا زندگی نہیں بھول سکتا۔ جب وہ درندے رات کے دو بجے دیوار پھلانگ کر میرے گھر میں داخل ہوئے۔ ہم دونوں میاں بیوی گہری نیند سو رہے تھے۔ جب وہ قہر بن کر ہم پر ٹوٹ پڑے۔ مجھ پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش ہونے لگی۔ جبکہ میری بیوی کے چہرے پر تھپڑ مارے گئے۔ اور اسے بالوں سے کھینچ کر گھسیٹا گیا۔ ہم اس اچانک افتاد سے حواس باختہ ہو کر چیخنے چلّانے لگے۔

''دیکھو! تمہیں جو کچھ چاہیے، لے جاؤ۔ مگر پلیز ہم پر تشدد مت کرو۔ ہم تمہارے ماں باپ کی جگہ پر ہیں۔'' میں نے ساجد کے سامنے ہاتھ جوڑے۔ اس وقت میں اس کے نام سے آگاہ نہ تھا۔ بس یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اپنے گروہ کا سرغنہ ہے۔ اس نے حقارت سے قہقہہ لگایا اور بولا۔

''کیا ہوا پروفیسر! اُس دن تو بڑی دلیری سے کام لیا تھا۔ واش روم سے فون کر کے پولیس منگوائی تھی۔ ہمیں گرفتار کروا کے ہر طرف سے شاباش وصول کی تھی۔ آج کہاں گئی تمہاری بہادری۔ یہ لو فون..... کرو پولیس کو۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا سیل فون میری طرف بڑھایا۔ تو پاس کھڑے اس کے ساتھی بے ہنگم آوازوں میں قہقہے لگانے لگے۔

''مجھے معاف کر دو، یہاں سے جو بھی لے جانا چاہتے ہو لے جاؤ۔'' میں پھر سے گڑگڑایا۔ میں اس بات سے ڈر رہا تھا کہ شور شرابے کی آوازیں سن کر کہیں ساتھ والے کمرے سے نیلم نہ باہر آ جائے۔ اور ان درندوں کے ہتھے نہ چڑھ جائے۔ میرا دل لرز رہا تھا۔

ساجد چند لمحوں تک میرے بندھے ہوئے ہاتھوں کی طرف دیکھ کر کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

''ٹھیک ہے! گھر میں جتنا بھی کیش اور زیور ہے۔ ہمارے حوالے کر دو۔''

میں ڈگمگاتے قدموں سے الماری کی طرف بڑھا۔ کانپتے ہاتھوں سے خفیہ دراز کھولی۔ پچاس ہزار روپیہ نقد اور دس تولہ وزن کے زیورات لا کر بیڈ پر ڈھیر کر دیے۔

''بس۔'' ساجد نے تمسخرانہ لہجے میں پوچھا۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

''اتنے سے ہمارا کیا بنے گا پروفیسر۔''

''اس کے علاوہ میرے پاس کوئی قیمتی چیز نہیں ہے۔ جسے میں تمہارے حوالے کر سکوں۔'' بات کرتے کرتے میری نظر دروازے کے وسط میں کھڑی نیلم پر گئی۔ میرے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی۔ دل کانپ اٹھا۔ آخر جس بات سے ڈر رہا تھا۔ وہ ہو کر رہی۔

''کیا ہو رہا ہے یہاں۔'' نیلم غصے سے پھنکاری۔ وہ بغیر دوپٹے کے تنی کھڑی ساری صورتِ حال کا جائزہ لے رہی تھی۔ اپنے ماں باپ کو اس بکھری حالت میں دیکھنا یقیناً اس کے لیے تکلیف دہ امر تھا۔

''تم یہاں کیوں آئی ہو نیلم! چلی جاؤ یہاں سے۔ اپنے کمرے میں جاؤ۔'' میں نے خوفزدہ انداز میں اُسے ڈانٹا۔

وہ چاروں ڈاکو بڑی دلچسپی اور محویت سے نیلم کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''پروفیسر کیوں جھوٹ بول رہے تھے کہ تمہارے پاس اس کے سوا کوئی قیمتی چیز نہیں ہے۔ اتنی خوبصورت اور جوان بیٹی کے ہوتے ہوئے تم یہ بات کیسے کہہ سکتے ہو۔'' ساجد خباثت سے ہنسنے لگا۔ اسے دیکھ کر اس کے دوسرے ساتھی بھی ہنسنے لگے۔

''خبردار! میری بیٹی کے بارے میں کسی نے کوئی غلط لفظ منہ سے نکالا تو، میں اس کی زبان کھینچ لوں گا۔'' غصے کی شدت سے میری آواز کانپ رہی تھی۔

''تمہیں کس پاگل نے کہا ہے کہ ہم تیری بیٹی کو دور سے دیکھ کر صرف غلط الفاظ ہی منہ سے نکالیں گے۔ جو نقصان تو پورا نہیں کر سکا۔ اب تیری بیٹی پورا کرے گی۔'' وہ مریم کی طرف بڑھا۔ مریم کو خطرے کا احساس ہوا تو اس نے بھاگنا چاہا مگر ان درندوں نے جھپٹ کر اسے قابو کر لیا۔ وہ چیخ رہی تھی، چلّا رہی تھی۔ مگر ان پر اس کی چیخوں اور میرے دہاڑنے کا کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا۔ میں ان پر پل پڑا۔ انہوں نے مار مار کر مجھے ادھ موا کر دیا۔ میری بیوی دل کی مریضہ تھی۔ یہ منظر برداشت نہ کر سکی، بے ہوش ہو گئی۔ وہ چاروں درندے نیلم کو گھسیٹتے ہوئے دوسرے کمرے میں لے گئے۔ جاتے جاتے میرے کمرے کا دروازہ باہر سے لاک کر گئے۔ نہ بھی کرتے تو مجھ میں اتنی طاقت نہیں بچی تھی کہ اٹھ کر ان درندوں کے قبضے سے اپنی بچی کو چھڑا سکتا۔ مریم کی دلخراش چیخیں مجھے تڑپا رہی تھیں مگر میں بے بسی کی حالت میں نیم مردہ، فرش پر پڑا سسک رہا تھا۔ خدا سے رحم کی بھیک مانگ رہا تھا۔ تائیدِ غیبی سے آنے والی کسی امداد کا منتظر تھا۔

''اے اللہ! کوئی معجزہ رونما کر دے۔ میری بچی کی عزت بچا لے۔'' مگر کچھ بھی نہیں ہوا۔

''پتا نہیں کتنا وقت اس جان لیوا کرب و اذیت میں گزر گیا۔ میرے لیے تو وہ عرصہ جیسے صدیوں پر محیط تھا۔ میرے کمرے کا دروازہ کھلا اور ان میں سے ایک بولا۔

''پروفیسر! اٹھ ہمت سے کام لے۔ جا کر اپنی بیٹی کو سنبھال، بے ہوش ہو چکی ہے۔ بھئی تیری بیٹی تو بڑی نازک اندام نکلی۔'' انہوں نے ایک مکروہ قہقہہ لگایا اور پھر ان کے گھر سے باہر جاتے قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی۔ جو مدھم ہوتے ہوتے بالکل معدوم ہو گئی۔

میرے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں اور جسم جیسے زلزلوں کی زد میں تھا۔ اپنی بے بسی اور مریم کی تباہی پر دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ خود کو گھسیٹتے ہوئے بیوی کے پاس پہنچا۔ جو مجھ سے کچھ فاصلے پر دنیا و جہان سے بے خبر بے ہوشی کی چادر اوڑھے پڑی تھی۔

میں نے اسے ہلایا جلایا۔ اس نے کسمساتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔

''نیلم کہاں ہے۔'' آنکھیں کھولتے ہی اس نے یہ سوال کیا۔

''مریم دوسرے کمرے میں ہے۔ جاؤ اس کی خبر لو جا کر۔'' یہ کہہ کر میں ہچکیوں سے رونے لگا۔ وہ تڑپ کر اٹھی اور دیوانہ وار بھاگتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

تھوڑی دیر بعد اس کی چیخوں سے پورا گھر لرزنے لگا۔ میں بھی دہاڑیں مار مار کے رونے لگا۔ کچھ وقت ایسے ہی روتے... روتے گزر گیا۔

سردیوں کا موسم تھا۔ لوگ اپنے گھروں میں گرم بستروں میں دبکے پڑے تھے۔ ورنہ ہماری آہ و زاری سے ہمسایوں کا متوجہ ہونا لازمی امر تھا۔

میں نے ہمت مجتمع کی، اور پیروں پر کھڑا ہو گیا۔ گرتا پڑتا باہر نکلا۔ بیوی کو آواز دی۔

وہ آنسو پونچھتے ہوئے باہر آئی اور مجھ سے لپٹ کر پھر سے رونے لگی۔

''ان درندوں نے میری بچی کو برباد کر دیا۔''

''میرے دل کو جیسے کوئی آری سے کاٹ رہا تھا اس وقت۔'' نیلم کی حالت کیسی ہے''۔ میری آواز جیسے کسی اندھے کنوئیں سے برآمد ہوئی۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''اس کی حالت بڑی خراب ہے۔'' اس نے سسکتے ہوئے جواب دیا۔ ''اسے اس وقت طبی امداد کی سخت ضرورت ہے۔''

''میں گاڑی اسٹارٹ کرتا ہوں۔ پھر دونوں مل کر اسے گاڑی میں ڈال کر کسی ہاسپٹل میں لے چلتے ہیں۔''

''مگر آپ کی حالت اس قابل نہیں کہ آپ گاڑی چلا سکیں کسی پڑوسی کی مدد حاصل کر لیتے ہیں۔''

''بالکل نہیں! تم اس بات کا ذکر کسی سے نہیں کرو گی۔ یہ بات صرف ہم تینوں کے بیچ رہے گی۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا تو وہ چونک کر میری طرف دیکھنے لگی۔

''تو کیا آپ پولیس اسٹیشن میں رپورٹ درج نہیں کروائیں گے؟''

''نہیں! میں اپنا مقدمہ اپنی خود کی عدالت میں لڑوں گا۔ جہاں وکیل بھی میں ہوں گا، جج اور مدعی بھی میں ہی ہوں گا۔''

''کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔'' وہ خوفزدہ نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

''فی الحال اِن باتوں کا وقت بالکل نہیں۔ میں باہر جا کر گاڑی اسٹارٹ کرتا ہوں۔ تم مریم کا حلیہ درست کرو۔''

''مگر یہ ایک پولیس کیس ہے۔ جس ہاسپٹل میں بھی لے کر جائیں گے۔ پولیس کو اطلاع کیے بنا کوئی ڈاکٹر ہاتھ نہیں ڈالے گی۔ اور آپ کہتے ہیں کہ کسی کو نہیں بتانا۔'' اس نے بلاشبہ عقلمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک حقیقت بیان کی تھی۔

مگر میرے پاس اس مسئلے کا حل موجود تھا۔ شہر کی معروف گائنا کالوجسٹ غزالہ رشید، ماضی میں میری اسٹوڈنٹ رہ چکی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ پولیس کیس والا اعتراض نہیں اٹھائے گی اور میرے ساتھ مکمل تعاون کرے گی۔

''اس مسئلے کا حل بھی ہے میرے پاس۔ تم نیلم کو لے کر آؤ۔ میں باہر جا رہا ہوں۔''

☆☆☆

رات کے تین بجے میں معروف گائنا کالوجسٹ، غزالہ رشید کے نجی ہاسپٹل کے چھوٹے سے پارکنگ ایریا میں گاڑی پارک کر رہا تھا۔ گاڑی پارک کر کے میں اسپتال کے اندر گیا۔ غزالہ اس وقت لیبر روم سے باہر نکل رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

''سر آپ یہاں۔'' رات کے اس پہر مجھے وہاں دیکھنا اس کے لیے یقیناً باعثِ حیرت تھا۔ اور وہ بھی اس ناگفتہ بہ حال میں۔

''ہاں بہت بڑی ایمرجنسی ہوگئی ہے۔'' میرے لہجے نے اسے چونکنے پر مجبور کر دیا۔

''آیئے! اندر آفس میں چل کر بیٹھتے ہیں۔ یہاں کھڑے ہو کر بات کرنا کچھ مناسب نہیں لگ رہا۔''

میں چند لمحے گومگو کی حالت میں کھڑا رہا۔ مجھے گاڑی میں نیم مردہ حالت میں پڑی نیلم کا خیال ستا رہا تھا۔ پھر میں ڈاکٹر کے ہمراہ اس کے آفس میں آ بیٹھا۔ کہ بہرحال یہ بات تسلی سے بیٹھ کر کرنے والی ہی تھی۔

ڈاکٹر کے رُوبرو بیٹھ کر ساری بات اسے بتائی۔ بات کرتے کرتے کئی مرتبہ میری آواز کانپی اور آنکھیں نم ہوئیں۔ ڈاکٹر غزالہ نے بھی یہ واقعہ نمناک آنکھوں سے سنا۔ اس کے چہرے پر حزن وملال چھا گیا تھا۔

''بہت افسوس ہوا سر۔ اللہ غارت کرے اُن وحشی درندوں کو۔ آپ فوراً اپنی بیٹی کو اندر لے کر آئیں۔ میں آپریشن تھیٹر میں جا رہی ہوں۔ میں اسٹاف کو کہتی ہوں، وہ نیلم کو اسٹریچر پر ڈال کر لے آتے ہیں۔''

ڈاکٹر غزالہ اس وقت میرے لیے رحمت کا فرشتہ ثابت ہوئی۔ سچ کہتے ہیں۔ خدا کے بعد ایک ڈاکٹر ہی انسان کو زندگی دیتا ہے۔ ڈاکٹر نے اپنی نگرانی میں غزالہ کو گاڑی سے نکالا پھر آپریشن تھیٹر میں لے گئی۔

میں وہاں ویٹنگ روم میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ جبکہ نیلم کی ماں آپریشن تھیٹر کے باہر دیوانوں کی طرح چکر لگانے لگی۔

دو گھنٹے کے طویل اور صبر آزما انتظار کے بعد ڈاکٹر غزالہ آپریشن تھیٹر سے باہر آئی۔ اور ہمیں مریم کو گھر لے جانے کی اجازت دے دی۔

اور ساتھ یہ ہدایت بھی کی کہ اس کا خصوصی خیال رکھنا ہوگا۔ ایسے حادثات جسم سے زیادہ ذہن، اعصاب پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

واپسی پر مریم ہوش میں آ چکی تھی۔ ڈاکٹر غزالہ کی بات سچ ثابت ہوئی۔ مریم چند دنوں میں جسمانی طور پر صحت یاب ہوگئی۔ مگر ذہنی حالت ہر گزرتے دن کے ساتھ بگڑتی چلی گئی۔ ہر وقت خاموش بیٹھی خلاؤں میں تکتی رہتی۔ کسی بات کا جواب نہ دیتی۔ اور کبھی کبھی اچانک چیخنے چلّانے لگتی۔

waqarazeem
www.pakistanipoint.com

اُس کی روز بروز بگڑتی صورتِ حال ہم دونوں میاں بیوی کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔

ایک ہفتے بعد اسے ساتھ لے کر پھر سے ڈاکٹر غزالہ کے حضور پیش ہوئے۔ اس نے اس کا معائنہ کر کے بتایا کہ اسے اب نفسیاتی ڈاکٹر کے پاس ریفر کرنا پڑے گا۔ اس ہولناک واقعے نے اس کے دماغ پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ کچھ ایسی نفسیاتی گرہیں پڑ چکی ہیں جنہیں ایک ماہرِ نفسیات ہی اپنے مخصوص طریقہ علاج سے کھول سکتی ہے۔''

''مگر ہم تو کسی ماہرِ نفسیات کو نہیں جانتے۔'' میں نے پہلی مرتبہ دخل اندازی کی۔

''میں آپ کو ڈاکٹر نبیلہ کامران کے پاس بھیج رہی ہوں۔ یہ رہا اُس کا ایڈریس۔ نام و پتے کے علاوہ میں نے کیس کی ساری ہسٹری بھی لکھ دی ہے۔''

ڈاکٹر غزالہ نے ایک فائل ہماری طرف بڑھائی۔ جسے میں نے تھام لیا۔ وہاں سے نکل کر ہم ڈاکٹر نبیلہ کے کلینک کی طرف روانہ ہو گئے۔

اور پھر میری بیٹی کا علاج ڈاکٹر نبیلہ سے ہونے لگا۔

مریم کے علاج و معالجے کے ساتھ ساتھ میرا ذہن ہر وقت ان درندوں سے انتقام لینے کا سوچتا رہتا۔ میرے دماغ میں ہر وقت ایک لاوا سا پکتا رہتا۔ ان کو اس بربریت کی بھیانک سزا دینا چاہتا تھا۔ اور اس کے لیے ایک لائحہ عمل خاموشی سے ذہن میں مرتب کر رہا تھا۔

میں کمزور تھا۔ بدلہ لینے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ اس وقت شدت سے ایک بیٹے کی کمی محسوس ہوئی۔ اگر میرا بھی کوئی بیٹا ہوتا تو شاید کسی کی جرأت نہ ہوتی، میری بیٹی کو میلی آنکھ سے دیکھنے کی۔

کیا ہوا جو میں اپنے ہاتھوں سے ان کو واصلِ جہنم نہیں کر سکتا۔ مگر کسی کے ہاتھوں کروا تو سکتا تھا نا۔ پیسہ سب کچھ کروا سکتا ہے۔ ناممکن کو بھی ممکن بنا سکتا ہے۔ پیسے میں بڑی طاقت ہے مگر میرے پاس تو پیسہ بھی نہیں تھا۔ بیٹی کے علاج معالجے کے لیے بھی کچھ پاس نہیں بچا تھا۔ جمع پونجی اور زیور وہ درندے چھین کر لے گئے تھے۔

آخر میں نے اپنا مکان بیچنے کا فیصلہ کر لیا۔ ویسے بھی میرے ذہن میں ترتیب پانے والے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے یہ مکان بیچنا ناگزیر تھا۔ اسٹیٹ ایجنٹوں سے رابطہ کیا اور اپنا گھر نقد ادائیگی پر فروخت کرنے کی ڈیمانڈ کی۔

شومئی قسمت، جلدی ہی ایک ایسا گاہک مل گیا، جو تمام رقم یک مشت کیش دینے پر راضی ہو گیا۔ چالیس لاکھ کا مکان میں نے پینتیس لاکھ میں فروخت کر دیا۔ وجہ یہی تھی کہ تمام رقم ایڈوانس میں مل رہی تھی۔

مکان بیچ کر رقم ہاتھ میں لی اور اس علاقے میں کرائے کے مکان میں اٹھ آئے... جہاں آپ مجھ سے ملنے آئے تھے۔ اس کا بندوبست میں کچھ دن پہلے کر چکا تھا۔ جاب بھی چھوڑ دی۔ انہوں نے میرا استعفیٰ قبول کر لیا۔ ویسے بھی عمر ریٹائرمنٹ کے قریب پہنچ چکی تھی۔

ان سب کاموں سے فارغ ہو کر میں نے پوری یکسوئی سے اپنے پلان پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ مجھے اپنا کام کروانے کے لیے ساجد گینگ کا کوئی حریف درکار تھا۔

آخر خفیہ ذرائع سے یہ بات معلوم ہوئی کہ راجو راکٹ اور ساجد کی آپس میں دیرینہ دشمنی چلی آ رہی ہے۔ دونوں پارٹیوں کی ایک دو دفعہ آپس میں جھڑپیں بھی ہو چکی ہیں۔

مجھے اپنے مشن کی تکمیل کے لیے، راجو ایک بہترین آدمی لگا۔

اب مجھے کوئی ایسا آدمی درکار تھا جو راجو کے پاس کام کرتا ہو۔ اور مجھے اس کے معمولات کے متعلق معلومات مہیا کرے۔ جلدی ہی اس کے کارخانے میں کام کرنے والے ایک لڑکے سے غیر محسوس طریقے سے سلام دعا بنا لی۔ اس لڑکے سے راجو کا فون نمبر بھی لے لیا۔

ایک دن راجو سے فون پر بات کر کے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔

اس نے رات نو بجے کا وقت دیا۔ اور اپنے اڈے پر بلایا۔

میں رات کے نو بجے اس کے اڈے پر پہنچا۔ گودام میں داخل ہوا تو اس کے گرگوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ میری اچھی طرح سے جامہ تلاشی لی گئی۔ البتہ نام پتا بتانے کی فرمائش نہیں کی انہوں نے۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ میں راجو سے اس بابت فون پر بات کر چکا تھا۔

تلاشی سے مطمئن ہو کر انہوں نے مجھے راجو کے سامنے پیش کر دیا۔

راجو اندر کمرے میں ایک پلاسٹک کی کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے مناسب فاصلے پر دوسری کرسی خالی رکھی گئی تھی جس پر مجھے بیٹھنے کے لیے راجو نے اشارہ کیا۔

میں خاموشی سے اس کرسی پر بیٹھ گیا۔

''میں ہی راجو راکٹ ہوں۔ جو کہنا ہے کھل کر کہو۔ تم

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

سے تمہارا نام و پتا نہیں پوچھوں گا۔ کیونکہ میری نظر میں یہ قطعی غیر ضروری ہے۔" بات مکمل کر کے وہ استفہامیہ انداز میں میری طرف دیکھنے لگا۔

"دو بندے قتل کروانے ہیں۔ قیمت بتاؤ۔" اس وقت اپنی سرد مہری اور خود اعتمادی پر مجھے خود حیرت ہو رہی تھی۔

میری بات سن کر وہ بری طرح چونکا اور حیرت سے میری طرف دیکھنے لگا۔

"کون ہیں وہ۔" اس کے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

"ساجد اور عابد، دونوں بھائیوں کو مروانا چاہتا ہوں۔" میں نے مختصر جواب دیا۔

"مگر کیوں؟"

"اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ اگر تم میرا یہ کام کر دو تو تمہیں منہ مانگی اجرت دوں گا۔"

"بیس لاکھ لوں گا۔ منظور ہے؟"

"منظور ہے! مگر موت میری مرضی کی ہوگی۔"

"کیا مطلب! تم نے کوئی اسپیشل موت سوچی ہوئی ہے ان کے لیے۔" وہ سفاکی سے ہنسا۔

"ہاں بہت اسپیشل! ان کی موت اتنی آسان نہیں ہونی چاہیے۔ تڑپ تڑپ کر مرنا ہے انہیں۔" غصے سے میری آواز کانپنے لگی۔

وہ حیرت سے میری طرف دیکھنے لگا پھر بولا۔ "ٹھیک ہے! اگر قیمت میری مرضی کی دے رہے ہو تو ان کی موت تمہاری مرضی کی ہی ہوگی۔ اس کے لیے تمہیں دس لاکھ ایڈوانس دینے ہوں گے۔" اس نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔

میں نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے چرمی بیگ سے دس لاکھ نکالے اور روپے اس کے آگے رکھ دیے۔

"کب تک میرا کام ہو جائے گا؟"

"سوچتا ہوں۔ انہیں کیسے قابو کرنا ہے۔ کیسے یہاں تک لانا ہے۔" اس نے سر کھجاتے ہوئے سوچنے کی ایکٹنگ کی اور رقم اٹھا کر جیبوں میں ٹھونس لی۔

"اوکے! جب انہیں قابو کر لو تو مجھے کال کر کے بلا لینا۔ آ جاؤں گا۔ ان کی موت میری آنکھوں کے سامنے اور میری مرضی کے مطابق ہونی چاہیے۔"

"اوکے! ایسا ہی ہوگا۔ لگتا ہے سسروں نے تمہیں کوئی گہری چوٹ پہنچائی ہے۔" وہ پھر سے ہنسا۔

میں نے اس کی بات ان سنی کرتے ہوئے باہر کی طرف قدم بڑھائے۔

نواز درانی، پروفیسر کی کہانی میں کچھ اس طرح کھویا ہوا تھا کہ بیٹی کے اندر آنے کا بھی احساس نہ ہوا۔

عاشی کے ہاتھ میں چائے کا مگ تھا۔ جو وہ اپنے باپ نواز درانی کے لیے لائی تھی۔

اب وہ درانی کے پاس کھڑی متجسس نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ جو کب سے کاغذوں کے اس پلندے میں سر دیے دنیا جہان سے غافل ہو چکا تھا۔

چند لمحوں تک وہ اپنے باپ کا خاموشی سے کھڑی جائزہ لیتی رہی۔ پھر اسے متوجہ کرنے کے لیے گلا کھنکھارنے لگی۔

درانی نے چونک کر سر اٹھایا۔ بیٹی کو پاس کھڑا دیکھا تو چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ رینگ گئی۔

"ارے تم کب آئیں؟" اس نے خوشدلی سے پوچھا۔

"پچھلے پانچ منٹ سے آپ کے پاس کھڑی، آپ کی اس قدر دلچسپی، وہ بھی ان کاغذات کے حوالے سے، ملاحظہ کر رہی ہوں۔" عاشی نے چائے کا مگ باپ کی طرف بڑھایا۔

"بس بیٹا! کیا بتاؤں تمہیں۔ ان پیپرز پر لکھی تحریر پڑھتے ہوئے کلیجا منہ کو آ رہا ہے، دل و دماغ پر ایک کرب سا چھا گیا ہے۔" درانی نے چائے کا گھونٹ بھرا۔

عاشی اب اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"ایسا کیا لکھا ہے ان کے اندر؟" وہ اب سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

"دہرے قتل کا ایک کیس آیا ہے پچھلے دنوں تھانے میں۔ ان کاغذات میں قاتل نے اقبال جرم کیا ہے۔ نہ صرف اقبال جرم۔ بلکہ قتل کرنے کی تفصیل کے ساتھ اپنی زندگی کی پوری کہانی بیان کی ہے۔" درانی نے پھر سے چائے کا سپ لیا۔

"اوہ مائی گاڈ! کیا میں یہ فائل پڑھ سکتی ہوں پاپا؟"

"نہیں میرے بچے! تم یہ سب نہیں پڑھ سکو گی۔" درانی نے گہرے دکھ سے اس کی بات کا جواب دیا۔

"اوکے پاپا! ایز یو وش۔" اس نے خوش دلی سے جواب دیا۔ اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

درانی نے بڑے بڑے گھونٹ بھر کے چائے ختم کی۔ کپ سائڈ ٹیبل پر رکھا اور پھر سے پروفیسر کے طویل و عریض خط میں کھو گیا۔ سلسلہ پھر وہیں سے جوڑا جہاں سے

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

توڑا تھا۔

''اب مجھے ہر وقت راجو کی کال کا بے چینی سے انتظار رہتا۔ اور آخر ایک دن میرا انتظار ختم ہو گیا۔ جب راجو نے مجھے فون کر کے بتایا کہ تمہارا کام ہو گیا ہے۔ اڈے پر آجاؤ۔ میں نے اسے تاکید کی۔ ''دو دن انہیں بھوکا پیاسا رکھ کر خوب تشدد کرو۔ تیسرے دن رات کو میں آؤں گا۔ باقی کام میرے آنے کے بعد۔''

راجو نے کہا۔ ''ٹھیک ہے! ایسا ہی ہوگا۔ جیسا تم کہو گے۔'' یہ دو دن میں نے بڑی سرشاری میں گزارے۔ ہر وقت تصور میں ان کی اذیت بھری چیخیں سنائی دیتی رہتیں۔

آخر تیسرے دن رات کے دس بجے میں راجو کے ٹھکانے پر پہنچ گیا۔ اس وقت اس کے ساتھ صرف اس کے دو قریبی اور بااعتماد ساتھی تھے۔ مجھے اندر بڑے کمرے میں لے جایا گیا۔ جہاں دونوں بھائی کتوں کی طرح ایک موٹی زنجیر سے بندھے ہوئے تھے۔ ان کی حالت بڑی خراب تھی۔ بھوک اور پیاس سے بُرا حال اوپر سے راجو اور کمپنی کا بدترین تشدد۔ وہ دونوں زمین پر پڑے ہانپ رہے تھے۔ ان کی آنکھیں بند تھیں۔ میری آنکھوں میں وہ منظر تازہ ہو گیا۔ جب ان درندوں نے میرے گھر میں گھس کے مجھے مار مار کے ادھ موا کر دیا تھا۔ اور پھر میری نظروں کے سامنے میری معصوم بیٹی کی عزت تار تار کر دی تھی۔ یہ سارا منظر یاد آتے ہی میرا خون کھول اٹھا۔ میں نے پاؤں کی ٹھوکروں سے انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کی۔ انہوں نے تڑپ کر آنکھیں کھول دیں۔

مجھے دیکھ کر اُن کی آنکھوں میں خوف سمٹ آیا۔

''پروفیسر تم!'' ساجد کے حلق سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

''ہاں میں! بڑی جلدی پہچان لیا۔''

''پروفیسر! ہمیں معاف کر دو۔'' دونوں گڑگڑانے لگے۔

''کیا تمہارا جرم اس قابل ہے کہ اسے معاف کیا جا سکے۔'' میرا لہجہ زہر آلود ہو گیا۔

پھر میں راجو راکٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''میں یہاں کرسی پر بیٹھ کر جو جو ڈیمانڈ کرتا جاؤں، اسے پورا کرتے جاؤ۔'' اس کے بعد میں کرسی پر بیٹھ گیا اور بولا۔

''ان دونوں درندوں کے کان کاٹ کر پھینک دو۔ ان کانوں سے یہ میری بے بس اور مظلوم بیٹی کی دردناک چیخیں سنتے رہے۔ اس کی التجائیں سنتے رہے۔ مگر ان بے حس کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔''

میرا حکم سنتے ہی راجو نے اپنے ایک کارندے کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ اس نے نیفے سے خنجر نکالا اور ان کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ بُری طرح چیخنے چلانے لگے۔

''ہمیں معاف کر دو پروفیسر!'' وہ گھگھیا رہے تھے، تڑپ رہے تھے مگر مجھے ان پر رتی برابر بھی ترس نہیں آ رہا تھا۔

''معافی تو اُس رات میں نے بھی بہت مانگی تھی تم لوگوں سے۔ کیا تم نے مجھے معاف کر دیا تھا؟''

میری بات سن کر انہیں جیسے سانپ سونگھ گیا۔ اور پھر گودام کا وہ کمرا ان کی اذیت ناک چیخوں سے گونجنے لگا۔ مجھے اس وقت اپنی بیٹی کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں اور اس کی چیخوں میں ان دونوں کی چیخیں دب کر رہ گئی تھیں۔

راجو کے آدمی نے بڑی پھرتی اور بے رحمی سے انہیں کانوں سے محروم کر دیا۔ ان دونوں کے چہرے لہولہان ہو کر بڑے ڈراؤنے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ تکلیف سے تڑپ رہے تھے۔

اب راجو نے پھر سے سوالیہ انداز میں میری طرف دیکھا۔ یعنی وہ میرے اگلے حکم کا منتظر تھا۔

میرے کہنے پر ان کے تمام اعضا جسم سے علیحدہ کر دیے گئے۔

''مر گئے دونوں! اب تو خوش ہے نا؟'' راجو نے ان کی لاشوں کو اپنے پاؤں سے ہلا جلا کر ان کی موت کی تصدیق کی۔

''نہیں! ابھی آخری ایک کام اور کرنا ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''وہ کیا؟'' راجو کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

''ان دونوں کے سر ان کے دھڑ سے الگ کر دو۔ میں نہیں چاہتا کہ انہیں مرنے کے بعد کوئی پہچان لے۔''

''یار پروفیسر! تو تو سفاکی میں ہمارا بھی باپ نکلا۔'' یہ کہہ کر راجو خباثت سے ہنسنے لگا۔

''اوئے جیرے! تم نے سنا نہیں۔ پروفیسر صاحب نے کیا آرڈر دیا ہے۔ ان کے حکم کی فوراً تعمیل کرو۔''

اور جیرے نے کلہاڑی کے وار کر کے ان کے سر دھڑوں سے الگ کر دیے۔

''ہاں بھئی پروفیسر! تم بھی رقم میرے حوالے کرو اور

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ۔''

میں نے ہاتھ میں پکڑا ہوا بیگ اُس کی طرف بڑھایا۔

''گن لو! پورے دس لاکھ ہیں۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے تمہاری زبان پر پورا یقین ہے۔ اور پھر کم ہوئے تو تم سے وصول کرلیں گے۔ بس طریقہ تھوڑا مختلف ہوگا۔'' وہ پھر خباثت سے ہنسا اور میں اس کے ٹھکانے سے باہر نکل آیا۔

میں جانتا ہوں۔ میرا یہ خط پڑھ کے آپ کو مجھ سے کوئی ہمدردی محسوس نہیں ہورہی ہوگی بلکہ ہوسکتا ہے نفرت محسوس کررہے ہوں مگر جو حقیقت تھی، کھول کر آپ کے سامنے رکھ دی۔

آپ کسی بھی وقت آکر مجھے گرفتار کرسکتے ہیں۔ میں آپ کا انتظار کررہا ہوں۔''

یہ آخری صفحے کی آخری سطر تھی۔

درانی نے سارے صفحات اکٹھے کیے اور دوبارہ سے لفافے میں ڈال کر لفافہ ایک سائڈ پر رکھ دیا۔ اس کے دل پر ایک بوجھ سا آن پڑا تھا۔ پروفیسر کی کہانی نے اسے بہت آزردہ کردیا تھا۔ وہ عجیب سی کشمکش و پیچ میں پڑ گیا۔

بحیثیت انسان دیکھا تو پروفیسر بالکل حق بجانب دکھائی دیتا۔ کیونکہ اگر پروفیسر قانون کا دروازہ کھٹکھٹاتا تو وہاں سے سوائے دھکوں اور ذلت کے کچھ حاصل نہ ہوتا۔ جبکہ موجودہ صورتِ حال میں، پروفیسر نے قانون ہاتھ میں لے کر انہیں کیفرِ کردار تک پہنچایا تھا۔ اس لحاظ سے دیکھا جاتا تو وہ قانون کا مجرم تھا۔ اسے گرفتار کرنا درانی کا فرض تھا مگر زندگی میں پہلی بار درانی کا، اپنے فرض سے رُوگردانی کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔ وہ پولیس انسپکٹر بن کر نہیں ایک انسان بن کر سوچنا چاہتا تھا۔ ایک باپ بن کر سوچنا چاہتا تھا۔

وہ بیڈ سے ٹیک لگائے کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ جب اس کی بیوی اس کے پاس آکر بیٹھی۔

''کیا بات ہے۔ کن سوچوں میں گم ہیں؟'' اس نے درانی کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''بہت پریشان ہوں فوزیہ۔'' وہ بیگم کے صبیح چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''مگر کیوں! کس بات کی پریشانی ہے؟ میں نے دیکھا ہے کہ جب سے آپ نے اس لفافے میں موجود کاغذات کا مطالعہ کیا ہے۔ تب سے آپ اپ سیٹ دکھائی دے رہے ہیں۔ آخر کیا ہے اس لفافے میں؟''

درانی نے وہ خاکی لفافہ اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔

''لو! تم بھی پڑھو۔ اور پڑھ کے مجھے بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ ہوسکتا ہے تم کسی حتمی فیصلے پر پہنچنے میں میری مدد کردو۔''

فوزیہ نے وہ لفافہ پکڑا اور کاغذات کا پلندا نکال کر پڑھنے لگی۔ جوں جوں وہ پڑھتی گئی، اس کی حالت غیر ہوتی گئی۔ دورانِ مطالعہ کئی مرتبہ اس کے حلق سے بے اختیار سسکاری سی نکل جاتی۔ درانی پاس بیٹھا، اس کے چہرے کی بدلتی ہوئی کیفیات نوٹ کرتا رہا۔

پندرہ بیس منٹ میں وہ سارا مواد پڑھ چکی تھی۔ پوری تحریر پڑھنے کے بعد اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

''اوہ مائی گاڈ! اتنا ظلم۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''کس پر؟ ساجد اور عابد پر؟'' درانی نے اس کی بات کی تصدیق چاہی۔

''نہیں! وہ اسی سزا کے مستحق تھے۔'' وہ اپنی بات پر زور دیتے ہوئے بولی۔

''میں اس لڑکی نیلم اور اس کے باپ کی بات کررہی ہوں۔''

''مگر فوزیہ! پروفیسر نے قانون کو ہاتھ میں لینے کا سنگین جرم کیا ہے۔ اس کی سزا تو اسے ہر حال میں ملنی چاہیے۔'' درانی نے تائید طلب نگاہ سے بیوی کی طرف دیکھا۔

''کون سا قانون، کہاں کا قانون، کبھی آپ نے ریپ کے کسی مجرم کو سزا ملتے ہوئے دیکھا ہے۔ کبھی مدعی کو طاقت کا رعب دکھا کر خاموش کردیا جاتا ہے تو کبھی موقع واردات پر عینی شاہدین نہ ملنے کی وجہ سے ملزمان کو باعزت بری کردیا جاتا ہے۔ میں پوچھتی ہوں۔ یہ کیسا قانون ہے اور کہاں کا انصاف ہے۔ کوئی بھی درندہ کسی عورت کی عزت لوٹتے ہوئے، اپنے پاس گواہ کیوں ٹھہرائے گا۔ یہ مذموم حرکت بھلا کیا وہ سب کے سامنے کرے گا۔ نہیں نا؟ تو پھر گواہوں کی شرط کیوں؟

''میری نظر میں پروفیسر نے جو بھی کیا۔ ٹھیک کیا۔ اگر میں اس کی جگہ ہوتی تو یہی کرتی جو اس نے کیا ہے۔''

بات مکمل کرکے وہ غصے کی شدت سے ہانپنے لگی تھی۔

درانی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ''ریلیکس

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ڈیئر۔'' فوزیہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''وعدہ کریں! آپ پروفیسر کو گرفتار نہیں کریں گے۔ وہ اپنی مظلوم بیٹی اور بیوی کا واحد سہارا ہے۔'' وہ لجاجت سے بولی۔

''اپنے فرض سے کیسے رُوگردانی کر سکتا ہوں۔'' درانی نے اپنا ہاتھ نرمی سے اس کی گرفت سے چھڑایا۔

''اس کی نیم پاگل بیٹی اور بیوی چاہے خودکشی کرلیں؟'' اس نے زہرخند لہجے میں پوچھا۔

''میں کیا کرسکتا ہوں؟ یہ سوچنا میرا کام نہیں ہے۔'' درانی نے کمزور سی آواز میں اپنا موقف دہرایا۔

''ٹھیک ہے! آپ نبھایئے اپنا فرض۔ مجھے صرف ایک بات کا جواب چاہیے۔ اگر نیلم کی جگہ عائشہ ان درندوں کی بربریت کا نشانہ بنتی۔ تب آپ کا کیا ردِعمل ہوتا؟ سوچیے گا ضرور۔''

وہ درانی کی طرف پشت کرکے لیٹ گئی۔ اس کا لرزتا ہوا وجود دیکھ کر درانی بہ آسانی اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ رو رہی ہے۔ وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر لیٹ گیا۔ آنکھیں بند کرکے سونے کی کوشش کرنے لگا مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ پھر سے اس کیس میں اُلجھنے لگا۔ کافی دیر تک ہر پہلو پر سوچ بچار کرتا رہا اور آخر ایک حتمی فیصلے پر پہنچ گیا۔ اب اس کا من ایکدم ہلکا ہوگیا۔ ذہن سے جیسے منوں بوجھ اتر گیا۔ وہ اپنے اس فیصلے سے پوری طرح مطمئن تھا۔ اب اسے بے چینی سے دن چڑھنے کا انتظار تھا۔

☆☆☆

اگلے دن سو کر اٹھا۔ نہا دھو کر یونیفارم پہنا۔ ناشتا کرتے ہوئے کن انکھیوں سے فوزیہ کا پیار بھری نظروں سے جائزہ لیتا رہا۔ مگر اس کا موڈ ہنوز برقرار تھا۔ وہ منہ پھلائے ہر بات کا مختصر جواب دیتی رہی۔ درانی پولیس اسٹیشن پہنچا۔ حاضری لگائی۔ کانسٹیبل بشیر کے حوالے دفتری معاملات کیے اور خود اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوگیا۔

پروفیسر نے پہلی بیل پر ہی دروازہ کھول دیا۔ یوں جیسے دروازے کے آس پاس ہی منڈلا رہے تھے۔

درانی کو دروازے پر کھڑا دیکھا تو مسکرانے لگے۔

''آیئے! اندر آجایئے۔ مجھے آپ کا ہی انتظار تھا۔''

درانی ان کے ساتھ اندر جا کر ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا۔ پروفیسر اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئے۔ ان کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ آنکھوں سے ویرانی جھلک رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر بہ آسانی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ پوری رات سوئے نہیں۔ چند لمحے ہاتھوں کی انگلیوں کو مروڑتے رہے پھر بولے۔

''چائے پئیں گے آپ؟ جانتا ہوں آپ کو جلدی ہے۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ مجرموں کے ساتھ بیٹھ کر چائے نہیں پیا کرتے مگر میری خواہش ہے کہ آپ کو اپنے ہاتھوں سے چائے بنا کر پلاؤں۔''

''جی کیوں نہیں! میں آپ کی یہ خواہش ضرور پوری کروں گا۔''

''میں ابھی پانچ منٹ میں چائے بنا کر لایا۔'' یہ کہہ کر وہ ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئے۔

اور درانی آنے والے لمحات کے متعلق سوچنے لگا۔

تھوڑی دیر میں ہی پروفیسر چائے کے دو کپ ٹرے میں رکھے اندر آئے۔

ٹرے درانی کے آگے رکھی۔ درانی نے ایک اٹھا لیا۔ دوسرا کپ پروفیسر پکڑے سامنے صوفے پر بیٹھ گئے۔

''اب کیسی ہے نیلم۔'' درانی نے چائے کا گھونٹ بھر کے پوچھا۔

''پہلے سے کافی بہتر ہے۔ تھوڑی بہت باتیں بھی کرنے لگی ہے۔'' پروفیسر نے جواب دیا اور پھر اچانک پوچھا۔

''آپ اکیلے آئے ہیں؟''

''ہاں۔''

''مگر کیوں؟'' پروفیسر حیران ہوئے۔

''میں نے ضرورت نہیں سمجھی کسی اور کو ساتھ لانے کی۔'' درانی نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

پروفیسر چند لمحے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر ہنسنے لگے۔

''شاید اس لیے کہ میں ایک دھان پان سا آدمی ہوں۔ میرے لیے تو آپ اکیلے ہی کافی ہیں۔ ہیں نا؟ یہی وجہ ہے نا آپ کے اکیلا آنے کی۔''

''شاید یہی وجہ ہو۔'' درانی مسکرایا۔

''اور ویسے بھی میں نے تو خود آپ کو بلایا ہے۔ میں بھلا کہاں بھاگ سکتا ہوں؟''

درانی نے چائے کا خالی کپ میز پر رکھا۔

''میں ایک دفعہ اپنی بیٹی اور بیوی سے مل لوں۔ پھر چلتے ہیں۔'' انہوں نے گھر کے اندرونی دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔

Pakistanipoint
www.pakistanipoint.com

''ٹھہریئے! میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔ مجھے بھی نیلم سے ملنا ہے۔''

پروفیسر چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''آپ یہاں بیٹھیے! میں نیلم کو لے کر یہاں آتا ہوں۔''

''اوکے۔'' درانی پھر سے بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد نیلم اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ وہ ایک خوبصورت اور معصوم صورت لڑکی تھی۔

''کیسی ہو نیلم؟'' درانی نے پیار سے پکارا تو وہ سہمی سہمی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''جواب دو بیٹا انکل کو۔'' پروفیسر نے شفقت سے پچکارا۔

''میں اچھی ہوں انکل۔'' اس نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

''ہاں بیٹا! تم بہت اچھی ہو۔ مقدس مریم کی طرح پاک اور سورج کی روپہلی کرنوں کی طرح اجلی۔ میری بھی ایک بیٹی ہے بالکل تمہارے جیسی۔ ملنا چاہو گی اُس سے۔''

اس نے گھنیری پلکیں اٹھا کر درانی کی طرف دیکھا اور پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''لو بھئی پروفیسر! اب میں بھی چلتا ہوں۔ کافی دیر ہو گئی مجھے یہاں آئے ہوئے۔''

''مگر.....'' پروفیسر کھڑے ہو گئے۔

درانی نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''میں یہاں صرف نیلم سے ملنے آیا تھا اور مجھے کوئی کام نہیں تھا۔''

''تو کیا... آپ مجھے گرفتار نہیں کریں گے؟''

''تمہیں گرفتار کروں گا؟ مگر کس جرم میں؟'' درانی نے مصنوعی حیرت چہرے پر سجالی۔

''ساجد اور عابد کے قتل کے جرم میں۔ آپ تو ساری حقیقت جان چکے ہیں..... تو پھر؟''

''ان دونوں کے قاتل گرفتار ہو چکے ہیں۔ راجو راکٹ اور اس کے دو ساتھیوں نے مل کر ان دونوں بھائیوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اور وہ تینوں اقبالِ جرم کر کے جیل بھی جا چکے ہیں۔ لہٰذا یہ کیس اب ختم ہو گیا۔''

درانی کی بات سن کر پروفیسر چند لمحات تک بے یقینی سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ اور پھر باقاعدہ رونے لگے۔

''آپ روتے ہوئے بالکل اچھے نہیں لگ رہے۔ نیلم سے پوچھ لیں۔ کیوں نیلم بیٹا؟'' نیلم، درانی کی بات سن کر مسکرانے لگی۔

نیلم کو مسکراتا دیکھ کر پروفیسر بھی مسکرانے لگے۔

''سمجھ میں نہیں آ رہا انسپکٹر! تمہارا شکریہ کیسے ادا کروں۔ آج مدت بعد نیلم کے ہونٹوں کو مسکراتے دیکھا اور اس مسکراہٹ کی وجہ تم ہو۔'' پروفیسر نے درانی کا ہاتھ پکڑ کر چوم لیا۔

درانی وہاں سے نکلا تو ایک سرشاری سی جسم و جاں پر طاری تھی۔

☆☆☆

انسپکٹر نواز درانی پولیس اسٹیشن میں داخل ہوا تو صورت سے ہی خوش اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔

''کیا بات ہے سر جی! آج کل آپ کی سرگرمیاں بڑی مشکوک سی دکھائی دے رہی ہیں۔''

نواز درانی اپنی کرسی پر بیٹھا تو کانسٹیبل بشیر نے شکوک بھری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔

''کیوں بھئی! میں نے ایسا کیا کر دیا۔ جو مجھ سے یوں بدظن ہو رہے ہو؟'' درانی نے خوشدلی سے جواب دیا۔

''دیکھئے نا! آپ چپ چپاتے، بغیر کسی کو کچھ بتائے تھانے سے باہر نکل جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ مجھے.... بھی کچھ نہیں بتاتے۔'' بشیر نے شکایتوں کا باقاعدہ رجسٹر کھول لیا۔

''یار اسی کیس کی انویسٹی گیشن کر رہا ہوں۔'' درانی نے دونوں کہنیاں اپنے آگے رکھی میز پر ٹکا دیں اور نگاہیں سامنے بیٹھے ہوئے بشیر پر ٹکا دیں۔

''تو پھر کس نتیجے پر پہنچے سر جی؟'' وہ متجسس انداز میں درانی کی طرف دیکھنے لگا۔

''تم ٹھیک کہتے تھے بشیر! میرا شک بے بنیاد تھا۔''

''کیا مطلب سر جی! میں سمجھا نہیں۔''

''مطلب یہ کہ میں نے ہر طرح کی تحقیقات کر لی ہیں۔ ہر پہلو پر غور کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ پروفیسر شریف کا ساجد اور عابد کے قتل سے کچھ لینا دینا نہیں۔''

''میرے اندازے کبھی غلط نہیں ہوا کرتے سر جی! ایسے معاملات پر بڑی گہری نظر رکھتا ہوں۔ وہ بچوں کو پڑھانے والا ایک شریف اور سیدھا سادہ ماسٹر، اس نے تو اپنی زندگی میں کبھی مکھی بھی نہیں ماری ہو گی۔'' وہ ہنسا تو درانی بھی اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

❖❖❖

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com